مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ

فتنہ قادیانیت کے خلاف علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی
کی تاریخ ساز جدوجہد پر مشتمل تحقیقی دستاویز

تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

تا

علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب و تحقیق
محمد احمد ترازی

نام کتاب: تحریک تحفظ ختم نبوت سیدنا صدیق اکبرؓ تا علامہ شاہ احمد نورانی

ترتیب و تحقیق: محمد احمد ترازی

کمپوزنگ: ابواسامہ

اشاعت: اپریل 2009ء

تعداد: 1000

قیمت: -/400

پبلشرز

اُفق پبلی کیشنز

B/77 سیکٹر 35A، گلشن حالی، زمان ٹاؤن، کورنگی نمبر 4، کراچی

e-mail: ufaqkarachi@gmail.com

حسنِ ترتیب

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
انتساب		5
تلاش حقیقت (حضرت علامہ مفتی جمیل احمد نعیمی ضیائی)		23
پیش گفتار (پروفیسر سیّد شاہ فرید الحق صاحب)		35
حرفِ تحسین (حضرت علامہ مفتی منیب الرحمن صاحب)		37
حدیث دل (عرض مؤلف)		41
باب اول: عقیدہ ختم نبوت قرآن وحدیث اور آثار صحابہ وتابعین کی روشنی میں		49
☆	عقیدہ ختم نبوت قرآن مجید کی روشنی میں	54
☆	آئمہ لغت کے نزدیک خاتم کا معنی	54
☆	آئمہ تفسیر کے نزدیک خاتم النبیین کا معنی	55
☆	اکابرین اُمت کے نزدیک خاتم النبیین کا معنی	56
☆	بعثت مصطفی ﷺ اکمال نعمت اور تکمیل دین ہے	58
☆	اب قیامت تک نیابت محمدی ﷺ کا سلسلہ چلے گا	59
☆	حضور ﷺ کی نبوت ورسالت قیامت تک کے انسانوں کیلئے ہے	61
☆	عقیدہ ختم نبوت احادیث مبارکہ کی روشنی میں	63
☆	عقیدہ ختم نبوت اور آثار صحابہ وتابعین	66
☆	عقیدہ ختم نبوت اور علمائے اُمت	67
باب دوئم: عقیدہ ختم نبوت کی ضرورت واہمیت		71
☆	عقیدہ ختم نبوت کی ضرورت واہمیت	73
☆	اجماع کی شرعی حیثیت اور مقام	75
☆	سب سے پہلا اجماع اُمت	77

فتنہ قادیانیت کے خلاف علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی
کی تاریخ ساز جدوجہد پر مشتمل تحقیقی دستاویز

تحریکِ تحفظ ختم نبوت

سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

تا

علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی

ترتیب و تحقیق:
محمد احمد ترازی

بسم الله الرحمن الرحيم

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان، رحم والا

بلغ العلیٰ بکمالہ

کشف الدجیٰ بجمالہ

حسنت جمیع خصالہ

صلوا علیہ وآلہ

پس خدا بر ما شریعت ختم کرد
بر رسول ما رسالت ختم کرد

رونق از ما محفل ایام را
او رسل را ختم و ما اقوام را

انتساب

سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

سے

علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی

تک

تمام فدایانِ ختم نبوت کے نام

جن کی جہدِ مسلسل اور قربانیوں کے نتیجے میں

تحریک اِرتداد ختم نبوت

اپنے منطقی انجام تک پہنچی

اور

7 ستمبر 1974ء کو

پاکستان کی قومی اسمبلی نے

متفقہ طور پر

مرزا غلام احمد قادیانی اور اُس کی ذرّیت کو

غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔



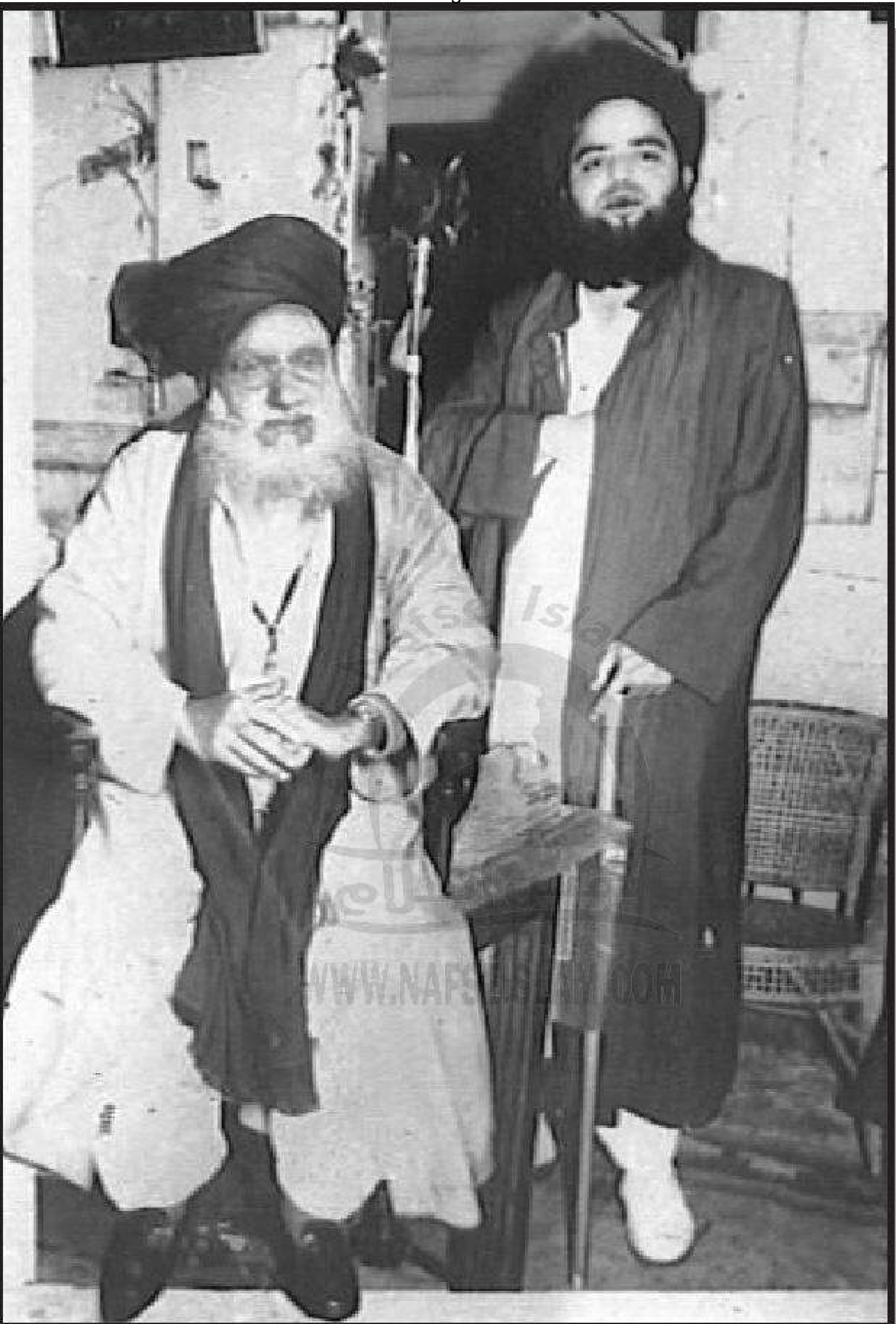
ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیے ہیں اندازِ خسروانہ



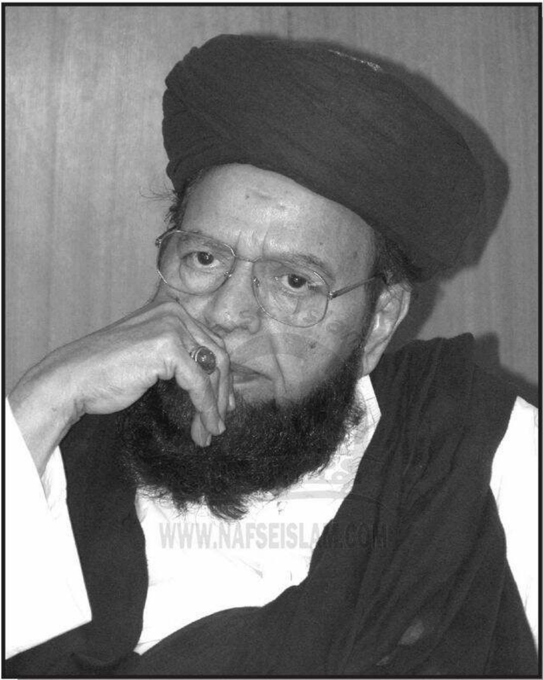
علامہ شاہ احمد نورانی متحدہ مجلس عمل کے ایک جلسے کے دوران خوشگوار موڈ میں



علامہ شاہ احمد نورانی متحدہ مجلس عمل کے قائدین کے ہمراہ اظہار یکجہتی کرتے ہوئے



خیال وفکر کی سچائیاں بھی شامل ہیں
میرے لہو میں میرے شجرہ نسب کی طرح



تجھے معلوم بھی ہے کچھ کہ صدیوں کے تفکر سے
کلیجہ پھونک کر کرتی ہے فطرت اک بشر پیدا



علامہ شاہ احمد نورانی کی 1973ء کے آئین کی منظوری کے بعد اراکین اسمبلی کے ساتھ



علامہ شاہ احمد نورانی اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل پیریز ڈیکوائر اور دیگر عالمی رہنماؤں کے ساتھ

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی



باب : اوّل

عقیدہ ختم نبوت قرآن وحدیث
اور
آثار صحابہ و تابعین کی روشنی میں

انا خاتم النبيين لا نبی بعدی



باب: دوم

عقیدہ ختم نبوت کی ضرورت واہمیت

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی



باب : سوم

جھوٹے مدعیانِ نبوت

عہدِ رسالت سے دورِ حاضر تک

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی



باب : چھارم

فتنہ قادیانیت کا آغاز

اور

پس منظر

(اسباب، محرکات اور اغراض و مقاصد)

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی



باب : پنجم

مرزا قادیانی کا تعارف
اور
عقائدِ باطلہ

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی



باب : ششم

سازشوں کی کہانی۔1

تحریکِ پاکستان
اور قادیانی سازشیں

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی



باب : ھفتم

سازشوں کی کہانی۔2

قیام پاکستان کے بعد قادیانی سازشیں

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی



باب : ہشتم

قادیانیت کے خلاف علماء و مشائخِ اہلسنّت
کا
عملی، علمی اور قلمی جہاد

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی



باب : نہم

تحریک ختم نبوت 1953ء میں
علماء و مشائخ اہلسنّت اور
علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی



باب: دھم

تحریک ختم نبوت 1974ء کے
سپہ سالار اعلیٰ فاتح قادیانیت
علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی



(۱) ''قرارداد پیش ہونے سے قبل''

سانحہ ربوہ

29 مئی 1974ء سے 29 جون 1974ء تک کے

حالات وواقعات

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی



(۲) ''قرارداد پیش ہونے کے بعد''

تحریکِ ختمِ نبوت کا فیصلہ کن دور

30، جون 1974ء سے 7، ستمبر 1974ء

قرارداد کے منظور ہونے تک حالات وواقعات

تلاش حقیقت

حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی حسن صورت اور جمال سیرت کے اعتبار سے اس قدر جامع و مکمل ہے کہ اَزل سے لے کر اَبد تک تمام شخصی و تہذیبی محاسن و کمالات ایک جگہ جمع کر بھی دیئے جائیں تو بھی اُن کا موازنہ کسی طور بھی محبوبِ خدا ﷺ کی جامع الصفات شخصیت کی ہمہ جہتی فضیلت کے ساتھ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ آپ کے ذاتی اور صفاتی نام اسی اَمر پر دلالت کرتے ہیں، اسم گرامی محمد ﷺ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اِس کائنات میں آپ سے بڑھ کر کسی اور شخصیت کی تعریف و مدحت ممکن ہی نہیں ہے، جبکہ اسم گرامی احمد کے صفاتی نام سے پکارنے کا مطلب ہے کہ آپ سے زیادہ کوئی اور ہستی کائنات میں اپنے خالق کی تعریف و توصیف کا حق ادا نہیں کرسکتی۔ ایک مسلمان جب عشق و محبت کو اپنا رہنما تسلیم کرکے اپنے آقا و مولا علیہ السلام کی عظمتوں کا تصور کرتا ہے تو ورطۂ حیرت میں کھوجاتا ہے کہ ہمارا نبی کس قدر ارفع و اعلیٰ ہے، کس قدر بلند مرتبہ اور عالی نسب ہے، کس قدر فضیلت مآب ہے، کس قدر مکرم اور اکرم ہے، کس قدر رحمت شعار اور ہر عالم کیلئے وجہ افتخار ہے، کس درجہ مظہر الطاف کردگار ہے کہ فکر انسانی عاجز ہوکر اسی پر اکتفا کرتی ہے کہ

لا یمکن الثنا کما کان حقہ‘

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

ایسا کوئی محبوب ہوگا نہ کہیں ہے

حقیقت یہ ہے کہ محبوب جس قدر بے مثال اور بے نظیر ہوگا اُس کے چاہنے والوں کے

دلوں میں محبت کا جذبہ بھی اُسی قدر تیز اور سر بلند ہوگا اور جب اُس محبوب کی شخصیت اور احترام کے روشن نقوش محب صادق کے قلب و جاں میں نقش ہو جائیں تو پھر یہ چاہت اپنی انتہائی بلندیوں کو چھوتے ہوئے عشق سرمدی کا روپ اختیار دھار لیتی ہے، جس کی بدولت محبوب کی ناموس اور اُن کے مقام و مرتبہ پر تصدق ہو جانا ایک فطری تقاضہ تصور کیا جاتا ہے۔آپ چونکہ محبوبِ خدا، محبوب خلائق اور جامع الخصائل بھی ہیں، اسلیے آپ کے جمال جہاں آراء کو جس نے دیکھا، دیکھتا ہی رہ گیا، آپ کی کمال سیرت کو جس نے ایک بار دل میں بسالیا وہ پھر ہمیشہ کیلئے آپ کے در کا ہو کر رہ گیا، آپ کی حیثیت اُس شمعٔ لازوال کی ہے جس کی تب و تاب میں جملہ انبیاء و رسل کے محامد و محاسن موجود ہیں، پروانے شمع کی ایک جھلک دیکھ کر قربانی وایثار کے نام پر ایک لمحے کیلئے بھی جھجک کا شکار نہیں ہوتے بلکہ اُس کے حسنِ جہاں افروز پر قربان ہونے کو ہی اپنی سب سے بڑی کامرانی تصور کرتے ہیں۔گویا حضور اکرم ﷺ شمعٔ انوار توحید کی صورت میں جلوہ گری سے جاں نثاریوں اور فدا کاریوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوتا ہے، یہ سلسلہ صحابہ کرام کے دورِ سعید سے آج تک جاری ہے اور انشاء اللہ آپ کی ناموس پر پروانہ وار نثار ہونے کا یہ جذبہ اہل ایمان کے دلوں کی دھڑکن بن کر کائنات کی آخری ساعتوں تک جاری و ساری رہے گا۔

تحفظِ ناموسِ رسالت ﷺ کی اصل روح

ختمی مرتبت حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ"تم میں کوئی اُس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اُسے اولاد، ماں باپ حتیٰ کے اُس کی اپنی جان سے عزیز تر نہ ہو جاؤں" یہ حدیث مبارکہ تحفظِ ناموسِ رسالت کی اصل روح اور بنیاد ہے اور اس کی ہی وجہ سے ہر صاحب ایمان اپنے آقا و مولا حضرت محمد مصطفی ﷺ کی عزت و توقیر پر فدا ہونا اپنے ایمان کا لازمی جز سمجھتا ہے کیونکہ یہی تعلیمات قرآنی کی تاثیر اور احکام ربانی کی عملی تفسیر ہے۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

آپ کی ذات مبارکہ میں جملہ انبیاء و مرسلین کے تمام کمالات نبوت و رسالت نہ صرف

جمع کر دیئے گئے بلکہ آپ کو انبیاء سابقین کے جملہ کمالات و معجزات کا جامع بنانے کے ساتھ ساتھ بے شمار ایسے کمالات و معجزات و اعزازات بھی عطا کئے گئے جو آپ سے پہلے کسی کے حصے میں نہیں آئے اور جو صرف آپ کی ذات مبارکہ کیلئے خاص ہیں، اس مقام پر اِن میں سے دو صفاتِ خاصہ کا تذکرہ بہت ضروری ہے۔

آپ کی پہلی صفت خاص جو آپ سے پہلے کسی نبی کے حصے میں نہیں آئی، وہ صفت آپ کا "رحمۃ اللعالمین" ہونا ہے۔ اللہ ﷻ نے آپ کو کائنات میں سراپا رحمت بنا کر بھیجا اور آپ کی یہ صفت رحمت کائنات کے ہر عالم کیلئے ہے، خواہ وہ فرشتوں کا عالم ہو یا جنات کا عالم ہو، حیوانات و نباتات اور جمادات کا عالم ہو یا انسانوں کا عالم ہو۔ آپ ہر ہر عالم کیلئے رحمت ہیں۔ شارح صحیح مسلم و مفسر قرآن علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ العالی سورۂ انبیاء کی تفسیر میں لکھتے کہ "اللہ تعالیٰ ربّ العلمین ہے اور آپ رحمۃ اللعلمین ہیں۔ جس جس چیز کیلئے اللہ کی ربوبیت ہے، اُس اُس چیز کیلئے آپ رحمت ہیں۔" حضور اکرم ﷺ کی دوسری صفت خاص آپ کا "خاتم النبیین" ہونا ہے، ہر چند کہ اللہ ﷻ نے آپ کو خلقاً اوّل الانبیاء بنایا مگر بعثاً آپ "خاتم الانبیاءؑ" قرار دیئے گئے اور باری تعالیٰ نے آپ کو ساری کائنات بلکہ ہر زمان و مکان کیلئے دائمی و ابدی نبوت و رسالت کے شاہکار کے طور پر مبعوث فرمایا، گویا آپ کی آمد سے نظام نبوت کے بپا کئے جانے کا نہ صرف مقصد پورا ہو گیا بلکہ بابِ رسالت کو کسی بھی قسم کی نئی بعثت کیلئے بند کر کے آپ کی ختم نبوت کا دائمی اعلان فرما دیا گیا۔ یہی وہ بنیادی وجہ ہے کہ ایک صاحبِ ایمان کائنات کی اِس عظیم ہستی کی عزت و ناموس اور ذات و مقام کے تحفظ کیلئے جان لڑا دیتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہی وہ کام ہے جو خدا کو بھی عزیز ہے اور مخلوق خدا کو بھی، جو افضل الخلائق بھی ہے اور "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" کا مصداق بھی ہے، چنانچہ ایسی عدیم النظیر ہستی پر اپنی تمام متاع حیات لٹا کر بھی ایک مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ اُس نے بہت سستا سودا کیا ہے، کیونکہ جس زندگی کو وہ قربان کر رہا ہے، وہ خدا کی دی ہوئی امانت ہے جبکہ اُسے اِس فدا کاری کے بدلے میں جو اعزاز و انعامات عطا ہو رہے ہیں، وہ ایک جان تو کیا ہزاروں زندگیوں کی مجموعی قدر و قیمت سے بھی کہیں زیادہ افضل و سر بلند ہیں۔

سرکار آپ ﷺ ہیں تو سب کچھ ہے

ہماری اسلامی تاریخ میں تحفظِ ناموس رسالت اور تحفظ مقام مصطفی ﷺ کے حوالے سے بے شمار واقعات کی کہکشاں موجود ہے، اُن عشاق رسول کے واقعات اور تحفظ مقام مصطفی ﷺ کے نام پر قربانیوں کی داستان کو ترتیب دینا اسلیئے آسان کام نہیں کہ یہ ایمان اُفروز داستانیں چودہ صدیوں کے افق پر اِس تواتر سے بکھری ہوئی ہیں کہ اُن کو سمیٹنا ممکن نہیں، لیکن اس مقام پر ایک واقعے کا تذکرہ بہت ضروری ہے، جس نے قیامت تک کیلئے فدایانِ ختم نبوت کو محبوب خدا خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفی ﷺ کی ذات مبارکہ کی عزت وحرمت کی حفاظت کیلئے قربانیوں کا ایک نیا لائحہ عمل دیا ہے، اِس اہم اور لازوال واقعہ کا کردار مدینۃ النبی کی وہ بلند ہمت اور سعید قسمت خاتون ہے جو آج بھی اسلامی تاریخ کے صفحات میں زندہ وجاوید ہے اور جس نے اپنی بے مثال محبت رسول کی بدولت تحریک تحفظِ ناموس رسالت ﷺ کو ایک نیا عنوان عطا کیا ہے، بقول شاعر

جگر راہِ وفا میں نقش ایسے چھوڑ آیا ہوں\
کہ دنیا دیکھتی ہے اور مجھ کو یاد کرتی ہے

اسلامی تاریخ کی یہ سعید قسمت اور بلند ہمت خاتون "اُم سعد" ہے جو اس غزوہ اُحد میں اپنے آقا و مولا حضرت محمد مصطفی ﷺ کی شہادت کی افواہ سن کر مدینہ منورہ سے روتی ہوئی چلی تھی، راستے میں اُسے لوگ ملتے گئے، کسی نے کہا کہ تمہارا باپ شہید ہوگیا ہے، کسی نے کہا تمہارا خاوند شہید ہوگیا ہے، کسی نے اُسے راستے میں بھائی کی شہادت کی خبر دی، تو کسی نے اُسے بیٹوں کی شہادت کے بارے میں بتایا لیکن آفرین ہے اُس عظیم المرتبت خاتون پر کہ اُس نے ہر شہادت کی خبر پر الحمدُ للہ.... الحمدُ للہ کا نعرہ بلند کیا اور کہا یہ میرے لیے خوشی کا مقام ہے کہ میرے خاندان کا ہر فرد تحفظ ناموس رسالت ﷺ پر قربان ہوگیا.... مگر اُے بتانے والے.... میں نے تم سے اِن کے بارے میں پوچھا ہی کب تھا..... میرا تو فقط تم سے ایک ہی سوال ہے کہ تم مجھے یہ بتاؤ کہ میرے آقا و مولا خاتم النبیین، رحمۃ اللعالمین ﷺ کیسے ہیں.... مجھے تو صرف جانِ کائنات کی خیریت مطلوب ہے جبکہ تم مجھے میرے اہل خانہ کی خبر دے رہے ہو..... اور جب اُسے اپنے

آقا و مولا ﷺ کا رُخ انور نظر آتا ہے تو اُسے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے رنج والم کے تمام بادل چھٹ گئے ہوں، مصائب و آلام کا خاتمہ ہو گیا ہو اور جیسے یکلخت اُس کی بے چین روح کو قرار آ گیا ہو، آپ ﷺ کو دیکھ کر اُس نے اللہ کا شکر ادا کیا اور کہا ''سرکار آپ ہیں تو سب کچھ ہے۔''

رب کعبہ کی قسم دھر میں کچھ بھی نہ بچے
آپ ﷺ کی ذات گرامی کو جو منہا کر دیں

روشنی کا یہ سفر جاری ہے

ماضی سے حال اور حال سے مستقبل کی جانب روشنی کا یہ سفر جاری ہے، جب بھی اور جہاں بھی گستاخانِ رسول اور منکرین عقیدہ ختم نبوت قصر رسالت میں نقب لگانے کی کوشش کرتے ہیں، فوراً ہی وقت کی بساط پر فدایانِ ختم نبوت اپنی جانوں کے نذرانے لے کر ذات مصطفی ﷺ کی عظمت و شان اور عزت و توقیر کیلئے سامنے آجاتے ہیں اور تحفظ ناموس رسالت کا پرچم بلند کرتے ہیں، تاریخ گواہ ہے کہ طاغوتی طاقتوں کا ہر حربہ ہمیشہ اِس پرچم کو سرنگوں کرنے میں ناکام رہا، خلیفہ اوّل سیّدنا صدیق اکبر ﷺ سے لے کر پہ سالار تحریک ختم نبوت 1974ء حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی رحمتہ اللہ علیہ تک وقت کی بساط پر فدایانِ ختم نبوت کی ایک طویل فہرست موجود ہے، جو ہر دور میں دل و جان کے نذرانے لیے تحفظِ ناموسِ رسالت کیلئے سربکف موجود رہے اور یہ سلسلہ دورِ اوّل سے تا حال جاری ہے اور ہمیشہ جاری رہے گا۔

عزت پہ تیری حرمت پہ تیری کٹنے کیلئے تیار ہیں ہم

برصغیر پاک و ہند میں برطانوی سامراج نے اگرچہ اپنی طاقت اور سازشوں کے ذریعہ 1857ء کی جنگ آزادی تو جیت لی، مگر وہ اِس حقیقت سے اچھی طرح آگاہ ہو چکا تھا کہ اُس کے مظالم مسلمانوں کو تو کچل سکتے ہیں، مگر اُن کے باطن میں پوشیدہ روح اسلام یعنی ''محبت رسول ﷺ'' کو نہیں مٹا سکتے، انگریز سامراج اِس جنگ کے دوران مولانا کفایت علی کافی، مولانا غلام امام شہید، مولانا فضل حق خیر آبادی، مولانا عنایت اللہ کاکوری، مفتی صدر الدین آزردہ، مولانا احمد اللہ مدراسی اور جنرل بخت خان رحمہم اللہ تعالیٰ کی صورت میں شمع رسالت کے

پروانوں کی فدا کاری کا لافانی جذبہ دیکھ چکا تھا۔ اُس نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ

وہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
رُوحِ محمد ﷺ اس کے بدن سے نکال دو

کیونکہ یہی وہ روحِ محمد ﷺ ہے، جسے ہم تحفظ ناموسِ رسالت ﷺ کا دوسرا نام قرار دیتے ہیں، انگریز نے اسی روحِ محمد ﷺ کے خاتمے کیلئے تہذیب وتمدن کے کتنے ہی جال بچھائے، حرص و طمع اور مصلحت اندیشی کے سبق پڑھائے اور اِس کام میں ہندو بنیے نے برطانوی سامراج کا پورا پورا ساتھ دیا، ہر دو باطل کی ایک ہی تمنا تھی کہ مسلمان اپنے ماضی سے دست بردار ہو کر ہندو قومیت سے رشتہ استوار کرلیں، مگر یہاں شیخ احمد سرہندی حضرت مجدد الف ثانی، حضرت سیّدنا پیر مہر علی شاہ صاحب، امام اہلسنّت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی، اور حکیم اُمت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کی تعلیمات دلوں کو اسلامی تشخص سے بہرہ ور کررہی تھیں، گوکہ مسلمانوں پر یہ انتہائی کٹھن وقت تھا، ایک طرف برطانوی استعمار کی قہر سامانیاں تھیں تو دوسری طرف ہندو سامراج کی ازلی اسلام دشمنی اور ان سب کے ساتھ قوم پرست علماء دیوبند کا نظریہ وطنیت اور اُس پر مستزاد مرزا قادیان کی خانہ ساز نبوت، کہ کلمہ حق کہنے پر زبان کٹتی تھی، غلامانِ مصطفی ﷺ پر عرصہ حیات تنگ تھا، اِن سب اسلام دشمن قوتوں کا ایک ہی مقصد تھا کہ اسلامیانِ ہند کے باطن سے اُس جذبے کو کھرچ، کھرچ کر ختم کر دیا جائے جو ناموسِ رسالت پر اور ذاتِ مصطفی ﷺ کے حوالے سے معمولی سے معمولی حرف بھی برداشت نہیں کر سکتا، دشمن جانتا تھا کہ یہ جب میدانِ وفا میں آگے بڑھتا ہے، تو قلت و کثرت اور نتائج وانجام سے بے نیاز ہو کر فقط محبتِ رسول اور ناموسِ مصطفی ﷺ ہی کو مقدم جانتا ہے۔

محبت خوب ہے غیرت مگر اس سے فزوں تر ہے

اسی جذبہ محبت رسول کو ختم کرنے کیلئے انگریز اور ہندو بنیے نے وقت کے سمندر میں کتنے ہی پتھر پھینکے، مگر وہ مسلمانوں کے جذبہ عشق رسول کو ختم نہ کرسکے، مختلف ادوار میں غیرتِ اسلامی سے بہرہ مند اصحابِ ایمان آگے ہی بڑھتے رہے اور ہر گستاخ رسول، منکرین عقیدہ ختم

نبوت کو عبرت ناک انجام تک پہنچاتے رہے، ملتِ اسلامیہ کے شیر غازی علم دین شہید، غازی مرید حسین ، غازی عبدالرشید، غازی عبدالقیوم، غازی عبد اللہ، غازی منظور حسین ، غازی محمد صدیق، غازی عبدالمنان، غازی میاں محمد، غازی احمد دین، غازی معراج الدین، غازی فاروق، غازی حاجی محمد مانک جیسے مجاہدوں کے ہاتھوں راجپال، سوامی شردھانند، نتھورام، چنچل سنگھ، کھیم چند، پالال، بھیشو، چرن داس ، ویدا سنگھ، ہر دیال سنگھ، نعمت احمر قادیانی، عبدالحق قادیانی جیسے مرتد واصل جہنم ہوتے رہے، اِن عظیم عاشقان رسول نے صحابہ کرام اور قرونِ اولیٰ کے فنا فی الرسول مجاہدین کی راہ پر چلتے ہوئے یہ ثابت کردیا کہ ہم نے گلے میں غلامی کے طوق ، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں ہونے کے باوجود اپنے آقا ﷺ سے بے وفائی نہیں کی اور اِس کسمپرسی کے عالم میں بھی ہم آپ سے شرمندہ نہیں ہیں۔

تحریک تحفظِ ناموسِ رسالت سے تحریک تحفظ ختم نبوت تک

حقیقت یہ ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں برطانوی استعماریت سے قبل مغل شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر کے سیکولر دور میں بھی شاتم رسول کو سزائے موت دیجاتی تھی، لیکن جب برصغیر میں سازشوں کے ذریعے انگریز کا مکمل قبضہ ہوگیا تو انہوں نے توہین رسالت کے اِس قانون کو یکسر موقوف کردیا، انگریز حکومت کی شہہ پر جب ہندوؤں ، آریہ سماجیوں اور مہا سبھائیوں نے مسلمانوں کی دل آزاری کرتے ہوئے پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفی ﷺ کی ذات گرامی پر حملے شروع کردیئے تو مسلمانوں نے شاتمان رسول کو قتل کر کے اقرار جرم کرتے ہوئے دارورسن کی روایت کو ازسرِ نو زندہ کیا۔

انگریز نے برصغیر میں قادیانیت کی بنیاد اپنے ایک قدیم وفادار خاندان کے چشم و چراغ مرزا غلام مرتضیٰ کے بیٹے مرزا غلام احمد قادیانی (جو مشرقی پنجاب کے ضلع گورداسپور کی تحصیل بٹالہ کے ایک گاؤں قادیان میں پیدا ہوا) کے ہاتھوں رکھی، مرزا قادیانی عربی اور فارسی کی چند کتب پڑھ کر ''نیم حکیم خطرہ جاں نیم مُلا خطرہ ایماں'' کا عظیم ترین مصداق ثابت ہوا اور اُس نے بتدریج ملہم، محدث، مامور من اللہ، مہدی مثیل، مثیل مسیح، مسیح ابن مریم، نبی، حامل صفات عزّ و جل اور

اس کے علاوہ لاتعداد اور متضاد دعوے 1883ء سے لے کر 26، مئی 1908ء تک کئے۔

مرزا قادیانی سے قبل تاریخ اسلام میں ایسے کئی طالع آزما پیدا ہوئے، جنھوں نے جھوٹا دعویٰ نبوت کیا، لیکن فدایانِ ختم نبوت نے انہیں اُسی وقت کیفرِ کردار تک پہنچا دیا اور کسی کو بھی عقیدہ ختم نبوت اور ناموس رسالت کے خلاف سر اٹھانے کی اجازت نہیں دی، یہ تو انگریز سامراج کی مہربانی تھی کہ اُس نے اپنی ایک سوچی سمجھی اسکیم کو بروئے کار لانے کیلئے مرزا قادیانی کا انتخاب کیا اور ہر طرح سے اُس کی نشوونما اور آبیاری کے اسباب فراہم کئے، مرزا پر انگریز کی اس عنایت خسروانہ کا اصل مقصد برصغیر میں اپنے اقتدار کی مضبوطی کیلئے مسلمانوں کی فکری وحدت کو پارہ پارہ کرنا اور اُن میں جذبہ جہاد کا خاتمہ تھا۔

یہ وہی انگریز سامراج تھا، جس نے برصغیر میں اسلامی اقتدار کا چراغ گل کیا، مسلمانوں کی ثقافتی اور تہذیبی قدروں کو بے رحمی سے پامال کیا، اُن کے مدارس اور علمی ادارے مقفل کر دیئے، مساجد کو اصطبلوں میں تبدیل کر دیا، لاکھوں بے گناہ مسلمانوں کا خون بہایا اور اُس نے اِسی پر بس نہیں کیا، بلکہ برصغیر میں حریت پسند قابل فخر علماء وفقہا، صلحاء واتقیاء کو درختوں کے تنوں سے باندھ کر گولی سے اڑا دیا، جس انگریز کے ناپاک ہاتھوں ملت اسلامیہ کی ردائے ناموس تار تار ہوئی، مرزا قادیانی نے اُسی انگریز کی چاپلوسی، خیر خواہی اور اُمت کو انگریز کی ابدی غلامی کیلئے تیار کرنے میں ساری عمر لگا دی اور وہ عمر بھر ملت اسلامیہ کے اتحاد کو پارہ پارہ کر کے اُسے اپنے انگریز محسنوں کے قدموں پر لا ڈالنے کیلئے سرگرداں رہا، مرزا قادیان نے اِسی پر بس نہیں کیا بلکہ ختم نبوت کے اساسی عقیدے میں بھی نقب لگانے کی ناپاک کوشش بھی کی، انسانی تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ کسی بھی قوم کے خیر اندیش نے انہیں اپنے جذباتِ حریت کچل دینے اور اپنے اجنبی آقا (انگریز) کے قدموں کو چاٹتے رہنے کی صلاح دی ہو، برصغیر پاک وہند میں یہ طرہ امتیاز مرزا قادیانی اور اُن وطنیت پرست علماء کو جاتا ہے، جو مسلم قومیت کی بنیاد پر چلائی جانے والی تحریک پاکستان کو نقصان پہنچانے کیلئے اپنے بیرونی آقاؤں کی ایما پر قوم کی شناخت وبنیاد باطل فلسفہ "وطنیت" کو قرار دے رہے تھے۔

تلاش حقیقت

دیوبندی اور احراری مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والوں نے یہ کہہ کر کہ "مرزا قادیانی کی مذہبی چھیڑ چھاڑ سے پہلے ہندوستان کے اکثر غیر مسلم دانشور، لیڈر، مذہبی اسکالر اور شعراء حضور ﷺ کی مدح سرائی میں کسی سے کم نہ تھے، لیکن مرزا نے 1879ء میں ہندؤوں کے خلاف لکھنا اور بولنا شروع کیا اور غلیظ تر الفاظ استعمال کر کے اسلام اور بانیٔ اسلام ﷺ کے خلاف دریدہ دہنی کا سامان پیدا کیا، ہندؤوں کو حضور اکرم ﷺ کی شان مقدسہ میں گستاخی کرنے اور اشتعال انگیز تحریروں اور تقریروں پر اکسانے والا مرزا قادیان تھا۔"

(تحریک ختم نبوت، آغا شورش کاشمیری، ص 24، ماہنامہ نعت لاہور، ج 4 شمارہ 2 ص 32، بحوالہ شہیدان ناموس رسالت)

برصغیر پاک و ہند میں مرزا قادیان کو اس فتنے کا مہا گرو قرار دینے کی کوشش اصلیٔ کی کہ وہ مرزا قادیان کو اس راستے پر لیجانے والے اُس "اصل مصدر و منبع" کو چھپانا چاہتے تھے، جس کے تانے بانے خود اُن کے اپنے گھر کا پتہ دیتے ہیں، ہم اگر آج اُن کی یہ بات درست مان بھی لیں تو بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ برصغیر پاک و ہند میں فرقہ بازی اور شان رسالت والوہیت میں گستاخی کی سنگ بنیاد مولوی اسماعیل دہلوی نے اپنی رسوائے زمانہ کتاب "تقویۃ الایمان" کے ذریعے رکھی تھی، درحقیقت مولوی اسماعیل دہلوی ہی وہ پہلا شخص تھا جس نے انگریز کی ایماء پر برصغیر کے مسلمانوں کو مذہبی اضطراب میں مبتلا کر کے ذات رسالت مآب ﷺ سے اُن کی جذباتی وابستگی کو کمزور کرنے کی اِس سازش کی ابتدا کی، جس کے تانے بانے "تقویۃ الایمان، صراط مستقیم، (مولوی اسماعیل دہلوی) تحذیر الناس (مولوی قاسم نانوتوی)، حفظ الایمان (مولوی اشرف علی تھانوی)، براہین قاطعہ (خلیل احمد انبیٹھوی)، اور فتاویٰ رشیدیہ (رشید احمد گنگوہی) تک پھیلے ہوئے ہیں، ان کتابوں کی گستاخانہ عبارتوں سے نہ صرف مسلمانوں کی دل آزاری اور عقائد مجروح ہوئے بلکہ حقیقت میں "تحذیر الناس" جیسی کتاب نے امکانِ

نبوت کا نیا دروازہ کھول کر مرزا قادیان کو دعوائے نبوت کی بنیاد بھی فراہم کی، اس لحاظ سے اگر یہ کہا جائے کہ برصغیر پاک و ہند میں گستاخیوں کا "اصل مصدر و منبع" صرف مرزا قادیان اور قادیانی مذہب نہیں، بلکہ وہی دیوبندی اور وہابی اکابرین ہیں جن کا تذکرہ اوپر گزرا ہے تو قطعاً غلط نہ ہوگا، مرزا نے تو صرف اِس سلسلے کو آگے بڑھایا ہے۔

مرزا کا پہلا جرم یہ ہے کہ اُس نے سرورِ کائنات ﷺ کی شانِ اقدس میں ہرزہ سرائی کے قبیح فعل کو جاری رکھا، جس کی وجہ سے اِس خبیث عمارت پر کبھی سیتارتھ پرکاش، اور کبھی مہاشے راجپال کے بدنما دھبے نمودار ہوئے اور مرزا کے کانٹے بونے کا یہ نتیجہ نکلا کہ اُمت کو رام گوپال، نتھو راما اور شردھانند جیسے خاردار اور زہر آلود درخت کاٹنے پڑے، مرزا کا دوسرا سب بڑا جرم یہ ہے کہ اُس نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کر کے عقیدہ ختم نبوت کا انکار کیا اور اُمت مسلمہ کے متفقہ عقیدے کی توہین کر کے اپنا نام دجالوں کی فہرست میں لکھوا کر قیامت تک کیلئے کافر و مرتد قرار پایا۔

اسلامی تاریخ میں دین اسلام پر افراد کے ہاتھوں انحطاط کے کئی دور آئے، لیکن ملت اسلامیہ کے وہ عظیم نفوس قدسیہ جنہیں دین اسلام اور مسلم قوم سے قلبی اُنس تھا، انہوں نے دور انحطاط میں بھی قوم کے جذبات اور دینی غیرت و حمیت کو ٹھنڈا نہیں ہونے دیا، وہ اسلام کی کھوئی ہوئی عظمت رفتہ، اسلامی قدروں کی بحالی اور عزت و آزادی کیلئے ملت اسلامیہ کو اٹھانے، ابھارنے اور بیدار کرنے کا فریضہ سرانجام دیتے رہے، جیسے ہی حالات سازگار ہوئے انہوں نے دشمن کے خلاف طبل جنگ بجادیا اور چشم زدن میں بھیڑوں کے گلہ کی طرح بکھری ہوئی بے بس و ضعیف اُمت مسلمہ کو ایک متحد و منظم لشکر جرار میں تبدیل کر کے باطل کے مذموم عزائم کو خاک میں ملا دیا، علماء اہلسنّت و جماعت اور خصوصاً قائد ملت اسلامیہ مبلغ اسلام حضرت علامہ شاہ احمد نورانی رحمتہ اللہ علیہ اُن نفوس قدسیہ میں سرفہرست ہیں، جن کی زندگی غلبۂ اسلام کی جدوجہد سے عبارت ہے اور جنھوں نے زندگی کی آخری سانسوں تک اسلامی تعلیمات کے تحفظ و احیاء اور فتنہ قادیانیت کی بیخ کنی، استیصال اور اُس کا تعاقب کا سلسلہ جاری رکھا۔

حضرت قائد ملت اسلامیہ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کی شخصیت بناوٹ و تصنع سے

پاک، عاجزی و انکساری کا نمونہ اور منکسرانہ شان کی حامل تھی، آپ کی عاجزانہ اور منکسرانہ طبیعت کا اِس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوسکتا ہے کہ آپ کی زندگی میں اغیار نے تحریکِ ختم نبوت 1974ء کی کامیابی اور قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دلوانے کا سارا کریڈٹ مولانا یوسف بنوری، مفتی محمود، غلام غوث ہزاروی، مولوی عبدالحق، وغیرہ کے نام کرنے کی کوشش کی۔ لیکن آپ نے کبھی کسی سے بھی اِس ناانصافی کی شکایت نہیں کی، کیونکہ آپ کا مقصود نظر دنیاوی نام ونمود اور عزت ووقار نہیں، بلکہ آخرت میں اللہ ﷻ اور اُس کے پیارے محبوب ﷺ کی رضا وخوشنودی کا حصول رہا۔

محترم محمد احمد ترازی صاحب کی زیر نظر کتاب اِس اعتبار سے انتہائی مفید اور اہم ہے کہ اِس میں عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت اور ضرورت کے ساتھ ساتھ برصغیر پاک و ہند میں قادیانیت کے آغاز ،اُس کے باطل عقائد، اسلام اور پاکستان دشمن سازشوں کے علاوہ فتنہ قادیانیت کے خلاف علماء ومشائخ اہلسنّت و جماعت کا عملی، علمی، فکری اور قلمی جہاد اور پاکستان میں فتنہ قادیانیت کو خارج از اسلام قرار دلوانے کیلئے چلائی جانے والی تحاریک "تحریک تحفظ ختم نبوت 1953ء اور تحریک تحفظ ختم نبوت 1974ء" میں علماء ومشائخ اہلسنّت و جماعت اور بالخصوص مجاہد تحریک ختم نبوت 1953ء اور سپہ سالار اعلیٰ تحریک ختم نبوت 1974ء قائد ملت اسلامیہ حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کی 30، جون 1974ء کو قومی اسمبلی میں پیش کردہ تاریخ ساز قرارداد (جس کی بنیاد پر قادیانی ذریّت کو پاکستان کی قومی اسمبلی نے متفقہ طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دیا) سے لے کر 7، ستمبر 1974ء کے تاریخ ساز فیصلے تک، آپ کا اِس تحریک میں کردار اور اُس کا مفصّل تذکرہ بمعہ حوالہ جات موجود ہے۔

مؤلف کے پیش کردہ یہ ناقابل تردید حقائق علمائے دیوبند کے اُس متعصبانہ یک طرفہ پروپیگنڈے کی مکمل نفی کرتے ہیں، جس میں تحریک ختم نبوت 1953ء اور تحریک ختم نبوت 1974ء کی قیادت اور اُس کی کامیابی کا سہرا دیوبندی علماء کے سر باندھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ فقیر اِن تحاریک میں دور طالبعلمی اور عالم شباب میں شامل رہا۔ 1953ء میں فقیر "مخزن العلوم"، متصل جامع مسجد آرام باغ کراچی میں پڑھتا تھا۔ اُس زمانے میں جامع مسجد آرام باغ

کراچی میں تحریک کا مرکز تھی، جہاں سے روزانہ فدایانِ ختم نبوت کے قافلے نکلتے اور گرفتاریاں پیش کرتے تھے۔ 1974ء کی تحریک ختم نبوت اور اس کے محرک علامہ شاہ احمد نورانی و دیگر قائدین کو بھی فقیر نے بہت قریب سے دیکھا اور بعض اہم فیصلوں میں شرکت کی سعادت بھی فقیر کو حاصل رہی۔ میڈیا کے اِس دور میں ایک مخصوص مکتبہ فکر نے تاریخ کو مسخ کرتے ہوئے اِن تحاریک کو اپنے اکابرین کے کھاتے میں ڈالنے اور اکابرین اہلسنّت کا جزوی تذکرہ میرے لیے بھی بڑی تکلیف کا باعث تھا مگر عزیزی محمد احمد ترازی نے شبانہ روز محنت کر کے تاریخ کے چہرے سے جھوٹے پروپیگنڈے کی گرد ہٹا کر دنیا کے سامنے تاریخ کا حقیقی چہرہ پیش کیا ہے۔

مؤلف کی اِس کوشش و کاوش نے تاریخ کے طالبعلم کے سامنے تصویر کا وہ حقیقی اور ناقابل تردید رخ رکھ دیا ہے، جسے مخالفین نے ہمیشہ جان بوجھ کر چھپانے کی کوشش کی، اُن کی یہ کوشش جہاں حقیقت اور اعتدال پسندی کی مظہر ہے، وہاں غیر جانب دارانہ رویہ کی بھی عکاس ہے، چنانچہ ہم اُن کی اِس کوشش و کاوش کو "تلاش حقیقت" کا نام دیتے ہیں اور اس اعلیٰ کوشش پر مؤلف زید مجدھم اور اُن کے معاونین و محبین کو مبارکباد پیش کرتے ہیں، دعا ہے کہ اللہ ﷻ مؤلف کی اِس کوشش و کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرمائے اور فتنہ قادیانیت کی سرکوبی اور بیخ کنی کیلئے ہمیں اپنے اسلاف کی طرح سرفروشانہ کردار ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(آمین بحرمۃ خاتم النبیین سید المرسلین وعلی وآلہ واصحابہ اجمعین)

خاک پائے مجاہدین ختم نبوت

احقر جمیل احمد نعیمی ضیائی

منگل ۵، ربیع الاوّل ۱۴۳۰ھ /3، مارچ 2009ء

پیش گفتار

پروفیسر سیّد شاہ فرید الحق

حضرت مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی سے میرا تعلق اُس وقت سے ہے جب میں لیاقت کالج ملیر کا پرنسپل تھا۔ میں اُسی زمانہ میں حضرت مولانا شاہ احمد نورانی کے سیاسی نظریہ سے متفق ہوا اور آپ کی قیادت میں جمعیت علماء پاکستان سے وابستہ ہوگیا۔ اُس وقت سے لے کر آج تک آپ کے مشن سے وابستہ چلا آرہا ہوں۔ قائد ملت اسلامیہ نے اپنی سیاسی و مذہبی جدو جہد سے عوام اہلسنّت میں ایک نیا شعور اور جذبہ پیدا کیا اور آپ ہی کی کوششوں کی بدولت "مقام مصطفی ﷺ کا تحفظ اور نظام مصطفی ﷺ کے نفاذ" کا نعرہ عوام کے دلوں کی دھڑکن بنا۔ یہ آپ ہی کی مساعی جلیلہ کا نتیجہ تھا کہ پاکستان کی سیاست میں علماء اہلسنّت و جماعت اور جمعیت علماء پاکستان اپنا ایک علیحدہ مقام و تشخص منوانے میں کامیاب ہوئی۔ 1970ء کی قومی اسمبلی میں آپ نے آئین سازی، دستور میں اسلامی دفعات کی شمولیت اور بالخصوص قادیانیوں کو خارج از اسلام قرار دلوانے کی قرارداد کے پیش کرنے سے لے کر اُس کی منظوری تک جو شاندار خدمات سرانجام دیں ہیں۔ وہ پاکستان کی تاریخ کا ایک روشن اور سنہرا باب ہے اور صرف ایک قرارداد (قادیانی خارج از اسلام) ہی آپ کی بخشش و مغفرت کیلئے کافی ہے۔

عملی زندگی میں میرا بہت سے علماء کرام سے واسطہ رہا لیکن جو خصوصیت اور انفرادیت

میں نے قائد ملت اسلامیہ کے یہاں پائی وہ دوسروں میں نایاب تھی۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ زندگی کا ایک طویل عرصہ سفر و حضر میں آپ کے ساتھ گزارا اور عملی زندگی میں جو نظارہ میں نے آپ کے یہاں پایا وہ مجھے کہیں اور نظر نہیں آیا۔ ایک بات جو سب سے زیادہ اہم اور آپ کی شخصیت کا خاصہ اور علامت رہی، وہ قول و فعل کی ہم آہنگی اور غیر لچکدار اصول پسندانہ واضح و شفاف موقف تھا، جو پہلے دن سے آخری دن تک ایک ہی رہا۔ آپ عالم باعمل، صاحب استقامت، خوش شکل و خوش لباس اور سچے عاشق رسول ﷺ تھے۔ زندگی بھر آپ نے کسی ڈر و خوف کو کبھی اپنے پاس بھٹکنے نہیں دیا۔ زیر نظر کتاب قائد ملت اسلامیہ کی زندگی کے اُس ایک گوشے "تحفظ ختم نبوت" جو کہ آپ کی ساری زندگی کی جدوجہد پر محیط ہے کے حوالے سے ہے۔ مؤلف کی یہ کوشش جہاں قابل قدر اور قابل ستائش ہے، وہیں یہ اپنے موضوع کے اعتبار سے نقش اوّل کی حیثیت بھی رکھتی ہے اور اہل علم و دانش کیلئے تحقیق و جستجو کے نئے دروازے کھولتی اور نئی راہیں متعین کرتی ہے۔ میری جانب سے مؤلف قابل مبارکباد ہیں کہ انھوں نے قائد ملت اسلامیہ کی زندگی کے اُس گوشے پر قلم آرائی کی جو کہ اب تک تشنہ تھا۔ دعا گو ہوں کہ ربّ کریم مؤلف کی اس کوشش و کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرمائے (آمین بجاہ سیّد المرسلین)

پروفیسر شاہ فرید الحق

منگل ۵، ربیع الاوّل ۱۴۳۰ھ/3، مارچ 2009ء



حرف تحسین

مفتی منیب الرحمن

چیئرمین مرکزی رویت ہلال کمیٹی/ صدر تنظیم المدارس اہلسنت پاکستان/ مہتمم دارالعلوم نعیمیہ کراچی

جس طرح اللہ رب العالمین خالق ومالک ہونے میں یکتا ہے بالکل اُسی طرح سیّد العالمین محمد رسول اللہ، ''خاتم النبیین'' ہونے میں یکتا ہیں۔رحمۃ للعالمین، ختم المرسلین، امام الانبیاء احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ خلق کے اعتبار سے ''اوّل الخلق'' ہیں اور بعثت کے اعتبار سے آخر الانبیاء ہیں۔اللہ ﷻ نے قرآن مجید کی سورۂ احزاب آیت نمبر: 40 میں آپ کو ''خاتم النبیین'' قرار دیا اور اس پر اجماعِ اُمت ہے کہ آپ ﷺ ''خاتم النبیین''، ''آخر النبیین'' ہیں اور خود رسول اللہ ﷺ نے دیگر انبیاء کرام علیہم السلام پر چھ چیزوں میں اپنی فضیلت بیان فرمائی، ان میں سے چھٹی فضیلت آپ ﷺ نے یہ بیان فرمائی کہ: ''وَ خُتِمَ بِیَ النَّبِیُّون''، یعنی مجھ پر اللہ جل شانہٗ نے سلسلۂ نبوت ورسالت کو ختم کردیا ہے، اِسے اُمت میں بالاجماع ''عقیدۂ ختم نبوت'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، جس کے معنی ہیں کہ آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان اِس اَمر کے ساتھ مشروط ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کا آخری نبی ورسول مانا جائے اور اس کا منکر کافر ومرتد ہے۔

یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ آج تک اسلام پر جتنے بھی فکری واعتقادی حملے ہوئے، اُن میں ذاتِ رسالت مآب ﷺ کو ہی ہدف بنایا گیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے وصال مبارک کے بعد اسلام میں برپا ہونے والا پہلا فتنہ ''فتنۂ انکارِ ختمِ نبوت'' تھا اور خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق

ﷺ نے بحیثیت سربراہِ مملکت صحابۂ کرام کے اجماعِ کلی قطعی کے ساتھ منکرین ختم نبوت کو مرتد قرار دیا اور اُن کے خلاف جہاد کر کے اُن کا مکمل استیصال کر دیا۔

برصغیر جنوبی ایشیا میں استعماری حکمران انگریزوں کی سازش سے اُمتِ مسلمہ کو تقسیم کرنے، جہاد کو منسوخ کرنے اور ناموسِ رسالت ﷺ پر اُمت میں جو مر مٹنے کا جذبہ ہے اُسے بے اثر کرنے کے لیے مرزا غلام احمد قادیانی کی شکل میں ایک جھوٹا مدعیِ نبوت پیدا کیا، اُس کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کی، لیکن بحیثیت مجموعی اُمت نے اسے رد کیا، مرزا قادیانی کو مرتد قرار دیا اور اُس فتنے کی نہضت اور نشأۃ کے وقت ہی سے اُس کو چیلنج کیا، علمی میدان میں ناکام و نامراد بنایا اور عقیدۂ ختمِ نبوت کی نہایت کامیابی سے حفاظت کا فریضہ انجام دیا۔

براہین احمدیہ کی اشاعت کے ساتھ ہی علماء اہلسنّت رحمہم اللہ اجمعین نے تحفظ ختم نبوت اور تعاقب تحریک قادیانیت کا آغاز کیا، جس کے سرخیل علامہ غلام دستگیر ہاشمی قصوری، علامہ سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمہم اللہ تعالیٰ تھے، ہمارے اکابرِ اُمت اور اسلاف نے بروقت اقدام کر کے اُمت کو اِس فتنہ میں مبتلاء ہونے سے بچایا۔ لیکن یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ پاکستان کی دینی، سیاسی اور نصابی تاریخ میں اُن کا تذکرہ شایانِ شان انداز میں نہ کیا اور یہ احسان فراموش قوموں کا ہمیشہ شعار رہا ہے۔

اِس کے برعکس ایک مخصوص مکتبۂ فکر نے تحریک تحفظ ختم نبوت کو بظاہر اپنا مشن بنایا اور اِس عنوان پر انہوں نے ایک عالمی مجلس .... بھی بنا رکھی ہے اور اِس مقدس مشن کے نام پر ہر سال زکوٰۃ، فطرہ اور عطیات کی شکل میں بے شمار چندہ بھی جمع کیا جاتا ہے، برطانیہ میں کانفرنسیں بھی منعقد کی جاتی ہیں اور اُن کا مکمل زورِ بیان و قلم اِس بات پر ہوتا ہے کہ ختم نبوت کے عنوان پر چلنے والی تمام تحریکیں اُن کے علماء و اکابر نے چلائیں اِس راہ میں انہوں نے قربانیاں دیں اور دیگر مسالک کے علماء کا اِن تحاریک میں کردار محض ثانوی رہا ہے۔ لیکن حیرت و استعجاب کی بات یہ ہے کہ 1953ء کی تحریک ختم نبوت میں تحفظ ختم نبوت کے "جرم" میں جن علماء کو سزائے موت سنائی گئی، اُن میں ایک بھی ان کے مکتبہ فکر کا نہیں تھا بلکہ اِن میں سے دو مقتدر علماء اہلسنّت مجاہد

ملت علامہ محمد عبدالستار خان نیازی اور مولانا سیّد خلیل احمد قادری رحمہما اللہ تعالیٰ تھے، جبکہ تیسرے جماعت اسلامی کے امیر سیّد مودودی صاحب تھے۔اس مخصوص مکتبہ فکر کے حوالے سے ایک روایت یہ بھی مشہور ہے کہ اِن کے بعض اکابرین میں تحریک ختم نبوت کی مجالس میں شریک ہوتے اور رات کو گورنر ہاؤس میں جا کر مخبری کیا کرتے تھے،جس کے باعث یہ تحریک نتیجہ خیز نہ بن سکی۔

اسی طرح 1974ء کی تحریک ختم نبوت کا کریڈٹ بھی وہ بلاشرکت غیرے لینا چاہتے ہیں،لیکن قومی اسمبلی کا ریکارڈ شاہد ہے کہ تحریک ارتداد قادیانیت کے محرک صرف اور صرف علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی رحمہ اللہ تعالیٰ تھے اور باقی سب موئدین تھے اور یہ بھی ایک تلخ تاریخی شہادت ہے کہ مولانا غلام غوث ہزاروی نے اِس قرارداد پر دستخط کرنے سے معذرت کر لی تھی۔لہٰذا ہمارا ایمان ہے کہ تحفظ ختم نبوت کے تمغے میدانِ محشر میں جاری ہونگے اور اِن کے اوّلین حقدار سیدنا ابوبکر صدیق ﷺ اور 14 ویں صدی میں اِس کے سب سے نمایاں حقدار، مولانا عبدالستار خان نیازی، مولانا سیّد خلیل احمد قادری، مولانا ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری، علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین اور دیگر علماء اہلسنّت ہوں گے، جنہوں نے اِس راہ میں جہدِ مسلسل کی صعوبتیں برداشت کیں اور عصرِ حاضر میں جس کے نام پر قادرِ مطلق نے تحریک ارتداد قادیانیت کا سہرا مقدر فرمایا وہ شخصیت علامہ شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ہے، ہم درجہ بدرجہ اِس تحریک میں قومی اسمبلی کی اندر اور باہر دیگر مکاتب فکر کے علماء کی خدمات کے بھی معترف ہیں اور خاص طور اُس دور کے اٹارنی جنرل یحییٰ بختیار جن کا قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے میں ناقابل فراموش کردار ہے اور حق کے سامنے سرنگوں ہونے کے حوالے سے اُس وقت کے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو صاحب کی تحسین نہ کرنا بھی ناانصافی ہوگی اور شاید یہی ایک عمل اُن کی نجات کا باعث بن جائے۔ایک روایت کے بموجب اللہ تعالیٰ بعض اوقات مردِ فاسق سے بھی اپنے دین کا کام لے لیتا ہے۔

عزیزم محمد احمد ترازی نے یہ علمی شاہکار تصنیف کر کے تاریخ کے ریکارڈ کو درست کیا

ہے، اُمید ہے کہ آنے والے دور میں یہ گرانقدر تصنیف، مصنفین، محققین اور مؤرخین کے لیے ایک ماخذ اور Reference Book کا کام دے گی اور وہ آخرت میں اپنے آقا ﷺ کے حضور سرخرو ہوں گے۔ اللہ رب العالمین موصوف کی کاوشوں کو قبول فرمائے اور انہیں "خاتم النبیین" کی شفاعت کاملہ سے بہرہ مند فرمائے۔

مفتی منیب الرحمن

منگل ۵، ربیع الاوّل ۱۴۳۰ھ/3، مارچ 2009ء

حدیث دل

7، ستمبر 1974ء کا دن پاکستان کی تاریخ میں وہ تاریخ ساز دن ہے، جس دن پاکستان کی قومی اسمبلی اور سینٹ نے متفقہ طور پر اُمت مسلمہ کے ناسور، جھوٹے مدعی نبوت مرزا غلام احمد قادیانی کی پوری ذرّیت کو کافر قرار دے کر اُن کے غیر مسلم اقلیت ہونے کا اعلان کیا، اس تاریخ ساز موقع کی یاد میں پاکستان کے قومی اخبارات خصوصی ایڈیشن شائع کرتے ہیں، جس میں اس دن کی تاریخی اہمیت اور عقیدہ ختم نبوت پر روشنی ڈالی جاتی ہے، لیکن بد قسمتی سے اکثر مضامین ایک مخصوص طبقے کی نمائندگی کرتے ہیں اور اُس طبقے کے اکابرین کی تعریف و توصیف اور نام نہاد کارناموں سے لبریز ہوتے ہیں، جس کا واضح مقصد تحاریک ختم نبوت 1953ء اور 1974ء کے اصل قائدین علماء و مشائخ اہلسنّت سے صرف نظر کرتے ہوئے اپنے مکتبہ فکر کے افراد کو ہیرو بنا کر پیش کرنا اور اُن کے نام سے نام نہاد کارناموں کو منسوب کرکے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرنا ہے کہ یہی وہ افراد ہیں جنھوں نے قادیانیوں کے خلاف اُمت مسلمہ کی تحریک کو کامیابی کی منزل تک پہنچایا۔

"جھوٹ اِس قدر تسلسل سے بولو کہ اُس پر سچ کا گمان ہونے لگے" پر عمل کرتے ہوئے اِن افراد نے تحاریک ختم نبوت 1953ء اور 1974ء کی کامیابی کو اپنے دامن میں سمیٹنے کی کوشش کرتے ہوئے اصل تاریخی حقائق پر پردہ ڈالنا چاہا، ہمارے نزدیک تاریخ کو مسخ کرکے نئی تاریخ سازی کی یہ کوشش شدید علمی بددیانتی کا باعث اور انتہائی دکھ اور افسوس کا مقام ہے، جہاں اِس کی مختلف وجوہات ہوں گی، وہاں اِس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارے اہل علم وقلم نے اِس حوالے سے شدید غفلت اور کمزوری کا مظاہرہ کیا ہے اور اپنے اکابرین کی خدمات، کردار

اور کارناموں [illegible]ار رکھنے اور اُسے اگلی نسل تک منتقل کرنے کی کوئی خاص کوشش نہیں کی، جس کی وجہ سے دوسرے مکاتب فکر کے افراد کو پورا پورا موقع ملا کہ وہ جس طرح سے چاہیں تاریخ کو بدلیں، حقائق کو مسخ کریں اور جس کے نام جو چاہیں کارنامہ منسوب کر کے نئی تاریخ سازی کریں۔

یہ صورتحال ہمیشہ ہمارے لیے افسوس اور آزردگی کا باعث رہی، 13، دسمبر 2005ء کو برادرم السیّد عقیل انجم قادری کے ہمراہ قائد ملت اسلامیہ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر پر جناب صاحبزادہ اویس نورانی صاحب کی جانب سے ملی یکجہتی کونسل کے سربراہ قاضی حسین احمد، پروفیسر سید شاہ فرید الحق، علامہ ساجد نقوی اور دیگر رہنماؤں کے اعزاز میں دیئے گئے عشائیہ میں شرکت کرنے کا موقع ملا، دوران سفر برادرم عقیل انجم صاحب سے مندرجہ بالا افسوسناک صورتحال پر تفصیلاً گفتگو ہوئی، راقم الحروف نے اُن کی توجہ اس جانب مبذول کرائی اور اُن سے گزارش کی کہ تحاریک ختم نبوت 1953ء اور 1974ء میں علماء و مشائخ اہلسنت اور بالخصوص سپہ سالارِ اعلیٰ تحریک ختم نبوت 1974ء قائد ملت اسلامیہ حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کے کردار کو مخالفین نے جس منظم منصوبہ بندی کے تحت نظر انداز کر کے اُسے چھپانے کی کوشش کی ہے، آج اِس بات کی شدید ضرورت ہے کہ مخالفین کی جانب سے ڈالے گئے مکر و فریب اور جھوٹ کے دبیز پردے اٹھا کر حقیقت کو سامنے لایا جائے اور نئی نسل کے اذہان میں پیدا ہونے والے شکوک و شبہات کو دور کر کے انہیں بتایا جائے کہ اصل حقیقت وہ نہیں ہے جو بیان کی جارہی ہے، بلکہ اصل حقیقت وہ ہے جو چھپائی جارہی ہے، چونکہ اِس حوالے سے ہمارے افراد نے بھی اِن نفوس قدسیہ کے کردار کو اجاگر کرنے کی کوئی خاص کوشش نہیں کی ہے، لہٰذا آپ اور فدایان ختم نبوت پاکستان، ورلڈ اسلامک مشن اور جمعیت علماء پاکستان کے ذمہ داران اِس طرف خاص توجہ فرمائیں۔ ہماری اِن معروضات سے برادرم عقیل انجم صاحب نے پورا پورا اتفاق کیا، لیکن ساتھ ہی انہوں نے یہ تجویز بھی دی کہ کسی اور سے اِس طرف توجہ کی اُمید رکھنے کے بجائے آپ خود ہی اِس کام کا آغاز کریں، برادرم عقیل انجم صاحب کی اِس تجویز نے مزید مشکل اور الجھن میں ڈال دیا، پہلی بات تو یہ کہ یہ ہمارا شعبہ نہیں تھا اور دوسری بات یہ کہ اس

موضوع پر کام کرنے کیلئے جو وسائل اور فرصت درکار تھی، وہ معاشی مسائل کے سبب میسر نہیں تھی، لہٰذا کئی دن "ارادے باندھتا ہوں، سوچتا ہوں، توڑ دیتا ہوں" کی کشمکش میں گزر گئے، بالآخر طویل سوچ وبچار کے بعد اللہ ربّ العزت کے فضل وکرم اور نبی مکرم خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفی ﷺ کی نظرِ عنایت کے طفیل قائد تحریک تحفظ ختم نبوت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر حاضری دے کر اس کام کا آغاز کیا۔

جنوری 2006ء سے لے کر مئی 2006ء تک ہم نے اُن تمام افراد سے بذریعہ خط و کتابت اور فون پر رابطہ کرنے کی کوشش کی جن کے بارے میں ہمیں معلوم ہوا کہ ان احباب کے پاس علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کی ذات کے حوالے سے کوئی تحریر، خط، حوالہ، رقعہ، یاداشت، اخباری مضمون، تراشہ، کتاب، تاثرات ومشاہدات یا خطابات کی آڈیو یا ویڈیو کیسٹ ہیں، وہ یہ معلومات فراہم کرکے اِس تاریخی دستاویز کو یکجا کرنے میں ہماری مدد فرمائیں، مگر افسوس ماسوائے چند اہل درد احباب کے کہیں سے کوئی مثبت جواب موصول نہیں ہوا، جہاں سب سے زیادہ مایوس کن رویہ جمعیت علماء پاکستان کے سینئر اراکین کی جانب سے دیکھنے میں آیا، وہاں کچھ ایسے بھی اہل علم افراد بھی میسر آئے جنھوں نے ہماری بے حد حوصلہ افزائی فرمائی، حضرت علامہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب نے خط کے جواب میں گراں قدر قیمتی مشوروں اور رہنمائی سے نوازا، محترم حضرت علامہ محمد عالم مختار حق صاحب نے آنکھوں کے آپریشن کے سبب معذرت فرما لی لیکن کئی اہم کتابوں کے کی جانب توجہ دلائی جو کام میں انتہائی اہم ثابت ہوئیں، ساتھ ہی آپ نے کامیابی کیلئے دعا کی، بے شمار خطوط اور لاتعداد فون کالز کا جواب فقط حوصلہ افزائی کی صورت میں ہی حاصل ہوا، لیکن معلومات کا حصول، اہم کتابوں کی دستیابی، پرانے اخبارات ورسائل تک پہنچ ہنوز ایک چیلنج کی صورت میں ہمارے سامنے موجود تھا۔

بے شک اللہ بڑا کریم ہے وہ کسی کی محنت اور کوشش کو کبھی بھی ضائع نہیں فرماتا، وہ ہی ہے جو آسانیوں کے دروازے کھول دیتا ہے اور اسباب پیدا فرماتا ہے، برادرم صادق علی زاہد صاحب (ننکانہ صاحب) سے اس سے قبل ہمارا ذاتی تعارف نہیں تھا، پہلی مرتبہ برادرم

عقیل انجم صاحب کی معرفت فون پر گفتگو ہوئی اور اُس کے بعد خط و کتابت اور فون پر گفتگو کا ایسا سلسلہ شروع ہوا جو آج ایک ذاتی تعلق میں ڈھل چکا ہے، جناب صادق علی زاہد نے نہایت اخلاص کے ساتھ ہمارے ساتھ بھرپور تعاون فرمایا، آپ نے اپنے گراں قدر مشوروں کے ساتھ اپنے کتب خانے سے بہت سی اہم اور نادر و نایاب کتابیں جن میں خاص طور پر "منیر انکوائری رپورٹ کی نقل، تحریک ختم نبوت 1974ء کی جلدیں، ماہنامہ لابنی بعدی کے ختم نبوت نمبر" ہمیں بذریعہ ڈاک (رجسٹری) ارسال فرمائے۔ مئی 2006ء میں ہم نے برادرم عقیل انجم صاحب کے ہمراہ پنجاب کا دورہ بھی کیا، اس دورے کے دوران ہمیں ننکانہ صاحب میں برادرم جناب صادق علی زاہد صاحب کی مہمان نوازی کا شرف حاصل ہوا، جناب صادق علی زاہد صاحب کے توسط سے ننکانہ صاحب میں پروفیسر شبیر شاہ زاہد صاحب کی لائبریری سے استفادہ کا موقع بھی ملا، استاذ العلماء حضرت علامہ جمیل احمد نعیمی دامت برکاتہم العالیہ نے اِس کتاب کی تیاری میں اپنے گراں قدر مشوروں کے ساتھ ساتھ انتہائی اہم اور مفید معلومات اور قیمتی تاریخی دستاویزات بھی مہیا کیں ، جہاں حضرت علامہ حافظ عبدالعزیز انصاری صاحب کی گراں قدر مشاورت اور رہنمائی ہر قدم پر ہمارے شامل حال رہی۔ وہیں جناب پروفیسر سیّد شاہ فریدالحق، جناب مفتی منیب الرحمن صاحب اور سینئر صحافی جناب سیّد ہارون الرشید صاحب نے اپنی تجاویز اور گراں قدر آراء سے نواز کر ہماری ہماری عزت افزائی بھی فرمائی، اس مرحلے پر مدیرِ اعلیٰ ماہنامہ "افق" جناب السیّد عقیل انجم صاحب کے تذکرے کے بغیر یہ ذکر اس لیے مکمل نہیں ہو سکتا کہ آپ کا دلایا ہوا تحرک ہی اس کتاب کی اصل وجہ تالیف ہے، اِس دوران آپ کی لائبریری مکمل طور پر ہمارے زیرِ استعمال رہی، آپ نے حوالہ جات کیلئے بے شمار کتابیں اور رسالے عنایت فرمائے، ساتھ ہی وقتاً فوقتاً اپنے مشوروں سے بھی نوازتے رہے، اِس کام کے آغاز کا مشورہ دینے کے ساتھ ساتھ تکمیل تک کسی بھی مرحلے پر آپ نے اکیلے ہونے کا احساس نہیں ہونے دیا، ہمیں اِس اعتراف میں قطعاً کوئی تامل نہیں کہ آپ کی مسلسل رہنمائی، دلچسپی اور توجہ کے سبب یہ کام پایۂ تکمیل تک پہنچا ہے۔

بیسویں صدی نے مسلمانوں کی تاریخ کے اوراق پر جہاں تباہی و بربادی اور شکست و

ریخت کے بڑے ہولناک نقوش ثبت کئے ہیں، وہاں اس کے ساتھ ساتھ علمی وفکری اور تعمیری حوالوں سے اس کے دامن میں چند مثبت کارنامے بھی نمایاں رہے، ایک طرف اُمت مسلمہ بدترین استحصال اور بدحالی کا شکار ہوئی تو دوسری جانب اُس میں دینی شعور اور اسلامی بیداری کی تحریکیں بھی پیدا ہوئیں، اِن تحریکوں کے بعض داعیوں نے بکھرے ہوئے مسلمانوں کو بحیثیت اُمت سربلندی اور عظمت کی طرف لے جانے میں بہت اہم کردار ادا کیا، اِن انقلابی شخصیات میں قائد ملت اسلامیہ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کا نام سرفہرست ہے، دور حاضر میں جب بھی حق و باطل کی کشمکش کا ذکر ہوگا اور زمانہ ساز شخصیات اور تحریکوں کا ذکر کیا جائے گا، اُس تذکرے میں علامہ شاہ احمد نورانی کی کوششوں اور کاوشوں کا تذکرہ مرکزی اور کلیدی اہمیت کا حامل ہوگا، علامہ شاہ احمد نورانی کی سب سے بڑی عظمت یہ ہے کہ آپ نے ملت اسلامیہ کی اصلاح وفلاح کیلئے اپنی تمام زندگی راہ حق میں وقف کی اور اِس عظیم مقصد کی خاطر آپ نے زندگی کی ساری امنگوں دنیاوی نمود ونمائش اور ترقی، مادی فوائد کو ٹھکراتے ہوئے، اللہ اور اس کے پیارے رسول ﷺ کی رضا کے حصول کی خاطر اسلام کو دنیا میں غالب کرنے اور اُمت مسلمہ کو سامراجی طاغوت کے مقابل متحد کرنے کا کام جاری رکھا اور اِن اہداف کے حصول میں زندگی کی آخری سانس تک مصروف عمل رہے، علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی موجودہ دور میں ایک ایسا اسلامی کردار ہے جو ظلمت کے اندھیروں میں روشن ستارہ بن کر چمک رہا ہے، آپ اپنے علم وفضل اور تقویٰ و طہارت کی بدولت ایک ایسی قندیل نور ہے جو گم گشتہ اور راہ سے بھٹکے ہوئے مسافروں کو رہنمائی اور روشنی کا نشان فراہم کررہی ہے، جناب محمد عارف خان ساقی استاد شعبہ علوم اسلامی جامعہ کراچی لکھتے ہیں کہ

> ”علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آپ کی حیات میں کچھ لکھنا اگر مشکل تھا تو آپ کے وصال فرمانے کے بعد آپ کے بارے میں کچھ لکھنا، مشکل تر ہے، اس کی کئی وجوہات ہیں، حیات میں آپ کے ہاں ارتقاء ہی ارتقاء تھا، اس لیے تحریر کی کمزوریوں کو ایک قاری

با آسانی موجودہ صورتحال سے ہم آہنگ نہ پاتے ہوئے پچھلی یا پرانی باتوں پر قیاس کرتے ہوئے صرف نظر کر دیتا تھا، مگر جب آپ کا وصال ہوا تو آپ کا عروج و کمال اپنے شباب پر تھا، لہٰذا یہ ایسا ہی ہے، جیسے عین نصف النہار پر دمکتے ہوئے آفتاب عالم تاب کی ٹکیہ پر نظریں جما کر اس کی اصل حالتوں کو قلم و قرطاس کے سپرد کرنے کی کوشش، آپ کا وصال 11، دسمبر 2003ء کو اسلام آباد میں ہوا، عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ وصال فرما جانے والی بڑی بڑی شخصیات کچھ ہی عرصے میں نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی ہیں، مگر آپ کے معاملے میں اس قانون کی عملداری کی کہیں جھلک تک دکھائی نہیں دیتی، آپ اوجھل ہونے کے بجائے کچھ اور نگاہوں میں آ گئے ہیں، آپ کی شخصیت کے کسی بھی پہلو کو دیکھئے، نور علیٰ نور ہے، آپ حسین و خوش لباس اور وجیہہ بھی ہیں اور آپ کی سیرت بھی آپ کی صورت کی طرح شفاف ہے، ایسے ہی جیسے کسی عارف کامل کا سینہ، چنانچہ وصال کے بعد آپ کی شخصیت کے وہ پہلو اور رخ جن پر عوام کی بالخصوص نگاہ نہ پہنچ سکی تھی، یکا یک اور ایک ساتھ نکھر کر سب کے سامنے آ گئے، جس خوبصورتی اور احتیاط کے ساتھ آپ نے اِن ذمہ داریوں کو سنبھالا اور نبھایا، اِس دور پر آشوب میں شاید کسی اور کیلئے یہ ممکن نہ ہوتا، آپ ''قائد اہلسنّت'' بن کر اٹھے اور دیکھتے ہی دیکھتے ''قائد ملت اسلامیہ'' کے عظیم ترین منصب تک جا پہنچے، آپ کا وجود کسی تنہا شخص کا وجود نہیں ایک انجمن ایک تحریک کا وجود ہے، آپ نے تن تنہا وہ کام سرانجام دے ڈالے جو بڑی بڑی تحریکیں نہیں کر پاتیں۔''

(ماہنامہ پیام حرم کراچی نومبر 2005ء ص14)

ہمیں جناب محمد عارف خان ساقی صاحب کی مندرجہ بالا تحریر سے پورا پورا اتفاق

ہے، ہمارے نزدیک یہ انتہائی مشکل اور ناممکن کام تھا، اِس دوران کئی مواقع ایسے بھی آئے جب کئی کئی دن واقعات کے تانے بانے سلجھانے میں لگ گئے، آگے بڑھنے کے راستے بند دکھائی دیتے تھے اور ایسا محسوس ہونے لگا کہ اب شاید ہمیں اِس کام کو ختم کرنا پڑے، جب بھی ایسا مرحلہ آیا، ہم نے اللہ کریم سے اُس کے حبیب ﷺ کے طفیل آسانیاں طلب کیں، یقین جانیئے کہ یہ "ختم نبوت" کے عنوان کی برکت تھی کہ ساری مشکلات دور ہوگئیں اور نئے نئے راستے نظر آنے لگے۔

"اَلحمدُ لِلّٰہِ علیٰ احسَانہٖ" ربّ کریم کے فضل و کرم اور حضور سیّدِ عالم ﷺ کی نظر کرم کے طفیل ہم تحاریک ختم نبوت 1953ء اور 1974ء کے حوالے سے علماء و مشائخ اہلسنّت اور بالخصوص قائد ملت اسلامیہ "فاتح قادیانیت" "قائد تحریک ختم نبوت 1974ء حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کی خدمات اور کارناموں کو اپنی پہنچ اور دسترس کی حد تک مکمل کرنے میں کامیاب ہوئے، ہمیں اعتراف ہے کہ یہ ایک ادنیٰ سی ابتدائی اور نامکمل کوشش ہے جس میں مزید ترمیم و اضافہ اور بہتری کی ہزار ہا گنجائش موجود ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قائد ملت اسلامیہ کی زندگی اور تحریک ختم نبوت کے حوالے سے بے شمار تاریخی حقائق و واقعات ہماری کم علمی اور مواد تک رسائی نہ ہونے کے سبب یقیناً شامل کتاب ہونے سے رہ گئے ہیں، اِسی طرح تحاریک ختم نبوت کے بہت سارے اکابرین، قائدین، علماء اور کارکنان کے تذکرے بھی نظر انداز ہوئے ہیں، قارئین سے گزارش ہے اسے ہماری کم علمی، بے بضاعتی اور کوتاہ نظری شمار کرتے ہوئے نظر انداز کیجئے گا، ہم مزید تحقیق و جستجو اور حقائق کی تلاش اور اِس سے آگاہی کا کام مستقبل کے اہل علم، مصنف اور مورّخ کے سپرد کرتے ہیں، تمام واقعات کی ترتیب میں دروغ گوئی، لفاظی اور واقعات سازی سے حتی الامکان گریز کرتے ہوئے ہم نے تاریخ سازی کرنے کے بجائے وہ تاریخی حقائق سامنے لانے کی کوشش کی ہے، جن کو جان بوجھ کر مخالفین نے نظر انداز کیا یا اُس پر جھوٹ اور مکر و فریب کا پردہ ڈالنے کی کوشش کی، کتاب میں شامل تمام واقعات اپنے اصل مستند حوالوں کے ساتھ درج کرنے کی کوشش کی گئی ہے، پھر بھی اگر کسی کتاب اور حوالہ کے اندراج میں قارئین کو کوئی ابہام، کمی یا غلطی

محسوس کریں تو ضرور اصلاح فرمائیں، آخر میں ہم اُن تمام افراد کے بھی شکر گزار ہیں، جنھوں نے اِس کتاب کی تکمیل میں دامے درمے سخنے حصہ لیا، بالخصوص استاذ العلماء حضرت علامہ مفتی جمیل احمد نعیمی دامت برکاتہم العالیہ کے، جن کی خصوصی دلچسپی، تعاون اور شفقت و کرم کے سبب ڈھائی سال کے بعد آج یہ کتاب زیور طباعت سے آراستہ ہو کر آپ کے ہاتھوں میں ہے، ہم اللہ ربّ العزت کی بارگاہ میں دعا گو ہیں کہ وہ ہماری اِس ٹوٹی پھوٹی کوشش اور کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرمائے اور اپنے حبیب پاک ﷺ کے صدقے میں تمام احباب کیلئے توشۂ آخرت بنائے۔

(آمین بحرمۃ سیّد المرسلین وعلی وآلہ واصحابہ اجمعین)

محمد احمد ترازی

(0300-2237225)

mahmedtarazi@yahoo.com

باب:۔اوّل

عقیدہ ختم نبوت قرآن وحدیث

اور

آثار صحابہ وتابعین کی روشنی میں

☆اسلام ایک ایسا دین ہے، جس کی بنیاد رنگ و نسل اور قوم و علاقہ پر نہیں بلکہ دینِ اسلام کی بنیاد توحیدِ باری تعالیٰ، رسالت و ختم نبوتِ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور عقیدہ معاد پر ہے۔ چنانچہ اِن عقائد کے حاملین آپس میں فروعی اختلافات کے باوجود بھی ایک جسم کی مانند رہے اور جس کی وجہ سے اُمت مسلمہ کا وجود قائم رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اُمت اسلام کے اِن بنیادی عقائد و نظریات کی حامل اور محافظ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی کوئی فرد یا جماعت اِن عقائد و نظریات میں سے کسی ایک کا انکار یا مخالفت کرتی ہے، تو دین اسلام سے اُس کا کوئی تعلق باقی نہیں رہتا اور ایسے فرد یا جماعت کو اسلام سے خارج قرار دے دیا جاتا ہے۔

☆ختمی مرتبت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے مقام و مرتبہ سے کوئی عقیدہ، سوچ، فکر، مباحث خواہ اُس کا معیار کتنا ہی ارفع و اعلیٰ ہو، خواہ وہ دنیا کے کسی اہل فکر و نظر، صاحب علم اور دانشور کی زبان یا قلم سے نکلے۔ لیکن اگر وہ شان مصطفیٰ ﷺ سے ٹکراتی ہو اور اُس سے ذات رسالت مآب ﷺ پر زد پڑتی ہو، تو ایسا علم، ایسا عقیدہ، ایسی سوچ اور ایسی فکر دین اسلام کے نزدیک کفر اور اُس کا محرک بلا تحقیق کا فر و زندیق ہے۔

نبوت ورسالت انسان کی سب سے اہم، بنیادی اور فطری ضرورت ہے۔ جو حضرت آدم سے لے کر چھٹی صدی عیسوی تک قومی، علاقائی، اور دیگر بنیادوں پر قائم ہونے والے انسانی معاشرے کی اصلاح اور فلاح کیلئے الگ الگ انبیاء ورسل کی بعثت کی شکل میں پوری ہوتی رہی۔ پھر جب حکمت الٰہی کے تحت اور مسلسل عمل کے نتیجے میں دنیا کے جغرافیائی، تمدنی، مواصلاتی اور ذہنی احوال ایسی صورت اختیار کر گئے کہ پوری دنیا کو ایک ہی مرکز ہدایت سے وابستہ کرنا ممکن ہو گیا اور قیامت تک کیلئے دین اور دین کے سرچشمہ ہدایت "کتاب وسنت" کی حفاظت کے اسباب پیدا ہو گئے تو حضرت محمد مصطفی ﷺ کو ربّ العالمین نے "خاتم النبیین" بنا کر مبعوث فرمایا اور یہ طے کر دیا گیا کہ قیامت تک کے آنے والے زمانے اور پورے کرّہ ارض میں بسنے والے جنات اور انسانوں کیلئے صرف یہی ذات اقدس ﷺ وہ سرچشمہ ہدایت ہے، جس کی پیروی ہی میں سب کیلئے ہدایت اور دنیا وآخرت دونوں کی فلاح موجود ہے۔

دین اسلام میں جس طرح توحید باری تعالیٰ، رسالت اور قیامت کے بنیادی عقائد کے ساتھ ملائکہ پر ایمان لانا لازمی ہے۔ بالکل اسی طرح یہ عقیدہ بھی لازمی ہے کہ حضرت محمد مصطفی ﷺ اللہ ﷺ کے آخری پیغمبر ہیں اور اب آپ کی بعثت کے بعد یوم قیامت تک کوئی دوسرا نبی پیدا نہیں ہوگا اور نہ ہی کسی شخص کیلئے اب یہ باب نبوت کھولا جائے گا۔ اسلیئے اب جو شخص بھی ختم نبوت کے اِس معنی ومفہوم کا انکار کرے یا تاویل وتحریف کرے وہ بالاتفاق اُمت دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں تمام مسلمان بالاتفاق اس امر پر متفق رہے کہ حضرت

محمد مصطفیٰ ﷺ کائنات میں اللہ ﷻ کے آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد اب قیامت تک کوئی نبی اور رسول مبعوث نہیں ہوگا۔ ختم نبوت سے متعلق قرآن مجید میں موجود آیات کا یہی مطلب صحابہ کرام نے سمجھا اور اسی پر عمل کرتے ہوئے انہوں نے ہر اُس شخص سے جنگ کی، جس نے حضور اکرم ﷺ کے بعد دعوائے نبوت کیا۔ صحابہ کرام کے بعد بھی مطلب بعد کے ہر دور میں تمام مسلمان سمجھتے رہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے مسلمانوں نے اپنے درمیان کبھی بھی کسی ایسے شخص کو برداشت نہیں کیا جس نے کسی بھی اعتبار سے دعویٰ نبوت کیا ہو۔

اُمت مسلمہ کے اس متفقہ عقیدے کے خلاف سب سے پہلے مرزا غلام احمد قادیانی نے ''خاتم النبیین'' کی نرالی اور نئی تفسیر گڑھی کہ نبی اکرم ﷺ ''نبیوں کی مہر'' ہیں اور اس کا مطلب یہ بیان کیا کہ حضور اکرم ﷺ کے بعد اب جو بھی نبی آئے گا۔ اس کی نبوت آپ کی مہر تصدیق لگ کر مصدقہ ہوگی۔ یہی وہ نئی، نرالی اور انوکھی تفسیر و تعبیر تھی، جو قادیانیوں نے اُمت مسلمہ کی متفق علیہ تفسیر سے ہٹ کر اختیار کی۔ تفسیر کا یہ اختلاف صرف ایک لفظ کی تاویل و تفسیر تک محدود نہیں رہا، بلکہ قادیانیوں نے آگے بڑھ کر صاف صاف اعلان کر دیا کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد ایک نہیں، ہزاروں نبی آسکتے ہیں۔ ختم نبوت کا یہ نیا مفہوم اور ہزاروں نئے نبی آنے کے امکان اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں سو سے زیادہ آیات قرآنی، دو سو سے زائد احادیث مبارکہ، سینکڑوں اقوال صحابہ و تابعین و آئمہ دین اور اجماع اُمت کے خلاف تھا اور ختم نبوت کے اس نئے مفہوم اور ہزاروں نئے نبی آنے کے امکان نے انہیں اُمت مسلمہ سے جدا کر دیا۔ (یہاں یہ واضح رہے کہ کوئی بھی اسلامی عقیدہ قرآن مجید کی نص قطعی اور احادیث متواترہ کی روشنی میں ہی ترتیب پاتا ہے۔ عقیدہ ختم نبوت قرآن مجید اور احادیث متواترہ سے واضح اور قطعی طور پر ثابت ہے۔ چودہ سو سال سے اُمت مسلمہ نے عقیدہ ختم نبوت کے وہی معنی و مفہوم لیے جو کہ قرآن مجید اور احادیث متواترہ میں بیان کیے گئے۔ ختم نبوت کے اِس معنی و مفہوم کو سمجھنے میں اُمت مسلمہ میں کبھی بھی کوئی ذرہ بھر اختلاف نہیں رہا۔ یہاں یہ امر بھی واضح رہے کہ عقیدہ ختم نبوت پر'' اجماع اُمت'' سے مراد یہ نہیں ہے کہ امت مسلمہ نے عقیدہ ختم نبوت پر اتفاق رائے اور اجماع

کر کے اس عقیدے کو جنم دیا ہے۔ بلکہ یہاں عقیدہ ختم نبوت پر "اجماع امت" سے مراد یہ ہے کہ اُمت مسلمہ کا اس عقیدے کو سمجھنے میں ہمیشہ اتفاق رہا ہے۔)

چنانچہ ختم نبوت کی نئی تفسیر سے کھلنے والے دروازے کے ذریعے مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی نبوت کا دعویٰ کیا اور قادیانی گروہ نے مرزا کے اس دعوے کو حقیقی معنوں میں تسلیم کیا۔

> ''پس شریعت اسلامی نبی کے جو معنی کرتی ہے اُس معنی سے حضرت صاحب (یعنی مرزا غلام احمد قادیانی) ہرگز مجازی نبی نہیں بلکہ حقیقی نبی ہیں۔''

(حقیقۃ النبوت۔ص 174)

مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوائے نبوت کا لازمی نتیجہ یہی نکلتا تھا کہ جو بھی شخص مرزا کی نبوت پر ایمان نہ لائے وہ کافر قرار دیا جائے۔ چنانچہ قادیانیوں نے بھی یہی کیا، انہوں نے اُن تمام مسلمانوں کو اپنی تحریر و تقریر میں اعلانیہ کافر قرار دیا، جنہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی نہیں مانا۔ قادیانیوں کا مسلمانوں سے اختلاف صرف مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کے معاملے میں ہی نہیں تھا، بلکہ خود قادیانیوں نے اپنا خدا، اپنا اسلام، اپنا قرآن، اپنی نماز، اپنا روزہ، غرض کہ اپنی ہر چیز مسلمانوں سے الگ قرار دی۔ جس کا منطقی نتیجہ ظاہر ہے کہ اُن کے غیر مسلم اقلیت ہونے کی شکل میں نکلا اور اُمت مسلمہ نے اُن سے اپنے تمام تعلقات منقطع کر لیے۔

قرآن مجید تعلیمات اسلامیہ کا ماخذ اوّل ہے۔ جس میں انسانی زندگی کے ہر پہلو کے بارے میں مکمل رہنمائی موجود ہے۔ عقیدہ ختم نبوت اسلام کی بنیاد اور ایسی اساس ہے، جس نے اُمت مسلمہ کو وحدت اور استحکام کی زنجیر میں باندھ رکھا ہے۔ ختم نبوت کے عقیدے پر تمام فرزندانِ اسلام کا مجتمع ہونا رسول اکرم ﷺ کا معجزہ اور اللہ ﷻ کی سب سے بڑی رحمت ہے۔ قرآن مجید میں اس عقیدے کے حوالے سے کم و بیش ایک سو سے زائد آیات مبارکہ موجود ہیں۔ ذیل میں ہم آغاز گفتگو کے طور پر عقیدہ ختم نبوت کے حوالے سے چند قرآنی آیات و احادیث اور آثار صحابہ و تابعین کا مختصر جائزہ لیتے ہیں۔

عقیدہ ختم نبوت قرآن مجید کی روشنی میں

قرآن مجید کی سورہ احزاب میں اللہ ﷻ ارشاد فرماتا ہے۔

"مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا۔"

(سورہ احزاب۔40)

"محمد ﷺ تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں۔ بلکہ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں اور اللہ کو ہر چیز کا علم ہے۔" اس آیت کریمہ میں اللہ ﷻ نے حضور اکرم ﷺ کو "خاتم النبیین" کہہ کر یہ اعلان فرمادیا ہے کہ آپ آخری نبی ہیں۔ چنانچہ آپ کی اس جہاں میں تشریف آوری کے ساتھ سلسلہ نبوت و رسالت ختم ہو چکا ہے۔ اب قیامت تک کسی کو نہ تو منصب نبوت پر فائز کیا جائے گا اور نہ ہی منصب رسالت پر۔

خود حضور اکرم ﷺ نے متعدد احادیث متواترہ میں "خاتم النبیین" کے یہی معنی متعین فرمائے۔ جس کے بعد اب "خاتم النبیین" کے معنی و مفہوم میں کسی قسم کا نہ تو کوئی ابہام باقی رہتا ہے اور نہ ہی مزید کسی لغوی تحقیق کی گنجائش یا ضرورت باقی رہتی ہے۔ چنانچہ شیخ ابن تیمیہ نے اسی تصور کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا کہ "یہ جان لینا چاہیے کہ جب نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس کی جانب سے قرآن اور سنت کے الفاظ کی تشریح و توضیح معلوم ہو جائے تو پھر ایسی صورت میں ماہرین لغت یا ان کے علاوہ دوسروں کے اقوال کی ضرورت نہیں رہتی۔"

(الایمان۔ ص 271، عقیدہ ختم نبوت اور فتنہ قادیانیت۔ ص 52)

آئمہ لغت کے نزدیک "خاتم" کا معنی

امام راغب اصفہانی، امام اسماعیل بن حماد الجوہری، علامہ ابن منظور، اور علامہ الزبیدی سمیت تمام آئمہ لغت نے "خاتم" کے معنی آخری نبی اور انبیاء کے آخری فرد کے لیے ہیں۔ امام راغب اصفہانی المفردات میں "خاتم" کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"و خاتم النبیین لانہ ختم النبوہ ای تممها بمجیئه"
"حضور اکرم ﷺ کو" خاتم النبیین" اسلیئے کہا جاتا ہے کہ آپ نے نبوت کو ختم فرما دیا۔ یعنی آپ کی تشریف آوری سے نبوت تمام ہو چکی ہے۔"
علامہ ابن منظور کے نزدیک" خاتم" کے معنی یہ ہیں" و ختام القوم و خاتمهم و خاتمهم آخر هم و محمد ﷺ خاتم الانبیاء علیه و علیهم الصلوة و السلام"" ختام القوم، خاتم القوم (بکسر التائ) اور خاتم القوم (بفتح التائ) ان سب کا معنی ہے قوم کا آخری فرد۔ اسی نسبت سے حضور اکرم ﷺ کو خاتم الانبیاء کہا جاتا ہے۔ کیونکہ آپ بھی باعتبار بعثت گروہ انبیاء کے آخری فرد ہیں۔"

(عقیدہ ختم نبوت اور فتنہ قادیانیت۔ ص 53,54)

آئمہ تفسیر کے نزدیک "خاتم النبیین" کا معنی

اسی طرح جملہ آئمہ تفاسیر اور ترجمان القرآن حضرت عبداللہ ابن عباس، امام المفسرین علامہ ابن جریر طبری، علامہ زمخشری، علامہ ابن جوزی، امام فخر الدین رازی، علامہ بیضاوی، علامہ ابن کثیر، امام جلال الدین سیوطی، علامہ اسماعیل حقی، قاضی شوکانی، علامہ سید محمود آلوسی اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے بھی آیت مذکورہ میں" خاتم النبیین" کے معنی آخری نبی اور سلسلہ نبوت کو ختم کرنے والے کے لیے ہیں۔

ترجمان القرآن حضرت عبداللہ ابن عباس" تفسیر ابن عباس" میں فرماتے ہیں۔
"ختم اللہ به النبیین قبله فلا یکون نبی بعده "خاتم" کے معنی یہ ہیں کہ اللہ ﷻ نے سلسلہ انبیاء حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس پر ختم فرما دیا ہے۔ پس آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا۔"
امام المفسرین علامہ ابن جریر طبری" تفسیر طبری" میں لکھتے ہیں۔
"ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین الذی ختم النبوہ فطبع علیها فلا

تفتح لاحد بعدہ الی قیام الساعہ"

(تفسیر طبری جلد 10۔ جزو 22۔ ص 12)

"لیکن آپ اللہ کے رسول ہیں اور "خاتم النبیین" یعنی وہ ہستی جس نے (مبعوث ہوکر) سلسلہ نبوت ختم فرمادیا ہے اور اُس پر مہر ثبت کردی ہے اور قیامت تک یہ کسی کیلئے نہیں کھلے گی" علامہ ابن جریر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ اگر خاتم النبیین بکسر التاء پڑھا جائے تو اس کا معنی ہے۔ انہ الذی ختم الانبیاء "وہ ذات جس نے سلسلہ بعثت انبیاء ختم فرمادیا" دوسری صورت میں اگر خاتم النبیین بفتح التاء پڑھا جائے تو اس کا معنی ہوگا، "انہ آخر النبیین" "بے شک آپ آخری نبی ہیں۔"

اکابرین اُمت کے نزدیک "خاتم النبیین" کا معنی

آئمہ لغت اور آئمہ تفسیر کی طرح اکابرین فقہا و محدثین نے بھی "خاتم النبیین" کے وہی معنی و مفہوم مراد لیے جو اس سے قبل آئمہ لغت اور آئمہ تفسیر نے لیے تھے اور اُن کا موقف بھی یہی تھا کہ آپ آخری نبی ہیں اور آپ نے تشریف لاکر بعثت الانبیاء کا سلسلہ ختم فرمادیا۔ اب آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا۔ یہ اُمت کا وہ اجماعی فیصلہ ہے جس کے بعد دعویٰ نبوت کفر وارتداد اور کذب و افتراء ہے۔ اسی وجہ سے امام اعظم امام ابوحنیفہ حضرت نعمان بن ثابت ؓ کے نزدیک تو جھوٹے مدعی نبوت سے دلیل کا طلب کرنا بھی کفر ہے۔ امام ابوجعفر طحاوی کے مطابق "حضور اکرم ﷺ کے بعد ہر قسم کا دعویٰ نبوت بغاوت و گمراہی اور خواہش نفس کی پیروی ہے۔"

علامہ سعد الدین تفتازانی "شرح عقائد نسفیہ" میں لکھتے ہیں۔ "نبی کریم ﷺ کا کلام (حدیث مبارکہ) اور کلام الٰہی جو آپ پر نازل ہوا (یعنی قرآن مجید) اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آپ نے سلسلہ نبوت کو ختم کردیا ہے اور آپ کائنات انسانی بلکہ تمام جن وانس کی طرف (رسول بن کر) مبعوث

ہوئے ہیں۔(قرآن وحدیث) سے ثابت ہوا کہ آپ آخری نبی ہیں۔"

(شرح عقائد نسفیہ، ص 99 بیان فی ارسال الرسل)

امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں "نبی کریم ﷺ تمام نبیوں پر فضلیت رکھتے ہیں اور اللہ نے آپ پر بعثت رسل ختم کر دیا ہے۔ اور آپ کے ذریعے شریعت کی تکمیل کر دی۔"

(فتح الباری شرح بخاری، کتاب المناقب باب خاتم النبیین)

امام قسطلانی کے مطابق "خاتم النبیین" کا معنی ہے کہ آپ سب سے آخر میں تشریف لائے۔ آپ نے سلسلہ نبوت کو ختم فرما دیا اور اُس پر مہر لگا دی۔"

(ارشاد الساری شرح بخاری۔ کتاب المناقب باب خاتم النبیین)

امام اہلسنّت الشاہ احمد رضا فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کے مطابق "حضور پر نور خاتم النبیین سید المرسلینا کا خاتم یعنی بعثت میں آخر جمیع انبیاء و مرسلین بلا تاویل و بلا تخصیص ہونا ضروریات دین سے ہے، جو اس کا منکر ہو یا اس میں ادنٰی شک و شبہ کو بھی راہ دے، کافر مرتد ملعون ہے۔"

(فتاویٰ رضویہ جلد 6۔ص 57)

چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لے کر آج تک جتنے بھی اکابرین اُمت گزرے، اُن سب کی تصریحات، تشریحات اور دلائل و اقوال سے یہ بات ثابت ہے کہ حضور اکرم ﷺ آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد قیامت تک نبوت و رسالت کا سلسلہ بند ہو چکا ہے۔ اس لیے حضور اکرم ﷺ کے بعد جو شخص بھی نبوت و رسالت کا دعویٰ کرے اور پھر اس دعوے کے بارے میں کتنی ہی تاویلیں کیوں نہ کرے، اپنی نبوت کو ظلی، بروزی، لغوی ثابت کرنے کیلئے لاکھ جتن کرے، لیکن اسے کافر، مرتد اور زندیق ہی قرار دیا جائے گا۔

بعثت مصطفیٰ ﷺ اکمال نعمت اور تکمیل دین ہے

قرآن مجید کی سورہ مائدہ میں اللہ ﷻ ارشاد فرماتا ہے۔

"اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔"

(سورہ مائدہ 5:3)

"آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت (نبوت و رسالت محمدی ﷺ کی صورت میں) تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین (دائمی نظام حیات) منتخب کر لیا۔"

اس آیت مبارکہ میں اکمال دین سے مراد دین اسلام ہے۔ جبکہ اتمام نعمت سے مراد حضور اکرم ﷺ کی ختم نبوت ہے۔ یعنی اے ایمان والو تم پر نعمت نبوت ختم ہو چکی۔ اب اس کے بعد کسی نبی کی ضرورت نہیں اور دین اسلام مکمل شکل میں تمہارے پاس آ گیا۔ اب قیامت تک یہی دین چلے گا۔ کسی نئے نبی یا دین کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں "اللہ ﷻ کا اس اُمت پر سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ ان کیلئے ان کا دین مکمل کر دیا۔ اب وہ کسی دوسرے دین کے محتاج نہیں اور نہ اپنے نبی ﷺ کے سوا کسی دوسرے نبی کے۔ اسی وجہ سے اللہ ﷻ نے حضور اکرم ﷺ کو تمام نبیوں کے آخر میں جن و انس (اور جملہ مخلوق) کی طرف بھیجا۔ پس جس چیز کو آپ نے حلال قرار دیا ہے۔ وہی حلال ہے اور جس چیز کو آپ نے حرام قرار دیا اس کے علاوہ کوئی حرام نہیں اور جس دین کو آپ لائے اس کے علاوہ (قیامت تک) کوئی دین نہیں اور ہر وہ چیز جس کے متعلق آپ نے خبر دی وہ سچی ہے۔ اس میں جھوٹ کا شائبہ تک نہیں اور نہ ہی وہ خلاف واقع ہے۔"

(تفسیر ابن کثیر 2'2'12)

قاضی شوکانی لکھتے ہیں کہ ”ابن جریر اور ابن منذر بیان کرتے ہیں کہ اللہ نے اپنے نبی ﷺ اور ایمان والوں کو خبر دی کہ اللہ ﷻ نے ان کے ایمان (یعنی دین) کو مکمل کردیا۔ بس اب کبھی بھی اس میں اضافہ کی ضرورت نہیں اور نعمت تمام کردی، جو کبھی بھی کم نہ ہوگی اور اسلام پر راضی ہوگیا۔ پس اب کبھی بھی ناراض نہ ہوگا۔“

(عقیدہ ختم نبوت اور فتنہ قادیانیت، ص 107)

اب قیامت تک نیابت محمدی ﷺ کا سلسلہ چلے گا

اللہ ﷻ نے انسانیت کی رشد و ہدایت اور اپنے پیغام کو کائنات انسانی تک پہنچانے کیلیے وحی کا سلسلہ شروع فرمایا اور اپنے انبیاء کو مختلف زمانوں اور قوموں میں مبعوث فرما کر اُن پر اپنی وحی نازل کی۔ ان میں سے بعض پر صحیفے اور بعض پر کتابیں اتاریں اور بعض سے اپنی شان کے مطابق ہمکلام ہوا۔ اس طرح اللہ ﷻ کا پیغام انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے ذریعے نسل انسانی تک مختلف وقتوں میں پہنچتا رہا۔ تا آنکہ حضور اکرم ﷺ کی بعثت کا وقت آ گیا۔ جب حضور اکرم ﷺ مبعوث ہوئے تو اللہ ﷻ نے حضور اکرم ﷺ کی بعثت کے بعد نبیوں کی بعثت کے نظام کو ختم کردیا اور خلافت و نیابتِ محمدی ﷺ کا سلسلہ قائم کردیا۔ اب قیامت تک یہی سلسلہ چلے گا، چنانچہ کتب صحاح اور حدیث و تفسیر کی دیگر کتابوں میں یہ حدیث موجود ہے کہ حضرت اُبوحازم رضی اللہ عنہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔

”کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبی خلفه نبی وانه لا نبی بعدی وسیکون خلفاء فیکثرون۔“

”(پہلے زمانے میں) بنی اسرائیل کی قیادت اُن کے انبیاء کیا کرتے تھے۔ جب ایک نبی وصال فرما جاتا تو اللہ پاک دوسرا نبی مبعوث فرمادیتا (پھر میری بعثت ہوگئی) میرے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا۔ (چونکہ میں آخری نبی ہوں لہٰذا میرے بعد) اب (میرے) خلفاء ہوں گے، جو

بکثرت ہوں گے۔"

(صحیح بخاری کتاب الانبیاء، عقیدہ ختم نبوت وفتنہ قادیانیت ص108)

اس حدیث پاک سے واضح ہوگیا کہ پہلے زمانے میں لوگوں کی قیادت کیلئے اللہ پاک نے اجراء نبوت کا طویل سلسلہ جو کہ بنی اسرائیل میں جاری فرمایا تھا وہ نبی آخرالزماں حضور اکرم ﷺ کی بعثت کے بعد ختم کردیا۔البتہ اب اُمت مسلمہ میں لوگوں کی قیادت کیلئے قیامت تک خلافت و نیابت محمدی ﷺ کا سلسلہ چلے گا۔حضور اکرم ﷺ کی اُمت کے خلفاء و پیروکار اور علماء اب خلیفہ اور نائب ہونگے ۔جبکہ حقیقی قیادت و خلافت جو کہ خلافت الٰہیہ سے موسوم ہے ۔وہ حضور اکرم ﷺ ہی کی ہوگی۔یہی وجہ ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جب مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو لوگوں نے آپ کو خلیفۃ اللہ پکارا جس کے جواب میں آپ نے ارشادفرمایا کہ "لست خلیفۃ اللہ و لکنی خلیفۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"

(مقدمہ ابن خلدون فصل نمبر 26)

"یعنی" میں خدا کا خلیفہ نہیں، بلکہ رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ ہوں"

طبرانی حاکم، ابن عساکر اور دیگر کتب حدیث وسیر میں بالاتفاق مذکور ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہمیشہ خود کو خلیفہ رسول اللہ ﷺ کہتے اور دیگر تمام صحابہ اور مسلمین بھی آپ کو اسی لقب سے یاد کرتے۔علامہ ابن خلدون اسی تصور کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ" منصب خلافت و امامت دینی اور دنیاوی امور کی خلافت میں صاحب شریعت یعنی نبی کی نیابت کو کہتے ہیں۔"

(مقدمہ ابن خلدون فصل نمبر 26)

یہاں یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ جب اللہ ﷻ نے اپنی حکمت کاملہ سے دین مکمل کردیا

اور اجرائے نبوت کے نظام کو ختم کر کے اُس کی جگہ نبوتِ مصطفیٰ ﷺ کی خلافت و نیابت کا نظام جاری فرمادیا تو اب کسی نئے نبی کی بعثت کی ضرورت نہیں رہی۔ کیونکہ نبی کا کام اللہ ﷻ کا دیا ہوا پیغام لوگوں تک پہنچانا ہے۔ لہٰذا جو بھی نبوت و رسالت کا دعویٰ کرے اُس کے پاس پیغام الٰہی کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر اُس کے پاس پیغام ہی نہ ہو تو پھر وہ پیغامبر کیسا۔ حضور اکرم ﷺ کی آمد سے دین مکمل ہو گیا اور اللہ ﷻ نے اپنی نعمتیں تمام کر دیں۔ گویا آپ کی بعثت کے ساتھ ہی قیامت تک کیلئے اللہ ﷻ کا ساری انسانیت کیلئے پیغام بھی مکمل ہو گیا۔ چنانچہ ایسی صورت میں کسی نئے نبی کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی۔ لہٰذا اب اگر کوئی شخص کسی بھی معنی میں حضور اکرم ﷺ کی ختم نبوت کا انکار کرے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

حضور ﷺ کی نبوت و رسالت قیامت تک کے انسانوں کیلئے ہے

قرآن مجید کی سورہ الاعراف میں ارشاد ہے۔

"قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا"

(الاعراف۔158)

"آپ فرمادیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ ﷻ کا (بھیجا ہوا) رسول ہوں" مذکورہ آیت حضور اکرم ﷺ کی ختم نبوت کی دلیل دیتے ہوئے بیان کرتی ہے کہ اس کائنات میں جب تک نسل انسانی کا ایک بھی فرد باقی رہے گا۔ خواہ اُس کا تعلق کسی بھی رنگ، نسل، قوم، علاقہ اور زبان سے ہو۔ حضور اکرم ﷺ بلا شرکت غیرے اُس کے نبی اور رسول ہوں گے اور کائنات انسانی کے سارے زمان و مکان، نبوت و رسالت محمدی ﷺ میں داخل ہیں۔ اسی تصور کو واضح کرتے ہوئے اللہ ﷻ نے سورہ النساء میں ارشاد فرمایا۔

"وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا"

(النساء۔79)

"اور (اے پیارے محبوب) ہم نے تو آپ کو تمام لوگوں کیلئے رسول بنا کر بھیجا ہے اور (آپ کی رسالت کی عمومیت پر) اللہ کی گواہی کافی ہے۔"

سورہ سبا میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا"

(سورہ سبائ۔28)

"اور (اے رسول) ہم نے آپ کو ساری انسانیت کیلئے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔"

اللہ ﷻ اُمت محمدی ﷺ کے بارے میں فرماتا ہے۔

"کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاس"

(آل عمران۔110)

"(اے اُمت محمدی) تم بہترین اُمت ہو، جو نسل انسانی (کی رہنمائی) کیلئے پیدا کی گئی ہے۔"

جس طرح حضور اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت قیامت تک کے انسانوں کیلئے ہے۔ بالکل اسی طرح اب قیامت تک کیلئے صرف آپ کی اُمت ہوگی۔ یعنی جس طرح آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا بالکل اسی طرح اُمت محمدی ﷺ کے بعد کوئی امت نہیں ہوگی۔ اسی وجہ سے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "لا نبی بعدی و لا امۃ بعد امتی"

(ابن کثیر، ج9، ص۔369)

"نہ میرے بعد کوئی نبی اور نہ میری اُمت کے بعد کوئی اُمت" دوسری جگہ آپ نے فرمایا کہ "انا آخر الانبیاء و انتم آخر الامم"

(سنن ابن ماجہ، ابواب الفتن، باب فتنۃ الدجال، ص۔307)

"میں آخری نبی ہوں اور تم آخری اُمت۔"

ان مندرجہ بالا آیات و حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی نبوت و

رسالت قیامت تک آنے والی نسل انسانی کے ہر فرد کیلئے ہے۔ اب قیامت تک صرف آپ ہی کی اُمت ہوگی۔ جس طرح آپ آخری نبی ہیں۔ بالکل اسی طرح اُمت مسلمہ بھی آخری اُمت ہے۔ چنانچہ اس حوالے سے ذیل میں چند منتخب احادیث مبارکہ درج کی جاتی ہیں۔

عقیدہ ختم نبوت احادیث مبارکہ کی روشنی میں

واضح رہے کہ عقیدہ ختم نبوت احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ حدیث متواترہ وہ حدیث ہے جس کے روایت کرنے والے حضور اکرم ﷺ کے عہد سے لے کر آج تک اِس کثرت سے ہوں کہ اُن کا کسی خلاف واقعہ اُمر پر اتفاق کر کے جھوٹ بولنا محال ہو۔ اسی لیے تمام اُمت کا اجماعی فیصلہ ہے کہ اس پر ایمان لانا قرآن کی طرح فرض اور اس کا انکار کفر صریح ہے۔ کیونکہ یہ درحقیقت ایک حدیث کا انکار نہیں بلکہ حضور اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت کا انکار اور العیاذ باللہ آپ کے صدق و دیانت پر حملہ کے مترادف ہے۔

ذیل میں ہم حضور اکرم ﷺ کی احادیث کی روشنی میں ''خاتم النبیین'' کے معنی و مفہوم کا جائزہ لیں گے اور جاننے کی کوشش کریں گے کہ آپ نے اس کے کیا معنی بیان فرمائے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ

''ان مثلی و مثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بیتا فاحسنه و اجمله الا موضع لبنة من زاویة فجعل الناس یطوفون به و یعجبون له و یقولون هلا وضعت هذه اللبنه فانا اللبنة و انا خاتم النبیین۔''

(بخاری، کتاب المناقب باب خاتم النبیین جلد 1 ص۔501)

''میری اور مجھ سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء کی مثال ایک ایسے شخص کی طرح ہے جس نے ایک حسین و جمیل گھر بنایا مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ لوگ اس گھر کے گرد چکر لگاتے اور (اس کی خوبصورتی اور عمدگی پر) اظہار تعجب کرتے اور کہتے کہ یہ اینٹ کیوں نہیں لگائی

گئی۔(کاش یہ بھی لگ جاتی تا کہ گھر مکمل ہو جاتا۔آپ نے مزید فرمایا)
میں ہی وہ اینٹ ہوں اور خاتم النبیین ہوں۔"

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ قصرِ نبوت جس کی خشتِ اوّل حضرت آدم علیہ السلام اور خشتِ آخر حضور ﷺ ہیں۔وہ اپنی تکمیل کو پہنچ چکا،اب اِس کے بعد کسی اینٹ کی گنجائش باقی نہیں جو قصرِ نبوت میں لگ سکے۔اس حدیث سے دوسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام جو قربِ قیامت دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے وہ "من قبلی" میں شامل ہیں یعنی وہ اُن انبیاء میں سے ہیں جنہیں آپ کی بعثت سے پہلے منصبِ نبوت عطا کیا گیا۔

اس حدیث نے نبوت کو حسی محل کے ساتھ تشبیہ دے کر (ملحد قادیان کے) اُن تمام ذہنی اعتبارات اور خود تراشیدہ باطل نظریات کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور مسئلہ ختم نبوت کو ذہن سے نکال کر محسوسات کے دائرے میں داخل کر دیا ہے۔جس میں ذہنی تخیلات و اعتبارات کا احتمال ہی نہیں۔(بلکہ ہر شخص سر کی آنکھوں سے مشاہدہ کر کے یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ قصرِ نبوت کی تکمیل ہو چکی اور اب اس پر مزید کسی اضافے کی قطعاً کوئی گنجائش باقی نہیں)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا

"کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبی خلفه نبی وانه لانبی بعدی وسیکون خلفاء فیکثرون"

(بخاری ج۔1 کتاب الانبیاء ص۔491)

"پہلے زمانے میں بنی اسرائیل کی قیادت اُن کے نبی کیا کرتے تھے۔جب ایک نبی وصال فرما جاتا تو اللہ پاک دوسرا نبی مبعوث فرما دیتا۔میرے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا۔(اس لیے اب) خلفاء ہوں گے،جو بکثرت ہوں گے۔"

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا

"ان الرسالہ والنبوہ قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی"

(ترمذی ج 2۔ص 51)

"بے شک رسالت ونبوت (میری بعثت کے بعد) منقطع ہوچکی ہے، پس میرے بعد اب کوئی رسول ہوگا اور نہ نبی۔"

حضرت عقبہ بن عامر ﷺ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو کان نبی بعدی لکان عمر بن الخطاب" (ترمذی۔ج 2، ابواب المناقب، ص۔209)

"نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن خطاب ہوتے"

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلی انت منی بمنزلۃ ھارون من موسی الا انہ لا نبی بعدی حین خلفہ فی غزوۃ تبوک۔"

(مسلم کتاب فضائل الصحابہ۔ بخاری، کتاب فضائل الصحابہ)

"رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ تبوک کے موقع پر حضرت علی ﷺ کو پیچھے چھوڑتے وقت فرمایا میرے ساتھ تمہاری نسبت وہی ہے، جو ہارون کو موسیٰ کے ساتھ تھی۔ مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔"

"قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انا محمد ،وانا احمد ،وانا الماحی الذی یمحیٰ بی الکفر وانا الحاشر الناس علی عقبی وانا العاقب والعاقب الذی لیس بعدہ نبی۔"

(بخاری، مسلم ترمذی، المستدرک)

"نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں کہ میرے ذریعہ کفر کو مٹایا جائے گا۔ میں حاشر ہوں کہ میرے بعد حشر برپا ہوگا اور میں عاقب ہوں اور عاقب وہ ہے جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔"

"لی النبوۃ ولکم الخلافۃ"

(کنزالعمال، ج 11، ص۔706)

''میرے لیے نبوت ہے اور تمہارے لیے خلافت''

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔ ''انا رسول من ادرکت حیا و من یلد بعدی'' (کنز العمال، ج11، ص۔404)

''میں اس شخص کا بھی رسول ہوں جسے اپنی زندگی میں پالوں (یعنی جو میری ظاہری حیات میں پیدا ہو) اور اس شخص کا بھی جو میرے بعد (قیامت تک) پیدا ہو۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خواہ کوئی آپ کی ظاہری حیات میں پیدا ہو یا بعد از وصال (ظاہری) قیامت تک پیدا ہو۔ آپ سب کیلئے نبی و رسول ہیں۔ چنانچہ ان مندرجہ بالا احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اب کوئی شخص خلیفۃ الرسول تو ہو سکتا ہے لیکن نبی نہیں ہو سکتا۔

عقیدہ ختم نبوت اور آثار صحابہ و تابعین

اس عنوان کے تحت ہم ذیل میں صحابہ کرام، تابعین اور اکابرین اُمت کے چند اقوالِ درج کر رہے ہیں۔

حضرت صدیق اکبر ﷺ فرماتے ہیں ''اب وحی منقطع ہو چکی اور دین الٰہی تمام ہو چکا، کیا میری زندگی ہی میں اس کا نقصان شروع ہو جائے گا۔''

(تاریخ الخلفائ)

آپ کے وصال ظاہری کے وقت حضرت صدیق اکبر ﷺ نے فرمایا ''آج ہم وحی کو اور خدا کی جانب سے کلام کو گم کر چکے ہیں۔''

(کنز العمال۔ ج4۔ ص50، ختم نبوت)

اسی مضمون کا کلام صحیح بخاری میں حضرت فاروق اعظم اور سیدنا صدیق اکبر ﷺ سے منقول ہے۔ حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں کہ'' جب حضور اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو حضرت صدیق اکبر ﷺ نے حضرت عمر ﷺ سے فرمایا چلو اُم ایمن رضی اللہ عنہا کی زیارت کر آئیں کیونکہ حضور اکرم ﷺ بھی اُن

کی زیارت کیلئے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ حضرت انس ﷺ کا بیان ہے کہ ہم تینوں وہاں گئے۔ اُم ایمن رضی اللہ عنہا ہمیں دیکھ کر رونے لگیں جس پر ان دونوں حضرات نے فرمایا، دیکھو اُم ایمن، رسول اللہ ﷺ کیلئے وہی بہتر ہے، جو اللہ کے نزدیک آپ کے واسطے مقدر ہے۔ انہوں نے کہا "یہ تو میں بھی جانتی ہوں کہ آپ کیلئے وہی بہتر ہے جو اللہ کے نزدیک ہے۔ لیکن میں اِس پر روتی ہوں کہ آسمانی خبریں ہم سے منقطع ہو گئیں۔ یہ سن کر دونوں حضرات بھی اُن کے ساتھ رونے لگے۔"

(کنذ ائی لکنز، ج4 ص۔48، ختم نبوت)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ رسول اللہ ﷺ کے شمائل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "آپ کے دونوں شانوں کے درمیان "مہر نبوت" ہے اور آپ انبیاء کے ختم کرنے والے ہیں۔"

(رواہ الترمذی، فی الشمائل، ص2)

حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ سے ابن ماجہ اور بیہقی نے یہ الفاظ روایت کئے ہیں "اے اللہ اپنے درود اور برکتیں رسولوں کے سردار اور متقیوں کے امام اور انبیاء کے ختم کرنے والے پر نازل فرما۔"

(شرح شفائی۔ ج3۔ ص530، ختم نبوت)

حضرت وہب بن منبہ ﷺ جو کتب سابقہ کے مشہور عالم ہیں، فرماتے ہیں کہ خداوند عالم نے اُمت محمدیہ ﷺ کی نسبت ایک طویل کلام میں ارشاد فرمایا "میں انہی پر وہ خیر ختم کروں گا، جس سے میں نے اوّل شروع کیا ہے۔"

(تفسیر ابن کثیر ص96، جلد8، سورۃ احزاب)

عقیدہ ختم نبوت اور علمائے اُمت

شیخ ابن حزم فرماتے ہیں "اور یقیناً وحی کا سلسلہ نبی اکرم ﷺ کی وفات کے

بعد منقطع ہو چکا ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ وحی نہیں ہوتی مگر ایک نبی کی طرف اور اللہ ﷻ فرما چکا ہے کہ محمد ﷺ نہیں ہیں، تم میں سے کسی کے باپ، مگر وہ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم ہیں نبیوں کے۔"

(المحلی ج 1، ص۔ 26)

حضرت امام غزالی فرماتے ہیں "اُمت نے اس لفظ (لا نبی بعدی) سے بالاجماع یہ سمجھا کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ بتا دیا ہے کہ آپ کے بعد کبھی نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ کوئی رسول اور یہ کہ اس میں کسی تاویل اور تخصیص کی گنجائش نہیں ہے، جو شخص اس کی تاویل کر کے اسے خاص معنی کے ساتھ مخصوص کرے تو اُس کا کلام مجنونانہ بکواس کی قسم سے ہے اور کوئی تاویل اُس پر کفر کا حکم لگانے میں مانع نہیں ہے، کیونکہ وہ اُس نص کو جھٹلا رہا ہے جس کے متعلق تمام اُمت کا اجماع ہے کہ اُس کی تاویل و تخصیص نہیں کی جا سکتی۔"

(الاقتصاد فی الاعتقاد، ص۔ 113)

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں "ہر وہ شخص جو نبی اکرم ﷺ کے بعد اس مقام (نبوت) کا دعویٰ کرے، وہ جھوٹا مفتری، دجال گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے"

ملا علی قاری فرماتے ہیں "اور ہمارے نبی اکرم ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کفر ہے، بالاجماع امت۔"

علامہ محمود آلوسی فرماتے ہیں "اور نبی اکرم ﷺ کا "خاتم النبیین" ہونا ان باتوں میں سے ہے، جن کی کتاب اللہ نے تصریح کی اور سنت نے واشگاف بیان کیا اور اُمت نے اس پر اجماع کیا۔ لہٰذا اس کے خلاف دعویٰ کرنے والے کی تکفیر کی جائے گی اور اگر اصرار کرے گا تو قتل کیا جائے گا۔"

(روح المعانی ج۔ 22، ص 39)

علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں ''جو شخص محمد ﷺ کے بعد کسی وحی کا اعتقاد رکھے باجماع مسلمین وہ کافر ہو گیا۔''

حضرت شاہ عبد العزیز ''میزان العقائد'' میں تحریر فرماتے ہیں '' محمد ﷺ رسول ہیں اور انبیاء کے ختم کرنے والے ہیں۔''

فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ '' جب کوئی آدمی عقیدہ نہ رکھے کہ محمد ﷺ آخری نبی ہیں تو وہ مسلمان نہیں اور اگر کہے کہ میں رسول اللہ ہوں یا فارسی میں کہے کہ میں پیغمبر ہوں اور مراد یہ ہو کہ میں پیغام پہنچاتا ہوں تب بھی کافر ہو جاتا ہے۔''

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ

باب:۔ دوم

عقیدہ ختم نبوت
کی
ضرورت و اہمیت

☆اسلام کی پوری تاریخ میں اِس اجماعی عقیدے کا اظہار اِس طرح سے ہوتا رہا کہ جب بھی کبھی کوئی جھوٹا مدعی نبوت پیدا ہوا تو فدایانِ ختم نبوت نے اُس کو کیفر کردار تک پہنچایا۔ یہ عمل اِس عقیدے کے تحفظ کا ایک ایسا عملی ثبوت ہے جس کا اظہار اسلام کے ہر دور میں ہوتا رہا ہے اور انشاءاللہ ہمیشہ ہوتا رہے گا۔

☆ختم نبوت اسلام کے اُن اجماعی عقائد میں سے ہے۔ جس کو دین اسلام اصول اور ضروریاتِ دین میں شمار کیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ ضروریاتِ دین کی اصطلاح سے مراد وہ قطعی اور یقینی اُمور ہیں جو حضور اکرم ﷺ سے بطریقِ تواتر قطعی ثابت ہوں اور حد تواتر یعنی شہرت عام تک پہنچ چکے ہوں اور ان امور کو عام طور پر مسلمان جانتے ہوں۔

عقیدہ ختم نبوت کی ضرورت و اہمیت

اسلامی عقائد میں ''عقیدہ ختم نبوت'' کو بنیادی اور مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اگر کوئی شخص اسلام کے تمام تر عقائد پر غیر متزلزل یقین رکھتا ہو لیکن وہ اگر نبی آخر الزماں ﷺ کی ختم نبوت سے متعلق معمولی سے بھی شک و شبہ میں مبتلا ہے۔ تو وہ کسی بھی صورت مسلمان نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ایسا شخص بالاتفاق دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ آج تک پوری اُمت مسلمہ کا اِس بات پر اجماع رہا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی بعثت کے ساتھ ہی نبوت و رسالت کا دروازہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے بند ہو گیا ہے اور اب آپ کے بعد کسی نئے نبی کے آنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ لہٰذا اب اگر کوئی شخص کسی بھی معنوں میں دعویٰ نبوت کرتا ہے تو وہ بالاتفاق اُمت کافر و مرتد اور کذّاب و دجّال قرار دیا جاتا ہے۔

اللہ ﷻ نے قرآن مجید میں حضور اکرم ﷺ کو کئی القابات اور ناموں سے مخاطب کیا ہے۔ ہر نام اور ہر لقب آپ کیلئے کسی نہ کسی اعزاز کا مظہر ہے۔ ربِّ کریم کبھی آپ کو محمد، کبھی احمد، کبھی نذیر، کبھی اُمی، کبھی برہان، کبھی داعی اِلی اللہ، کبھی سراج منیر، کبھی شاہد و مشہود، کبھی صادق کبھی یٰسین و طٰہٰ، کبھی مزمل و مدثر، کبھی مطاع و مبشر، اور کبھی رحمۃ اللعالمین کہہ کر پکارتا ہے اور اِن سب القابات کے ساتھ ایک مقام پر آپ کو ''خاتم النبیین'' کہہ کر وہ امتیازی شان اور خصوصیت عطا کی جاتی ہے جو دیگر تمام خصوصیات سے جدا اور انفرادی ہے۔ اِس لفظ ''خاتم النبیین'' کے اندر آپ کی وہ امتیازی، انفرادی، اعزازی، اور خصوصی شان پوشیدہ ہے۔ جس میں کوئی نبی اور رسول ذرّہ برابر بھی آپ کا شریک نہیں ہو سکتا۔ اسلیئے بالیقین کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح اللہ ﷻ اپنے یکتا اور خالق و مالک ہونے میں وحدہٗ لاشریک ہے۔ بالکل اُسی طرح حضور اکرم ﷺ بھی اپنے ''خاتم

النبیین" ہونے میں واحد و لاشریک ہیں۔ سلسلہ نبوت حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر حضور اقدس ﷺ پر اختتام پزیر ہوتا ہے۔ بزم جہاں میں بعثت کے اعتبار سے سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام اور سب سے آخری حضرت محمد مصطفی ﷺ ہیں۔ بالفاظ دیگر جس طرح حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے کوئی نبی نہیں بالکل اُسی طرح حضرت محمد مصطفی ﷺ کے بعد بھی کوئی نبی و رسول نہیں ہے۔ اسلئے کہ آپ "خاتم النبیین" ہیں اور یہی اسلام کا وہ عظیم الشان عقیدہ ہے جسے عقیدہ ختم نبوت کہا جاتا ہے اور جس پر دین اسلام کی عظیم الشان عمارت قائم ہے۔ دراصل یہی وہ عقیدہ ہے جو اسلام کا قلب وجگر، روح و جان اور مرکز و محور ہے۔ اِس عقیدے میں معمولی سی لچک اور نرمی انسان کو ایمان کی روشن بلندیوں سے اٹھا کر کفر کی ذلت آمیز گہرائیوں میں پھینک دیتی ہے۔

ختم نبوت کے اِس عقیدے پر قرآن مجید میں کم و بیش سو سے زائد آیات مبارکہ اور ذخیرہ حدیث میں دو سو سے زائد احادیث متواترہ شاہد ہیں جو اِس عقیدے کی حقانیت کی واضح دلیل ہیں اور دلالت و ثبوت کے اعتبار سے ہر قسم کے شک و شبہ سے پاک ہیں۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ کسی مسئلہ میں قرآن کریم کی ایک آیت مبارکہ بھی قطعی الدلالت ہو تو مضمون کی قطعیت کیلئے کافی ہوتی ہے۔ چہ جائیکہ قرآن کریم کی ایک سو سے زائد آیات ختم نبوت پر دلالت کرتی ہیں اور اسی طرح ایسی احادیث نبویہ بھی تواتر کے ساتھ موجود ہیں۔ جن کی نظیر احادیث ذخیرہ حدیث میں نہیں ملتی۔ گویا قرآن و حدیث میں اِس قطعیت کی نظیر کسی اور مسئلہ میں نہیں ملے گی۔ جس طرح توحید الٰہی تمام ادیان کا اجماعی عقیدہ ہے۔ بالکل اِسی طرح ختم نبوت کا عقیدہ بھی تمام کتب الٰہیہ، تمام انبیاء کرام اور تمام ادیان سماویہ کا متفق علیہ اور اجماعی عقیدہ ہے۔ آغاز انسانیت سے لے کر آج تک اِس عقیدے پر اُمت کا ہمیشہ اتفاق رہا ہے کہ "خاتم النبیین" صرف اور صرف حضرت محمد مصطفی ﷺ ہی کی ذات مبارکہ ہے اور سلسلہ نبوت آپ کی ذات مبارکہ پر ختم ہو چکا ہے۔

اسلام کی پوری تاریخ میں اِس اجماعی عقیدے کا اظہار اِس طرح سے ہوتا رہا کہ جب بھی کبھی کوئی جھوٹا مدعی نبوت پیدا ہوا تو فدایانِ ختم نبوت نے اُس کا سر قلم کر دیا گیا۔ یہ عمل اِس عقیدے کے تحفظ کا ایک ایسا عملی ثبوت ہے۔ جس کا اظہار اسلام کے ہر دور میں ہوتا رہا ہے اور

انشاء اللہ ہمیشہ ہوتا رہے گا۔

عقیدہ ختم نبوت اسلام کے اُن اجماعی عقائد میں سے ہے۔ جس کو دین اسلام اصول اور ضروریات دین میں شمار کرتا ہے۔ واضح رہے کہ ضروریات دین کی اصطلاح سے مراد وہ قطعی اور یقینی امور ہیں۔ جو حضور ﷺ سے بطریق تواتر قطعی ثابت ہوں۔ اور حد تواتر یعنی شہرت عام تک پہنچ چکے ہوں۔ اور ان امور کو عام طور پر مسلمان جانتے ہوں۔

عہد نبوت سے لے کر آج تک ہر مسلمان اِس بات پر ایمان رکھتا آیا ہے کہ آپ ﷺ کی ذات مبارکہ بلا کسی تاویل اور تخصیص کے ''خاتم النبیین'' ہے۔ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں لاکھوں علمائے اُمت نے اِس عقیدے کو قرآن وحدیث کی روشنی میں تفسیر و تشریح کرتے ہوئے واضح فرمایا اور مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوائے نبوت سے قبل کبھی یہ بحث پیدا نہیں ہوئی کہ نبوت کی بھی کچھ اقسام ہوتی ہیں، جیسے نبوت تشریعی، غیر تشریعی، یا ظلی و بروزی یا مجازی اور لغوی وغیرہ، اور اِن میں سے کچھ خاص اقسام کی نبوت حضور اکرم ﷺ کے بعد بھی (نعوذ باللہ) باقی ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن وحدیث کے پورے ذخیرے میں اِس بات کا کہیں کوئی ہلکا سا اشارہ تک موجود نہیں ہے۔ بلکہ پوری اُمت مسلمہ اور علمائے اُمت نے نبوت کی یہ قسمیں مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوائے نبوت سے قبل نہ دیکھیں اور نہ ہی سنیں۔ دور نبوی سے صحابہ کرام و تابعین اور دور حاضر تک پوری اُمت مسلمہ اِس عقیدے پر متفق اور قائم رہی کہ حضور اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ پر ہر طرح کی نبوت و رسالت کا نہ صرف اختتام ہوا ہے۔ بلکہ آپ بلا استثناء آخری نبی و رسول ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا اور کسی بھی قسم کی کوئی نبوت خواہ وہ تشریعی ہو یا غیر تشریعی کی کوئی گنجائش باقی نہیں ہے اور آپ کے بعد ہر مدعی نبوت کذّاب و دجّال شمار ہوگا۔ ایسے شخص کو مسلمان سمجھنے والا بھی کافر و مرتد شمار کیا جائے گا اور اُس پر بھی شریعت کا وہی حکم لاگو ہوگا جو کہ جھوٹے مدعی نبوت پر ہوتا ہے۔

اجماع کی شرعی حیثیت اور مقام

ہزاروں درود و سلام اُس ذات اقدس پر جس کی بعثت کے طفیل آج ہم جیسے خطا کار و

گناہ گار بھی خیر الاُمم، اُمت وسطہ، اُمت مرحومہ، اور شہدائے خلق کے القاب سے پکارے جاتے ہیں۔ آپ کی ذات مبارکہ کے طفیل ربّ تعالیٰ نے ہزار ہا انعام واکرام اور امتیازی شان وشوکت اِس اُمت کو عطا فرمائی۔ چنانچہ اس کی اہمیت اِس بات سے واضح ہے کہ اس اُمت کے علمائے مجتہدین اگر کسی مسئلہ میں ایک حکم پر اتفاق کرلیں تو یہ حکم بھی ایسا ہی واجب الاتباع اور واجب العمل ہوتا ہے۔ جیسے قرآن وحدیث کے صریح احکام۔

بالالفاظ دیگر ہم اِس بات کو اس طرح بھی بیان کر سکتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ پر جب نبوت ختم کردی گئی تو آپ کے بعد دنیا میں کوئی ہستی معصوم باقی نہیں رہی۔ جس کے حکم کو غلطی سے پاک اور ٹھیک ٹھیک حکم خداوندی کا ترجمان کہا جاسکے۔ اس لیے اللہ ﷻ نے اجماع اُمت کو، جس میں ساری اُمت کسی چیز پر متفق ہو جائے، اِس بات کی علامت قرار دیا کہ وہ کام اللہ کے نزدیک ایسا ہی ہے جیسا کہ اُمت کے مجموعہ نے سمجھا ہے۔ اس بات کو رسول اللہ ﷺ نے یوں بیان فرمایا کہ "لن تجتمع امتی الضلالۃ" یعنی میری اُمت کبھی گمراہی پر متفق نہیں ہوسکتی۔

جس طرح قرآن مجید واحادیث سے احکام شرعیہ ثابت ہوتے ہیں۔ بالکل اُسی طرح بتصریح نصوص قرآن وحدیث اور بالاتفاق علمائے اُمت کے اجماع سے بھی قطعیُ احکام ثابت ہوتے ہیں۔ البتہ اِس میں چند درجات ہیں جس کے متعلق علمائے اصول کا اتفاق ہے کہ اگر کسی مسئلے پر تمام صحابہ کرام کی آراء بالتصریح جمع ہو جائیں تو وہ بالکل ایسا ہی قطعی ہے، جیسا کہ قرآن مجید کا حکم اور اگر یہ صورت ہو کہ بعض نے رائے دی اور باقی صحابہ نے اُس کی تردید نہیں کی، بلکہ سکوت اختیار کیا تو یہ بھی اجماع صحابہ میں داخل ہے اور اِس سے جو حکم ثابت ہوتا ہے، وہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے احادیث متواترہ کے احکام قطعیٔ ہوتے ہیں۔ اس لیے اجماع کو تمام اَدِلہ شرعیہ میں سب سے زیادہ فیصلہ کن دلیل کے طور پر مانا جاتا ہے۔ کیونکہ قرآن وسنت کے معنی ومفہوم متعین کرنے میں رائے مختلف ہوسکتی ہے۔ لیکن اجماع میں اِس کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی ہے۔ شیخ ابن تیمیہ کے مطابق "اجماع صحابہ حجت قطعیہ" ہے۔ اس کا اتباع فرض ہے، بلکہ وہ تمام شرعی حجتوں سے زیادہ موکد اور سب سے مقدم ہے۔"

سب سے پہلا اجماعِ اُمت

حضور اکرم ﷺ کے وصالِ ظاہری کے بعد اُمتِ محمدیہ میں جو سب سے پہلا اجماع ہوا۔ وہ اس مسئلہ پر تھا کہ جو شخص حضور اکرم ﷺ کے بعد دعوائے نبوت کرے۔ اس کو قتل کر دیا جائے۔ کیونکہ اِس کی بنیاد خود حضور اکرم ﷺ نے جھوٹے مدعی نبوت اسود عنسی کے قتل پر ایک صحابی کو مامور کر کے متعین فرمائی اور اِن صحابی رسول نے آپ کے حکم کی بجا آوری اسود عنسی کا سر قلم کر کے کی۔

مسیلمہ کذّاب نے بھی حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں دعوائے نبوت کیا۔ آپ کے وصالِ ظاہری کے بعد پہلی مہم جہاد جو سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں روانہ فرمائی۔ وہ جھوٹے مدعی نبوت مسیلمہ کذّاب اور اُس کے پیروکاروں کے خلاف تھی۔ جمہور صحابہ کرام و مہاجرین و انصار نے مسیلمہ کذّاب کو محض دعوائے نبوت کی وجہ سے اور اُس کی جماعت کو اُس کی تصدیق کی بناء پر کافر سمجھا اور بالا جماع صحابہ و تابعین، اُن کے ساتھ وہی معاملہ کیا گیا جو کفار کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ یہ اسلام کا سب سے پہلا اجماع ہے۔ حالانکہ مسیلمہ کذّاب بھی مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح حضور اکرم ﷺ کی نبوت اور قرآن کا منکر نہ تھا، بلکہ بعینہٖ مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح آپ کی نبوت پر ایمان لانے کے ساتھ اپنی جھوٹی نبوت کا بھی مدعی تھا۔ یہاں تک کہ اُس کی اذان میں برابر "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰه" پکارا جاتا تھا اور وہ خود بھی بوقت اذان اِس کی شہادت دیتا تھا۔ مسیلمہ کذّاب حضور اکرم ﷺ کی نبوت اور قرآن پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ نماز، روزہ اور دیگر افعال اسلامی بھی ادا کرتا تھا۔ مگر ختم نبوت کا انکار اور اپنے دعوائے نبوت کی وجہ سے بالا جماع صحابہ کافر سمجھا گیا۔ اِسی وجہ سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام، مہاجرین و انصار اور تابعین کا ایک عظیم الشان لشکر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مسیلمہ کذّاب کی سرکوبی کیلئے روانہ فرمایا۔ اِس جنگ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مسیلمہ کذّاب سمیت اُس کے (28000) اٹھائیس ہزار پیروکار مارے گئے۔ مسلمانوں کی جانب سے اِس جنگ میں شہید ہونے والے جلیل القدر صحابہ کرام کی تعداد بارہ سو (1200) بارہ سو سے زائد تھی۔ جس میں (700) سات سو سے زائد صحابہ کرام حافظ

قرآن، قاری اور عالم دین تھے۔ یہاں یہ بات انتہائی قابل توجہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی حیات ظاہری میں اسلام کے تحفظ اور دفاع کیلئے جتنی بھی جنگیں لڑی گئیں، اُن سب میں شہید ہونے والے کل صحابہ کرام کی تعداد (259) ملتی ہے۔ جبکہ عقیدہ تحفظِ ختم نبوت کیلئے لڑی جانے والی جنگ "یمامہ" میں (1200) بارہ سو جلیل القدر صحابہ کرام و حفاظ کرام کی کثیر تعداد شہید ہوتی ہے۔ واضح رہے کہ یہ وہ صحابہ کرام ہیں جو آپ کی زندگی کا گراں قدر اثاثہ ہیں اور عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ اور دفاع کی جنگ میں اس کثیر تعداد میں اِن کا جام شہادت نوش کرنا، دراصل اِس عقیدے کی عظمت، اہمیت اور حیثیت کو قیامت تک کیلئے واضح و متعین کرتا ہے۔

عقیدہ ختم نبوت پر صحابہ کا غیر متزلزل یقین

حقیقت یہ ہے کہ جمہور صحابہ کرام میں سے کسی ایک نے بھی مسیلمہ کذاب کے خلاف اِس مہم میں شرکت سے انکار نہیں کیا اور کسی ایک نے بھی یہ نہیں کہا کہ یہ لوگ اہل قبلہ ہیں، کلمہ گو ہیں، قرآن پڑھتے ہیں، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اِن کو کیسے کافر سمجھ لیا جائے اور نہ ہی کسی صحابی نے مسیلمہ کذاب سے پوچھا کہ تو کس قسم کی نبوت کو دعویٰ کرتا ہے۔ مستقل نبوت کا مدعی ہے یا ظلی نبوت یا پھر بروزی نبوت کا مدعی ہے۔ نہ ہی کسی صحابی نے مسیلمہ کذاب سے اُس کی نبوت کے دلائل اور براہین پوچھے اور نہ ہی کوئی معجزہ دکھانے کا سوال کیا۔

جنگ یمامہ میں منکرین نبوت کی سرکوبی کیلئے صحابہ کرام کی کثیر تعداد کی شرکت سے اِس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے نہ تو وقت کی نزاکت کا احساس کیا، نہ ہی مسلمانوں کی بے سروسامانی اُن کے عزائم کی راہ میں رکاوٹ بنی اور نہ ہی مسیلمہ کذاب کی جماعت کی اذان و نماز اور تلاوت و اقرار نبوت اور تمام اسلامی احکام کا ادا کرنا۔ بلکہ وہ اِس سب کے باوجود منکرین ختم نبوت سے نمٹنے کیلئے بالاجماع و اتفاق اٹھ کھڑے ہوئے۔ حالانکہ اُس وقت اسلام سخت بے سروسامانی کی حالت میں تھا۔ حضور اکرم ﷺ کا وصال ظاہری ہو چکا تھا۔ اسلام کے بیرونی دشمن یہود و نصاریٰ اور مشرکین جو ہر وقت موقع کے منتظر رہتے تھے۔ اُس وقت مسلمانوں کو نگل جانے کے خواب دیکھنے لگے۔ ادھر خود مسلمانوں کے بہت سے قبائل اطراف مدینہ میں مرتد ہو کر اُن

کے ساتھ مل گئے تھے۔ جس کی وجہ سے مسیلمہ کذاب کے فتنے نے طوفان کی شکل اختیار کر لی تھی۔ ایسے نازک ترین حالات کے باوجود سیّدنا صدیق اکبر ؓ اور جمہور صحابہ کرام نے اِن میں سے کسی بات کی بھی پرواہ نہیں کی۔ بلکہ اسلامی حکومت کے استحکام اور حالات کو قابو میں کرنے کیلئے سب سے پہلا کام ہی منکرین ختم نبوت کا قلع قمع تھا۔ صحابہ کے اِس طرزِ عمل نے یہ ثابت کر دیا کہ عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ اور دفاع ہی اسلام کی بقاء اور استحکام کا ضامن ہے اور جو کوئی کسی اور مدعی نبوت کی پیروی اختیار کرے گا۔ وہ اسلام اور مسلمانوں سے اتنا ہی بعید ہوگا جتنا کہ یہود و نصاریٰ اور کفار و مشرکین ہیں۔

صحابہ کرام نے اِس عقیدے کے تحفظ اور دفاع کیلئے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کرنے سے دریغ نہیں کیا۔ انہیں اِس عقیدے کے اظہار میں ذرا سی لغزش بھی گوارہ نہیں تھی۔ ''اسد الغابہ'' کے مطابق حضرت حبیب بن زید انصاری ؓ کو حضور اکرم ﷺ نے یمامہ کے قبیلے بنو حنیفہ کے مسیلمہ کذّاب کی طرف بھیجا، مسیلمہ نے حضرت حبیب ؓ سے کہا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ حضرت حبیب ؓ نے فرمایا۔ ہاں میں گواہی دیتا ہوں۔ اِس بات کی کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر مسیلمہ نے آپ سے پوچھا کہ کیا تم اِس بات کی گواہی دیتے ہو کہ میں (مسیلمہ کذاب) بھی اللہ کا رسول ہوں۔ حضرت حبیب ؓ نے جواب میں فرمایا میں بہرہ ہوں تیری یہ بات نہیں سن سکتا۔ مسیلمہ کذّاب بار بار آپ سے یہی سوال کرتا رہا اور آپ ہر بار اُسے یہی جواب دیتے رہے۔ مسیلمہ ہر بار آپ کے مایوس کن جواب پر آپ کا ایک ایک عضو کاٹتا رہا۔ حتیٰ کہ اُس نے حضرت حبیب ؓ کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اُنہیں شہید کر دیا۔ حضرت حبیب بن زید انصاری ؓ نے ایک ایک کر کے اپنے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کروانا گوارہ کر لیا۔ لیکن حضور اکرم ﷺ کی نبوت میں کسی جھوٹے نبی کی نبوت کی شراکت گوارہ نہیں کی۔

عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ کیوں ضروری ہے؟

ہم اچھی طرح جانتے ہیں جس طرح درخت کا تصور بغیر جڑ کے اور عمارت کا تصور بغیر

بنیاد کے محال ہے ۔بالکل اُسی طرح اسلام کا تصور بھی بغیر عقیدہ ختم نبوت کے ممکن نہیں ہے۔اسلام کی عظیم الشان عمارت کی بنیاد اِسی عقیدے پر قائم و دائم ہے۔ختم نبوت کے تصور کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کا اپنے نبی سے تعلق اور رشتہ اتنا مضبوط، پائیدار اور ازلی و ابدی ہے کہ وہ آپ کے بعد کسی اور نبی کی آمد کا تصور بھی نہیں رکھتے، کیونکہ جوں ہی اُن کی نگاہیں کسی اور کی طرف اُٹھیں گی۔اُن کے سارے پرانے رشتے ناطے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائیں گے، نہ ہی اللہ سے اُن کا تعلق قائم رہے گا، اور نہ ہی نبی ﷺ سے، نہ ہی صحابہ و اہلبیت رسول سے، نہ ہی اُمہات المومنین اور بزرگان دین سے اور نہ ہی قرآن و سنت سے۔کیونکہ مسلمانوں نے اللہ کو پہچانا ہی آپ کی وساطت سے ہے۔سنت کی روشنی آپ سے ملی، صحابہ سے تعلق آپ کے حوالے سے بنا۔گویا نبی کے دامن سے وابستہ ہوئے تو سارے رشتے قائم ہو گئے اور نبی کا دامن چھوٹا تو سارے رشتے ٹوٹ گئے۔اِس لیے اُمت مسلمہ چودہ سو سال سے اِس اُمر کے بارے میں انتہائی حساس رہی کہ فصیل نبوت میں کہیں کوئی شگاف نہ پڑنے پائے اور اگر کبھی باطل کی ریشہ دوانیوں سے ایسا ہونے کے امکانات نظر آئے بھی۔تو اُمت نے جوان جسموں کو دیوار بنا کے اِس ناپاک منصوبے کو ناکام و نامراد بنا دیا۔وہ قصرِ اسلام کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دے کر رسول اللہ ﷺ کے ذاتی خدمت گار کے طور پر سامنے آئے۔گویا وہ اس طرح ربّ العزت، انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام، اہل بیت، اُمہات المومنین، اولیائے کرام، قرآن و حدیث اور حرمین شریفین کی عزت و ناموس کے تحفظ کی مقدس ذمہ داری بھی نبھاتے ہیں اور اِن سب سے اپنا تعلق بھی مضبوط بناتے ہیں۔

خلیفہ اوّل سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ عقیدہ ختم نبوت کے سب سے پہلے محافظ ہیں، اس عقیدے کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کیلئے اصحاب رسول نے اپنے خون کی قربانی دی۔اصحاب رسول کا مقدس لہو عقیدہ ختم نبوت کے باغیچے کو سیراب کرتا ہے۔عقیدہ ختم نبوت کے سپہ سالار اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام کے دور سے لے کر 1953ء اور 1974ء کی تحاریک ختم نبوت تک ہزاروں علماء، صلحائ، مشائخ اور جملہ اُمت محمدی کا یہی چلن رہا ہے کہ جب بھی

تقاضائے محبت بڑھا ہوتا ہے، اُمت جان و دل ہتھیلی پر سجا کر میدان کارزار میں عقیدہ ختم نبوت کے دفاع کیلئے موجود ہوتی ہے۔ کیونکہ اُمت محمد یہ اچھی طرح جانتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس کا تحفظ اور ختم نبوت سے محبت کا مطلب حضور اکرم ﷺ سے محبت والفت ہے اور ختم نبوت سے دوری کا مطلب آپ سے دوری ہے اور حضور اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ سے دوری اُمت کسی طور بھی گوارہ نہیں کرسکتی ہے۔ کیونکہ یہ اُمت ہمیشہ حضور اکرم ﷺ سے قربت کے بہانے ڈھونڈتی ہے۔ عقیدہ ختم نبوت سے بڑھ کر کہیں قربت و محبت نہیں مل سکتی ہے۔ اِسی لیے اُمت مسلمہ عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کیلئے ہمیشہ متحد و متفق رہی اور اِس عقیدے کا دفاع و تحفظ اُمت مسلمہ کے ایمان کا ہمیشہ سے لازمی جزرہا ہے اور رہے گا۔

تحفظ عقیدہ ختم نبوت اُمت کی وحدت و کامیابی کا راز

حضور اکرم ﷺ کے ''خاتم النبیین'' ہونے کے عقیدے میں دراصل اُمت مسلمہ کی وحدت اور کامیابی کا راز مضمر ہے۔ یہی وہ عقیدہ ہے جس پر اُمت مسلمہ چودہ سو سال سے کبھی بھی تذبذب اور اختلاف رائے کا شکار نہیں ہوئی۔ بلکہ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ جب بھی کسی کاذب نے اِس متفقہ عقیدے کے خلاف رائے دی، اُمت نے اُسے سرطان کی طرح اپنے جسم سے کاٹ کر علیحدہ کر دیا۔ اسلیئے کہ اُمت اچھی طرح جانتی ہے کہ عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ یا منکرین ختم نبوت کا استیصال درحقیقت دین کا ہی حصہ ہے۔ اس کی سب سے اہم وجہ یہ ہے کہ دین اسلام کی تمام نعمتوں کا اتمام آپ کی ذات اقدس پر ہوا ہے اور اسی وجہ سے ربّ تعالیٰ نے اِس شعبہ کو بھی آپ کی ذات مبارکہ سے وابستہ فرمادیا ہے۔ اور یہی وجہ تھی کہ آپ نے سب سے پہلے خود اپنے زمانے میں پیدا ہونے والے جھوٹے مدعیان نبوت کا استیصال کر کے قیامت تک کیلئے اُمت مسلمہ کو منکرین عقیدہ ختم نبوت سے نمٹنے کی راہ عمل متعین فرما کر سنت مبارکہ جاری فرمائی۔

روایت کے مطابق اسود عنسی کے استیصال کیلئے خود نبی اکرم ﷺ نے حضرت فیروز دیلمی ؓ کو اور طلیحہ اسدی کے مقابلے میں حضرت ضرار بن ازور ؓ کو جہاد کیلئے روانہ فرمایا۔ آپ

کا یہ عمل مبارک قیامت تک کیلئے اُمت مسلمہ کیلئے ایسی مثال ہے۔جس سے واضح ہوتا ہے کہ اُمت مسلمہ کی فلاح و بقاء اور خیر و برکت اِس عقیدے کے تحفظ سے وابستہ ہے اور اگر کوئی جھوٹا مدعی نبوت اِس متفقہ عقیدے میں نقب لگانے کی کوشش کرتا ہے تو عقیدہ ختم نبوت پر کامل یقین رکھنے والوں پر لازم ہے کہ وہ جان جوکھوں میں ڈال کر نہ صرف اِس عقیدے کا تحفظ کریں بلکہ منکرین ختم نبوت کو کیفر کردار تک بھی پہنچائیں چنانچہ خیر القرون سے لے کر آج تک پوری اُمت مسلمہ ایک لمحے کیلئے بھی اپنے اِس فرض سے غافل نہیں ہوئی ہے۔

ق

باب:۔ سوم

جھوٹے مدعیانِ نبوت

عہد رسالت

سے

دورِ حاضر تک

حضور ختمی مرتبت حضرت محمد مصطفی ﷺ ارشاد فرماتے ہیں

☆ حضرت ثوبان ؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "میری امت میں تیس جھوٹے شخص پیدا ہوں گے۔ ان میں سے ہر ایک دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے (مگر سن لو) میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں" (ترمذی جلد دوم ص45)

☆ حضرت ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا "قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک تیس دجال اور کذاب پیدا نہ ہوں گے۔ ان میں ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے" (بخاری ص509)

تاریخ اسلام میں ایسے کئی طالع آزما پیدا ہوئے جنہوں نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا تو اُمت نے انہیں اُسی وقت کیفر کردار تک پہنچادیا۔ یہ سلسلہ دور رسالت مآب ﷺ سے آج تک جاری ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں انگریز نے مسلمانوں کی فکری وحدت کو پارہ پارہ کرنے کی اپنی سوچی سمجھی سازش کو عملی جامہ پہنانے کیلئے مرزا غلام احمد قادیانی کا انتخاب کیا اور اپنی عنایات خسروانہ سے اس خودکاشتہ پودے کی بھرپور نشوونما کی۔

جھوٹے مدعیان نبوت کے خروج اور ظہور کی پیشین گوئی

نبی مکرم، مخبر صادق، خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفی ﷺ نے اپنی حیات ظاہری میں ہی مستقبل میں ظہور پذیر ہونے والے حالات و واقعات کے بارے میں بہت سی پیشین گوئیاں فرمائیں۔ یہ ساری پیشین گوئیاں وقت کے ساتھ حرف بحرف سچ ثابت ہوئیں اور جو باقی رہ گئیں، وہ بھی عنقریب سچ ثابت ہو جائیں گی۔ آپ نے اِن پیشین گوئیوں میں ایک پیشین گوئی یہ بھی فرمائی تھی کہ قیامت سے پہلے کچھ کذّاب اور دجّال ظاہر ہوں گے۔ اور ہر ایک کا یہ دعویٰ ہوگا کہ میں اللہ کا نبی ہوں، لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا۔

خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفی ﷺ کی اس واضح پیشین گوئی کے بعد بھی اگر کسی کا یہ دعویٰ ہے کہ میں اللہ کا نبی یا رسول ہوں تو اس کا یہ دعویٰ ہی اس کے کاذب اور دجّال ہونے کیلئے کافی ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفی ﷺ نے اپنے بعد کسی اور نبی یا رسول کے آنے کی پیشین گوئی نہیں فرمائی بلکہ قیامت تک کیلئے قصر رسالت میں نقب لگانے والے جھوٹے مدعیانِ نبوت کے ظہور کی پیشین گوئی فرما کر اُمت مسلمہ کو بتا دیا کہ تم اِن جھوٹے مدعیان نبوت سے اُن کی نبوت کی کوئی دلیل اور ثبوت طلب نہ کرنا، اُن کے دھوکے اور فریب میں نہ آجانا۔ کیونکہ اِن کے جھوٹے ہونے کیلئے یہ علامت ہی کافی ہے کہ وہ میرے بعد نبوت کے دعویدار ہونگے اور یہی اُن کے کذّاب اور دجّال ہونے کی واضح دلیل ہے۔

مخبر صادق، خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفی ﷺ کے فرمائے گئے ارشاد کے مطابق آپ کی حیات ظاہری ہی میں اسود عنسی، طلیحہ اسدی اور مسیلمہ کذّاب نے دعویٰ نبوت کیا۔ حضرت ابو

یعلیٰ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن زبیر ﷺ سے باسناد حسن روایت فرمائی، جس کے مطابق بعض کذابوں کے نام بھی حضور اکرم ﷺ نے ذکر فرمائے ہیں، اِس روایت میں آپ نے فرمایا کہ "قیامت قائم نہ ہوگی جب تک تیس کذاب برآمد نہ ہوں گے، اِن میں مسیلمہ کذاب، عنسی اور مختار ہوں گے۔" (فتح الباری جلد، 6 ص 454)

عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ حضور اکرم کی سنت مبارکہ

حضور اکرم ﷺ کے وصال ظاہری سے چند دن قبل اسود عنسی نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ اسلامی تاریخ میں یہ سب سے پہلا جھوٹا مدعی نبوت تھا جو بہت بڑا شعبدہ باز اور کہانت میں اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا۔ اُس نے اہلِ نجران کو شعبدہ بازی اور کہانت کے چکروں میں ڈال کر اپنا گرویدہ بنالیا تھا۔ قبیلہ نجران اور قبیلہ مذحج نے اُس کی دعوت کو قبول کرلیا۔ اِن قبائل کی دیکھا دیکھی یمن کے اور بھی بہت سے قبائل اُس کے ساتھ شامل ہوگئے اور اِس طرح پورا یمن اُس کے زیر اثر آ گیا۔

حضور ﷺ کو جب اِن حالات کی خبر ہوئی تو آپ نے اہل یمن کے بعض سرداروں کو اسود عنسی اور اہل نجران و یمن کے خلاف جہاد کے خطوط تحریر فرمائے اور اسود عنسی کے قتل کا حکم صادر فرمایا۔ ساتھ ہی آپ نے فرمایا کہ جس طرح بھی ممکن ہو اسود عنسی کا فتنہ ختم کیا جائے۔ تاریخ طبری کے مطابق "جشیش راوی ہیں کہ وبر بن تحنس نبی اکرم ﷺ کا نامہ ہمارے نام لائے، جس میں ہم کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ دین اسلام پر قائم رہیں اور اسود کے مقابلے اور مقاتلہ کیلئے تیار ہو جائیں اور جس طرح بھی ممکن ہو اسود کا کام تمام کردیا جائے۔ خواہ کھلم کھلا قتل کریں یا خفیہ طور پر کسی اور تدبیر سے" حضرت جشیش دیلمی ﷺ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس حضور اکرم ﷺ کے کئی خطوط موصول ہوئے جن میں اسود کے قتل کا حکم تھا، اعلانیہ ہو یا تدبیر سے۔"

ادھر اسود عنسی نے یمن کے شہر صنعاء پر فتح پانے کے بعد وہاں کے مسلمان حاکم شہر بن باذان کو شہید کرکے ان کی اہلیہ "آزاد" کو جبری طور پر اپنا محکوم بنالیا تھا۔ اِس مسلمان عورت کے عم زاد بھائی حضرت فیروز دیلمی ﷺ کو جو شاہ حبشہ کے بھانجے تھے کو جب اِن واقعات کی اطلاع ملی تو آپ فوراً ہی اپنی بہن کی مدد کیلئے پہنچے۔ حضرت فیروز دیلمی ﷺ اپنی بہن کی رہائی کیلئے فکرمند

تھے۔ حضور اکرم ﷺ کی جانب سے اسود کے خلاف جہاد اور اُس کے قتل کے حکم کا ملنا تھا کہ حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن کے ساتھ مل کر حضور اکرم ﷺ کے حکم کے مطابق اسود عنسی کو اُس کے محل کے اندر ہی قتل کرنے کا منصوبہ بنایا اور ایک رات حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ موقع پا کر محل کے عقب سے نقب لگا کر اسود عنسی کے کمرے میں پہنچ گئے۔ جیسے ہی آپ اسود عنسی کے کمرے میں داخل ہوئے اُس کی آنکھ کھل گئی اور وہ جاگ گیا۔ حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ نے فوراً جست لگا کر اسود کو اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا اور اُس کی گردن مروڑ دی۔ اسود کے مرتے ہی حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ نے اُس کے قتل کا اعلان کر دیا اور اس طرح آپ نے حسن تدبیر سے کام لیتے ہوئے جھوٹے مدعی نبوت کو جہنم واصل کر کے نہ صرف اہل یمن کو اُس کے شر سے نجات دلائی۔ بلکہ حضور اکرم ﷺ کے حکم پر عمل کر کے عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کی عملی بنیاد بھی رکھی۔ قبل اِس کے کہ قاصد حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر اسود عنسی کے قتل کی خوشخبری سناتا۔ اللہ ﷻ نے اپنے محبوب ﷺ کو پہلے ہی تمام واقعات سے مطلع فرما دیا اور آپ نے فوراً ہی صحابہ کرام کو یہ خوشخبری سناتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ "اسود عنسی مارا گیا اور اس کو ایک مبارک گھرانے کے مبارک مرد فیروز نے مارا۔ فیروز کامیاب اور فائز المرام ہوا۔"

ادھر جب قاصد یہ خبر لے کر مدینہ منورہ پہنچا تو آپ وصال ظاہری فرما چکے تھے لیکن یہ سنت مبارکہ رہتی دنیا تک کیلئے متعین ہو چکی تھی کہ جھوٹا مدعی نبوت اور اُس کے پیروکار قابل استیصال اور واجب القتل ہیں۔

اسود عنسی کی طرح طلیحہ اسدی نے بھی حضور اکرم ﷺ کی حیات ظاہری میں نبوت کا دعویٰ کیا۔ یہ بھی اسود عنسی کی طرح کاہن اور جادو گر تھا۔ اُس کی شعبدے بازی کی وجہ سے کئی قبائل اسلام سے مرتد ہو کر اُس کے تابع ہو گئے تھے۔ طلیحہ اسدی نے اپنے عم زاد بھائی "حیال" کو حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں بطور قاصد بھیجا، اور آپ سے مطالبہ کیا کہ آپ اُسے بھی نبی تسلیم کریں۔ اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے حضور اکرم ﷺ نے عقیدہ تحفظ ختم نبوت کی پہلی جنگ کے سپہ سالار کے طور پر اپنے صحابی حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ کو مامور فرمایا، اور حضرت ضرار بن ازور

ﷺ کی سربراہی میں ایک لشکر جرار طلیحہ اسدی کی سرکوبی کیلئے روانہ فرمایا۔ حضرت ضرار بن ازور ﷺ نے علی بن سنان، قبیلہ قضا اور قبیلہ بنو ورتا کے ساتھ مل کر طلیحہ اسدی کا زبردست مقابلہ کیا ابھی یہ جنگ جاری تھی کہ دوران جنگ لشکر اسلام کو حضور اکرم ﷺ کے وصال ظاہری کی خبر ملی جس کی وجہ سے لشکر مدینے واپس آ گیا اور طلیحہ اسدی کی مکمل سرکوبی کا عمل ادھورا رہ گیا۔ سیّدنا صدیق اکبر ﷺ کے دور میں اِس فتنے نے جب دوبارہ زور پکڑا تو سیدنا صدیق اکبر ﷺ نے اس فتنے کے خاتمے کیلئے حضرت خالد بن ولید ﷺ کو روانہ فرمایا۔ حضرت خالد بن ولید ﷺ سے مقابلے میں طلیحہ اسدی کی فوج نے شکست کھائی اور طلیحہ نے شام فرار ہو کر اپنی جان بچائی۔ بعد میں اُس نے حضرت فاروق اعظم ﷺ کے دور خلافت میں واپس آ کر آپ کے ہاتھ پر توبہ کی اور تائب ہو کر دوبارہ اسلام قبول کیا۔

دور صدیقی میں عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کی پہلی جنگ

مورخین کے مطابق مسیلمہ کذّاب اپنے قبیلے بنوحنیفہ کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور اس نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں آپ کے دست مبارک پر بیعت کرنا چاہتا ہوں لیکن اس بیعت کے بدلے میں آپ مجھے اپنا جانشین یا خلیفہ مقرر فرما دیں۔ اُس وقت آپ کے دست مبارک میں کھجور کی ایک خشک شاخ تھی۔ آپ نے کھجور کی شاخ کی طرف اشارہ کر کے مسیلمہ کذّاب سے فرمایا ''تم اَمر خلافت میں مجھ سے یہ شاخ بھی طلب کرو تو میں دینے کو تیار نہیں'' چنانچہ آپ نے اس شرط پر مسیلمہ کی بیعت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ مسیلمہ کذّاب مایوس ہو کر یمامہ کی طرف واپس لوٹ گیا اور اُس نے وہاں جا کر یہ مشہور کر دیا کہ حضور اکرم ﷺ نے اُسے اپنی نبوت میں شریک کر لیا ہے۔ (معاذ اللہ) اِس فتنے کو مزید تقویت اُس وقت ملی جب رحال بن عنفوہ (جو نہار کے نام سے مشہور تھا اور جسے حضور اکرم ﷺ نے مسیلمہ کذّاب کو راہ ہدایت پر لانے کیلئے بھیجا تھا) نے مسیلمہ کذّاب کے اِس جھوٹے دعوے کی تصدیق کی۔ مسیلمہ کذّاب کی ترقی اور اُس کے جھوٹے دین کی اشاعت میں نہار کا بہت بڑا ہاتھ

تھا۔اُس کی وہی حیثیت تھی جو حکیم نورالدین بھیروی کی قادیانیت کے فروغ و ترقی میں ہے۔ نہار نے مسیلمہ کذّاب اور حکیم نورالدین بھیروی نے مرزا غلام احمد قادیانی کی جھوٹی بساطِ نبوت کو بامِ عروج تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا۔

حضور اکرم ﷺ کے وصالِ ظاہری کے بعد جب مسیلمہ کذّاب کا فتنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں حد سے بڑھ گیا تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں عقیدہ ختمِ نبوت کے تحفظ کی پہلی جنگ ''یمامہ'' کے میدان میں جھوٹے مدعی نبوت مسیلمہ کذّاب اور اُس کے پیروکاروں کے خلاف لڑی گئی۔ اِس جنگ میں سب سے پہلے لشکرِ اسلام کی کمان حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کی، آپ کی شہادت کے بعد حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ نے کمان سنبھالی، آپ بھی اِس معرکے میں شہید ہو گئے جس کے بعد سیف اللہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے لشکر کی کمان سنبھالی۔ اِس معرکے میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مسیلمہ کذّاب اپنے تیس ہزار (30,000) پیروکاروں کے لشکر کے ساتھ جہنم واصل ہوا اور مسلمانوں کی طرف سے عقیدہ ختمِ نبوت کا تحفظ کرتے ہوئے شہید ہونے والے صحابہ کرام کی کل تعداد بارہ سو (1200) تھی۔ جس میں سات سو (700) سے زائد صحابہ کرام ایسے بھی تھے جو کہ قرآن مجید کے حافظ اور عالم تھے۔ اِس کثیر تعداد میں حفاظ صحابہ کرام کی شہادت عقیدہ ختمِ نبوت سے اُن کی عملی وابستگی اور اہمیت کو ظاہر کرتی ہے۔

اِس جنگ میں مسیلمہ کذّاب حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں اُسی نیزے سے مارا گیا جس سے حضرت وحشیؓ نے ایمان لانے سے قبل غزوہ اُحد میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ مسیلمہ کذّاب کو مارنے کے بعد بطورِ فخر اور شکر کہا کرتے تھے۔ ''اگر میں نے زمانۂ جاہلیت میں اِس نیزے سے ایک بہترین انسان (حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ) کو مارا اور تو زمانہ اسلام میں اُسی نیزہ سے بدترین انسان (مسیلمہ کذّاب) کو مارا'' حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ نے مسیلمہ کذّاب کا سر اپنی تلوار سے قلم کیا۔ جب لوگ اُن سے دریافت کرتے کہ مسیلمہ کو کس نے مارا تو حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ''میں نے تلوار ماری اور

نیزہ وحشیؓ نے مارا۔"

جھوٹے مدعیان نبوت کے ساتھ سلف صالحین کا برتاؤ

تاریخ گواہ ہے کہ جھوٹے مدعیان نبوت کے ساتھ سلف صالحین نے بھی وہی رویہ اور سلوک اختیار کیا جس کی بنیاد حضور اکرم ﷺ نے اپنی حیاتِ ظاہری میں رکھی اور جس پر سیدنا صدیق اکبرؓ نے نامساعد حالات کے باوجود اپنے دور حکومت میں عمل کر کے منکرین ختم نبوت سے کوئی سمجھوتہ کرنا گوارہ نہیں کیا۔

منکرین ختم نبوت سے سلف صالحین کیسا برتاؤ کرتے تھے، ذیل میں دی گئی چند مثالوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے اسلاف عقیدہ ختم نبوت پر کتنا پختہ یقین رکھتے تھے اور انہوں اپنے اپنے ادوار میں منکرین ختم نبوت کے ساتھ کیسا سلوک روا رکھا۔

☆ مختار بن ابی عبید ثقفی جھوٹا مدعی نبوت تھا۔ یہ شخص حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور عبد الملک بن مروان کے زمانے میں ظاہر ہوا۔ اُس کا دعویٰ تھا کہ حضرت جبرئیل امین اُس کے پاس وحی لے کر آتے ہیں۔ حافظ ذہبی کے مطابق حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اُس کے قتل کیلئے لشکر تیار کیا اور 67 ہجری میں مختار بن ابی عبید ثقفی کو قتل کر کے اس پر فتح پائی۔

☆ حارث بن سعید نے عبدالملک بن مروان کے زمانہ خلافت میں نبوت کا دعویٰ کیا چنانچہ اُس کے جھوٹے دعوے کی پاداش میں عبدالملک بن مروان نے قتل کر کے اُسے عبرت کیلئے سولی پر لٹکایا۔

☆ خلیفہ عبدالملک بن مروان خود تابعی تھے۔ انہوں نے حضرت عثمان غنی، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوسعید خدری، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت امیر معاویہؓ اور، اُم المؤمنین حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا سے حدیث سنی۔ عروۃ بن زبیر اور خالد بن معدان اور زہری جیسے علماء عبدالملک بن مروان سے روایت کرتے ہیں۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان نے اُس متنبی کو قتل کر کے سولی پر لٹکایا۔ حضرت قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب "کتاب الشفائ" میں فرماتے ہیں کہ "عبدالملک بن مروان نے حارث متنبی کو قتل کیا اور سولی پر چڑھایا۔ اسلامی خلفاء

اور بادشاہوں نے ہر زمانہ میں جھوٹے مدعیان نبوت کے ساتھ ایسا ہی سلوک روا رکھا اور علمائے عصر نے اِن کے قتل فعل صواب پر اتفاق کیا۔ کیونکہ یہ جھوٹے مدعیان نبوت مفتری علی اللہ ہیں۔ خداوند قدوس پر جھوٹا الزام رکھتے ہیں کہ اُس نے اِن کو نبی بنایا اور خود حضور اکرم ﷺ کے ''خاتم النبیین'' اور ''لا نبی بعدی'' کے منکر ہیں اور علماء کا اِس اَمر پر بھی اتفاق ہے کہ جو شخص مدعیانِ نبوت کی تکفیر کرنے والوں سے اختلاف کرے، وہ بھی کافر ہے کیونکہ وہ اِن مدعیان نبوت کے کفر اور تکذیب علی اللہ پر راضی وخوش ہے۔''

☆ ہشام بن عبدالملک کے دور (119 ہجری) میں عراق میں مغیرہ بن سعید عجلی اور بیان بن سعید تمیمی نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا۔ خالد بن ولید بن عبداللہ قسری نے دونوں کو قتل کر کے عبرت کیلئے پھانسی پر لٹکا دیا اور بعد میں آگ کے گڑھے میں ڈال کر اُن کی لاش کو جلوا دیا۔

☆ جب ابو منصور عجلی نے دعویٰ نبوت کیا اور اپنی نبوت کے ثبوت میں مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح قرآنی آیات کی عجیب، عجیب تاویلیں پیش کیں، تو عراق کے حکمران یوسف بن عمر ثقفی نے اُسے گرفتار کر کے پھانسی پر لٹکایا اور اِس فتنے کا قلع قمع کیا۔ اسی طرح خلیفہ ہارون رشید کے عہد میں ایک شخص نے دعویٰ نبوت کیا اور کہا کہ میں نوح علیہ السلام ہوں کیونکہ نوح کے ایک ہزار سال پورے ہونے میں پچاس سال کی کمی باقی رہی تھی جس کو پورا کرنے کیلئے مجھے اللہ ﷻ نے بھیجا ہے اور اُس نے اِس دعویٰ کے ثبوت میں قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ پیش کی ''اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِیْنَ عَامًا'' یعنی نوح علیہ السلام دنیا میں پچاس کم ایک ہزار سال زندہ رہے۔ خلیفہ ہارون رشید نے علماء کے فتوے کی روشنی میں بجرم ارتداد اُس کی گردن ماردی اور پھر عبرت کیلئے اُس کی لاش کو سولی پر لٹکا دیا۔

مرزا قادیانی اپنے منطقی انجام تک کیوں نہ پہنچ سکا؟

عہد نبوی سے لے کر دور حاضر تک بہت سے جھوٹے مدعیان نبوت نے قصر نبوت میں نقب لگانے کی کوشش کی۔ جس کی پاداش میں وہ جذبہ ایمانی سے سرشار ارباب اقتدار کے ہاتھوں واصلِ جہنم ہوئے اور اپنے منطقی انجام تک پہنچے۔ لیکن کیا وجہ تھی کہ مرزا غلام احمد قادیانی

سابقہ مدعیانِ نبوت کی طرح ارباب اقتدار کی گرفت اور جذبہ ایمانی سے سرشار مسلمانوں کے قہرو غضب سے بچا رہا؟۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں دیگر تمام فتنوں سے ہمیشہ مباحثہ ،مجادلہ، مناظرہ ومباہلہ وغیرہ ہوتے رہے لیکن جھوٹے مدعیانِ نبوت سے حاکمِ وقت، علماء اور اُمت مسلمہ نے کبھی بھی اُس کی نبوت کے ثبوت میں کوئی دلیل یا معجزہ طلب نہیں کیا۔اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ایسا کرنا صریحاً کفر ہے۔

امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں کسی شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا اور غیبی نشانیاں دکھانے کی مہلت طلب کی۔امام اعظم نے فرمایا" جس کسی نے اِس کذاب سے کوئی علامت طلب کی وہ بھی دائرہ اسلام سے خارج ہوجائے گا۔اسلئے کہ نبی کریم ﷺ کے فرمان"لا نبی بعدی" کی تکذیب کا شائبہ ابھرتا ہے۔"

یہی وجہ ہے کہ پوری اسلامی تاریخ میں جب بھی کسی شخص نے اسلامی حکومت کے دور میں جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا، حاکم وقت اور اُمت مسلمہ نے اُس سے دلائل ومعجزات مانگنے کے بجائے دھرتی کو اس کے ناپاک وجود سے ہی پاک کردیا۔لیکن اِس کے برخلاف مرزا غلام احمد قادیانی اُمت مسلمہ کے محاسبے سے محض اس وجہ سے [redacted]ظ رہا کہ 1860ء میں برٹش حکومت نے تعزیرات ہند کو ترتیب دے کر اُسے برصغیر پاک وہند میں عملی طور پر نافذ کردیا۔

انگریز نے آزادی اظہار کے اس قانون کو برصغیر پاک وہند کے مسلمانوں میں مذہبی انتشار واختلاف کیلئے استعمال کیا، اس قانون کی آڑ میں تمام اسلام دشمن طبقات کو اسلام کے خلاف اپنی منفی سرگرمیوں کی کھلی اجازت دی گئی۔اس قانون کی رُو سے برصغیر پاک وہند میں ہر اسلام دشمن شخص کو کھلی آزادی حاصل تھی کہ وہ اپنے نظریات وعقائد کا کھلم کھلا اظہار کرسکتا ہے۔ چنانچہ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی سرگرمیوں اور تحفظ کیلئے اِس قانون کا بھرپور سہارا لیا۔برٹش گورنمنٹ نے 1880ء میں اِس قانون کو مزید مضبوط اور پائیدار بنانے اور مذہبی انتشار کو مزید فروغ دینے کیلئے ایک مذہبی امدادی فنڈ کا بھی اجراء کیا۔جس کی مدد سے بدمذہبی اور گمراہ کن عقائد

کی ترویج و اشاعت کیلئے مزید آسانیاں پیدا کی گئیں۔ یہ سب قوانین اور امدادی فنڈ دراصل برصغیر میں اُن تمام باطل فرقوں کی آبیاری اور استحکام کیلئے تھے جو دراصل اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کو گمراہیت کی طرف مائل کر رہے تھے۔ چونکہ مرزا بھی انگریز کے ان خود کاشتہ پودوں میں سے ایک تھا اسلیئے اُس نے مرزا غلام احمد قادیانی کی بھی بطور خود کاشتہ پودے بھرپور آبیاری کی ،اِس بات کی گواہی خود مرزا غلام احمد قادیانی نے یوں دی کہ

''سو تھوڑا سا غور کرو، اگر تم اِس حکومت کا ساتھ چھوڑ دو گے، تو روئے زمین پر کونسی جگہ تمہیں پناہ ملے گی۔؟ کسی ایک حکومت کا نام بتاؤ، جو تمہیں اپنی حفاظت میں لینا قبول کرے۔ اسلامی حکومتوں میں ہر ایک تمہارے وجود پر سخت غضبناک ہے، تمہارے خاتمے کیلئے منصوبہ بنا رہا ہے اور بے خبری میں حملہ کرنے کیلئے منتظر ہے۔ کیونکہ اُن کی نظر میں تم کافر و مرتد ہو گئے ہو۔ لہٰذا اِس نعمت الٰہیہ (حکومت برطانیہ کا قیام) کو قبول کرو اور اِس کی قدر کرو...... لیکن انگریزی حکومت اللہ کی رحمت اور برکت کا ایک پہلو ہے۔ یہ ایک ایسا قلعہ ہے جو خدا نے تمہاری حفاظت کیلئے تعمیر کیا ہے......انگریز تمہارے لیے اِن مسلمانوں کے مقابلے میں ہزار درجہ بہتر ہیں جو تم سے اختلاف رکھتے ہیں، کیونکہ انگریز تمہیں ذلیل کرنا نہیں چاہتے، نہ ہی وہ تمہیں قتل کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔''

(تبلیغ رسالت جلد چہارم ص69)

ایک اور جگہ مرزا غلام احمد قادیانی لکھتا ہے کہ ''میں حقیقت میں کہتا ہوں اور اِس کا دعویٰ کرتا ہوں کہ میں مسلمانوں میں سرکار انگریزی کی رعایا میں سب سے زیادہ تابعدار اور وفادار ہوں، کہ تین چیزیں ایسی ہیں جنھوں نے انگریزی حکومت کے تئیں میری وفاداری کو اِس درجہ تک پہنچانے میں میری رہبری کی ہے۔''

آیئے دیکھتے ہیں وہ تین چیزیں کیا ہیں، جن کو اختیار کر کے مرزا کو عروج حاصل ہوا۔ بقول مرزا......

"ا۔ میرے والد مرحوم کا اثر ۲۔ اِس فیاض حکومت کی مہربانی ۳۔ خدائی الہام"

(تریاق القلوب، ص،310-308، حکومت عالیہ کے حضور میں ایک عاجزانہ التماس)

مرزا غلام احمد قادیانی کے ایسے بے شمار اعترافات اُس کی کتابوں میں موجود ہیں جو یہ بتاتے ہیں کہ کس طرح انگریز گورنمنٹ کی مہربانیاں مرزا کی جھوٹی نبوت میں ممد ومعاون ثابت ہوئیں۔ آپ جانتے ہیں کہ برصغیر پاک و ہند میں برٹش دور حکومت تھا اور مرزا کی مسلمانوں کے قہر وغضب سے بچ جانے کی اصل وجہ بھی یہی تھی کہ مرزا کی جھوٹی نبوت انگریز گورنمنٹ کی سرپرستی میں پروان چڑھی۔ دوسری طرف خلافت عثمانیہ کا خاتمہ ہو چکا تھا اور نئی وجود میں آنے والی اسلامی حکومتیں اپنی بقاء اور استحکام کی جنگیں لڑ رہی تھیں۔ برصغیر میں مسلمان محکومی اور غلامی کی زندگی گزار رہے تھے چنانچہ اِس محکومی اور لاچاری کے دور میں مظلوم ومجبور مسلمانان برصغیر کے پاس اِس کے سوا کوئی راستہ نہیں بچا تھا کہ وہ قادیانی فتنے کا مقابلہ اور روک تھام صرف مناظرے، فتاوے، اور اشتہارات کے ذریعے کرتے۔

چنانچہ اُمت نے مجبوراً یہ راستہ اپنایا اور فتنہ قادیانیت کا دلائل و براہین، مقدمات و مناظروں، منبر ومحراب، عدالتوں اور اسمبلی تک، جہاں بھی کسی سطح پر قادیانی کیس گیا بھرپور مقابلہ کیا۔ اس مقابلے میں مرزا اور اُس کے متبعین کو ذلت وخواری اٹھانا پڑی اور ہمیشہ اُمت مسلمہ کے حصے میں کامیابی وکامرانی آئی۔ یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ اُمت مسلمہ نے یہ راستہ مجبوراً اختیار کیا تھا، ورنہ شرعاً جھوٹے مدعیان نبوت اور اُن کے پیروں کاروں کا علاج وہی ہے، جو سیّدنا صدیق اکبرؓ نے اپنے عہد خلافت میں مسیلمہ کذاب اور اس کے پیروکاروں کا یمامہ کے میدان میں کیا۔ یہ اصول وقاعدہ آج بھی اُمت مسلمہ کیلئے طے ہے کہ جب بھی اِس سرزمین پر اسلامی حکومت قائم ہوگی، سنتِ صدیقی جھوٹے مدعیان نبوت کے خلاف لازمی دہرائی جائے گی۔

باب:۔ چہارم

فتنہ قادیانیت کا آغاز

اور

پس منظر

(اسباب، محرکات اور اغراض و مقاصد)

☆اگر قادیانیت کے فکری پس منظر پر غور کیا جائے تو بادی النظر یہ تاثر ابھرتا ہے کہ اس خطۂ ارض پر ابتداً تحریک وہابیہ نے جنم لیا اور اُس کے اثرات یوں پھیلے کہ متاثرہ افراد کے دلوں سے دانائے رازِ ختم الرسول مولائے کل ﷺ کی ذات مبارکہ سے والہانہ محبت اور جذباتی تعلق کمزور ہو گیا۔ حسن عقیدت کی جلوہ باری اور بادہ عشق و مستی کی کیفیت موجود نہ رہی۔ ہزار بار مشک وگلاب سے منہ دھو کر اپنے آقا و مولا کا نام لینے اور پھر بھی بے ادبی خیال کرنے کا رنگ ان کے دلوں سے نکل گیا۔ یہ سوال آج بھی جواب طلب ہے کہ قادیانی تحریک احمدیہ، علمائے دیوبند کی صدائے بازگشت تھی یا دیوبندی مسلک وہابیوں کے خمیر سے اٹھا۔ لیکن یہ اَمر مسلمہ حقیقت ہے کہ جماعت اسلامی، نیچریت، چکڑالویت، پرویزیت اور دہریت ان ہی کا ثمر ہے۔

برصغیر کے مذہبی حالات

1857ء کی جنگ آزادی سے قبل برصغیر پاک و ہند میں ایک ہی مسلک کے ماننے والوں کی اکثریت تھی جو فقہ حنفی پر عمل کرتے تھے اور حنفی کہلاتے تھے۔ اُس وقت برصغیر میں بہت ہی قلیل تعداد میں اہلِ تشیع آباد تھے۔ برصغیر کے لوگ طبیعتاً بہت ہی سادہ مزاج اور دین دار تھے۔ وہ ذات مصطفیٰ ﷺ سے والہانہ محبت اور عقیدت رکھتے تھے اور آپ کی عصمت و توقیر کی حفاظت میں اپنی جان کو قربان کرنا باعث سعادت سمجھتے تھے۔ اُن کے نزدیک حضور اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ سے محبت و عقیدت، تعظیم و توقیر اور بارگاہِ رسالت کا ادب و احترام ایمان کا لازمی جز تھا اور وہ اِن عوامل کی پیروی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں رکھتے تھے۔

چونکہ برصغیر پاک و ہند میں دین اسلام کی ترویج و اشاعت میں صوفیائے کرام کا بہت بڑا کردار رہا ہے۔ اس لیے یہاں کے عوام صوفیاء و مشائخ کا بہت احترام کرتے تھے اور ان کے بے انتہا گرویدہ تھے۔ مسلمانوں کی اِس کمزوری اور سادہ لوحی کا سب سے زیادہ فائدہ صوفیائے کرام کے بھیس میں جعلی صوفیوں اور پیروں نے اٹھایا۔ وہ خرق عادات واقعات، استدراج ، جھوٹے کشف و کرامات، خواب اور بشارتوں کے ذریعے سیدھے سادے عوام کو با آسانی اپنے دام فریب میں پھنسا لیتے تھے۔ یہ صورتحال معاشرے پر اس قدر اثر انداز تھی کہ جو جتنا زیادہ اَسرار و رموز، خرق عادات واقعات و کرامات، خواب و پیشین گوئیوں کا اظہار کرتا وہ اتنا ہی بڑا صوفی اور پیر شمار ہوتا اور عوام میں پذیرائی اور مقبولیت حاصل کر لیتا۔ ان حضرات نے مسلمانوں کی اس ضعیف الاعتقادی اور دینی معاملات سے ناواقفیت کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے عوام کو اپنے سحر میں مبتلا

کیا ہوا تھا۔

قادیانیت کے مکروہ سفر کا آغاز

1857ء کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کی ناکامی کے بعد جب انگریز نے برصغیر میں اپنے قدم اچھی طرح جما لیے تو اس نے اقتدار پر اپنی گرفت مضبوط بنانے کیلئے بعض ایڈیٹروں اور پادریوں کو اس کام پر مامور کیا کہ وہ اس اَمر کا جائزہ لیں کہ ہندوستانی عوام میں وفاداری کیونکر پیدا کی جاسکتی ہے اور مسلمانوں کے جذبہ جہاد کو سلب کر کے انہیں کس طرح رام کیا جاسکتا ہے۔ یا پھر برصغیر کے مسلمانوں کے اندر داخلی طور پر مستقل اور پائیدار افتراق و انتشار کس طریقے سے پیدا کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اس کام پر مامور ایڈیٹروں اور پادریوں نے جائزہ لینے کے بعد

"Empire in India The Arrival of Birtish "

کے نام سے ایک رپورٹ مرتب کی۔ جس میں وفد کے نمائندوں نے برٹش گورنمنٹ کو لکھا،

Majority of the population of the county blindly peers their spiritual leaders, If at this follow their stage, we succeed in finding out some who would be ready to declare himself a Zalli Nabi (apostolic prophet) then the large number of people shall rally round him. But for this purpose it is very difficult to persuade some one from the Muslim masses. If this problem is solved, the Prophet Hood of such a person can flourish under patronage of the Government. We have already overpowered the native government mainly presuming a policy of seeking help from the traitors. That was a different

stage for at that time, the traitors were from the military point of view, but now we have sway over every nook of the country and there is peace and order every where we ought to undertake measure might create Internal unrest among the country.

(Extract from the printed report, India Office Library, London 5)

''ملک (ہندوستان) کی بکثرت آبادی اپنے روحانی پیشواؤں کی اندھا دھند پیروکار ہے اگر اس مسئلہ پر ہم ایک ایسا آدمی تلاش کر سکیں جو اپنے تئیں ظلی نبوت کا دعویدار ہو تو لوگوں کی ایک بڑی تعداد بھک سکتی ہے، لیکن اس مقصد کیلئے مسلمان عوام سے کسی شخص کو ترغیب دینا امر محال ہے اگر یہ الجھن حل ہو جائے تو ایسے شخص کی نبوت کو سرکاری سرپرستی میں پروان چڑھایا جاسکتا ہے، ہم نے قبل ازیں بھی بعض مفید (غدار) لوگوں کی مدد سے ہندوستانی حکومتوں کو زیر نگیں کیا لیکن وہ مختلف مرحلہ تھا، اس وقت فوجی نقطہ نگاہ سے فروختنی مال درکار تھا لیکن اب جبکہ ہم نے ملک کے کونے کونے پر قبضہ جمالیا ہے اور ہر طرف امن اور آرڈر ہے، ہمیں ایسے اقدامات کرنے چاہیں جن سے ملک میں داخلی بے چینی پیدا ہو سکے۔''

عبدالرشید ارشد ''بیس بڑے مسلمان، صفحہ نمبر 6 پر کچھ اس طرح لکھتے ہیں کہ ''یہاں کے باشندوں کی ایک بڑی اکثریت پیری، مریدی کے رجحانات کی حامل ہے اگر کسی وقت ہم کسی ایسے غدار کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہو جائیں جو ظلی نبوت کا دعویٰ کرنے کو تیار ہو جائے تو اُس کے حلقہ نبوت میں ہزاروں لوگ جوق در جوق شامل ہو جائیں گے۔ لیکن مسلمانوں میں اِس قسم کا دعویٰ کرنے کیلئے کسی کو تیار کرنا ہی بنیادی کام ہے۔ یہ مشکل حل ہو جائے تو اُس کی نبوت کو حکومت کے زیر سایہ پروان

چڑھایا جاسکتا ہے۔ہم اس سے پہلے برصغیر کی تمام حکومتوں کو غدار تلاش کرنے کی حکمت عملی سے شکست دے چکے ہیں۔وہ مرحلہ اور تھا اُس وقت فوجی نقطہ نظر سے غداروں کی تلاش کی گئی تھی۔لیکن اب ہم جبکہ برصغیر کے چپہ چپہ پر حکمران ہو چکے ہیں اور ہر طرف امن وامان بحال ہوگیا ہے تو اِن حالات میں ہمیں کسی ایسے منصوبے پر عمل کرنا چاہیے جو یہاں کے باشندوں کے داخلی انتشار کا باعث ہو۔"

برٹش گورنمنٹ نے اس رپورٹ کو عملی جامہ پہنانے کیلئے پادریوں اور عیسائی مشنریوں کو برصغیر کے طول وعرض میں پھیلادیا اور نئی تہذیب وثقافت کی توسیع کیلئے مسیحیت کی تبلیغ و اشاعت کا کام پورے زور وشور سے شروع ہوگیا۔عیسائیت کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کو دیکھ کر مسلمان علماء ومشائخ دین اسلام کے دفاع اور تحفظ کیلئے میدان میں آگئے۔ہر طرف مناظروں اور مجادلوں کا بازار گرم ہوگیا۔اِن مناظروں اور مباحثوں نے طبیعتوں میں بے چینی اور افکار و عقائد میں تزلزل پیدا کردیا تھا۔جس کی وجہ سے پورے برصغیر کے ماحول میں مذہبی خانہ جنگی کی سی کیفیت پیدا ہوگئی۔دوسری طرف برٹش گورنمنٹ اس امر کا اچھی طرح اندازہ لگا چکی تھی کہ مسلمانوں کی جوانمردی،اور جہاں بانی حقیقت میں اُن کی قوت ایمانی کے ثمرات ہیں۔اگر کسی طریقے سے اس گنج گرانمایہ جو کہ اِن کا سرمایۂ حیات ہے،کو اِن کے دلوں سے نکال دیا جائے تو مسلمانوں اور دوسری قوموں میں ایسا کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا جو دیگر اقوام وممالک کو اِن کے سامنے جھکنے پر مجبور کرے اور جس کی بدولت قوموں اور ملکوں کی تقدیریں اِن کی نوک سناں سے لکھی جاتی ہیں۔چنانچہ اِس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے برٹش گورنمنٹ نے "ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر" کی تعلیمی رپورٹ پر عمل درآمد کا پروگرام بنایا۔اِس رپورٹ کے مطابق "ہم ایسا نظام قائم کریں گے جس سے مسلمان عیسائی نہ بھی ہوئے،تو وہ مسلمان بھی نہ رہیں گے۔"

پہلے تو برٹش گورنمنٹ نے کوشش کی کہ مسلمانوں کو عیسائیت کی طرف راغب کیا جائے۔لیکن جب انہیں اِس مقصد میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تو اُس نے مسلمانانِ برصغیر کی آئندہ

نسلوں کو اسلامی تعلیمات سے محروم رکھنے اور اُن کی جمعیت وقوت کو منتشر کرنے کی غرض سے اُن میں فرقہ بازی، لسانیت، اور عصبیت کے بیج بونے کی ٹھان لی۔ درحقیقت یہ تخریبی منصوبہ مسلمانوں کو عیسائی بنانے والے منصوبے سے بھی زیادہ خوفناک اور خطرناک ہونے کے ساتھ دوررس نتائج کا حامل تھا۔ کیونکہ مسلمانوں کی اکثریت اس تخریب کو تعمیر، بگاڑ کو بناؤ، بیخ کنی کو رواداری، فساد کو اصلاح اور مداخلت فی الدین کو آزادیٔ فکر سمجھ رہی تھی۔

حکومت کی زیرِ سرپرستی اسکولوں اور کالجوں کے نصاب میں اب اُن لوگوں کے فضائل ومناقب شامل نصاب تھے جو رہبری کے پردے میں قوم کی جڑیں کاٹ کر اُسے کھوکھلا کرنے میں مصروف تھے۔ چنانچہ یہ منصوبہ نہایت ہوشیاری، رازداری اور کمال نمک حرامی سے پروان چڑھایا گیا۔ اِن تعلیمی اداروں سے فارغ التحصیل ہونے والوں کی اکثریت کا یہ عالم تھا کہ وہ اسلام کے حقیقی تصور سے ناآشنا، اینگلوانڈین علماء کے معتقد اور مغربی تہذیب کے دلدادہ تھے۔

اسلامی تعلیمات سے دوری اور بے راہ روی کی وجہ سے ایمان جیسی متاعِ عزیز لٹنی شروع ہوگئی۔ جس ایمان کو بچانے کی خاطر مسلمان اپنا سب کچھ لٹا دیا کرتے تھے۔ آج وہ چند روزہ زندگی کے راحت و آرام کے بدلے، ایمان جیسی قیمتی متاعِ حیات لٹانے پر آمادہ تھے۔ ادھر سرکاری تنخواہ دار علماء نے اسلام کی بیخ کنی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ دینِ اسلام میں خود اِن کے ہاتھوں عمل جراحی اور اصلاح کے نام پر شریعتِ مطہرہ میں اِس قدر ترمیم و اضافہ کروایا گیا کہ دین کی اصل شکل وصورت ہی باقی نہیں رہی۔ حکومتی سرپرستی میں دینِ اسلام کے جدید ایڈیشن پوری آب وتاب کے ساتھ اس طرح پیش کیے گئے کہ ناواقفوں کے سامنے دین کی اصل شکل وصورت ہی مشکوک ہو کر رہ گئی اور جب عوام کی نظروں سے اصل اور نقل، حقیقی اور جعلی کا فرق اوجھل ہونا شروع ہوا تو ہر ایک نے اپنی اپنی پسند کا اسلام چنا اور اُس کے پیروکار بن گئے اور یوں انگریز جبہ و دستار کی بدولت آسانی سے وہ مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جسے وہ عام حالات میں حاصل کرنے سے عاجز تھے۔

مسلمانوں کی متحدہ قوت کو جماعتوں اور فرقوں میں بانٹنے، اُن کے درمیان اختلافات

کی خلیج وسیع کر دینے اور اسلام کے حقیقی فیوض و برکات سے محروم، کمزور قوت ایمانی والے مسلمان بنا دینے کے بعد بھی سازشوں کا یہ سلسلہ یہیں پر ختم نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کے تانے بانے ''تقویۃ الایمان، صراط مستقیم، تحذیر الناس، حفظ الایمان، براہین قاطعہ، اور'' فتاویٰ رشیدیہ'' جیسی دل آزار متنازع کتابوں تک پھیلے ہوئے ہیں۔

تحریک ''تجدید احیائے دین'' کی پس پردہ کہانی

مولوی اسماعیل دہلوی نے برصغیر پاک و ہند میں فرقہ بازی کی سنگ بنیاد اپنی رسوائے زمانہ کتاب'' تقویۃ الایمان'' کے ذریعے رکھی۔ تقویۃ الایمان کی اصل بنیاد تو محمد بن عبدالوہاب نجدی کی'' کتاب التوحید'' پر رکھی گئی۔ لیکن اس میں خارجیت کی تبلیغ کے ساتھ داؤد ظاہری کے انکار تقلید اور معتزلہ کے مزدار یہ فرقے سے امکان کذب کا عقیدہ لے کر ایک نیا ملغوبہ اسمٰعیل دہلوی نے اپنی کتاب'' تقویۃ الایمان'' میں جمع کر دیا تھا۔

'' تقویۃ الایمان'' کے انداز بیاں نے برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے دل و دماغ ہلا کر رکھ دیے۔ جارحانہ انداز بیاں، تشویشناک طرز استدلال اور غیر ضروری مسائل و مباحثہ سے بھرپور یہ کتاب قادر مطلق کی شان و عظمت ظاہر کرنے کا نہایت ہی لرزہ خیز انداز اختیار کرتے ہوئے مقام نبوت اور رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس کو تنقید کا نشانہ بنائے ہوئے تھی۔

مسئلہ'' امکان النظیر''، کیا حضور اکرم ﷺ کے برابر کوئی اور بھی ہو سکتا ہے۔؟ رب چاہے تو کروڑوں محمد پیدا کر سکتا ہے اور کیا اللہ ﷻ آپ کے بعد کوئی اور پیغمبر بھی بھیجے گا۔؟ جیسے سوالات شکوک و شبہات اور مسائل نے نئے مباحث کو جنم دیا۔ دینی موضوعات میں بے باکی اور آزاد خیالی نے لوگوں کو عقیدہ توحید کے نام پر بارگاہ نبوت کی تعظیم و توقیر میں بے ادبیوں کا حوصلہ دیا۔ اسمٰعیل دہلوی کی دوسری کتاب'' صراط مستقیم'' کے ذریعے رفض کی مکمل کر اشاعت کی گئی۔ شیعہ حضرات جو اپنے آئمہ کی شان بیان کرتے ہیں، انہیں صاحب وحی و عصمت اور انبیاء کرام سے بھی افضل بتاتے ہیں۔ موصوف نے یہ تمام صفات اپنے پیر'' سیّد احمد'' میں جمع کر دیں۔ بلکہ انہیں اتنا بڑھا چڑھا کر پیش کیا اور زمین آسمان کے وہ وہ قلابے ملائے کہ دعویٰ

امامت اور مہدیت کے پردے میں صفاتِ نبوت نظر آنے لگی۔ اسمٰعیل دہلوی نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اپنے ممدوحین کو وحیِ باطنی سے سرفراز کر کے پیغمبروں کی طرح معصوم بھی بنا دیا۔

''پس وہ ضرور انبیاء کی محافظت جیسی نگہبانی کے ساتھ کامیاب ہوتا ہے جس کو عصمت کہا جاتا ہے۔''

(صراط مستقیم ص93)

محمد جعفر تھانیسری حیات سیّد احمد میں لکھتے ہیں ''سیّد صاحب کی تعلیمات بھی مثل آنحضرت ﷺ بہت سیدھی سادی تھیں۔ جن سے عالم و جاہل دونوں برابر مستفید ہوتے تھے۔''

(حیات سیّد احمد، ص۔177)

دیکھئے کتنی آسانی سے دعویٰ امامت کے پردے میں منصب نبوت کا حصول، وحیِ باطنی سے سرفرازی، انبیاء علیہم السلام کی معصومیت اور رسول اللہ کی طرح سیدھی سادی تعلیمات تو ثابت کر دی گئیں۔ ساتھی اصحاب بدر کی طرح مقبول بارگاہ قرار پائے۔ اب رہ گئے اسماعیل دہلوی اور مولوی عبدالحیٰ جیسے ساتھی .... تو آیئے دیکھتے ہیں کہ ان حضرات کا مقام و منصب کس طرح بیان ہوتا ہے۔

''آپ کے بڑے ساتھیوں میں مولوی اسماعیل اور مولوی عبدالحیٰ ہیں۔ یہ دونوں بزرگ بمنزلہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے، آپ کے خلفائے راشدین تھے۔ مولوی عبدالحیٰ کا مزاج بوجہ بردباری اور وقار حضرت ابوبکر صدیق سے اور حضرت مولانا شہید کی طبیعت اشداء علی الکفار و فجار حضرت عمرؓ سے زیادہ تر مشابہ تھی۔''

(صراط مستقیم۔ص 4)

مولانا عبیداللہ سندھی کہتے ہیں ''وہ خود (سیّد احمد) امام اور مہدی بن گئے۔''

(افادات وملفوظات سندھی۔ص166)

سیّد احمد اور مولوی اسماعیل دہلوی نے برصغیر کے مسلمانوں کے عمومی عقائد و اعمال کے خلاف سرحد اور پنجاب کے غیور مسلمانوں کے خلاف جس تحریک کا آغاز کیا۔ اُس کا بظاہر مقصد سرحد اور پنجاب میں حکومت الٰہیہ کا قیام اور اسلام کی تجدید و احیاء بیان کیا گیا۔ لیکن در حقیقت اس کا مقصد نہ تو حکومت الٰہیہ کا قیام تھا اور نہ ہی اسلام کی تجدید و احیاء تھی۔ بلکہ اِس تحریک کا اصل مقصد اُس منصوبے کی تکمیل تھی جو انگریز، سیّد احمد اور امیر خان کے درمیان طے ہوا تھا۔ اِس تحریک کے نتیجے میں معاہدے کی رو سے انگریز نے امیر خان کو ریاست ٹونک کا نواب بنایا اور خود انگریز بلا شرکت غیرے سارے ہندوستان کے حکمران بن گئے۔ اب رہ گئے سیّد احمد اور اسماعیل دہلوی تو زمین کے ایک انچ ٹکڑے پر بھی ان کی ریاست الٰہیہ قائم نہ ہو سکی۔

امامت سے مہدیت (اور اگر زندگی وفا کرتی تو شاید نبوت) تک کا یہ سفر اور ساری تحریک ''بالاکوٹ'' میں سرحد کے غیور اور حریت پسند مسلمانوں کے ہاتھوں دفن ہو کر رہ گئی۔ لیکن جھوٹے مدعی نبوت مرزا غلام احمد قادیانی کیلئے منزل مقصود متعین کر گئی۔ یوں وہ خواب جو سیّد احمد اور اسماعیل دہلوی نے دیکھا تھا۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے اُس پر عمل کر کے اُسے حقیقت کا رنگ دے دیا۔

اسماعیل دہلوی وہ پہلا شخص تھا، جس نے یہاں کے سادہ لوح مسلمانوں میں فرقہ واریت اور بغض وعناد کا بیج بویا۔ انگریز کی ایماء پر مسلمانوں کو تذبذب و اضطراب میں مبتلا کر کے حضور اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ سے ان کی جذباتی وابستگی کو کمزور کرنے کی سازش کی۔ اِسی وجہ سے برطانوی حکومت نے اُس کی رسوائے زمانہ کتاب ''تقویۃ الایمان'' کو لاکھوں کی تعداد میں طبع کرا کر برصغیر میں مفت تقسیم کروایا۔

> کراچی یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کے مطابق ''اِسی بنا پر کمپنی کے زیر تسلط علاقوں میں سیّد احمد اور شاہ اسماعیل کو کئی سہولتیں فراہم کی گئیں۔ انہیں نہ صرف ہر جگہ عوام سے خطاب کرنے کے مواقع فراہم کئے گئے۔ بلکہ اُن کی تحریک کیلئے چندے کی فراہمی میں بھی انگریزوں نے تعاون کیا۔ یہاں تک کہ اُن مقامی ساہوکاروں پر انگلشی

عدالتوں میں مقدمہ چلانے کی اجازت بھی دے دی، جو اس روپے کو مجاہدین تک پہنچانے میں کوتاہی برتتے تھے، جو انہیں اسی مقصد کیلئے دیا جاتا تھا۔علاوہ ازیں تیل کے کارخانوں اور دوسرے اداروں کے مقامی مزدوروں کے جہاد میں حصہ لینے کیلئے مختلف مراعات عطا کی گئیں۔"

(برصغیر پاک وہند کی ملت اسلامیہ۔ص268-260)

انکارِ ختم نبوت قادیانیت کی بنیاد

تاریخی اعتبار سے برصغیر پاک وہند میں اثر ابن عباس مذہبی اختلاف کی پہلی کڑی قرار پاتی ہے اور یہیں سے برصغیر میں مسلمانوں کے درمیان مذہبی اختلافات کا آغاز ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس کا یہ اثر یوں درج ہے۔

"اخبر نا احمد بن یعقوب الثقفی حدثنا عبید بن غنام التخفنی الباٹا علی بن حکیم حدثنا شریک عن عطا بن السائیک عن ابی الفحی عن ابی عباس رضی اللہ عنہما، قال الذی خلق سبع سموت و من الارض مثلھن قال سبع ارضین فی کل ارض نبی تنیکم و ادم کادم و نوح و ابراھیم کا ابراھیم و عیسی، کعسی"

ترجمہ" حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔زمینیں سات ہیں۔ہر زمین میں نبی اس طرح ہوئے ہیں جس طرح تمہارے ہاں۔آدم کے ساتھ آدم اور نوح کے ساتھ نوح۔ابراہیم کی طرح ابراہیم اور عیسیٰ کی عیسیٰ۔"

(مستدرک حاکم جلد دوم صفحہ 493۔سازشوں کا دیباچہ ص،15)

یہ کتنی بدقسمتی اور علمی خیانت تھی کہ اثر ابن عباس کی مذکورہ سند قابل اعتراض ہونے کے باوجود اس کی صحت پر بعض علمائے دیوبند اصرار کر رہے تھے اور ان علماء کی تائید وحمایت مولانا محمد احسن نانوتوی کر رہے تھے۔لیکن برصغیر کے علمائے حق اہلسنت وجماعت کی اکثریت اس اثر کو مسئلہ ختم نبوت کی نص قطعی کے بالکل خلاف سمجھتی تھی اور ان کی نگاہ میں اس کا قائل ختم نبوت کا منکر

اور کافر قرار پاتا تھا۔ چنانچہ اس اثر کی تائید کرنے والوں کے خلاف ختم نبوت کے متفقہ اور مسلمہ عقیدے پر کامل یقین رکھنے والے علمائے حق کی طرف سے شدید مخالفت ہوئی۔ اِس مسئلے کی تائید اور ردّ میں ہزاروں مناظرے اور بیسیوں کتابیں لکھی گئیں۔

اثر ابن عباس کی اسناد مشتبہ اور مذکورہ روایت با اعتبار فن قطعی الثبوت نہیں تھی اور یہ بات اثر ابن عباس کی حمایت اور تائید کرنے والے بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ اس حدیث کی سند مشتبہ اور با اعتبار فن حدیث قطعی الثبوت نہیں ہے اور وہ اس حقیقت کا اعتراف بھی کرتے تھے کہ "یہ صحیح ہے کہ حضرت ابن عباس کی یہ حدیث قطعی الثبوت نہیں ہے۔"

(ڈاکٹر خالد محمود۔ مقدمہ تحذیر الناس)

لیکن اس کے باوجود بھی وہ اس روایت کی حمایت پر کمر بستہ تھے، حقیقت سے آگاہی کے باوجود اِس روایت کی تائید اور حمایت پر زور لگانا صاف ظاہر کرتا ہے کہ اس کے پس پردہ اسباب و محرکات کچھ اور ہی تھے۔ اثر ابن عباس کی حمایت اور مخالفت نے برصغیر میں ایک نئے تنازع کو جنم دیا اور ایک ایسا سوال کھڑا کر دیا کہ اگر ہر زمین میں سلسلہ نبوت مان لیا جائے تو کیا "خاتم النبیین" بھی علیحدہ علیحدہ ہوں گے۔ نامور محقق پروفیسر ایوب قادری کے مطابق

> "علمائے بریلی اور بدایوں نے مولانا محمد احسن نانوتوی کی بڑی شد و مد سے مخالفت کی۔ بریلی میں اس محاذ کی قیادت مولوی نقی علی خان کر رہے تھے اور بدایوں میں مولوی عبد القدیر بدایونی بن مولانا فضل رسول بدایونی سرخیل جماعت تھے۔ یہیں سے بریلی اور دیو بند کی مخالفت کا نقطہ آغاز ہو اجو بعد میں ایک بڑی وسیع خلیج کی شکل اختیار کر گیا۔"

(مولانا محمد احسن نانوتوی۔ ص94 مکتبہ عثمانیہ کراچی)

ابھی علمائے کرام کے درمیان اثر ابن عباس کی سند پر بحث جاری تھی کہ اسی اثر ابن عباس کے مسئلے پر ایک سوال کے جواب میں مولانا قاسم نانوتوی نے "تحذیر الناس" نامی کتابچہ لکھا۔ اس کتابچے کی تحریر نے "امکان نبوت" کا ایک نیا دروازہ کھول دیا۔ تحذیر الناس کی متنازعہ

عبارت نے مرزا غلام احمد قادیانی کو دعویٰ نبوت کیلئے ایک ایسا ثبوت فراہم کیا جسے آج بھی قادیانی جماعت اور اُس کے حواری مرزا غلام احمد کی جھوٹی نبوت کے حق میں بطور ایک مضبوط دلیل پیش کرتے ہیں۔

یہاں یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ ملت مرزائیہ نے حلقہ اہلسنت و جماعت (سنی حنفی بریلوی) وشیعیت میں کوئی خاص فروغ نہیں پایا اور متذکرہ حلقہ فکر قادیانی جماعت کے مکروفریب سے بڑی حد تک [redacted]ط رہے۔ اِس کی اصل وجہ اہلسنت و جماعت (سنی حنفی بریلوی) میں رسول اکرم ﷺ سے بے انتہا عشق و محبت اور جذباتی وابستگی میں شدت تھی۔ لیکن اُس وباء کا سب سے زیادہ شکار مکتبۂ اہلحدیث سے تعلق رکھنے والے افراد ہوئے۔ جن میں مشہور اہلحدیث عالم محمد احسن امروہی، مرزا قادیان کا خلیفہ اوّل حکیم نور الدین بھیروی، مولوی محمد علی لاہوری، خواجہ کمال الدین اور مولوی عبدالکریم سیالکوٹی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ واضح رہے کہ خود مرزا غلام احمد قادیانی کا تعلق بھی ابتداً مسلک اہلحدیث سے تھا۔ اِن حضرات کے علاوہ بہت سے اہلحدیث اور دیوبندی علماء نے مرزا قادیانی کی شروع میں حمایت کی اور اُس کو اچھے لفظوں سے یاد کیا۔ مثلاً مولوی محمد حسین بٹالوی اہلحدیث اور مولوی رشید احمد گنگوہی دیوبندی وغیرہ مرزا غلام احمد قادیانی کی تحریروں سے بہت متاثر تھے اور رشید احمد گنگوہی نے مرزا کو "مرد صالح" لکھا۔ بعد میں وہ مرزا کی تکفیر کرنے والے علماء کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اسی طرح مولوی محمد حسین بٹالوی نے "براہین احمدیہ" کی اشاعت پر اپنے رسالہ "اشاعۃ السنہ" کی چھ اشاعتوں میں مذکورہ کتاب کو اِس صدی کا شاہکار قرار دیا، مولوی محمد حسین بٹالوی کا تحریر کردہ یہ ریویو آج بھی براہین احمدیہ کی زینت ہے، یہ الگ بات ہے کہ مرزا کے دعویٰ نبوت کے بعد بٹالوی صاحب نے مرزا کو مرتد قرار دیا۔

لیکن اِس کے برخلاف علمائے اہلسنت و جماعت کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ سب سے پہلے مومنانہ فراست سے کام لیتے ہوئے مرزا کے کفر ونفاق اور اس کے مزموم عقائد کا پردہ چاک کر کے اُس کا ذبردست رد کیا۔ جس وقت مولوی محمد حسین بٹالوی اور رشید احمد گنگوہی جیسے لوگ

مرزا غلام احمد قادیانی کو" مرد صالح "اور اُس کی کتاب" براہین احمدیہ" کو صدی کا شاہکار قرار دے رہے تھے۔ عین اُس وقت علمائے حق اہلسنّت و جماعت کے ایک مشہور عالم عارف کامل "علامہ غلام دستگیر قصوری رحمۃ اللہ علیہ" مرزا غلام احمد قادیانی کی کتاب "براہین احمدیہ" میں کئے گئے مرزا کے دعوؤں کا بطلان اپنی کتاب "رجم الشیاطین براغلوطات البراہین" میں پیش کر کے اُس کے کفر و گمراہی کا پردہ چاک کر رہے تھے۔ علامہ غلام دستگیر قصوری رحمۃ اللہ علیہ برصغیر کے سب سے پہلے عالم تھے جنھوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کی کتاب "براہین احمدیہ" کے ابتدائی حصے پڑھ کر اسکی کفر گمراہی بھانپ لیا تھا اور انہوں نے بروقت اس فتنے کا رڈ کر کے برصغیر کے مسلمانوں کو مرزا کے ناپاک عزائم سے آگاہ کیا۔

ایک محتاط مگر حقیقت پسندانہ تبصرہ

> اس صورتحال پر رائے محمد کمال صاحب کا تبصرہ انتہائی قابل توجہ ہے، آپ لکھتے ہیں کہ" اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ" تحذیر الناس" میں متعدد ایسے مقامات اور متعدد ایسی عبارات ہیں جنھیں پیش کر کے دشمنان ختم نبوت مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈال سکتے ہیں...... تحذیر الناس کے شارحین اور حاشیہ نگاروں نے پوری ایک صدی اِن عبارات کی تشریح اور توضیح میں صرف کر دی لیکن اب بھی جب کسی قاری کا اِن مقامات سے گزر ہوتا ہے یا کوئی اِن عبارات کو پڑھتا ہے، تو ایک مرتبہ ضرور ٹھٹک کر رہ جاتا ہے۔ مولانا قاسم نانوتوی کی اِس تشریح و توضیح سے مقصد واضح نہیں ہوتا بلکہ مشکوک و مبہم ہو گیا۔ مدعا سلجھا نہیں بلکہ اِس کو سمجھنے کی کوشش کرنے والے خار دار جھاڑیوں میں الجھ کر رہ گئے اور ختم نبوت کے خلاف سازش کرنے والے قادیانیوں کو موقع مل گیا کہ مولانا کی اِن عبارات کو اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کیلئے استعمال کریں

اور سینکڑوں سادہ لوح اہل ایمان کیلئے خطرات پیدا کریں۔"

(سازشوں کا دیباچہ۔ص19)

درحقیقت مولانا محمد احسن نانوتوی کی طرف سے مسئلہ اثر ابن عباس کی حمایت و توثیق، مولوی اسماعیل دہلوی کا نظریہ امکان النظیر، مولوی قاسم نانوتوی کی تحذیر الناس اور صراط مستقیم وغیرہ کی عبارتوں اور گستاخانہ جسارتوں سے نہ صرف مسلمانوں کے عقائد متزلزل ہوئے بلکہ رسول اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ سے اُن کی جذباتی وابستگی بھی کمزور ہوئی۔ لوگ توحید کے نام پر مقام رسالت کا مذاق اڑاتے (استغفر اللہ) خدا اور رسول سے مادی اشیاء کا تقابلی جائزہ لیتے کہ "امتی اعمال میں اپنے نبی سے بڑھ سکتے ہیں" یا "رسول پاک ﷺ پر جزوی فضیلت کا حاصل ہو جانا یا اِس کا دعویٰ کا کرنا نص قطعی سے ثابت ہے" وغیرہ وغیرہ جیسے عقائد کا بے باکانہ اظہار کرنے لگے۔ گمراہی اور بدعقیدگی اِس حد تک بڑھی کہ ذات مصطفی ﷺ کا احترام اور تقدس دلوں سے اٹھ گیا۔ رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ بڑے بھائی کے برابر یا گاؤں کے چوہدری کے مانند سمجھی جانے لگی (معاذ اللہ) جس سے ظاہر ہے کہ پھر یہی نتائج برآمد ہونے تھے۔ یہیں سے برصغیر پاک و ہند میں مختلف فرقوں مثلاً اہلحدیث، دیوبندی، نیچری، منکرین حدیث اور قادیانیت نے جنم لیا۔

اگر قادیانیت کے فکری پس منظر پر غور کیا جائے تو بادی النظر یہ تاثر ابھرتا ہے کہ اِس خطہ ارض پر ابتداً تحریک وہابیہ نے جنم لیا اور اِس کے اثرات یوں پھیلے کہ متاثرہ افراد کے دلوں سے دانائے رازِ ختم الرسل مولائے کل ﷺ کی ذات مبارکہ سے والہانہ محبت اور جذباتی تعلق کمزور ہو گیا۔ حسن عقیدت کی جلوہ باری اور بادہ عشق و مستی کی کیفیت موجود نہ رہی۔ ہزار بار مشک و گلاب سے منہ دھو کر اپنے آقا و مولا کا نام لینے اور پھر بھی بے ادبی خیال کرنے کا رنگ ان کے دلوں سے نکل گیا۔ یہ سوال آج بھی جواب طلب ہے کہ قادیانی تحریک احمدیہ، علمائے دیوبند کی صدائے بازگشت تھی یا دیوبندی مسلک وہابیوں کے خمیر سے اٹھا۔ لیکن یہ امر مسلمہ حقیقت ہے کہ جماعت اسلامی، نیچریت، چکڑالویت، پرویزیت اور دہریت ان ہی کا ثمر ہے۔

عجمی نبوت کیلئے مرزا کی نامزدگی

برٹش گورنمنٹ کی ایماء پر پادریوں کی جانب سے دی گئی رپورٹ کو مدنظر رکھتے ہوئے تاج برطانیہ کی ہدایت پر مناسب اور موزوں آدمی کی تلاش کا کام شروع ہوا۔اس سے قبل مولوی اسماعیل دہلوی کے ذریعے برصغیر میں فرقہ واریت کی بنیاد رکھی جاچکی تھی۔تقویۃ الایمان اور تحذیر الناس نے ''امکان کذب'' اور ''ظلی نبوت'' کے دروازے تو کھول ہی دیئے تھے اب صرف انہیں تلاش تھی تو کسی ایسے شخص کی جو برطانوی عملداری کے تحفظات میں کشف والہام کا ڈھونگ رچاسکے اور جس کے نزدیک لندن کے مراسلہ جات وحی کا درجہ رکھتے ہوں اور جو خفیہ رپورٹ میں بیان کئے گئے مقصد کو باحسن خوبی مکمل کرسکے۔چنانچہ مردم شناس قوم (انگریز) کی نگاہ انتخاب مرزا غلام احمد قادیانی پر ٹھہری۔

اُس وقت مرزا غلام احمد قادیانی ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کی کچہری میں معمولی تنخواہ پر ملازم تھا۔مرزا نے دوران ملازمت سیالکوٹ کے پادری مسٹر ایم ،اے بٹلر سے خصوصی روابط پیدا کئے۔عیسائی پادری بٹلر اکثر وبیشتر غلام احمد قادیانی کے پاس ملنے آتا تھا۔اُس نے انگلینڈ جانے سے پہلے مرزا سے ایک طویل ملاقات کی تھی۔مرزا محمود قادیانی اِس ملاقات کی تفصیل یوں بیان کرتا ہے۔

> ''ریورنڈ بٹلر ایم ،اے جو سیالکوٹ مشن میں کام کرتا تھا اور جس سے حضرت صاحب (مرزا قادیانی) کے بہت سے مباحثات ہوتے رہتے تھے۔جب وہ ولایت واپس جانے لگا تو خود کچہری میں آپ کے پاس ملنے چلے آئے اور جب ڈپٹی کمشنر صاحب نے پوچھا کس طرح تشریف لائے ہیں تو ریورنڈ نے کہا کہ صرف مرزا صاحب کی ملاقات کیلئے آیا ہوں اور جہاں آپ (مرزا) بیٹھے ہوئے تھے وہیں سیدھے چلے گئے اور کچھ دیر بیٹھ کر واپس چلے گئے۔''

(سیرت مسیح موعود ص15)

''دراصل برطانوی پادری ایم ،اے بٹلر برطانوی انٹیلی جنس کا رکن تھا اور

ایک مبلغ کے روپ میں کام کرتا تھا۔ برطانوی انٹیلی جنس کی رپورٹ کے مطابق ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ نے چار اشخاص کو انٹرویو کیلئے طلب کیا اور اُن کے انٹرویو کے بعد اُس نے مرزا غلام احمد قادیانی کو اپنے مزموم مقاصد کی تکمیل کیلئے موزوں قرار دے کر (برطانوی) نبوت کیلئے نامزد کیا۔"

(رپورٹ سینٹرل انٹیلیجنس، تحریک ختم نبوت 1953ص 23)

مرزا غلام احمد قادیانی کلرکی سے دعوئ نبوت تک

برطانوی حکومت کی جانب سے اِس نامزدگی کے بعد 1868ء میں مرزا غلام احمد قادیانی نے بغیر کسی معقول وجہ بیان کئے نوکری سے استعفیٰ دے دیا اور قادیان جا کر انگریزی مشن کی تکمیل کیلئے تصنیف و تالیف کے کام میں مصروف ہو گیا۔ مرزا بشیر احمد (ابن مرزا غلام احمد قادیانی) کا کہنا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کو "ماموریت" کا تاریخی الہام مارچ 1882ء میں ہوا۔ اِس سے پہلے آپ نے 1880ء میں "ملہم من اللہ" ہونے کا اعلان کیا اور اپنے "مجدّد" ہونے کا ناد پھونکا۔ 1888ء میں اعلان کیا کہ اللہ نے انہیں بیعت لینے کا حکم فرمایا ہے۔ 1891ء میں اپنے "مسیح موعود" ہونے کی خبر دی اور "ظلّی نبوت" کا دعویٰ کیا۔ پھر 1901ء میں "نبوت" کا دعویٰ کیا اور نومبر 1904ء میں "کرشن" ہونے کا اعلان فرمایا۔ یہی وہ سال تھے جب انگریزی سیاست اپنے استعماری عزائم کو پروان چڑھانے کیلئے پنجاب اور سرحد کے مسلمانوں کا شکار کر رہی تھی اور اُس کے سامنے بیرون ہندوستان کی مسلمان ریاستوں کو اپنے دام میں لانے کا منصوبہ بھی تھا۔ مرزا غلام احمد اِن چاروں نکات کے جامع ہو کر سامنے آئے جو انگریزوں کے ذہن میں تھے۔ انہوں نے انگریزی سلطنت کے استحکام و اطاعت کی بنیاد ہی اپنے الہام پر رکھی اور ایک نبی کا روپ دھار کر انگریزی سلطنت کی وفاداری سے انحراف کو جہنم کا مستحق قرار دیا اور اپنی ربانی

سند کے مفروضے پر جہاد کو منسوخ کر ڈالا اور اُن لوگوں کو حرامی قرار دیا جو اِس کے بعد جہاد کا نام لیتے یا اُس کی تلقین کرتے۔"

(تحریک ختم نبوت، آغا شورش کاشمیری، ص 24-23)

عجمی نبوت کے اغراض ومقاصد

ذیل میں اِس عنوان کے تحت مرزا غلام احمد قادیانی کی تحریروں سے اُس کے دعویٰ نبوت اور اُن اغراض ومقاصد کا جائزہ لیتے ہیں جس سے اُس کی جھوٹی نبوت اور انگریز دوستی کا اصل حقیقی روپ واضح اور عیاں ہو کر ہمارے سامنے آتا ہے۔

ملکہ کی حکومت مرزا کیلئے خدا کی رحمت

مرزا غلام احمد قادیانی کے بقول "اے بابرکت قیصرہ ہند (ملکہ وکٹوریہ) تجھے یہ تیری عظمت اور نیک نامی مبارک، خدا کی نگاہیں اس ملک پر ہیں۔ خدا کی رحمت کا ہاتھ اس رعایا پر ہے۔ جس پر تیرا ہاتھ ہے۔ تیری ہی پاک نیتوں کی تحریک سے خدا نے مجھے بھیجا ہے تاکہ پرہیزگاری اور پاک اخلاق اور صلح کاری کی راہوں کو دوبارہ دنیا میں قائم کروں۔"

(ستارہ قیصرص 15)

مرزا کی نبوت ملکہ کے مقاصد کی تکمیل

"اس نے (خدا) نے اپنے قدیم وعدہ کے موافق جو مسیح موعود کے آنے کی نسبت تھا۔ آسمان سے مجھے بھیجا تاکہ میں اس مرد خدا کے رنگ میں ہو کر جو بیت اللحم میں پیدا ہوا اور ناصرہ میں پرورش پائی۔ حضور ملکہ معظمہ (وکٹوریہ) کے نیک اور بابرکت مقاصد کی امانت میں مشغول ہوں۔ اس نے مجھے بے انتہا برکتوں کے ساتھ چھوڑا اور اپنا مسیح بنایا تاکہ وہ ملکہ معظمہ کے پاک اغراض کو خود آسمان سے مدد دے۔"

(ستارہ قیصر ص 10)

مرزا کی نبوت کیلئے موزوں ترین عہد

"اے ملکہ معظمہ تیرے وہ پاک ارادے ہیں جو آسمانی مدد کو اپنی طرف کھینچ رہے ہیں۔ اور تیری نیک نیتی کی کشش ہے۔ جس سے آسمان کی طرف جھکتا ہے۔ اس لیے تیرے عہد سلطنت کے سوا اور کوئی عہد سلطنت ایسا نہیں ہے۔ جو مسیح موعود کے ظہور کیلئے موزوں ہو۔ سو خدا نے تیرے نورانی عہد میں آسمان سے ایک نور (مرزا صاحب) نازل کیا۔ کیونکہ نور نور کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔"

(ستارہ قیصر ص 11)

مرزا انگریز کا تعویذ اور قلعہ

"میں اس گورنمنٹ کیلئے بطور ایک تعویذ کے ہوں اور بطور ایک پناہ (قلعہ) کے ہوں۔ جو آفتوں سے بچا سکتا ہے اور خدا نے مجھے بشارت دی ہے اور کہا کہ خدا ایسا نہیں کہ ان کو دکھ پہنچائے اور تو ان میں ہو۔ پس اس گورنمنٹ کی خیر خواہی اور مدد میں کوئی دوسرا شخص میری نظیر اور مثل نہیں اور عنقریب میں یہ گورنمنٹ جان لے گی۔ اگر مردم شناسی کا اس میں مادہ ہے۔"

(انوار الحق جلد اول ص 34-33)

انگریز کا شکر گزار "مرزا"

"اگر چہ اس محسن گورنمنٹ کا ہر ایک پر، رعایا میں سے شکر واجب ہے۔ مگر خیال کرتا ہوں کہ مجھ پر سب سے زیادہ واجب ہے۔ کیونکہ یہ میرے اعلیٰ مقاصد جو جناب قیصرہ ہند کی حکومت کے زیر سایہ حکومت کے سائے کے نیچے انجام پذیر ہو رہے ہیں۔ ہر گز ممکن نہ تھا کہ وہ کسی اور گورنمنٹ کے زیر سایہ انجام پذیر ہو سکتے اگر چہ وہ کوئی اسلامی گورنمنٹ ہی ہوتی۔"

(تحفہ قیصریہ ص 47)

مرزائی گروہ برطانوی سامراج کا سچا خیر خواہ

”اور میرا گروہ ایک سچا خیر خواہ اس گورنمنٹ کا بن گیا جو برٹش انڈیا میں سے اوّل درجہ پر جوش اطاعت رکھتے ہیں۔ جس سے مجھے بہت خوشی ہے۔“

(ستارہ قیصر ص 20)

برطانوی دور سلطنت مرزا کیلئے مکہ اور مدینہ سے بھی بہتر (معاذ اللہ)

”میں اپنا کام مکہ اور مدینہ میں ٹھیک طور سے نہیں کرسکتا۔ نہ ہی یونان، شام، ایران یا کابل میں۔ لیکن میں اس حکومت کے تحت کرسکتا ہوں۔ جس کی عظمت و نصرت کیلئے ہمیشہ دعا کرتا ہوں۔“

(تبلیغ رسالت جلد چہارم ص 69)

مرزا کی جنت اور ترقی کا راز

”در حقیقت انگریزی حکومت ہمارے لیے ایک جنت ہے۔ احمدیہ فرقہ اس کی سرپرستی میں مسلسل ترقی کررہا ہے۔ اگر تم اس جنت کو کچھ عرصے کیلئے الگ کردو تو تمہیں معلوم ہوجائے گا۔ کہ تمہارے سروں پر زہریلے تیروں کی کیسی زبردست بارش ہوتی ہے۔ ہم اس حکومت کے کیوں نہ مشکور ہوں۔ جس کے ساتھ ہمارے مفاد مشترک ہیں۔ جسکی بربادی کا مطلب ہماری بربادی ہے اور جس کی ترقی سے ہمارے مقصد کی ترقی میں مدد ملتی ہے۔ اس لیے جب اس حکومت کا دائرہ اثر وسیع ہوتا ہے۔ ہمارے لیے اپنی دعوت کی تبلیغ کا ایک نیا میدان ظاہر ہوتا ہے۔“

(الفضل قادیان مورخہ 19 اکتوبر 1915)

مرزا کا اقرار در اصل انکار جہاد ہے

"جیسے جیسے میرے مرید بڑھیں گے ویسے ویسے مسئلہ جہاد کے معتقد کم ہوتے جائیں گے۔ کیونکہ مجھے مسیح و مہدی مان لینا ہی مسئلہ جہاد کا انکار کرنا ہے۔"

(تبلیغ رسالت جلد ہفتم ص17)

ممانعت جہاد اور اطاعت برطانیہ "مرزا" کے اصول

"میرے پانچ اصول ہیں جن میں دو حرمت جہاد اور اطاعت برطانیہ ہیں اور میں نے ممانعت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہارات شائع کئے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔"

(تریاق القلوب ص25)

اطاعت برطانیہ فرض اور جہاد حرام

"میں مسلسل سولہ برس سے برابر اپنی تالیفات میں اس بات پر زور دے رہا ہوں کی مسلمانان ہند پر اطاعت گورنمنٹ برطانیہ فرض اور جہاد حرام۔"

(تبلیغ رسالت جلد سوم ص196)

ق

لانبی بعدی ز احسانِ خدا است
پردۂ ناموسِ دینِ مصطفیٰ است

قوم را سرمایہ قوت ازو
حفظ سرِ وحدتِ ملت ازو

باب:۔ پنجم

مرزا قادیانی کا تعارف

اور

عقائدِ باطلہ

☆مرزا قادیانی اور اس کے شیطانی چیلوں نے جس دریدہ دہنی اور زہر افشانی کا مظاہرہ کیا۔اسے تحریر میں لاتے ہوئے قلم کانپتا ہے۔بازو پر رعشہ طاری ہوجاتا ہے۔آنکھیں خون کے آنسو روتی ہیں۔اور روح تڑپتی ہے۔لیکن دوسری طرف وقت پکار پکار کر کہتا ہے کہ آمنہ کے لال کے دیوانوں اور پروانوں کو بتادو کہ سرورِ کونین ﷺ کی عزت وناموس پر قادیانی مرتد کس طرح حملہ آور ہورہے ہیں۔بغض وعناد کے زہر میں بجھے ہوئے اُن کے زہریلے قلم، کملی والے آقا کی شان میں کیا کیا گستاخیاں کررہے ہیں اور اُن کے منہ میں بچھو نما زبانیں سرورِ دو عالم ﷺ کے لائے ہوئے دینِ حنیف کو کس طرح ڈنک مار رہی ہیں۔لہٰذا ذہن وضمیر پر بارِ گراں محسوس کرنے کے باوجود یہ دل آزار اور روح فرسا تحریریں نقل کی جاتی ہیں (نقلِ کفر، کفر نباشد)۔جن کے ہر حرف سے کفر والحاد کا ایک طوفان اٹھتا ہے۔

دنیا میں عہد رسالت ﷺ سے لے کر آج تک سینکڑوں بد بختوں نے جھوٹی نبوت کے دعوے کئے۔لیکن اسلام کی تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی کسی چور نے تاج نبوت کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا تو عشق مصطفی ﷺ سے سرشار غیور مسلمانوں کی تلواریں اس کی طرف لپکیں اور اسے جہنم واصل کر دیا۔برصغیر پاک و ہند میں جب انگریزوں کے ایمان شکن دور میں کفر و الحاد کے سمندر ٹھاٹھیں مار رہے تھے۔اور دین اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹانے کیلئے سر توڑ کوششیں کی جارہی تھیں۔تو اس وقت اسلام پر سب سے کاری ضرب لگانے کیلئے ایک عجمی نبوت کی بھیانک سازش تیار کی گئی۔اور فرنگی کے اشارے پر ایک ضمیر فروش مرزا غلام احمد قادیانی نے 1901ء میں نبوت کا دعویٰ کیا۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے آپ کو خدا کا نبی اور رسول قرار دیا۔اور اپنے ماننے والے مرتدوں کی جماعت کو صحابہ کے نام سے پکارا۔اس نے اپنی کافرہ بیوی کو اُم المومنین کے نام سے تعبیر کیا۔اور اپنے گھر والوں کو اہلبیت کا نام دیا۔اس نے تین سو تیرہ بدری صحابہ کرام کے مقابلے میں اپنے تین سو تیرہ چیلوں کی فہرست تیار کی۔اور معاذ اللہ رسول اللہ ﷺ کے صفاتی ناموں کے مقابلے میں اپنے ننانوے جھوٹے صفاتی نام گڑھے۔مرزا نے اپنے بیٹے کو قمر الانبیاء کے نام سے پکارا۔قادیان آنے کو ظلی حج قرار دیا۔جنت البقیع کے مقابلے میں قادیان میں ایک بہشتی مقبرہ تیار کروایا۔قرآن مجید میں تحریفات کیں، احادیث رسول کو بگاڑا، اقوال صحابہ و بزرگان دین کو مسخ کیا اور ”جہاد کو حرام“ قرار دے کر انگریز کی اطاعت کو لازمی قرار دیا اور صرف اسی پر بس نہیں کیا۔بلکہ اپنی بناسپتی اور انگریزی نبوت کو چلانے اور چمکانے کیلئے دین اسلام ،پیغمبر اسلام اور مقدس ہستیوں پر رکیک حملے بھی کیے۔

"مرزا قادیانی اوراس کے شیطانی چیلوں نے جس دریدہ دہنی اورزہرافشانی کا مظاہرہ کیا۔اسے تحریر میں لاتے ہوئے قلم کانپتا ہے۔بازو پر رعشہ طاری ہوجاتا ہے۔آنکھیں خون کے آنسو روتی ہیں۔اور روح تڑپتی ہے۔لیکن دوسری طرف وقت پکار پکار کر کہتا ہے کہ آمنہ کے لال کے دیوانوں اور پروانوں کو بتادو کہ سرورکونین ﷺ کی عزت وناموس پر قادیانی گِدھیں کس طرح حملہ آور ہورہی ہیں۔بغض وعناد کے زہر میں بجھے ہوئے ان کے زہریلے قلم، کملی والے آقا کی شان میں کیا کیا گستاخیاں کررہے ہیں اوران کے منہ میں بچھونمازبانیں سرور دوعالم ﷺ کے لائے ہوئے دین حنیف کو کس طرح ڈنک ماررہی ہیں۔لہٰذا ذہن وضمیر پر بارگراں محسوس کرنے کے باوجود وہ دل آزار اور روح فرسا تحریریں نقل کی جاتی ہیں (نقل کفر،کفر نباشد)۔جن کے ہرحرف سے کفروالحاد کا ایک طوفان اٹھتا ہے۔"

(عاشقانِ مصطفی کہاں ہیں۔از،طاہرعبدالرزاق)

قادیانی دجّال کا تعارف

مرزاغلام احمد قادیانی کی ذات کی گندگی اور نجاست کے بارے میں جاننا ہمارے لیے اس لیے بھی ضروری ہے کہ کوئی بھی تحریک اور تنظیم دراصل اپنے بانی کے عزائم ومقاصد اورنظریات و خیالات کا تسلسل ہوتی ہے اور اِن ہی سے پہچانی جاتی ہے۔اُس تحریک اور تنظیم کو پرکھنے کیلئے ضروری ہوتا کہ اس تحریک اور تنظیم کے بانی کو جانا جائے،دیکھا جائے اور پرکھا جائے۔لہٰذا ہمیں قادیانیوں اور قادیانیت کو جاننے اور پرکھنے کیلئے اُس کو اُسی آئینے میں دیکھنا اوراسی معیاروکسوٹی پر پرکھنا پڑے گا۔اگرآپ مرزاغلام احمد قادیانی کی ذات کے عکس میں قادیانیوں اور قادیانیت کو دیکھیں گے تو یقیناً آپ بھی اس نتیجے پرپہنچیں گے کہ آج قادیانیت بعینہٖ ان ہی راہوں پر گامزن ہے جو راہیں کبھی مرزا قادیانی اوراس کے سرپرستوں نے سوچی، سمجھی اور چاہی تھیں۔

عام طور پر مشہور یہی ہے کہ مرزاغلام احمد قادیانی مشرقی پنجاب کے ضلع گورداسپور کے

ایک گاؤں قادیان کی ایک گندی کوٹھڑی میں 13 فروری 1839ء کو پیدا ہوا۔لیکن پر لطف بات یہ ہے کہ مرزا قادیانی کے بار بار بدلتے دعوؤں کی طرح اس کی تاریخ پیدائش بھی بدلتی رہتی ہے۔مرزا کے ماننے والے کبھی اپنے نبی کو چھوٹا کر لیتے ہیں اور کبھی بڑا۔اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ انہیں مرزا کی جھوٹی پیشین گوئیوں کو سچا ثابت کرنے کیلئے مرزا کی عمر کبھی گھٹانی اور کبھی بڑھانی پڑتی ہے۔

آیئے مرزا کی عمر کے بارے میں چند پر لطف نمونے دیکھتے ہیں۔

> مرزا غلام احمد قادیانی کی صحیح تاریخ پیدائش تو معلوم نہیں البتہ مرزا قادیانی نے اپنی کتاب ''البریہ'' میں اپنی تاریخ پیدائش 1839ء اور 1840ء لکھی ہے۔جبکہ اس کا بیٹا مرزا بشیر احمد قادیانی سیرت المہدی جلد دوم صفحہ 150 پر لکھتا ہے کہ ''نہیں میرا باپ 1836ء یا 1837ء میں پیدا ہوا۔پھر سیرت المہدی جلد سوم کے صفحہ 76 پر لکھتا ہے۔نہیں نہیں میرا باپ 1835ء میں پیدا ہوا۔اور ایک بار پھر اپنے بیان سے پلٹتا اور کہتا ہے۔ٹھہرو ٹھہرو میرا باپ 1831ء میں پیدا ہوا۔لیکن کیا کریں کہ وہ اس پر بھی قائم نہیں رہ پایا اور ایک بار پھر سیرت المہدی جلد سوم ص 302 پر نئی تاریخ لکھتا ہے کہ میرا باپ 1832ء میں پیدا ہوا۔اور جب اس پر بھی اطمینان حاصل نہیں ہوتا تو ایک بار پھر کہتا ہے کہ میرا باپ تو 1833ء یا 1834ء میں پیدا ہوا۔''

(سیرت المہدی جلد سوئم ص۔194)

آپ نے دیکھا کہ 1831ء سے لے کر 1840ء تک مرزا قادیان پیدا ہی ہوتا رہا۔یہ ایک ایسا معمہ ہے جسے سلجھانا ہمارے بس کی بات نہیں۔لیکن ایک بات واضح ہے کہ کس طرح مرزا قادیان کی عمر کو اسپرنگ کی طرح کم و بیش کیا جا رہا ہے۔یہی حال مرزا کے خاندان اور اس کی نسل کا ہے۔جس کو متعین کرنا ناممکن نظر آتا ہے۔کیونکہ اس بارے میں خود مرزا تشکیک و اوہام کا شکار ہے۔اور کبھی وہ اپنی قوم کو برلاس (مغل) کبھی اپنے اجداد کو فارسی، کبھی

اسرائیلی، کبھی فاطمی، اور نسب سادات سے نسبت، کبھی اپنے بزرگوں کو چین سے آئے ہوئے، کبھی ہندو ہونے (کرشن)، اور کبھی سکھ (امین الملک جے سنگھ بہادر) ہونے کا اقرار کرتا ہے۔

مرزا نے اردو اور فارسی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ وہ عربی اور انگلش میں ابجد خواں تھا۔ سیالکوٹ کی کچہری میں پندرہ روپے ماہوار پر چار سال محرر کی نوکری کی۔ آبائی پیشہ زمینداری تھا۔ آباؤ اجداد سکھوں اور انگریزوں کے وفادار اور ملازم چلے آرہے تھے۔ مرزا کے باپ کا نام مرزا غلام مرتضیٰ اور ماں کا نام چراغ بی بی گھسیٹی بیگم تھا۔ ایک زمانے میں مرزا غلام احمد قادیانی نے قانونی مختار کار کا امتحان بھی دیا لیکن فیل ہوگیا۔ مگر دین وملت سے غداری کے امتحان میں پاس ہوگیا۔ یہیں سے وہ انگریز کا انتخاب ٹھہرا اور انگریز بہادر نے اسے مجدد کی ملازمت عطا کی۔ جو بعد میں اس کی شاندار کارکردگی کی وجہ سے محدث سے مہدی، مہدی سے مسیح، مسیح سے مسیح موعود، اور وہاں سے نبی، اور نبی سے نعوذ باللہ محمد اور پھر عین محمد تک ترقی کرتی گئی۔ 26 مئی 1908ء کو لاہور میں مرزا کا شدت اسہال یا ہیضہ سے انتقال ہوا۔ دیکھنے والوں نے بیان کیا کہ مرزا کے منہ سے نجاست نکلتے ہوئے دیکھی گئی۔

مرزا کے رنگ برنگے ماضی، اس کے دعوؤں، تحریروں، جھوٹی وحی والہامات اور پیشین گوئیوں کا تجزیہ یہ نتیجہ اخذ کرنے پر مجبور کرتا ہے کہ وہ ایک باخبر کذاب تھا، سب کچھ جانتے ہوئے بھی دھوکہ دے رہا تھا، اُس نے خدا کے نام اور جعلی نبوت کو سامراجی مقاصد کی تکمیل میں استعمال کیا اور اُس کے اِس تمام کاروبار کا مقصد ذاتی عظمت اور مذہب کے نام پر دولت وشہرت اکٹھی کرنا تھا۔ قادیانیوں کی انجیل ''تذکرہ'' میں وہ لغویات اور احمقانہ پن ہے جو کسی اہم شخص کی سوانح عمری اور تاریخ میں ہرگز نہیں ملتا، مرزا قادیانی کی جھوٹی وحی عربی، اردو، فارسی، انگریزی، عبرانی، ہندی اور پنجابی زبان میں ہے، زبان گھٹیا، مبہم، عامیانہ، گندی اور غلط ہے، حقیقت میں اُس کا بڑا حصہ لغو اور بے معنی فقرات پر مشتمل ہے، جس کے کوئی واضح معانی نہیں ہیں، قادیانی ذریت اُس کے بیانات کی کئی کئی تاویلیں پیش کر کے مرزا کی جھوٹی نبوت ثابت کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ مرزا قادیانی کی کچھ جھوٹی وحی اعداد اور خانوں کی شکل میں ہے اور بقیہ ایک غیر معروف، ناقص اور ناپید

زبان میں ہے۔ جس کے بارے میں خود اُس کا اپنا اقرار یہ ہے کہ وہ اسے بھی سمجھ میں نہیں آتی۔ یہ الم غلم خیالات اُس کے اندرونی احساسات، جذباتی بحران اور ذہنی پسماندگی کو ظاہر کرتے ہیں، مرزا قادیانی چونکہ تمام عمر مختلف اقسام کی بیماریوں مثلاً اعصابی تناؤ، ذیابیطس، دردِ شقیقہ، قولنج، تپ دق، خفقان، مردانہ کمزوری اور شدید و مستقل تشنج میں مبتلا رہا۔ اِس لیے اُس کے ذہن میں کچھ عدم توازن کی کیفیات پیدا ہوگئیں، وہ ذہنی طور پر غیر متوازن تھا مگر ہر طرح سے ایک فریب کار اور عمداً مکاری میں مبتلا تھا، وہ اپنے سیاسی مقاصد میں بالکل واضح موقف رکھتا تھا۔ اُس میں کبھی تضاد پیدا نہ ہوا اور شروع سے آخر تک اس کا سیاسی موقف ایک ہی رہا۔ اُس کی تمام تحریروں کے بین السطور لب لباب برطانیہ سے وفاداری، جہاد کی مذمت، اسلامی دنیا کو سامراجی تسلط کے تحت رکھنے کی خواہش اور ہندوستان میں سامراج کے استحکام کیلئے خدمات سرانجام دینا ہے۔ مرزا اپنے مخالفین کیلئے بڑی سخت زبان استعمال کرتا ہے۔ جبکہ غیر ملکی آقاؤں کیلئے اُس کی زبان بڑی نرم وملائم ہو جاتی ہے۔ اُس کی ایک بھی جھوٹی وحی، پیشین گوئی اور خواب ایسا نہیں جو کسی بھی طرح برطانوی مفادات کے خلاف جاتا ہو یا نوآبادیاتی طاقت کے طور پر کی گئی اُس کی جارحیت اور بداعمالیوں کی مذمت کرتا ہو۔ مرزا قادیانی کا خدا برطانیہ کا حامی اور اسلام کے خلاف دکھائی دیتا ہے جو انگریزوں کے تسلط میں مسلمانوں کو غلامی اور بدحالی میں دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ یہ بات صاف اور کھلے انداز میں ٹھوس بنیادوں پر واضح ہو چکی ہے کہ قادیانی تحریک کا وجود یہودیوں اور سامراجیوں کی پشت پناہی کا مرہونِ منت ہے اور یہودیوں کے خفیہ اثر، دولت اور برطانوی حکومت کے خفیہ کلیسائی نظام کی مالی اعانت نے قادیانیت کے نوخیز پودے کی آبیاری کر کے اسے تناور درخت بنایا۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے 1886ء میں کشف و الہام کے ذریعے اپنی جھوٹی نبوت کی بنیاد رکھنا شروع کی۔ اور ''تقویۃ الایمان''، ''براہین قاطعہ''، ''تحذیر الناس''، اور ''صراط مستقیم'' کی جملہ تخریب کاریوں سے بڑھ کر وبال اپنے سر لیا۔ اُس نے دعویٰ نبوت کر کے اپنی دنیا بنانے کی خاطر نہ صرف دجالوں کی فہرست میں شامل کیا بلکہ ہزاروں مسلمانوں کی عاقبت بھی برباد کر دی۔ اس نے اپنے ماننے والوں کی دائرہ اسلام میں رہنے اور مسلمان

کہلائے جانے کی گنجائش ہی ختم کردی۔اس وقت مرزا غلام احمد قادیانی کی جماعت دو گروہوں میں تقسیم ہے

(۱) قادیانی (ربوہ گروپ)

یہ قادیانیوں کا وہ گروہ ہے جو مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مانتا ہے۔

(۲) لاہوری (لاہوری گروپ)

یہ قادیانیوں کا وہ گروہ ہے جو مرزا کے دعویٰ نبوت کی منافقانہ تاویلیں کر کے اُسے چودھویں صدی کا مجدد قرار دیتا ہے۔

واضح رہے کہ بالاتفاق اُمت یہ دونوں قادیانی گروہ کافر اور خارج از اسلام قرار دیئے گئے ہیں۔

قادیانی نبوت کا تدریجی سفر اور اس کے مختلف مراحل

مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنا اصل روپ ظاہر کرنے تک کا سفر بتدریج طے کیا۔اگر ہم مرزا کی کتابوں میں کیئے گئے الہامات کو پرکھیں تو مرزا کے اس سفر کی مندرجہ ذیل ترتیب بنتی ہے

۔

(۱) دعویٰ مجددیت
(۲) دعویٰ محدثیت
(۳) دعویٰ مہدیت
(۴) دعویٰ مثلیت عیسیٰ
(۵) دعویٰ عینیت عیسیٰ
(۶) دعویٰ افضلیت بر مسیح موعود
(۷) دعویٰ ظلی نبوت
(۸) دعویٰ بروزی نبوت
(۹) غیر حقیقی نبوت کا دعویٰ
(۱۰) حقیقی و تشریعی نبوت کا دعویٰ
(۱۱) عین محمد ہونے کا دعویٰ
(۱۲) فضلیت بر محمد ہونے کا دعویٰ
(۱۳) تمام انبیاء کے جامع کمالات ہونے کا دعویٰ

(۱۴) ابن اللہ ہونے کا دعویٰ

(۱۵) دعویٰ الوہیت

(۱) دعویٰ مجددیت

ڈاکٹر بشارت احمد قادیانی (لاہوری) نے اپنی کتاب مجدد اعظم صفحہ 113 پر لکھا ہے کہ

"سب سے پہلے براہین احمدیہ میں آپ نے مجدد ہونے کا دعویٰ کیا۔لیکن اس دعویٰ مجددیت کا اعلان خاص طور پر اپنے 1885ء کے شروع میں اشتہار کے ذریعے کیا۔"

خود مرزا کے بقول "میں اِس وقت محض للہ اس ضروری اُمر سے اطلاع دیتا ہوں کہ مجھے خدا تعالیٰ نے اِس چودھویں صدی کے سر پر اپنی طرف سے معمور کردہ دین متین اسلام کی تجدید اور تائید کیلئے بھیجا ہے۔تاکہ میں پر آشوب دور میں زمانہ قرآن کی خوبیوں اور حضرت رسول اللہ ﷺ کی خوبیاں بیان کروں۔"

(سلسلہ تصانیف احمدیہ 33:3، عقیدہ ختم نبوت اور فتنہ قادیانیت ص234)

(۲) دعویٰ محدثیت

دعویٰ مجددیت کے بعد مرزا نے ایک قدم اور آگے بڑھاتے ہوئے کہا "آنحضرت ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کا قائل اور یقین کامل رکھتا ہوں۔کہ ہمارے نبی خاتم الانبیاء ہیں اور آپ جناب کے بعد اس اُمت کیلئے کوئی نبی نہیں آئے گا......ہاں محدث ضرور آئیں گے جو اللہ ﷻ سے ہم کلام ہوتے ہیں اور نبوت تامّہ کے بعض صفات ظلّی طور پر اپنے اندر رکھتے ہیں۔اور بلحاظ بعض وجوہ نشان نبوت کے رنگ سے رنگین کیے

جاتے ہیں اور ان میں سے میں ایک ہوں۔"

(نشان آسمانی ص28)

(۳) دعویٰ مہدیت

"وہ آخری مہدی جو تنزل اسلام کے وقت اور گمراہی کے پھیلنے کے زمانہ میں براہ راست خدا سے ہدایت پانے والا اور اس آسمانی مائدہ کو نئے سرے سے انسانوں کے آگے پیش قدمی کرنے والا تقدیر الٰہی میں مقرر کیا گیا تھا۔جس کی بشارت آج سے تیرہ سو سال پہلے رسول کریم نے دی تھی،وہ میں ہی ہوں۔"

(تذکرۃ الشہادتین ص2)

(۴) دعویٰ مثلیت عیسیٰ

"مجھے ابن مریم ہونے کا دعویٰ نہیں اور نہ میں تناسخ کا قائل ہوں بلکہ مجھے تو فقط مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ ہے۔"

(تبلیغ رسالت جلد دوم ص21)

(۵) دعویٰ عینیت عیسیٰ

مرزا غلام احمد قادیانی لکھتا ہے کہ"اس لیے گو اُس نے براہین احمدیہ کے تیسرے حصہ میں میرا نام مریم رکھا۔پھر جیسا کہ براہین احمدیہ سے ظاہر ہے دو برس تک صفت مریمیت میں، میں نے پرورش پائی اور پردے میں نشوونما پاتا رہا۔پھر جب اس پر دو برس گزر گئے تو جیسا کہ براہین احمدیہ کے حصہ چہارم صفحہ 696 میں درج ہے۔مریم کی طرح عیسیٰ کی روح مجھ میں پھونکی گئی اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا اور آخر کئی مہینہ

کے بعد جو دس مہینہ سے زیادہ نہیں بذریعہ اس الہام کے جو سب سے آخر براہین احمدیہ کے حصہ چہارم صفحہ 556 پر درج ہے مجھے مریم سے عیسیٰ بنایا گیا پھر اس طور سے میں ابن مریم ٹھہرا۔" (کشتی نوح ص 69-68)

"جو مسیح آنے والا تھا یہی ہے (یعنی میں ہی ہوں) چاہو تو قبول کرلو"

(فتح اسلام ص 15)

(۶) دعویٰ افضلیت بر مسیح موعود

"خدا نے اس اُمت میں مسیح موعود بھیجا ہے جو پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بڑھ کر ہے۔ اور اس نے دوسرے مسیح کا نام غلام احمد رکھا۔"

(دافع البلاء ص 30)

ایک جگہ اور مرزا غلام احمد قادیانی لکھتا ہے "خدا نے اس اُمت میں سے مسیح موعود بھیجا جو اس سے پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے۔ مجھے قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر مسیح ابن مریم میرے زمانے میں ہوتا تو وہ کام جو میں کرسکتا ہوں وہ ہرگز نہ کرسکتا اور وہ نشان جو مجھ سے ظاہر ہو رہے ہیں وہ ہرگز نہ دکھا سکتا۔"

(حقیقۃ الوحی ص 148)

دوسری جگہ مرزا قادیانی لکھتا ہے کہ "میں مسیح کو ہرگز ان امور میں اپنے پر زیادہ نہیں دیکھتا یعنی جیسے اس پر خدا کا کلام نازل ہوا۔ ایسا ہی مجھ پر ہوا۔ اور جیسے اس کی نسبت معجزات منسوب کئے جاتے ہیں یعنی میں اپنے طور پر ان معجزات کا مصداق اپنے نفس کو دیکھتا ہوں، بلکہ ان سے زیادہ۔"

(چشمہ مسیحی ص 28، عقیدہ ختم نبوت اور فتنہ قادیانیت، ص، 236)

(۷) دعویٰ ظلی نبوت

"اور اس کے نام محمد اور احمد سے مسمّیٰ ہوکر میں رسول بھی ہوں اور نبی بھی ہوں یعنی بھیجا گیا ہوں اور خدا سے غیب کی خبریں پانے والا بھی اور اس طور سے خاتم النبیین کی م[redacted]ظ رہی۔ کیونکہ میں نے انعکاسی اور ظلی طور پر محبت کے آئینہ کے ذریعے وہی نام پایا۔"

(ایک غلطی کا ازالہ ص 9)

ایک اور جگہ پر مرزا بشیر احمد لکھتا ہے۔ "پس مسیح موعود کا منکر کافر تو ضرور ہوا۔ مگر ہاں اس پر کفر کا فتویٰ مسیح موعود کی طرف سے نہیں لگایا جائے گا۔ بلکہ خود دربار محمدی سے یہ فرمان جاری ہوگا کیونکہ مسیح موعود اپنی ذات میں کچھ نہیں بلکہ محمد رسول اللہ کا کامل ظل ہونے کی وجہ سے قائم ہے۔"

(کلمۃ الفصل ص 157)

(۸) دعویٰ بروزی نبوت

"اور بجز بروزی وجود کے جو خود آنحضرت ﷺ کا وجود ہے کسی میں یہ طاقت نہیں کہ جو کھلے طور پر نبیوں کی طرح خدا سے کوئی علم غیب پاوے اور چونکہ وہ بروزی محمدی جو قدیم سے موعود تھا۔ وہ میں ہوں اس لیے بروزی رنگ کی نبوت مجھے عطا کی گئی۔"

(ایک غلطی کا ازالہ ص 14)

"مجھے بروزی صورت میں نبی اور رسول بنایا ہے۔ اس بناء پر خدا نے بار بار میرا نام نبی اور رسول رکھا۔ مگر بروزی صورت میں میرا نفس درمیان میں نہیں بلکہ محمد ہے۔ اس لحاظ سے میرا نام محمد اور احمد ہوا۔ پس نبوت اور رسالت کسی دوسرے کے پاس نہیں گئی۔ محمد کی چیز محمد کے پاس رہی۔"

(ایک غلطی کا ازالہ ص 16)

(۹) غیر حقیقی نبوت کا دعویٰ

"حال یہ ہے کہ اگر چہ عرصہ بیس سال سے متواتر اس عاجز کو الہام ہوا ہے۔ اکثر دفعہ ان میں رسول یا نبی کا لفظ آ گیا۔ لیکن وہ شخص غلطی کرتا ہے۔ جو ایسا سمجھتا ہے کہ اس نبوت ورسالت سے مراد حقیقی نبوت ورسالت ہے۔"

(عقیدہ ختم نبوت اور فتنہ قادیانیت ص 237)

(۱۰) حقیقی وتشریعی نبوت کا دعویٰ

"میں نے اپنی وحی کے ذریعہ سے امر اور نہی بیان کئے اور اپنی اُمت کیلئے ایک قانون مقرر کیا۔ وہی صاحب شریعت ہو گیا۔ پس اس تعریف کی رو سے ہمارے مخالف ملزم ہیں کیونکہ میری وحی میں اُمر بھی ہے اور نہی بھی...... اور اگر کہو کہ شریعت سے مراد وہ شریعت ہے جس میں نئے احکام ہوں۔ یہ باطل ہے۔" (اربعین نمبر ۴ ص 7)

"ہلاک ہو گئے وہ جنھوں نے ایک برگزیدہ رسول (یعنی مرزا صاحب) کو قبول نہ کیا۔ مبارک وہ جس نے مجھے پہچانا میں خدا کی سب راہوں میں آخری راہ ہوں اور اس کے سب نوروں میں آخری نور ہوں۔ بدقسمت ہے، وہ جو مجھے چھوڑتا ہے، کیونکہ میرے بعد سب تاریک ہے۔"

(کشتی نوح ص 56)

(۱۱) عین محمد ہونے کا دعویٰ

مرزا بشیر احمد قادیانی کہتا ہے "مسیح موعود (مرزا) اور نبی کریم ﷺ میں کوئی دوئی باقی نہیں رہی۔ حتیٰ کہ ان دونوں کا وجود بھی ایک وجود کا حکم رکھتے ہیں۔ تو اس صورت میں کیا اس بات میں کوئی شک رہ جاتا ہے۔ کہ قادیان

میں اللہ تعالیٰ نے پھر سے محمد ﷺ کو اتارا۔"

(کلمۃ الفصل ص 104)

(۱۲) فضلیت بر محمد ہونے کا دعویٰ

"یہ بات بالکل صحیح ہے کہ ہر شخص ترقی کر سکتا ہے اور بڑے سے بڑا درجہ پا سکتا ہے حتیٰ کہ محمد ﷺ سے بھی بڑھ سکتا ہے۔"

(اخبار الفضل 17 جولائی 1922)

(۱۳) تمام انبیاء کے جامع کمالات ہونے کا دعویٰ

"دنیا میں کوئی نبی نہیں گزرا جس کا نام مجھے نہیں دیا گیا۔ سو جیسا کہ براہین احمدیہ میں خدا نے فرمایا کہ میں آدم ہوں ،نوح ہوں، میں ابراہیم ہوں، میں اسحاق ہوں، میں یعقوب ہوں، میں اسماعیل ہوں، میں موسیٰ ہوں، میں داؤد ہوں، میں عیسیٰ ابن مریم ہوں، میں محمد ہوں ۔یعنی بروزی طور پر جیسا کہ خدا نے اسی کتاب میں یہ نام مجھے دیئے اور میری نسبت جری اللہ فی حلل الانبیاء فرمایا۔ یعنی خدا کا رسول ،نبیوں کا پیر ہوں۔سو ضرور ہے کہ ہر ایک نبی کی شان مجھ میں پائی جائے۔"

(تمۃ حقیقۃ الوحی ص 84)

"اس خدا نے میرا دعویٰ سچ ثابت کرنے کیلئے اس قدر معجزات دکھائے ہیں کہ بہت ہی کم نبی ایسے آئے ہیں جنھوں نے اس قدر معجزات دکھائے ہیں "مزید لکھا کہ" میری تائید میں اس نے وہ نشان ظاہر فرمائے ہیں کہ ....اگر میں ان کو فرداً فرداً شمار کروں تو میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ وہ تین لاکھ سے بھی زیادہ ہیں۔"

(حقیقۃ الوحی ص 136-67)

(۱۴) ابن اللہ ہونے کا دعویٰ

مرزا قادیانی نے جب تمام انبیاء کرام سے افضل اور باکمال ہونے کے دعوے کو خوب مشتہر کرلیا۔ اور جب انبیاء کرام کی دل کھول کر توہین و تنقیص کر چکے تو ابن اللہ ہونے کا دعویٰ بھی کردیا۔

> ''میں نے تجھ سے ایک خرید وفروخت کی ہے۔ یعنی ایک چیز میری تھی جس کا تو مالک بنایا گیا اور ایک چیز تیری تھی جس کا میں مالک بن گیا۔ تو بھی اس خرید وفروخت کا اقرار کر اور کہہ دے کہ خدا نے مجھ سے خرید وفروخت کی۔ تو مجھے ایسا ہے جیسا کہ اولاد تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔''

(دافع البلاء۔ ص 8)

(۱۵) دعویٰ الوہیت

دیکھیے نبوت سے ابن اللہ اور ابن اللہ سے خود اللہ ہونے کا دعویٰ بھی کس طرح ہو رہا ہے۔

> ''میں نے نیند میں اپنے آپ کو ہو بہو اللہ دیکھا اور میں نے یقین کرلیا کہ میں وہی (اللہ) ہوں۔ پھر میں نے آسمان اور زمین بنائے اور کہا کہ ہم نے آسمان کو ستاروں کے ساتھ سجایا ہے۔''

(آئینہ کمالات اسلام۔ ص 564)

مرزا قادیان کی دریدہ دہنی اور گستاخیاں

مرزا غلام احمد قادیانی پر جوں جوں انگریزوں کی نوازشات بڑھتی گئیں توں توں وہ بھی اپنے ابلیسی سفر میں آگے بڑھتا چلا گیا اور ایک مقام وہ آیا کہ جب اس کی گندی زبان متعفن قلم بالکل بے قابو اور بے لگام ہو کر رہ گیا اور اس کی زبان وقلم سے اکابرین اُمت و اولیائے عظام، صحابہ کرام، و انبیاء کرام، حتیٰ کہ سیدّ الانبیاء حضرت محمد مصطفی ﷺ کی عزت و ناموس بھی [redacted]ط نہ رہ سکی اور جرأتیں اس قدر بڑھیں کہ تمام حدود و قیود سے نکل کر خدائے وحدہ لاشریک کی ذات تک جا پہنچیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے قلم سے ایسی ایسی گستاخیاں برآمد ہوئیں اور ایسے ایسے توہین آمیز الفاظ نکلے کہ جن کو نقل کرتے ہوئے جسم وجاں کانپ جاتی ہے۔اور قلب وجگر زخمی ہو جاتے ہیں۔ذیل میں ہم نے بہت دل تھام کر ہزاروں کفریات میں سے چند نمونے بطور حوالہ جات نقل کیے ہیں۔اور ان کا قارئین کے سامنے پیش کرتے ہوئے ربّ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ واستغفار طلب کرتے ہیں کہ مبادا شریک جرم نہ ٹھہرائے جائیں۔(معاذ اللہ نقل کفر کفر نباشد)

بارگاہ الوہیت میں گستاخیاں

"قیوم العالمین ایک ایسا وجود ہے جس کے بے شمار ہاتھ پیر اور ہر ایک عضو اس کثرت سے ہے کہ تعداد سے خارج اور لا انتہا عرض اور طول رکھتا ہے۔" (نعوذ باللہ)

(توضیح المرام۔ص42)

"وہ خدا جس کے قبضہ میں ذرہ ذرہ ہے۔اس سے انسان کہاں بھاگ سکتا ہے وہ فرماتا ہے کہ چوروں کی طرح پوشیدہ آؤں گا۔" (نعوذ باللہ)

(تجلیات الٰہیہ۔ص4)

"سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔" (نعوذ باللہ)

(دافع البلا۔ص11)

"کیا کوئی عقلمند اس بات کو قبول کر سکتا ہے کہ اس زمانے میں خدا سنتا ہے۔مگر بولتا نہیں پھر اس کے بعد یہ سوال ہوگا کہ کیوں نہیں بولتا کیا زبان پر کوئی مرض لاحق ہو گئی ہے۔" (نعوذ باللہ)

(ضمیمہ براہین احمدیہ جلد پنجم۔ص144)

شانِ رسالت مآب ﷺ میں گستاخیاں

"ہر ایک نبی کو اپنی استعداد اور کام کے مطابق کمالات عطا ہوتے ہیں

۔کسی کو بہت، کسی کو کم۔مگر مسیح موعود کو تو تب نبوت ملی جب اس نے نبوت محمدیہ ﷺ کے تمام کمالات کو حاصل کر لیا۔اور اس قابل ہو گیا کہ ظلی نبی کہلائے۔پس ظلی نبوت فی مسیح موعود کے قدم کو پیچھے نہیں ہٹایا۔اور اس قدر آگے بڑھایا کہ نبی کریم کے پہلو بہ پہلو لا کھڑا کیا۔" (نعوذ باللہ)

(کلمۃ الفصل۔ص113)

"اس (نبی کریم ﷺ) کیلئے چاند کے خسوف کا نشان ظاہر ہوا اور میرے لیے چاند اور سورج دونوں کا۔اب کیا تو انکار کرے گا۔" (نعوذ باللہ)

(اعجاز احمدی۔ص71)

"یہ بات بالکل صحیح بات ہے کہ ہر شخص ترقی کر سکتا ہے اور بڑے سے بڑا درجہ پا سکتا ہے،حتیٰ کہ محمد ﷺ سے بھی بڑھ سکتا ہے" (نعوذ باللہ)

(اخبار الفضل قادیان۔17 جولائی 1922ئ)

انبیاء علیہم السلام کی تحقیر و توہین

"خدا تعالٰی میرے لیے اس کثرت سے نشان دکھلا رہا ہے۔کہ اگر نوح کے زمانہ میں یہ نشان دکھلائے جاتے تو وہ لوگ غرق نہ ہوتے" (نعوذ باللہ)

(تمۃ حقیقت الوحی۔ص137)

"پس اس اُمت کا یوسف یعنی یہ عاجز (مرزا) اسرائیلی یوسف سے بڑھ کر ہے۔کیونکہ یہ عاجز قید کی دعا کر کے بھی قید سے بچایا گیا۔مگر یوسف بن یعقوب قید میں ڈالا گیا۔" (نعوذ باللہ)

(براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ص99)

''اور آپ کے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کے ہاتھ میں سوا مکر و فریب کے اور کچھ نہیں تھا۔ پھر افسوس کہ نالائق عیسائی ایسے شخص کو خدا بنا رہے ہیں۔ اور مسلمان رسول کہتے ہیں۔'' (نعوذ باللہ)

(ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ 5)

''افسوس ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اجتہادات میں غلطیاں ہیں۔ اس کی نظیر کسی نبی میں نہیں پائی جاتی۔'' (نعوذ باللہ)

(اعجاز احمدی۔ ص25)

''یسوع مسیح در حقیقت بوجہ مرگی کے دیوانہ ہوگیا۔'' (نعوذ باللہ)

(حاشیہ ست بچن۔ ص171)

''اگر میں ذیابیطس کیلئے افیون کھانے کی عادت کرلوں تو میں ڈرتا ہوں کہ لوگ ٹھٹھا کر کے یہ نہیں کہیں کہ پہلا مسیح شرابی تھا اور دوسرا افیونی۔'' (نعوذ باللہ)

(ریویو بابت اپریل 1903ء۔ ص149۔ نسیم دعوت۔ ص99)

''مسیح کے چال چلن کیا تھا، ایک کھاؤ پیو شرابی، نہ زاہد نہ عابد، نہ حق کا پرستار، متکبر خود بیں، خدائی کا دعویٰ کرنے والا۔'' (نعوذ باللہ)

(مکتوبات احمدیہ جلد سوئم۔ ص24-23)

''ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو، اس سے بہتر غلام احمد ہے۔'' (نعوذ باللہ)

(دافع البلاء۔ ص20)

''نہایت شرم کی بات ہے کہ آپ نے پہاڑی تعلیم کو جو انجیل کا مغز کہلاتی ہے، یہودیوں کی کتاب طالمود سے چرا کر لکھا۔ اور پھر ایسا ظاہر کیا کہ گویا یہ میری تعلیم ہے۔'' (نعوذ باللہ)

(حاشیہ انجام آتھم ص6)

والدہ رسول حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی توہین

"اس خاتون (والدہ مرزا) کی عزت و وقار کا کیا کہنا۔جس کے بطن مبارک سے وہ عظیم الشان انسان پیدا ہوا۔جو نبیوں کا موعود تھا۔اور جس کو آنحضرت ﷺ نے اپنا سلام کہا.......اس عظیم انسان کی ماں دنیا میں ایک ہی عورت ہے جو آمنہ خاتون کے بعد اپنے بخت رسا پر ناز کر سکتی ہے۔دنیا کی عورتوں میں جو ممتاز خواتین ہیں۔ان میں حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا خاتون اور حضرت چراغ بی بی صاحبہ ہی دو عورتیں ہیں۔جنھوں نے ایسے عظیم الشان انسان دنیا کو دیئے جو ایک عالم کی نجات اور رستگاری کا موجب ہوئے۔" (نعوذ باللہ)

(حیات النبی جلد اول نمبر دوم۔ص 142)

اُمہات المومنین کی توہین

"ام المومنین کا لفظ جو مسیح موعود کی بیوی کی نسبت استعمال کیا جاتا ہے۔اس پر بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں حضرت اقدس علیہ السلام نے سن کر فرمایا اعتراض کرنے والے بہت ہی کم غور کرتے ہیں اور اس قسم کے اعتراض صاف بتاتے ہیں کہ وہ محض کینہ اور حسد کی بنا پر کیے جاتے ہیں۔ورنہ نبیوں یا ان کے اظلال کی بیویاں اگر امہات المومنین نہیں ہوتی تو اور کیا ہوتی ہیں۔" (نعوذ باللہ)

(ملفوظات احمدیہ جلد اول از مرزا غلام احمد قادیانی)

حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی توہین

یہاں مرزا خبیث کی خاتون جنت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شان اقدس میں توہین آمیز عبارت لکھتے ہوئے میرا قلم کانپتا ہے اور دل دہل جاتا ہے،

لہٰذا اصل عبارت لکھنے کے بجائے صرف حوالہ درج کیا جارہا ہے، اصل عبارت "ایک غلطی کا ازالہ حاشیہ ص 11" پر دیکھی جاسکتی ہے۔

قرآن وحدیث کی توہین

"قرآن شریف خدا کی کتاب اور میرے منہ کی باتیں ہیں۔" (نعوذ باللہ)

(تذکرہ مجموعہ الہامات۔ ص636)

"ہم کہتے ہیں کہ قرآن کہاں موجود ہے اگر قرآن موجود ہوتا تو کسی کے آنے کی کیا ضرورت تھی" مشکل تو یہی ہے کہ قرآن دنیا سے اٹھ گیا ہے اسی لیے تو ضرورت پیش آئی کہ محمد رسول اللہ (مرزا قادیانی) کو بروزی طور پر دوبارہ دنیا میں مبعوث کر کے آپ پر قرآن شریف اتارا جائے۔"

(کلمۃ الفصل۔ ص173)

"قرآن مجید قادیان کے قریب نازل ہوا۔ کیونکہ اس عاجز کی سکونتی جگہ قادیان کے شرقی کنارہ پر ہے۔" (نعوذ باللہ)

(تذکرہ، مجموعہ الہامات۔ ص76)

"جس طرح میں قرآن شریف کو یقینی اور قطعی طور پر خدا کا کلام جانتا ہوں۔ اُسی طرح اس کلام کو بھی جو میرے پر نازل ہوتا ہے خدا کا کلام یقین کرتا ہوں۔" (نعوذ باللہ)

(حقیقۃ الوحی۔ ص220)

"تائیدی طور پر ہم وہ حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں جو قرآن شریف کے مطابق ہیں اور میری وحی کے معارض نہیں اور دوسری حدیثیں ہم ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔" (نعوذ باللہ)

(اعجاز احمدی۔ ص30)

"مولوی لوگ حدیثیں لیے پھرتے ہیں مگر حدیثوں کا یہ کام نہیں کہ میرے متعلق فیصلہ کریں بلکہ میرا کام ہے کہ میں بتاؤں کہ فلاں حدیث درست ہے اور فلاں حدیث غلط۔ اب کوئی قرآن نہیں سوائے اس قرآن کے جو حضرت مسیح موعود نے پیش کیا اور کوئی حدیث نہیں سوائے اس حدیث کے جو حضرت مسیح موعود کی روشنی میں نظر آئے اور کوئی نبی نہیں سوائے اس کے جو حضرت مسیح موعود کی روشنی میں دکھائی دے۔" (نعوذ باللہ)

(الفضل 15 جولائی 1924ئ)

"میری وحی کے مقابلے میں حدیث مصطفی کوئی شے نہیں۔" (نعوذ باللہ)

(اعجاز احمدی۔ص 56)

اہل بیت اور صحابہ کرام کی توہین

"میں وہی مہدی ہوں جس کی نسبت ابن سیرین سے سوال کیا گیا کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق کے درجہ پر ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ ابوبکر کیا وہ تو بعض انبیاء سے بہتر ہے۔" (نعوذ باللہ)

(مجموعہ اشتہارات جلد۔ص 278)

"ابوبکر و عمر کیا تھے وہ تو حضرت غلام احمد کی جوتیوں کے تسمہ کھولنے کے بھی لائق نہ تھے۔" (نعوذ باللہ)

(ماہنامہ المہدی جنوری فروری 1915ئ)

"جیسا کہ ابوہریرہ غبی تھا اور درایت اچھی نہیں رکھتا تھا۔" (نعوذ باللہ)

(اعجاز احمدی۔ص 18)

"جو شخص قرآن شریف پر ایمان لاتا ہے اس کو چاہیے کہ ابوہریرہ کے قول کو ایک ردی متاع کی طرح پھینک دے۔" (نعوذ باللہ)

(ضمیمہ براہین احمدیہ پنجم ص۔ 410)

''پرانی خلافت کا جھگڑا چھوڑو۔اب نئی خلافت لو ایک زندہ علی تم میں موجود ہے۔اس کو چھوڑتے ہو اور مردہ علی کی تلاش کرتے ہو۔''
(نعوذ باللہ)

(ملفوظات احمدیہ جلد اول۔ص 400)

''اور مجھ میں تمہارے حسین میں فرق ہے۔کیونکہ مجھے تو ہر ایک وقت خدا کی تائید اور مدد مل رہی ہے۔'' (نعوذ باللہ)

(اعجاز احمدی۔ص 70)

''اور اے قوم شیعہ اس پر اصرار مت کرو کہ حسین تمہارا منجی ہے۔کیونکہ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ آج تم میں ایک ہے کہ اس حسین سے بڑھ کر ہے۔'' (نعوذ باللہ)

(دافع البلاء۔ص 17)

حرم پاک کی توہین

''لوگ معمولی اور نفلی طور پر حج کرنے کو بھی جاتے ہیں مگر اس جگہ (قادیان میں آنا ناقل) نفلی حج سے زیادہ ثواب ہے اور غافل میں رہنے میں نقصان اور خطرہ کیونکہ سلسلہ آسمانی ہے اور حکم ربانی۔'' (نعوذ باللہ)

(آئینہ کمالات اسلام۔ص 352)

روضہ رسول کی توہین

''آنحضرت ﷺ کے چھپانے کیلئے ایک ایسی جگہ تجویز کی جو نہایت متعفن اور تنگ اور تاریک اور حشرات ارض کی نجاست کی جگہ تھی۔''
(نعوذ باللہ)

(حاشیہ تحفہ گولڑویہ۔ص 112)

مسجد اقصیٰ کی توہین

''مسجد اقصیٰ سے مراد مسیح موعود کی مسجد ہے جو قادیان میں واقع ہے'' (نعوذ باللہ)

(خطبہ الہامیہ حاشیہ۔ص21)

اُمت مسلمہ کی توہین

''ہر ایک ایسا شخص جو موسیٰ کو مانتا ہے۔ مگر عیسیٰ کو نہیں مانتا عیسیٰ کو مانتا ہے۔ مگر محمد کو نہیں مانتا۔ پس محمد کو مانتا ہے پر مسیح موعود کو نہیں مانتا وہ نہ صرف کافر بلکہ پکا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔'' (نعوذ باللہ)

(کلمۃ الفصل۔ص110)

''دشمن ہمارے بیابانوں کے خنزیر ہو گئے۔ اور ان کی عورتیں کتیوں سے بڑھ گئی ہیں۔'' (نعوذ باللہ)

(نجم الہدیٰ۔ص53)

''میری کتابوں کو ہر مسلمان محبت کی نظر سے دیکھتا ہے اور اس کے معارف سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اور میری دعوت کی تصدیق کرتا ہے۔ اور اسے قبول کرتا ہے، مگر رنڈیوں کی اولاد نے میری تصدیق نہیں کی۔'' (نعوذ باللہ)

(آئینہ کمالات اسلام۔ص548-547)

''غیر احمدیوں سے ہماری نمازیں الگ کی گئیں۔ ان کو لڑکیاں دینا حرام قرار دیا گیا، ان کے جنازے پڑھنے سے روکا گیا۔'' (نعوذ باللہ)

(کلمۃ الفصل۔ص170)

''ہمارا یہ ایمان ہے کہ ہم غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔ کیونکہ ہمارے نزدیک وہ خدا تعالیٰ کے ایک نبی کے منکر ہیں۔'' (نعوذ باللہ)

(انوار خلافت۔ص90)

مرزا کا طریقہ واردات اور قادیانی حربے

مرزا غلام احمد قادیانی کا طریقہ واردات یہ تھا کہ ہر اگلے دعوے سے قبل من گھڑت اور بے بنیاد دلائل سے اپنے آئندہ کے مقاصد کے حصول کیلئے زمین ہموار کرتا تھا۔ اگر ہم مرزا کے ان جھوٹے دعووں کا جائزہ لیں تو ہمیں مرزا کے ان مرحلہ وار دعووں کی حقیقت، ایک موقف سے دوسرے موقف میں تبدیلی، ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے میں قدم رکھنے سے پہلے عقیدے سے انحراف میں انتہائی درجے کا تضاد ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی ایک موقف کا تعین خود مرزا کے متبعین بھی آج تک نہیں کر سکے۔ اور اس کوشش میں دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ اور آج ایک صدی گزرنے کے بعد بھی یہ فیصلہ نہیں کر سکے کہ مرزا صاحب نے اصل میں کون سا دعویٰ کیا تھا۔ مجددیت کا یا نبوت کا؟

پہلا قادیانی حربہ

مرزا کے مکر وفریب پر پردہ ڈالنے کیلئے قادیانی مندرجہ ذیل حربے استعمال کرتے ہیں۔ اگر کسی قادیانی سے کہا جائے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے تو دعویٰ نبوت کیا تھا۔ اس لیے وہ کافر اور مرتد ہے۔ تو وہ جواباً آپکی بات کے رد کیلئے آپ کے سامنے مرزا کی وہ ابتدائی دور کی کتابیں رکھ دے گا۔ جس میں مرزا نے واضح طور پر لکھا ہے کہ حاشا وکلا میں نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔

دوسرا قادیانی حربہ

چونکہ ابتدائی دور میں مرزا نے عقیدہ اسلام سے وابستگی کا اظہار کیا تھا۔ اور عیسائیت کے خلاف کام کیا تھا۔ جس کی وجہ سے بعض اکابرین نے غلط فہمی کی بناء پر اُسے خراج تحسین پیش کیا اور تعریفی خطوط لکھے۔ چونکہ مرزا نے اپنے ابتدائی دور میں جبکہ اُس نے دعویٰ نبوت نہیں کیا تھا اور اُس نے عقیدہ اسلام سے وابستگی کا اظہار کر کے اپنے لیے زمین ہموار کرنے کی غرض سے اُس

نے عیسائیوں اور آریہ سماجیوں سے مناظرے بھی کئے، جس کی وجہ سے بعض اکابرین نے غلط فہمی کی بناء پر مرزا کو خراج تحسین پیش کیا اور خطوط بھی تحریر کئے، ان میں علامہ اقبال بھی شامل تھے۔ مگر جب اُس نے دعویٰ نبوت کیا تو اس پر پوری اُمت مسلمہ کی طرف سے لعنتوں کے ڈونگرے برسے۔ لیکن قادیانی مبلغین سادہ لوح مسلمانوں کو وہ خطوط دکھا کر گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ مرزا کے دعویٰ نبوت کے بعد علامہ اقبال نے قادیانیت کو یہودیت کا چربہ اور انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا بھی مطالبہ کیا۔ اور اپنا فیصلہ سناتے ہوئے کہا۔

"اور میں اپنے ذہن میں اس امر کے متعلق کوئی شبہ نہیں پاتا کہ احمدی اسلام اور ہندوستان دونوں کے غدار ہیں۔"

(اقبال اور قادیانی۔ ص150)

اقبال سمجھتے تھے کہ قادیانیت کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ ایک غیر مسلم اس کو اسلام سمجھ کر قبول کر رہا ہے مگر المیہ یہ ہے کہ بیچارا ایک کفر سے نکل کر دوسرے کفر میں جا رہا ہے۔

ق

باب:۔ ششم

سازشوں کی کہانی۔1

تحریکِ پاکستان

اور

قادیانی سازشیں

☆ یہ حقیقت ہے کہ قادیانیت کسی مذہب کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک ایسی سیاسی تحریک کا نام ہے، جسے برطانوی سامراج نے برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں پر حکومت کرنے اور انہیں ذہنی غلام رکھنے کیلئے پیدا کیا اور اسے پروان چڑھایا۔

☆ جس طرح ایک سمجھدار چور یا ٹھگ کسی راہ گیر کو لوٹنے کیلئے خود بھی مسافر کا روپ دھار کر اُس مسافر کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتا ہے، بالکل اسی طرح قادیانی جماعت نے انگریزی اقتدار کو ہندوستان میں استحکام اور دوام بخشنے کیلئے بعینہٖ ٹھگ کی طرح مذہب کا لبادہ اوڑھا، تا کہ اس روپ کے ذریعے وہ سیاسی مقاصد حاصل کئے جاسکیں جو انگریزی سامراج نے اس کے ذمے لگائے تھے۔

☆ یہی وہ عوامل تھے، جس کی وجہ سے قادیانیوں نے تحریک پاکستان کے دوران مسلمانانِ برصغیر کی جانب سے کی گئی جدوجہد کو سبوتاژ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں چھوڑا۔

☆ اس باب میں قادیانیوں کی اُن سازشوں کا مختصراً جائزہ لیا جارہا ہے جو اس ذرّیت نے تحریک پاکستان اور قیام پاکستان کو ناکام بنانے کیلئے کیں۔

تحریکِ پاکستان اور قادیانی ریشہ دوانیاں

مرزا غلام احمد قادیانی نے تمام زندگی برطانیہ کی حاشیہ برداری میں گزاری، زندگی کا ایک ایک لحہ اور ہر ہر پل حکومت برطانیہ کی مدح سرائی میں صرف کیا۔ وہ اپنے آپ کو انگریز کا خود کاشتہ پودا اور حکومت برطانیہ کو اپنے لیے سایہ رحمت سمجھتے تھے، وہ سمجھتے تھے کہ جو امن و استحکام انہیں برطانوی راج میں میسر ہے وہ انہیں مکہ و مدینہ میں بھی نہیں مل سکتا۔ ایسی صورت میں مرزا کے متبعین (ذرّیت) یہ کب گوارہ کرتے کہ انگریز اس سرزمین سے چلے جائیں۔ اسلیئے قادیانی جماعت نے برصغیر میں انگریز کے قیام کو طویل سے طویل کرنے کیلیئے ہر ممکن مدد و معاونت فراہم کی اور برصغیر میں مسلم حکومت (پاکستان) کے قیام کی مخالفت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں چھوڑا، یہاں یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رہے کہ برصغیر میں کئی سیاسی جماعتیں (جمیعت علماء ہند، جماعت اسلامی وغیرہ) اور مشہور مذہبی رہنمائ (ابوالکلام آزاد، حسین احمد مدنی، مفتی محمود، مودودی صاحب وغیرہ) ابتداً قیام پاکستان کے سخت مخالف رہے، لیکن قیام پاکستان کے بعد بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ ہی ان رہنماؤں اور جماعتوں کے سیاسی عقائد اور نظریات میں تبدیلی واقع ہوئی اور انھوں نے اپنا مستقبل پاکستان سے وابستہ کر کے ماضی میں اختیار کی گئی غلط پالیسیوں کا اعتراف کر کے اُس داغ کو دھونے کی کوشش کی، لیکن اِس کے برعکس قادیانیوں کے معاملات یکسر مختلف اور جدا ہیں۔ قادیانی صرف اسلام کے ہی نہیں بلکہ قیام پاکستان کے مخالف اور پاکستان بننے کے بعد پاکستان کے وجود کے بھی دشمن ہیں، منیر انکوائری رپورٹ کے مطابق

”1945ء سے 1947ء کے آغاز تک احمدیوں کی بعض تحریروں سے

منکشف ہوتا ہے کہ وہ برطانیہ کا جانشین بننے کا خواب دیکھ رہے تھے، وہ نہ تو ایک ہندو دنیاوی حکومت یعنی ہندوستان کو اپنے لیے پسند کرتے تھے اور نہ پاکستان کو منتخب کر سکتے تھی۔"

(منیر انکوائری رپورٹ صفحہ 196)

چنانچہ انہوں نے تقسیم برصغیر اور تشکیل پاکستان کی خفیہ و اعلانیہ بھرپور مخالفت کی اور سازشوں کے جال بنے۔ آیئے ذیل میں ان قادیانی سازشوں کا جائزہ لیتے ہیں جو انہوں نے تحریک پاکستان کے دوران اپنے انگریز آقا کی وفاداری میں اُن کے اشارے پر قیام پاکستان کو ناممکن بنانے اور اُمت مسلمہ کو نقصان پہنچانے کیلئے انجام دیں۔

قادیانی کہانی "خلیفہ قادیان" کی زبانی

"ہماری جماعت وہ جماعت ہے، جسے شروع سے ہی لوگ کہتے چلے آئے ہیں کہ یہ خوشامدی، گورنمنٹ کی پٹھو ہے۔ بعض لوگ ہم پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ ہم گورنمنٹ کے جاسوس ہیں، پنجابی محاورہ کے مطابق ہمیں "جھولی چک" اور نئے زمینداری محاورے کے مطابق ہمیں "ٹوڈی" کہا جاتا ہے، دراصل ان اعتراضات کی وجہ سے ہمیں رنج نہیں........ ہم نے ابتدائے سلسلہ سے گورنمنٹ کی وفاداری کی، ہم ہمیشہ یہ فخر کرتے رہے کہ ہم ملک معظم کے وفادار ہیں، کئی ٹوکرے خطوط کے ہمارے پاس ایسے ہیں جو میرے نام یا جماعت کے سیکرٹریوں یا افراد جماعت کے نام ہیں، جن میں گورنمنٹ نے ہماری جماعت کی وفاداری کی تعریف کی، اسی طرح ہماری جماعت کے پاس کئی ٹوکرے تمغوں کے ہیں، ان تمغوں کے جنھوں نے اپنی جانیں گورنمنٹ کیلئے فدا کیں، یہ اتنے ٹوکرے ہیں کہ ایک افسر کے وزن سے بھی ان کا وزن زیادہ ہے۔"

(مرزا محمود قادیانی۔ الفضل قادیان 11، نومبر 1934ئ)

قادیانی خلیفہ ثانی مرزا محمود کا اعتراف جرم

قادیانی زعماء نے برطانوی سامراج کے ساتھ اپنی مذموم ساز باز جاری رکھی اور حکومت کو اپنی وفاداری کے کئی حوالے پیش کیئے، مرزا محمود نے دعویٰ کیا کہ آخری پچاس سالوں میں (1884 تا 1934ئ) کے دوران حکومت کو جب بھی سنگین صورتحال کا سامنا کرنا پڑا، قادیانیوں نے پوری وفاداری سے ان کی خدمت کی، انہوں نے پہلی جنگ عظیم، رولٹ ایکٹ کی بدامنی، اور تحریک ہجرت کے دوران حکومت کے ساتھ مکمل تعاون کیا، انہوں نے ہندوستان میں عدم تعاون کی کانگریسی تحریکوں کا بڑی بہادری کے ساتھ مفت لٹریچر تقسیم کر کے مقابلہ کیا اور اس کے خلاف عوامی خطبات واجتماعات منعقد کر کے بڑی جرأت مندی سے حکومت کی پالیسی کا دفاع کیا، اس کے ساتھ ساتھ دیگر سول نافرمانی کی تحریکوں، ریڈ شرٹ تحریک جو کمیونسٹوں کی انقلابی تحریک تھی اور بنگالی دہشت گردی کا بڑی پامردی کے ساتھ مقابلہ کیا، قادیانی خلیفہ (مرزا محمود قادیانی) نے ہمیشہ اپنے خطبات میں اس بات پر زور دیا کہ احمدیہ جماعت اپنی ابتداء سے ہی انگریزوں کی مستقل وفاداری سے خدمت کرنے پر خوش ہے اور بلکہ شہنشاہ معظم کی رعایا ہونے پر فخر کا اظہار کرتی ہے، انہوں نے دعویٰ کیا کہ

> "ان کے پاس انکی جماعت کے متقدین کو برطانوی سرکاری حکام کی طرف سے لکھے گئے تعریفی خطوط کی ٹوکریاں بھری پڑی ہیں جن میں مختلف مواقع پر برطانیہ کیلئے جماعت احمدیہ کی خدمات اور وفاداری کو شاندار خراج تحسین پیش کیا گیا ہے، انہوں نے مزید دعویٰ کیا کہ انکی جماعت کے پاس تمغوں کی ٹوکریاں بھری پڑی ہیں جو احمدیوں نے حکومت کی خاطر اپنی جانیں قربان کر کے حاصل کیئے، ان ٹوکریوں کا وزن ان کے دعوے کے مطابق ایک سرکاری اہلکار کے وزن سے زیادہ تھا۔"

(الفضل یکم نومبر 1934ئ)

مرزا محمود اپنی زندگی میں یہ اقرار کرنے سے کبھی بھی نہیں ہچکچائے کہ قادیانی جماعت احمدیہ نے ہمیشہ ہر اس سیاسی اور مذہبی تحریک کی مخالفت کی، جس نے برصغیر میں مسلمانوں کی آزادی کیلئے کوشش کی اور برطانوی سامراج کی بالادستی کیلئے خطرات پیدا کئے، انہوں نے ان تمام انگریز مخالف تحریکوں کا بھی حوالہ دیا، جس میں انکی جماعت اور قادیانیوں نے انگریزوں کا ساتھ دینے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

> "1907ء کی پہلی منظم مزاحمت، تقسیم بنگال کے بعد شروع ہونے والی بدامنی، 1913ء میں تحریک مسجد کانپور، اور پہلی (1919ء تا 1921ئ) دوسری (1930ء) اور تیسری عدم تعاون کی کانگریسی تحریکوں (1932ئ) ان سب کا بھرپور مقابلہ کیا گیا۔"

(الفضل یکم نومبر 1934ئ)

حصول اقتدار کی دیرینہ خواہش

قادیانی عقیدے کے مطابق مرزا کے قلم سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ نوشتۂ تقدیر ہے، مرزا کے جانشین زمین پر خدا کے نائب ہیں، انہیں ہر بات الہامی سند کی صورت میں عطا ہوتی ہے، ان کے تمام افعال و اعمال خدائی (قادیانی) حکومت قائم کرنے کا ذریعہ ہیں، نیز قادیانی خلفاء کو ہر وقت مشیت ایزدی کی تائید حاصل رہتی ہے، اس لیے وہ فطرتاً اس بات کے خواہش مند ہوتے ہیں کہ ہمارے مذہبی آقاؤں کے ارشادات حرف بحرف سچ ثابت ہوں، حصول اقتدار کا جذبہ ان کے دلوں میں ہمہ وقت کارفرما رہتا ہے اور ہر قیمت پر حکومت کی باگ ڈوڑ سنبھالنا ان کا اولین مقصد ہوتا ہے۔ جس کیلئے وہ ہمہ وقت تیار رہتے ہیں کیونکہ انہیں یقین ہوتا ہے کہ

> "نہیں معلوم کہ کب خدا کی طرف سے ہمیں دنیا کا چارج سپرد کیا جاتا ہے، ہمیں اپنی طرف سے تیار رہنا چاہیے کہ دنیا کو سنبھال سکیں۔" (الفضل 4، جون 1940ئ) "ہم احمدی حکومت کرنا چاہتے ہیں۔"

(مرزا محمود اخبار الفضل قادیان 14 فروری 1922ئ)

ان کا نظریہ تھا کہ" میرا خیال ہے کہ ہم حکومت سے صحیح تعاون کر کے جس قدر جلد حکومت پر قابض ہو سکتے ہیں، عدم تعاون سے نہیں ہوں گے۔"

(مرزا محمود اخبار الفضل قادیان 18 جولائی 1935ئ)

ذیل میں ہم قادیانیوں کے ان بیانات اور اقدامات کا تذکرہ کر رہے ہیں جو قادیانیوں نے مسلمانان ہند اور تحریک پاکستان کی مخالفت میں اپنے انگریز آقا کی خوشنودی کیلئے سرانجام دیئے۔

مانٹیگو کمیٹی کا قیام

پہلی جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد ہندوستان میں سیاسی حالات و واقعات نے ایک ایسا رخ اختیار کیا، جس نے قوم پرستی کی تحریک کو ایک نیا انداز دیا

"20، اگست 1917ء کو جنگ کے دوران حکومت ہند نے ایک اعلان جاری کیا، جس کے تحت ہندوستان میں ایک ذمہ دار حکومت کے قیام کو اپنا مقصد قرار دیا اور ساتھ ہی حکومت نے "ای، ایس، مانٹیگو" یہودی سیکرٹری آف اسٹیٹ برائے ہند کی سربراہی میں سرولیم ڈیوک، بی باسو اور چارلس رز برٹس پر مشتمل ایک کمیٹی بنادی، جس کا مقصد ہندوستانی حکومت اور سیاستدانوں سے صلاح و مشورہ کرنا تھا، چنانچہ مانٹیگو نے اس مقصد کیلئے مختلف تنظیموں، وفود اور افراد سے ملاقات کر کے آئینی تجاویز سنیں۔"

(تحریک احمدیت۔ص 179)

ہندوستان میں مقامی حکومت کے قیام پر قادیانیوں کی تشویش

حکومت ہند کے ہندوستان میں ذمہ دار حکومت کے قیام کے اعلان نے" جماعت احمدیہ" میں بے چینی اور پریشانی پیدا کر دی اور اسے اپنی بقاء خطرے میں نظر آنے لگی، اخبار" ریویو آف ریلیجز اکتوبر، نومبر 1917ء میں جماعت احمدیہ کی طرف سے ایک اعلان شائع کرایا گیا،

جس میں کہا گیا کہ جماعت کا ایک وفد سیکرٹری آف اسٹیٹ برائے ہند سے مل کر اسے اپنا موقف پیش کرے گا اور یہ وفد دہلی میں وائسرائے ہند لارڈ چمسفورڈ سے بھی ملے گا، ساتھ اخبار نے یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ ہندوستان کے تعلیم یافتہ لوگ مقامی حکومت کا مطالبہ کرتے ہیں، لیکن اس مطالبہ میں ''احمد یہ جماعت'' اپنے مفادات کیلئے تباہی محسوس کرتی ہے۔''

مذکورہ اعلان کے مطابق ''15، نومبر، 1917ء کو ظفر اللہ قادیانی کی قیادت میں جماعت احمدیہ کے نو(9) رکنی وفد نے دہلی میں سیکرٹری آف اسٹیٹ برائے ہند مانٹیگو کو ایک سپاسنامہ پیش کیا۔ جس میں برطانوی حکومت کی حکمت عملی پر جماعت احمدیہ کی جانب سے شدید ردِ عمل کا مظاہرہ کیا گیا، ساتھ ہی حکومت خود اختیاری کو مذہبی اقلیتوں خصوصاً احمدیوں کیلئے تباہ کن قرار دیا گیا، دوسری طرف مرزا محمود نے بھی ایسا ہی ایک بیان تیار کیا اور وہ سیکرٹری آف اسٹیٹ برائے ہند اور گورنر جنرل سے ملنے دہلی گیا، ظفر اللہ قادیانی کے مطابق سیکرٹری آف اسٹیٹ برائے ہند مرزا محمود کی تجاویز سے بہت متاثر ہوا اور اُس نے مرزا محمود کی چند تجاویز اپنی رپورٹ میں شامل کرنے کا خیال ظاہر کیا۔

تحریک آزادی کو کچلنے کیلئے رولٹ ایکٹ کے ظالمانہ قوانین کا نفاذ

ادھر دوسری جنگ عظیم میں مسلمانوں کی شرکت اور 1917ء کے مانٹیگو اعلان نے برصغیر کے مسلمانوں کے دلوں میں یہ توقعات پیدا کر دیں تھیں کہ آزادی کیلئے مناسب اقدامات اٹھائیں جائیں گے، مگر مانٹیگو فورڈ اصلاحات جو کہ 1919ء میں منظر عام پر آئیں، اس نے کانگریس اور مسلمانوں کی نمائندہ جماعت مسلم لیگ دونوں کو شدید مایوس کیا، مارچ 1919ء میں برطانوی حکومت نے ابھرتی ہوئی تحریک آزادی کو کچلنے کیلئے رولٹ ایکٹ کا نفاذ کیا، اس ایکٹ کی رو سے کسی بھی شخص کو جس پر بغاوت کا شک ہو یا ناپسندیدہ سرگرمیوں ملوث پایا جائے بغیر مقدمہ چلائے سزا دی جاسکتی ہے، اس رولٹ ایکٹ کے تحت چند رہنماؤں کی گرفتاری نے حکومت اور عوام کے درمیان براہ راست تصادم کی کیفیت پیدا کر دی۔ 13، اپریل 1919ء کو جلیانوالہ باغ امرتسر کا ہولناک المیہ پیش آیا، جس میں جنرل ڈائر کے حکم پر پُرامن مجمع پر فائرنگ

کے نتیجے میں چار سو((400افراد ہلاک اور دو ہزار((2000 سے زائد زخمی ہوئے اور اس سانحے کے نتیجے میں ہندوستان کے کئی شہروں میں فسادات پھوٹ پڑے، جس کی وجہ سے حکومت کو پنجاب میں مارشل لاء نافذ کرنا پڑا۔

قادیانیوں کی رولٹ ایکٹ کی حمایت اور مجاہدین آزادی کی مخبری

> اس تمام صورتحال میں" ہندوستان کے مظلوم مسلمانوں کیلئے قادیانیوں کے دلوں میں ذرہ برابر بھی ہمدردی نہیں تھی، مارشل لاء کے دوران قادیانی مبلغین پنجاب کے بڑے بڑے شہروں اور قصبوں میں امن راگ الاپتے پھرتے رہے، انھوں نے مجاہدین آزادی کی جاسوسی کی اور انھیں گرفتار کروایا اور ملک میں نام نہاد امن کی بحالی کیلئے مارشل لاء افسران کو مکمل تعاون فراہم کیا۔"

(تاریخ احمدیت جلد پنجم صفحہ 243)

اسی دوران مرزا محمود نے شملہ میں وائسرائے ہند کو خط لکھا کہ قادیانی ہڑتالوں میں ملوث نہیں ہیں اور انہوں نے ہڑتال کے دوران اپنے پیروکاروں کو دکانیں کھلی رکھنے کا حکم دیا ہے ،ساتھ ہی اُس نے رولٹ ایکٹ کی وضاحت کیلئے ایک کمیٹی بھی ترتیب دی جس نے اس بات پر زور دیا کہ ہندوستان میں انتظامی اصلاحات کیلئے رولٹ ایکٹ بہت ضروری ہے، حکومت کے لیفٹیننٹ گورنر پنجاب مائیکل اوڈوائر نے اپنے سرکاری اعلانات میں جماعت احمدیہ کی بدامنی کے زمانے میں سرانجام دی گئی خدمات کی بے پناہ تعریف کی اور 15، اپریل 1919ء مرزا محمود کے سیکرٹری کے نام اُس نے لکھا

> "اپنے عہد کے چھ سالہ دور میں اس جماعت نے اپنے قابل احترام سربراہ کی قیادت میں حکومت کیلئے اپنی بھرپور وفاداری کا مکمل اظہار کیا ہے اور ملک کی ترقی اور بھلائی کیلئے اپنی لگن ظاہر کی ہے، عزت مآب نے اس جماعت کی طرف سے وصول ہونے والے گراں قدر خیالات پر

مسرت کا اظہار کیا ہے، جو ان معاملات کے متعلق اٹھائے گئے سوالات پر مبنی ہیں اور جنگ کی انجام دہی اور اندرونی امن کے قیام کے سلسلے میں ہیں ،وہ ان اہم امور کو اپنے جانشین کو مطلع کر کے خوشی محسوس کریں گے اور وہ پُرامید ہیں کہ ان کا جانشین لیفٹیننٹ گورنر اور اس کے معزز سربراہ کی طرف سے وہ تعاون اور حمایت حاصل کرے گا جو اسے مل رہی ہے۔"

(ہندو مسلمان مسئلہ اور اس کا حل بحوالہ تحریک احمدیت۔ ص 183)

تحریک خلافت کی ناکامی پر قادیانی طرز عمل

تحریک خلافت کے دوران برصغیر کے مسلمان خلافت عثمانیہ کی بحالی کے حق میں تھے جبکہ قادیانیوں نے اپنے سابقہ اسلام دشمن رویے کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہوئے سلطنت عثمانیہ کے خاتمے اور مسلمانوں کی شکست پر برطانوی آقاؤں کے ساتھ مل کر جشن فتح منایا، مورّخ احمدیت دوست محمد شاہد لکھتا ہے کہ "حضرت خلیفۃ المسیح ثانی (مرزا محمود) نے ترکی کے شامل جنگ ہونے کو بے سبب اور بے وجہ قرار دیا اور خلیفۃ المسلمین ترکی کی نام نہاد خلافت کے خاتمے کا پرزور اعلان کیا۔"

(تاریخ احمدیت جلد پنجم صفحہ 178)

"ترکی کے مستقبل پر غور وخوض کیلئے کل ہند مسلم کانفرنس کا اجلاس جو 21 اکتوبر 1919ء کو لکھنو میں ہوا، اس اجلاس کیلئے مرزا محمود نے ایک مضمون لکھا، جس میں اُس نے اِس بات پر زور دیا کہ برطانیہ کیلئے وفاداری میں کمی نہیں ہونی چاہیے کیونکہ یہ ایک مذہبی فریضہ ہے اور مسلمانوں (قادیانیوں) نے برطانوی راج سے بہت سے فوائد حاصل کئے ہیں احمدی کسی بھی قیمت پر خلیفہ کے منصب خلافت کو تسلیم کرنے پر تیار نہ تھے، خلیفہ کے اصل منصب کیلئے اس عاجز یعنی مرزا محمود کے علاوہ کوئی بھی

مستحق نہ تھا۔"

(تاریخ احمدیت جلد پنجم صفحہ 249)

"قادیانی جماعت احمدیہ اپنا دنیاوی بادشاہ، شہنشاہ برطانیہ جارج پنجم کو سمجھتی تھی جو کہ شاہ آئر لینڈ اور شہنشاہ ہند بھی تھے اور روحانی سربراہ اور خلیفہ مرزا محمود تھے۔"

(ترکی کا مستقبل قادیان 1919ئ۔ بحوالہ تحریک احمدیت ص 196)

دسمبر 1919ء کے وسط میں ایک قادیانی وفد ظفر اللہ قادیانی کی قیادت میں لیفٹیننٹ گورنر پنجاب ایڈورڈ میکلیگن سے ملا اور اُسے جنگ عظیم کے دوران اپنی خدمات گنوانے کے ساتھ کہا کہ "مذہبی طور پر ہمارا موقف یہ ہے کہ ہمارے لیے سلطان ترک سے وفاداری کا کوئی جواز نہیں، ہم یہ کہتے ہیں کہ صرف مسیح موعود (مرزا قادیانی) کا جانشین ہی مسلمانوں (یعنی قادیانیوں) کا روحانی رہنما ہو سکتا ہے اور اپنے دنیاوی حاکم کے طور پر ہم صرف اُسے تسلیم کرتے ہیں، جس کے ماتحت ہم رہ رہے ہیں اس بیان کی نقول برطانوی پارلیمان کے ممبران میں تقسیم کی گئیں تا کہ انہیں بھی وسیع پیمانے پر پھیلتی احمدیہ جماعت اور اس کے سیاسی نظریات سے آگاہی ہو جائے۔"

(احمدیہ تحریک صفحہ 133۔ الفضل قادیان 12، اپریل 1920ء)

یہاں یہ بات بھی توجہ طلب ہے کہ قادیانی اور عیسائی اپنی نجی محفلوں میں مسلمان ممالک کی محکومی پر اظہار اطمینان کیا کرتے تھے۔

سائمن کمیشن اور قادیانی

1927ء میں حکومت برطانیہ نے 1919ء کے رولٹ ایکٹ کی بنیاد پر سر جان سائمن کی سربراہی میں ایک کمیشن بھیجا، تا کہ ہندوستان میں آئینی تبدیلیوں کی سفارشات مرتب

کی جاسکیں، سائمن کی سربراہی میں تشکیل دیئے جانے والے اِس وفد میں کسی ہندوستانی رکن کو شامل نہیں کیا گیا تھا، جس کی وجہ سے ہندوستانی مسلمانوں میں غم وغصہ کا پیدا ہونا ایک فطری عمل تھا، چنانچہ پورے ملک میں ہڑتالیں اور احتجاجی مظاہرے شروع ہو گئے، لیکن برصغیر کے مسلمانوں کے احتجاج کے باوجود قادیانی اخبار ''الفضل'' سائمن کمیشن کی آمد کے جواز کو اِن الفاظ میں لوگوں کے سامنے پیش کرتا رہا۔

''اس حد تک ہندوستان میں تفرقے بازی بڑھ گئی ہے کہ کوئی ہندوستانی تنظیم پوری ہندوستان کی نمائندگی کا دعویٰ نہیں کر سکتی، چنانچہ اِس تمام سفید فام کمیشن کا انتظام ہر لحاظ سے قابل توصیف ہے۔''

(الفضل قادیان 21 نومبر 1927ئ)

قادیانی خلیفہ'' مرزا محمود نے اپنے برطانوی آقاؤں کی محبت میں سرشار ہوکر اور ہندوستان کے مستقبل کے آئینی ڈھانچہ میں اپنی جماعت کیلئے کچھ تحفظات حاصل کرنے کی غرض سے کمیشن کے ساتھ صوبائی و مرکزی سطح پر تعاون کی ضرورت پر زور دیا۔''

(احمدیت۔ص239)

''قادیانی جماعت کے اراکین نے سیاسی اور آئینی معاملات پر اپنے موقف کے بارے میں لمبی چوڑی یادداشتیں مرتب کر کے کمیشن کو قادیانی تحریک احمدیہ کے سیاسی نظریات سے آگاہ کیا، سرکردہ قادیانیوں کے ایک گروپ نے کمیشن کے سامنے ہندوستان کے وفادار قادیانیوں کیلئے آئینی تحفظات حاصل کرنے کیلئے چند تجاویز پیش کیں، قادیانی یادداشت پر تقریباً پانچ لاکھ افراد نے دستخط کئے تھے، سائمن نے اِن معاملات کو دیکھ کر قادیانیوں کا شکریہ ادا کیا اور ہندوستان کی قادیانی جماعت کی اہمیت کو قلمبند کیا۔''

(تاریخ احمدیت جلد 6 صفحہ 11 تحریک احمدیت، ص266-265)

یہی وجہ تھی کہ سائمن کمیشن کے ساتھ قادیانی استدلال کے ثمرات کے بارے میں قادیانی خلیفہ مرزا محمود اتنا پر امید تھا کہ 16، اپریل 1928ء کو مجلس شوریٰ کے اجلاس میں اُس نے" آنے والے وقتوں میں دنیا پر ایک بے مثل فتح قرار دیا۔"

مئی 1930ء میں سائمن کمیشن کی رپورٹ نے ہندوستان بھر میں مایوسی کی فضا طاری کردی، برطانوی لیبر حکومت نے ہندوستان کیلئے خود اختیاری کا درجہ دینے کا اعلان کیا اور برطانوی ہند اور ہندوستانی ریاستوں کے نمائندوں کو مشاورت کیلئے لندن میں ہونے والی گول میز کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی، اس موقع پر مرزا محمود نے سائمن کمیشن کی رپورٹ کا تجزیہ" ہندوستان کے سیاسی مسئلے کا حل" کے نام سے شائع کر کے لندن کی گول میز کانفرنس کے شرکاء میں تقسیم کیا، جس میں کہا گیا تھا کہ

> " ہندوستان ابھی آزادی کے قابل نہیں اور ہندوستان کی آزادی اور بقاء کی خاطر دوسری چیزوں کے علاوہ اس کی عسکری ضروریات کا خاکہ تیار کرنے کی ضرورت ہے۔"

(ہندوستان کے سیاسی مسئلے کا حل۔ ص139)

> مرزا محمود نے سائمن کمیشن کی تجاویز خصوصاً ان میں اقلیتی گروہوں کے مفادات کے تحفظ کی بھرپور حمایت کی، دراصل اس نے ہندوستان میں مستقبل کے مجوزہ آئینی ڈھانچے میں مسلمانوں کیلئے ایک' غلامانہ حیثیت" کی تجویز پیش کی، اس نے کہا" میں یہ بیان کرنا ضروری خیال کرتا ہوں کہ اگر برطانوی اقوام دولت مشترکہ میں ہندوستان کو تاج برطانیہ کے ماتحت رہنا ہے، جیسا کہ میں سمجھتا ہوں کہ اسے رہنا چاہیے، تو میں تو کیا کوئی بھی اس معاملے پر مضبوط ترین سیاسی اتحاد قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کرے گا، تو پھر ضروری ہے کہ آنے والے طویل عرصہ کیلئے برطانوی عناصر کو رہنا چاہیے .... اور اس کے حصول کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ

برطانوی اہلکاروں کی خدمات کا حصول جاری رہے ورگرنہ ایک سلطنت کا احساس دم توڑ دے گا۔"

(ہندوستان کے سیاسی مسئلے کا حل۔ص 357)

پہلی گول میز کانفرنس اور چوہدری ظفر اللہ قادیانی

پہلی گول میز کانفرنس کے موقع پر وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے رکن فضل حسین نے قائداعظم محمد علی جناح کی مسلمانان برصغیر کیلئے جاری پیش قدمی کو روکنے کیلئے اپنے رفیق کار ظفر اللہ قادیانی اور شفاعت احمد کو لندن بھیجا، اس وقت تک (دہلی سازش کیس 1931-1930 جس میں سرکاری وکیل کی خدمات انجام دینے پر) ظفر اللہ قادیانی کا سیاسی اثر رسوخ بڑھ چکا تھا، فضل حسین نے اتر پردیش کے گورنر میلکم ہیلی کو ایک خط میں لکھا کہ

"تکلف برطرف میں اس خیال سے متفق نہیں کہ جناح کانفرنس میں بولتا رہے اور کوئی بھی ایسا مضبوط دماغ کا آدمی موجود نہ ہو، جو جناح کے نظریات کے خلاف احتجاج کر سکے، جبکہ یہ خیالات ہندوستانی مسلمانوں (قادیانیوں) کیلئے قابل قبول نہ ہوں، میں چاہتا ہوں کہ کوئی کھل کر کہہ دے کہ یہ مسلمانوں (قادیانیوں) کے نظریات نہیں، یہ مشکل کام ہے اور ناخوشگوار بھی، اور نمائندے کی جتنی اونچی حیثیت ہوگی، اتنا ہی اسکے لیے کانفرنس میں کہنا مشکل ہوگا، مجھے یقین ہے کہ شفاعت احمد اور ظفر اللہ اس کام میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کریں گے، جبکہ شفیع کی تردید رقابت کی حامل سمجھی جائے گی۔"

(میاں فضل حسین کے خطوط ص 177۔ اقبال کے آخری دو سال ص 249)

قیام پاکستان ناقابل عمل اور بے بنیاد منصوبہ ہے

انگریزوں نے مسلمانوں کے نمائندے کے طور پر تینوں گول میز کانفرنسوں کیلئے ظفراللہ قادیانی کا نام تجویز کیا، ظفراللہ قادیانی نے گول میز کانفرنسوں میں اپنے برطانوی آقاؤں کیلئے بہترین خدمات سرانجام دینے کا ریکارڈ قائم کیا، جس کے صلے میں انگریز سرکار نے گول میز کانفرنسوں کے اختتام پر اسے "سر" کے خطاب سے نوازا، ان اجلاسوں کے اختتام پر ظفراللہ قادیانی کا نام جوائنٹ سلیکٹ کمیٹی میں بھی شامل کیا گیا، تاکہ ہندوستان کے مستقبل کے آئین سے متعلق تجاویز کے قابل عمل ہونے کے بارے میں شہادتوں کی پرکھ کی جاسکے، جب کانفرنس اور لیگ کے نمائندے اس جوائنٹ سلیکٹ کمیٹی کے روبرو پیش ہوئے تو چار صفحات پر مشتمل ایک کتابچہ جو کہ چوہدری رحمت علی نے لکھا تھا Now or Never "ابھی نہیں تو کبھی نہیں" یا "ہم سب کو زندہ رہنا ہوگا یا ہمیشہ کیلئے ختم ہو جائیں گے" گول میز کانفرنس کے شرکاء کی توجہ کا مرکز بن گیا، ظفراللہ قادیانی نے پاکستان کے منصوبے کے بارے میں پارلیمنٹ کی جوائنٹ سلیکٹ کمیٹی کے روبرو یکم اگست 1933 کو یہ بیان دیا کہ

"یہ محض طالب علموں کا منصوبہ ہے اور اس میں کچھ بھی نہیں ہے، اس نے اس منصوبے کو نا قابل عمل اور بے بنیاد قرار دیا، جس کا مقصد چند صوبوں کا وفاق تھا"

(ہندوستان کے اجلاس برائے آئینی اصلاحات 37-1932 میں مشترکہ مجلس کے سامنے دی گئی شہادت کی کاروائی جلد دوم صفحہ 1496)

نیشنل لیگ کا قیام مسلم لیگ اور مسلمانانِ برصغیر سے غداری

"جنوری 1935ء میں قادیانی خلیفہ مرزا محمود نے "آل انڈیا نیشنل لیگ" کے نام سے ایک سیاسی جماعت کے قیام کا اعلان کیا، جس کا مقصد قائد اعظم محمد علی جناح کی ولولہ انگیز قیادت میں برصغیر کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ سیاسی جماعت "مسلم لیگ" کی سیاسی حیثیت اور قوت کو نقصان پہنچانا کرائے سے تقسیم کرنا تھا، لاہور میں اس جماعت کا مرکزی دفتر قائم کیا گیا

اور شیخ بشیر احمد ایڈووکیٹ قادیانی کو اس نوزائیدہ سیاسی جماعت کا پہلا صدر مقرر کیا گیا۔"

(تاریخ احمدیت جلد 7، ص 522)

اس سیاسی تنظیم کے قیام کے بعد مرزا محمود قادیانی نے کانگریس کے رہنماؤں کے پاس نمائندے بھجوا کر ان سے سیاسی رہنمائی طلب کی، جس کے نتیجے میں کانگریس اور قادیانی ایکدوسرے کے بہت قریب آ گئے، قادیانی سامراج نواز اور رجعت پسندانہ سیاسی جماعت "نیشنل لیگ" جس میں جاسوس، کاسہ لیس، برطانوی آلہ کار اور آزادی کے دشمن افراد شامل تھے، سیکولرازم کے خمیر سے اٹھی ہوئی ترقی پسند، سیاسی جماعت کانگریس سے سیاسی اتحاد جہاں اپنے اندر اسلام اور پاکستان دشمنی کے کئی راز چھپائے ہوئے ہے وہاں یہ اتحاد، سیاست کے طالب علم کو ایک دلچسپ موضوع بھی فراہم کرتا ہے۔

کانگریس کے ساتھ مضبوط تعلقات کی خاطر قادیانی جماعت "کل ہند نیشنل لیگ" اور اسکے رضا کاروں نے 28، مئی 1936ء کو کانگریسی لیڈر پنڈت جواہر لال نہرو کا لاہور آمد پر شاندار استقبال کیا، قادیانی رضا کاروں نے ایسے استقبالی کتبے اٹھا رکھے تھے جن پر "فخر قوم خوش آمدید" وغیرہ کے نعرے درج تھے اور وہ نہرو کو "فخر قوم، فخر ملک" کے نعروں سے بھی نواز رہے تھے واضح رہے کہ یہ وہی پنڈت نہرو تھے جو قادیانی اور کانگریسی گٹھ جوڑ سے پہلے اِس بات کا پختہ یقین رکھتے تھے کہ "ہندوستان میں برطانوی راج کے خاتمے کیلئے قادیانی قوت کو کچل دینا بہت ضروری ہے، کیونکہ یہ سامراج کے حاشیہ بردار ہیں۔"

"ایک قومی پیغمبر" کانگریس اور قادیانی گٹھ جوڑ

کانگریسی قیادت اچھی طرح جانتی تھی کہ قادیانی تاج برطانیہ کے پروردہ عناصر ہیں، وہ ایک ایسا گروہ ہیں جن کی برصغیر کے مسلمان اپنے مذہبی عقائد اور سیاسی نظریات کی بنا پر شدید مذمت کرتے ہیں اور انہیں اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں، لہٰذا ان حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے برصغیر کے مسلمانوں کی مکہ اور مدینہ منورہ سے محبت اور الفت کو قادیان کی طرف تبدیل کرنے کیلئے

ہندو انتہا پسندوں نے قادیانیت کی روز بروز بڑھتی ہوئی ترقی کو خوب سراہا، وہ سمجھتے تھے کہ چونکہ قادیانی تحریک کی بنیاد ہندوستان میں پڑی ہے اسلئے وہ ایک سودیشی (قومی) تحریک ہے، جس نے بھارت ماتا کی دھرتی سے جنم لیا ہے اور وہ اسلام کی طرح بدیشی نہیں ہے، دراصل اس حمایت کی آڑ میں ہندو انتہا پسندوں اور کانگریسی زعماء نے اسلام کو ہندوستانی رنگ میں رنگنے کی کوشش کی، کانگریسی حمایت اور ہندوؤں کے تعاون کو دیکھتے ہوئے 1927ء کے آخر میں قادیانی زعماء نے ایک "قومی پیغمبر" کے نظریئے کا پرچار بھی کیا اور برصغیر کے مسلمانوں کو اس بات کی دعوت دی کہ

> "قادیان کے احمد (مرزا غلام احمد قادیانی) پر ایمان لے آئیں تا کہ اپنے قومی پیغمبر پر ایمان لانے کی وجہ سے ان کی نجات ہو سکے، آیئے اس حوالے سے ایک ہندو قوم پرست ڈاکٹر شنکر داس مہرہ کا بیان دیکھتے ہیں، جو اس صورتحال کو اور بھی زیادہ واضح کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے "تحریک احمدیت نے ہندوستان میں قومی مقاصد حاصل کرنے کیلئے بنیاد فراہم کی ہے اور ہندوستانی مسلمانوں کے دلوں سے عربی پیغمبر (حضور اکرم ﷺ) کی محبت کو محو کرنے کوشش کی ہے، جتنی احمدیوں کی تعداد بڑھے گی، اتنا ہی ہندوستان کی محبت اُن کے دلوں میں بڑھے گی اور مکہ اور مدینہ (معاذ اللہ) ان کیلئے محض روایتی شہر بن کر رہ جائیں گے۔ ہر قادیانی خواہ وہ عرب، ترکی، ایران یا دنیا کے کسی بھی کونے میں رہتا ہے، روحانی ہدایت اور سکون کیلئے قادیان کا رخ کرتا ہے، ارض قادیان اُس کیلئے ارض نجات ہے، اسی میں ہندوستان کی مہاتما (بڑائی) مضمر ہے، اس تحریک کا بانی ایک ہندوستانی تھا اور اس کے تمام جانشین جو اس کی رہنمائی کر رہے ہیں، تمام ہندوستانی ہیں۔"

(قادیانی مذہب۔ص 67، ڈاکٹر شنکر داس مہرہ کا مضمون بندے ماترم لاہور 22، اپریل 1932ئ)

قائداعظم کی مخالفت اور مسلم لیگ کے ٹوٹ پھوٹ جانے کی آرزو

قادیانی اخبار الفضل نے پنجاب کے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ مسٹر جناح کے خلاف

آواز بلند کریں اور انہیں یونینسٹ پارٹی میں شمولیت کی ترغیب دیں۔ 13 مئی 1936ء کی اشاعت میں قادیانی اخبار الفضل لکھتا ہے کہ

"ہم مسٹر جناح کے بارے میں کوئی خوشگوار بات نہیں کر سکتے، ہمیں اس میں کوئی شک نہیں کہ جماعت (مسلم لیگ) اپنی حماقتوں کے اثر سے خود ہی ٹوٹ پھوٹ جائے گی۔"

قراردادلاہور (پاکستان) پر قادیانی موقف

"23، مارچ 1940ء کو مسلم لیگ نے لاہور کے منٹو پارک میں قرارداد لاہور منظور کی، یہی وہ قرارداد تھی جو بعد میں پاکستان کی بنیاد بنی اور قرارداد پاکستان کے نام سے مشہور ہوئی، اس قرارداد پر قادیانیوں کا بظاہر ردِعمل کچھ نہ تھا بلکہ اس دوران قادیانیوں کا رویہ منفی ہی رہا، جس کا واضح مطلب یہ تھا کہ قادیانی پاکستان یا ہندوستان میں مسلمانوں کی علیحدہ ریاست کے حامی نہ تھے۔ مارچ 1940ء کے آخر میں قادیان میں بیسویں مجلس مشاورت کے اجلاس میں قادیان کے محکمہ خارجہ کے سربراہ زین العابدین کی اس بات پر کہ" آیا احمدیوں کو مسلم لیگ کا ساتھ دینا چاہیے یا کانگریس کا" کثرت رائے سے یہ معاملہ اگلے اجلاس 1941ء تک موخر کردیا گیا، حضرت امیر المومنین (مرزا محمود قادیانی) نے اکثریت کے حق میں اپنا فیصلہ دے دیا اور مرزا محمود نے اپنے مریدین کو ہدایت کی کہ وہ کانگریس کا ساتھ دیں تاکہ کانگریسی قیادت کی حمایت حاصل کی جاسکے۔"

(قادیان، از فاروق، 28، مارچ 1940ء تحریک احمدیت ص 421-420)

قادیانی مسلم لیگ کے بجائے کانگریس کا ساتھ دیں، مرزا محمود کی ہدایت

مارچ 1940ء میں لاہور میں قرارداد لاہور (قرارداد پاکستان) کی منظوری کے بعد برصغیر پاک وہند کے مسلمانوں کی زندگی کا واحد مقصد اور آزادی کی جدوجہد کی منزل مملکت پاکستان کا حصول قرار پائی، اس قرارداد کی منظوری نے برصغیر کے حالات اور سیاسی ماحول کو یکسر تبدیل کر دیا اور مسلمانوں کی اکثریت نے کانگریس کا ساتھ چھوڑ کر مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کرنا شروع کر دی تھی، وہ جان چکے تھے کہ مسلمانان برصغیر کے معاشی، سیاسی اور سماجی مسائل کا حل قیام پاکستان میں ہی مضمر ہے، ایسے وقت میں جبکہ برصغیر کے مسلمان کانگریس چھوڑ کر مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر کے مستقبل کے واضح لائحہ عمل کا تعین کر رہے تھے، قادیانی خلیفہ مرزا محمود اپنے مریدوں کو یہ ہدایت جاری کر رہے تھے کہ وہ کانگریس کا ساتھ دیں تاکہ مسلمانوں کی قیام پاکستان کی جدوجہد کو سبوتاژ کیا جاسکے اور کانگریسی قیادت کی حمایت حاصل کی جاسکے۔

مطالبہ پاکستان ہندوستانی غلامی کو مزید پکا کرنا ہے

"8 اگست 1942ء کو کرپس مشن کی ناکامی کے بعد کانگریس نے ہندوستان چھوڑ دو کی قرارداد منظور کی، حکومت نے گاندھی کو گرفتار کر کے کانگریس پر پابندی لگادی، مسلم لیگ نے اس تحریک کا مقصد برطانوی حکومت کو مجبور کر کے اقتدار ہندوؤں کو سونپنا قرار دیتے ہوئے مسلمانان برصغیر کو اس تحریک میں حصہ لینے سے منع کیا، لیکن قادیانیوں نے نہ صرف مسلم لیگ کی حکمت عملی سے اختلاف کرتے ہوئے اس حکمت عملی کی مخالفت کی بلکہ قادیانی خلیفہ مرزا محمود نے مسلم لیگ کے قیام پاکستان اور آزاد ریاست کے مطالبے کو "ہندوستانی غلامی کا مزید پکا کرنا" بھی قرار دیا۔"

(الفضل قادیان 11، جون 1944ئ)

چوہدری ظفر اللہ قادیانی جو اس وقت ہندوستان کی وفاقی عدالت کا جج تھا نے مرزا محمود کے حالات زندگی کا نقشہ کھینچتے اور اس کے سیاسی خیالات

پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتا ہے کہ "اُن (مرزا محمود قادیانی) کا خیال ہے کہ ہندوستان اپنی سیاسی، معاشی، اور اخلاقی نجات اسلام کے ذریعے حاصل کرے گا، اسی طرح وہ کسی علاقائی منصوبہ "پاکستان" میں یقین نہیں رکھتے، ان کا خیال ہے کہ آخرکار تمام ہندوستان پاکستان ہوگا اور یہ "اکھنڈ ہندوستان ہوگا، ان کا خیال ہے کہ دو تصورات کے مابین جو تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا ہے، وہ محض ہندوستانی عوام کیلئے برطانوی غلامی کو طول دینا ہے۔"

(سربراہ تحریک احمدیہ۔ص 26)

"پاکستان کا مطالبہ غلامی کو مضبوط کرنے والی زنجیر" مرزا محمود کی ہرزہ سرائی

"خود مرزا محمود قادیانی نے منیر انکوائری کمیٹی کے روبرو اس بات کو تسلیم کیا کہ انہوں نے 11 جون 1944ء کو اپنی ایک تقریر میں مطالبہ پاکستان کو غلامی مضبوط کرنے والی زنجیر قرار دیا تھا۔"

(تحریک ختم نبوت۔ شورش کاشمیری ص 84)

ظفر اللہ قادیانی کا آئینی منصوبہ "پاکستان کی وکالت نہیں کرتا"

1945ء میں ظفر اللہ قادیانی اور سر سلطان احمد نے مسلمانان برصغیر کے آزاد مملکت کے قیام کے مطالبے کو ناکام بنانے کیلئے برطانوی حکومت کو ایک ایسا آئینی منصوبہ پیش کیا، جس پر سیکرٹری آف اسٹیٹ برائے ہندوستان نے دونوں منصوبوں کا تقابل کرتے ہوئے لکھا کہ

"ظفر اللہ اور سلطان احمد کے کئی نکات ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور بہت کم اختلاف ہے، لیکن پاکستان کی کوئی بھی وکالت نہیں کرتا، دونوں نے وفاقی مرکز کی سفارش کی ہے، جس کے پاس لامحدود اختیارات ہوں۔"

(ٹرانسفر آف پاور جلد پنجم صفحہ 551)

مسلم لیگ کی حمایت مرزا محمود کی شاطرانہ چال

"1945ء میں ویول کا منصوبہ برائے آزادی ناکام ہونے کے باوجود مرزا محمود قادیانی نے اس منصوبے کی بڑی تعریف کی اور کہا کہ" مزید کسی سوچ بچار کے، اسے قبول کرلیا جائے، ساتھ ہی اُس نے اسے آئندہ نسلوں پر احسان عظیم بھی قرار دیا۔"

(تاریخ احمدیت جلد دہم صفحہ 263)

اس دوران مسلم لیگ قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت بن چکی تھی، مرزا محمود قادیانی نے اس صورتحال میں موقع سے فائدہ اٹھانے کی ٹھانی۔ چنانچہ اُس نے سیاسی مصلحت اور ضرورت کے طور پر مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کردیا، جبکہ وہ اس سے قبل مسلم لیگ کو یہ مشورہ دے چکے تھے کہ" وہ (مسلم لیگ) اپنے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہونے کا دعویٰ ترک کردے۔" دراصل یہ ایک یک طرفہ اعلان تھا، جس کا مقصد عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنا اور اپنی خفیہ سازشوں پر پردہ ڈالنا تھا، اس نے 21، اکتوبر 1945ء کو ایک مضمون" آئندہ انتخابات میں جماعت احمدیہ کی پالیسی" میں اپنی جماعت کو ہدایت کی کہ وہ مسلم لیگ کی مدد کرے، لیکن ساتھ ہی مسلم لیگ کے اِس منصوبہ" قیامِ پاکستان" کی مخالفت بھی کی، جس پر مسلم لیگ اپنی انتخابی مہم چلا رہی تھی، یہاں یہ اَمر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ پورے برصغیر میں قادیانی ایک غیر اہم اقلیت تھے اور وہ کسی طور پر بھی انتخابی نتائج پر اثر انداز نہیں ہوسکتے تھے، کیونکہ ان کی مجموعی تعداد چار پانچ لاکھ سے زیادہ نہیں تھی، جن میں سے صرف پچاس ہزار کے قریب قادیانی ووٹ دینے کے اہل تھے، مرزا محمود قادیانی جانتا تھا کہ قادیانیوں کی طرف سے مسلم لیگ کی حمایت مسلم لیگ کے سیاسی مستقبل کیلئے نقصان دہ ثابت ہو سکتی تھی، چنانچہ اُس نے مسلم لیگ کی حمایت کرکے دہرا فائدہ اٹھانے کی ٹھانی۔

قادیانیوں کو مسلم لیگ کی رکنیت سے روکا جائے

دوسری طرف مسلم لیگی قیادت قادیانیت کوارتداداور قادیانیوں کوغیر مسلم سمجھتی تھی، اسی وجہ سے انتخابات سے قریباً ایک سال قبل 30، جولائی 1944ء کو لاہور میں مسلم لیگ کے ایک اجلاس میں فاتح سرحد حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قرارداد پیش کرنے کی کوشش کی کہ "قادیانیوں کومسلم لیگ کی رکنیت حاصل کرنے سے روک دیا جائے" مگر کچھ سیاسی وجوہ کی بنا پر انہیں ایسا نہیں کرنے دیا گیا، قادیانیوں کی پروپیگنڈہ مہم نے مسلم لیگ اور اُس کے کارکنوں کیلئے ایک ایسی مضحکہ خیز صورتحال پیدا کردی جسمیں ان کیلئے انتخابی مہم چلانا مشکل ہوگیا، پنجاب میں کانگریس کے حامی قوم پرست عناصر نے اس صورتحال کا بھرپور فائدہ اٹھایا، اس کے باوجود مسلم لیگ نے تمام صوبائی اسمبلیوں میں مسلمانوں کیلئے مختص چارسو بانوے (492) میں سے چارسواٹھائیس (428) نشستیں حاصل کر کے بنگال اور سندھ میں وزارتیں بنائیں، پنجاب میں مسلم لیگ نے تہتر (73) نشستیں حاصل کیں، لیکن قادیانیوں کی ریشہ دوانیوں کے طفیل خضر حیات ٹوانہ کی سربراہی میں یونینسٹوں، اکالی سکھوں، اور کانگریس کی مخلوط حکومت بنی، جبکہ مرکزی اسمبلی میں مسلم لیگ نے مسلمانوں کیلئے مختص تمام نشستیں جیت لیں۔

حد بندی کمیشن کیلئے ظفر اللہ قادیانی کی تعیناتی ایک سنگین اور ناقابل تلافی غلطی

قادیانی جماعت کی بھرپور مخالفت کے باوجود جب برصغیر کی تقسیم ناگزیر ہوگئی اور پاکستان کا قیام ممکن نظر آنے لگا، تو قادیانیوں نے پاکستان کی جغرافیائی صورت کونقصان پہنچانے کی بھیانک سازش کا ارتکاب کیا، کشمیر اپنی تاریخی ہیئت اور جغرافیائی محل وقوع کے اعتبار سے پاکستان کا حصہ ہونا چاہیے تھا، چونکہ پاکستان میں بہنے والے سارے دریاؤں کا منبع اور سرچشمہ کشمیر ہے، بصورت دیگر بھارت ہمارے دریاؤں کا پانی بند کر کے ہمارے سرسبز کھیتوں اور لہلہاتی فصلوں کو تباہ کرسکتا تھا، کشمیر اور پاکستان مذہبی، سیاسی، اور ثقافتی نقطۂ نظر سے بھی ایک دوسرے کیلئے لازم وملزوم تھے، اسی لیے قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا تھا کہ "کشمیر ہماری شہ رگ ہے۔" حد بندی کمیشن (30، جون 1947ئ) میں کانگریس اور مسلم لیگ کے نمائندے اپنا اپنا موقف بیان کرر ہے تھے، مسلم لیگ کی طرف سے چوہدری ظفر اللہ خان قادیانی وکالت

کے فرائض سرانجام دے رہا تھا، باؤنڈری کمیشن اُس وقت ورطہ حیرت میں پڑ گیا، جب قادیانی جماعت کی طرف سے مرزا بشیر احمد قادیانی نے ایک الگ میمورنڈم کمیشن کے سامنے پیش کیا، جس میں قادیانیوں کے علیحدہ مذہب، سول و فوجی ملازمین کی مبالغہ آمیز تعداد، کیفیت، اور آبادی کی تفصیلات درج تھیں، قادیانی جماعت نے ریڈ کلف کمیشن کو اپنا نقشہ بھی پیش کیا، جسمیں قادیانی آبادی کو مسلمانوں سے علیحدہ ظاہر کیا گیا تھا، قادیانی جماعت نے یہ نقشہ 1940ء میں تیار کیا تھا، حد بندی کمیشن کو الگ میمورنڈم پیش کرنے کا ایک افسوس ناک پہلو یہ بھی تھا کہ قادیانی جماعت کا مقتدر رہنماء چوہدری ظفر اللہ خان قادیانی ایک طرف کمیشن کے سامنے پاکستانی کیس کی وکالت کر رہا تھا، جبکہ دوسری طرف اُس کی اپنی جماعت کی طرف سے الگ میمورنڈم پیش کیا جا رہا تھا، اس طرح گویا ظفر اللہ خان نے ایک سیاسی شاطر کا بھیانک کردار ادا کرتے ہوئے دوغلی پالیسی اختیار کی۔

> "جناب جسٹس دین محمد نے ایک تقریب میں چوہدری ظفر اللہ خان قادیانی کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کروائی کہ میمورنڈم میں مسلم لیگی مطالبات کو عجیب طرح پیش کیا گیا تھا، جس کا نتیجہ خطرناک ہو سکتا ہے، چوہدری ظفر اللہ خان قادیانی نے جواب دیا کہ مسلم لیگ نے مجھے وکیل مقرر کیا ہے، مطالبات مرتب کرنا مسلم لیگ کا کام تھا وکیل کا کام صرف موکل کے مطالبات کی وکالت کرنا ہے۔"

(مارشل لاء سے مارشل لاء تک۔ ص 319)

> عجیب بات ہے کہ جسٹس منیر جیسا متعصب شخص بھی چوہدری ظفر اللہ قادیانی کے اس متنازعہ کردار کی وجہ سے اُسے مورد الزام ٹھہراتے ہوئے لکھتا ہے کہ "مقدمہ لڑنے کا انداز بڑا ہی غلط تھا، ظفر اللہ (قادیانی) نے حد بندی معاملات کے جغرافیائی پہلوؤں کو نظر انداز کر دیا اور شاید ایسا جان بوجھ کر کیا اور بیکار دلائل میں اپنا وقت ضائع کر دیا۔"

(منیر انکوائری رپورٹ ص 197)

"مسلم لیگی رہنما میاں امیر الدین کہتے ہیں کہ مسلم لیگ کی طرف سے قادیانی ظفر اللہ کی تعیناتی بطور مسلم لیگی وکیل لیگی قیادت کی ایک فاش اور سنگین غلطی تھی، جس کے ذمہ دار لیاقت علی خان اور چوہدری محمد علی تھے........ میاں امیر الدین اسی انٹرویو میں ظفر اللہ قادیانی کے بارے میں مزید کہتے ہیں کہ اُس نے پاکستان کی کوئی خدمت نہیں کی بلکہ پٹھان کوٹ (ضلع گورداس پور کی تحصیل) کا (مسلم اکثریتی) علاقہ اُسی کی سازش کی بناء پر پاکستان کے بجائے ہندوستان میں شامل ہوا۔"

(مسلم لیگی رہنما میاں امیر الدین۔ ہفت روزہ چٹان 6، اگست 1984ء)

مسلمانوں کو اس سنگین غلطی کا خمیازہ پٹھان کوٹ کی انتہائی حساس اور اہم تحصیل کی ہندوستان میں شمولیت کی صورت میں بھگتنا پڑا، جس کا مقصد ہندوستان کو جموں و کشمیر کی ریاست تک باآسانی رسائی اور کشمیر کو "رکابی" میں رکھ کر ہندوستان کو پیش کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا اور اس اقدام کے نتیجے میں گورداسپور کے اہم ترین اور فوجی نقطہ نظر سے حساس اہمیت کے حامل علاقے کو بھارت کے حوالے کرنا آسان ہو گیا، جس کی وجہ سے آج بھی بھارت کا آتشیں ہاتھ بچے کچے کشمیر اور ملحقہ علاقے کی شہ رگ پر ہے، قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی نشری تقریر میں حد بندی کمیشن کے فیصلے کو غیر منصفانہ، ناقابل فہم اور بددیانتی پر مبنی قرار دیا۔

قادیان کو "ویٹی کن سٹی" قرار دینے کا مطالبہ

ظفر اللہ قادیانی کی پنجاب حد بندی کمیشن کے سامنے مسلم لیگ کی عجیب و غریب وکالت کرنے کے بعد قادیانیوں نے اس طرح کی ایک اور خطرناک چال چلی۔ قادیانی جماعت کی طرف سے مرزا بشیر احمد قادیانی نے قادیان کو "اپنا مولد نبوت" قرار دینے کیلئے ریڈکلف کمیشن کو ایک علیحدہ عرضداشت پیش کی، جس میں قادیانیوں کا موقف یہ تھا کہ کانگریس اور مسلم لیگ دونوں کا منشور ہمارے لائحہ عمل کے خلاف ہے۔ ہم اُن سے الگ تھلگ رہنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا قادیان کو "ویٹی کن سٹی" قرار دیا جائے۔ (واضح رہے کہ لندن اسکول آف اکنامکس کے

پروفیسر او، ایچ، کے سپیٹ جو کہ دفاعی امور کا بھی ماہر تھا نے اپنی کتاب ''انڈیا اور پاکستان'' میں قادیان کو ویٹی کن کی چھوٹی صورت قرار دیا ہے'')

احمد یہ یادداشت میں مرزا بشیر احمد قادیانی نے قادیان کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے لکھا کہ ''اسلام میں یہ عالمی تحریک احمدیت کا فعال مرکز ہے، ہندوستان میں کسی بھی مذہبی مقام سے اس کا تقدس زیادہ ہے، مذہبی ہدایات اور تبلیغی تربیت کیلئے دنیا بھر کے لوگ یہاں کا رخ کرتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔''

(تقسیم پنجاب جلد اول صفحہ 429-428)

قادیانیوں کا ویٹی کن سٹی کا مطالبہ تو تسلیم نہیں کیا گیا لیکن باؤنڈری کمیشن نے احمدیوں کے ''محضر نامہ'' سے فائدہ اٹھاتے ہوئے احمدیوں کو مسلمانوں سے خارج کر کے گورداسپور کو غیر مسلم اقلیت کا ضلع قرار دے دیا اور اس کے اہم علاقے بھارت میں شامل کر دیئے، اس طرح سے نہ صرف گورداسپور کا ضلع پاکستان کے ہاتھ سے گیا، بلکہ بھارت کیلئے کشمیر کو ہڑپ کرنے کی راہ بھی آسان ہوگئی۔

پاکستان بننے کے بعد بھی ''اکھنڈ بھارت'' کا خواب

تحریک پاکستان کے آخری دور میں مرزا محمود قادیانی اور دوسرے قادیانی زعماء نے مطالبہ پاکستان یا تقسیم ہند کی شدید مخالفت کی اور وہ اپنی حفاظت کیلئے انگریزوں کی مدد کے خواہاں تھے، اس حقیقت کا ثبوت مرزا محمود قادیانی کے خطبات اور وہ بیانات ہیں جو وقتاً فوقتاً قادیانی پریس میں چھپتے رہے، لیکن وقت کے ساتھ جب انہیں پاکستان کا قیام یقینی نظر آنے لگا تو انہوں نے اپنے آپ کو مسلمانوں سے منسلک کرنا شروع کر دیا، لیکن اس کے باوجود ان کی دیرینہ خواہش یہی تھی کہ برصغیر کی تقسیم نہ ہو، اس مقصد کی مرزائیوں نے ہر ممکن کوشش کی۔ 3، جون 1947ء کو مرزا محمود نے ایک پمفلٹ ''سکھ قوم کے نام دردمندانہ اپیل'' نامی شائع کیا، جس میں

اُس نے لکھا

''میں دعا کرتا ہوں، اے میرے رب، میرے اہل ملک کو سمجھ دے، اوّل تو یہ ملک بٹے نہیں اور اگر بٹے تو پھر مل جانے کے راستے کھلے رہیں'' مرزا محمود قادیانی نے ایک اور جگہ لکھا ''میں یہ بات پہلے ہی واضح کر چکا ہوں کہ یہ خدا کی مرضی ہے کہ ہندوستان متحد رہے........ چنانچہ یہ اور بات ہے کہ ہم ہندوستان کی تقسیم پر رضامند ہوئے، تو خوشی سے نہیں، بلکہ مجبوری سے اور پھر یہ کوشش کریں گے کہ کسی نہ کسی طرح متحد ہو جائیں۔''

(مرزا محمود، الفضل 16، مئی 1947ئ)

قادیانی خلیفہ نے برملا کہا کہ ''اللہ تعالیٰ کی مشیت برصغیر پاک و ہند کو وفاق کی لڑی میں پروئے رکھنا چاہتی ہے'' گویا مرزائی قوم برصغیر کی تقسیم کی شدید مخالف تھی اور ''اکھنڈ بھارت'' کا خواب دیکھ رہی تھی اور مرزا محمود قادیانی کی یہ خواہش قیام پاکستان کے بعد بھی رہی اور جس کا اظہار انہوں نے تقسیم کے فوری بعد یوں کیا ''خدا امن، بھائی چارے اور معاملہ شناسی کے ذریعے ایسے حالات پیدا کرے کہ ہم اِس ملک کو ایک بار پھر متحد دیکھ سکیں اور اسے اسلام کا گہوارہ بنا سکیں۔''

(الفضل 15، اگست 1947ئ)

ق

باب:۔ ہفتم

سازشوں کی کہانی۔2

قیامِ پاکستان کے بعد قادیانی سازشیں

☆ یہ خاندانی غدار........ یہ نسلی غدار........ آج بھی اسلام اور ملت اسلامیہ کے خلاف پوری قوت سے سازشوں میں مصروف ہیں، یہ لوگ کلیدی اور حساس عہدوں پر بیٹھے ہوئے ہیں........ اور ملک کو تاریک گڑھوں کی طرف لے جا رہے ہیں۔

ہر قادیانی کا مذہبی عقیدہ ہے .... کہ پاکستان ٹوٹ جائے گا .... اکھنڈ بھارت بنے گا........ اسلئے ہر قادیانی پاکستان کا غدار ہے........ ہر قادیانی کا وجود پاکستان کیلئے خطرہ ہے........ جب تک پاکستان میں قادیانی موجود ہیں .... پاکستان کے استحکام .... امن وسکون........ اور........ سلامتی .... کو خطرہ رہے گا اور اِن کا ناپاک وجود ملک وملت دونوں کیلئے خطرے کا باعث رہے گا۔

☆ اس باب میں قادیانیوں کی اُن سازشوں کا مختصراً تذکرہ کیا جا رہا ہے جو قادیانی ذریت نے پاکستان کو توڑنے اور پاکستان کے وجود کو دنیا کے نقشے سے مٹانے کیلئے کی ہیں۔

قادیانی اور پاکستان

انگریز اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ برصغیر میں قادیانیوں کی وفاداری ان کے ساتھ مسلمہ ہے۔اُن کی خواہش تھی کہ برصغیر سے جانے کے بعد بھی یہاں کم از کم ایک جماعت ایسی چھوڑی جائے جو اس علاقہ میں اُن کے مفادات کی حفاظت کرتی رہے۔ چنانچہ اس مقصد کیلئے انگریز نے برصغیر سے جانے کے بعد بھی قادیانیوں کی سرپرستی اور اعانت جاری رکھی۔ تا کہ انکے سیاسی اثر رسوخ اور عالمی پالیسیوں کی حمایت اور معاونت کی وجہ سے مزاحمتی ردّعمل کم سے کم رہے۔

قادیانی کالی بھیڑیں اور پاکستان

14، اگست 1947ء کو دنیا کے نقشے پر اسلامی نظریاتی مملکت پاکستان کے وجود میں آتے ہی قادیانی ذرّیت اس نوزائیدہ مملکت کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے کی سازشوں میں پوری تن دہی سے مصروف ہوگئی۔ بقول رائے محمد کمال

> "پاکستان اُس معصوم بچے کی مانند ہے۔ جسے دست قدرت نے زمانہ شیر خواری میں ہی ماں کی آغوش سے اٹھا کر سوتیلی ماں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا اور وہ آج تک ماضی کے اُن ایام محبت کی یاد میں تڑپ رہا ہے۔ جس طرف بھی نگاہ اٹھتی ہے۔ بیگانے ہی بیگانے نظر آتے ہیں۔"

(سازشوں کا دیباچہ، ص195-194)

ساری دنیا پر حکمرانی کی خواہش ناتمام

دنیا میں اپنی حکومت کے قیام کیلئے اقتدار کا حصول ہمیشہ ہی قادیانیوں کا مطمع نظر رہا

اور وہ اس خواہش ناتمام کی تکمیل میں مصروف رہے

"میں تو اس بات کا قائل ہوں کہ انگریزی حکومت چھوڑو۔ دنیا میں سوائے احمدیوں کے کسی کی حکومت نہیں رہے گی۔ پس جبکہ میں اس بات کا قائل ہوں۔ بلکہ اس بات کا خواہشمند ہوں کہ دنیا کی ساری حکومتیں مٹ جائیں اور اُن کی جگہ احمدی حکومتیں قائم ہوجائیں تو میرے متعلق یہ خیال کرنا کہ میں اپنی جماعت کے لوگوں کو انگریزوں کی دائمی غلامی کی تعلیم دیتا ہوں۔ کہاں تک درست ہوسکتا ہے۔"

(مرزا بشیر الدین محمود۔ الفضل 21، نومبر 1939ئ)

قادیانی خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود کی یہ وہ خواہش ناتمام ہے۔ جس کی تگ و دو میں پوری قادیانی ذریت قیام پاکستان سے لیکر 1974ء تک مصروف عمل رہی۔ قادیانی خلیفہ کے دل و دماغ پر احمدی حکومت کے قیام کا بھوت سوار تھا اور وہ صرف پاکستان میں ہی نہیں بلکہ ساری دنیا پر قادیانی حکومت کا خواب دیکھ رہے تھے۔ اس مقصد کے حصول کیلئے انہوں نے قیام پاکستان کے بعد باقاعدہ منظم حکمت عملی اختیار کرتے ہوئے پنجاب میں قادیانی اسٹیٹ "ربوہ" کی بنیاد ڈالی۔ حکومت پر قبضہ اور کنٹرول حاصل کرنے کیلئے قادیانی افراد کو پاکستان کے اہم انتظامی محکموں میں جانے کی ہدایات جاری کیں اور قادیانی افراد کے ذریعے مختلف ادوار میں حکومت حاصل کرنے کی سازش کرتے رہے۔ ان تمام حقائق کی تفصیل آگے بیان کی جارہی ہے۔

پاکستان میں قادیانیوں کا پہلا مرکز موضع ڈگیاں "ربوہ"

پنجاب کے ضلع جھنگ میں چنیوٹ سے پانچ میل کے فاصلے پر سڑک کے کنارے پہاڑیوں کے دامن میں آباد یہ علاقہ جسے آج دنیا "ربوہ" چناب نگر کے نام سے جانتی ہے۔ پاکستان میں قادیانی فتنہ کا سب سے بڑا اور پہلا مرکز (قادیانی ریاست کا ہیڈ کوارٹر) ہے۔ یہ جگہ

فیصل آباد اور سرگودھا کے عین وسط میں واقع ہے۔ اس علاقے کا پرانا نام ''موضع ڈگیاں'' تھا۔ گورنر پنجاب سر فرانسس موڈی نے اپنی خاص دلچسپی کے تحت قادیانی جماعت کو''1034 ایکڑ اراضی ایک آنہ فی مرلہ'' کے حساب سے عطا کی اور یہ آباد کاری 14، ستمبر 1948ء کو قائداعظم محمد علی جناح کے سانحہ ارتحال کے فقط تین دن کے بعد ہوئی۔ یہ علاقہ دو پہاڑیوں کے درمیان گھرا ہوا ہے۔ دوسری جانب دریائے چناب نے اسے چنیوٹ سے جدا کیا ہوا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد کئی دہائیوں تک یہ علاقہ ایک آزاد قادیانی ریاست کے طور پر استعمال ہوتا رہا اور اسے ''ربوہ'' کی انتظامیہ کنٹرول کرتی تھی۔ یہاں کا عدالتی نظام بھی علیحدہ تھا۔ جس میں مقدمات کی سماعت قادیانی خلیفہ کا مقرر کردہ فیصل (جج) کرتا تھا۔ چیف جسٹس کے اختیارات خلیفہ ربوہ کے پاس ہوتے تھے۔ ربوہ میں کسی غیر قادیانی کو نہ تو رہنے کی اجازت تھی اور نہ ہی اُسے یہاں زمین خریدنے اور کاروبار کرنے کی اجازت تھی۔ جماعتی حکام کی اجازت کے بغیر کسی غیر قادیانی کا یہاں قیام بھی جرم قرار دیا جاتا تھا۔ یہاں کے رہائش پذیر قادیانیوں کو مکان بیچنے کی اجازت نہیں تھی۔ قیام پاکستان کے بعد ابتدائی دہائیوں میں ربوہ کی انتظامیہ نے ایک متوازی حکومت چلائی۔ حال یہ تھا کہ دوسرے افسروں کا تو کیا کہنا۔ جھنگ کا ڈپٹی کمشنر تک مرزا محمود قادیانی کی پیشگی اجازت کے بغیر مقرر نہیں ہوسکتا تھا۔

ربوہ میں شاہراہ عام سے دائیں جانب قادیانیوں کا نام نہاد'' بہشتی قبرستان'' ہے۔ جس میں سنگ مرمر کی مینا کاری سے مزین ایک سائز کی قبریں نہایت ہی سلیقے سے قطار اندر قطار بمعہ مکمل تعارف، رکنیت، عہدہ، حوالہ، خدمات، اور وصیت موجود ہیں، یہاں دفن ہونے والے امانتاً دفن کئے جاتے ہیں کہ جب حالات سازگار ہونگے تو ان میتوں کو قادیان منتقل کیا جائے گا۔ انہی قبروں میں مرزا غلام احمد قادیانی کی اہلیہ نصرت جہاں اور قادیانی خلیفہ ثانی مرزا بشیر الدین محمود قادیانی کی قبر بھی ہے۔ جس پر لگے ہوئے کتبے پر چند برس قبل تک یہ عبارت کندہ تھی کہ

''جب حالات سازگار ہوجائیں تو میری میت کو یہاں سے نکال کر قادیان میں دفن کیا جائے۔ یہ جماعت پر فرض ہے کہ وہ میری اس وصیت پر ہر

لحاظ سے پورا پورا عمل کرے۔"

"ربوہ کا سنگ بنیاد قائداعظم محمد علی جناح کی وفات کے محض تین دن بعد رکھا گیا اور یہاں کی اراضی کا باقائدہ انتقال انجمن احمدیہ کے نام 29 نومبر 1949ء کو ہوا۔ یہ لیاقت علی خان مرحوم کے عہد کی نہایت ہی تلخ روداد ہے........ لیاقت علی خان نے ہمیں کتنی غیرت اسلامی دی۔ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے نام پر بنائے گئے ملک میں اللہ اور رسول ﷺ کے احکام کی کتنی پابندی کی۔ اپنے محسن محمد علی جناح کے ساتھ جب زیارت میں آخری ملاقات کی تو بقول مس فاطمہ جناح اُس کے بعد قائداعظمؒ پھوٹ پھوٹ کر کیوں روئے؟ اور وہ کیوں زندہ نہ رہنا چاہتے تھے...... ....لیاقت علی خان کی سفارش پر ممتاز دولتانہ نے قادیانیوں کو دریائے چناب کے کنارے زمین دی۔ جہاں انہوں نے ایک جھوٹے نبی کا مرکز (ربوہ) بنایا۔"

("لیاقت علی کا قتل تصویر کا دھندلا پہلو" روزنامہ نوائے وقت مورخہ یکم جنوری 1986ء میجر امیر افضل ریٹائرڈ)

حکومت اور اداروں پر قبضہ کرنے کی قادیانی حکمت عملی و طریقہ واردات

"پس جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم میں سیاست نہیں وہ نادان ہیں۔ وہ سیاست کو سمجھتے ہی نہیں۔ جو شخص یہ نہیں مانتا کہ خلیفہ کی بھی سیاست ہوتی ہے۔ وہ خلیفہ کی بیعت ہی کیا کرتا؟ اس کی کوئی بیعت نہیں اور اصل بات تو یہ ہے کی ہماری سیاست گورنمنٹ کی سیاست سے بھی زیادہ ہے۔ پس اس سیاست کے مسئلے کو اگر میں نے بار بار بیان نہیں کیا تو اسکی وجہ صرف یہی ہے کہ میں نے اس سے جان بوجھ کر اجتناب کیا ہے۔ آپ لوگوں کو یہ بات خوب سمجھ لینی چاہیے کہ خلافت کے ساتھ ساتھ سیاست بھی ہے اور جو شخص یہ نہیں مانتا وہ جھوٹی بیعت کرتا ہے۔"

(اخبار الفضل مورخہ 13، اگست 1926ئ)

قادیانی خلیفہ کا یہ مندرجہ بالا بیان دراصل قادیانی سیاست کا وہ بنیادی نصب العین ہے۔جس کا مقصد بہر صورت قادیانی ریاست کا قیام ہے۔مرزا محمود قادیانی اور پوری قادیانی ذرّیت کے دامن سے حصول اقتدار کی خواہش ہر دم لپٹی رہی۔وہ حکومت اور حکومتی اداروں میں داخل ہونے کا موقع کسی صورت بھی گنوانا پسند نہیں کرتے تھے۔قادیانی خلیفہ اس مقصد کے حصول کیلئے باقاعدہ حکمت عملی اور طریقہ کار اپنے مریدوں اور جماعت کی رہنمائی کیلئے وقتاً فوقتاً جاری کرتا رہا۔اُس نے اپنی قوم کو متنبہ کیا کہ بھیڑوں کی طرح جمع ہونے کے بجائے تمام کلیدی شعبوں میں پھیل جائیں۔آیئے قادیانیوں کی سیاسی حکمت عملی اور طریقہ واردات کے چند نمونے دیکھتے ہیں۔

ا۔ تعلیم و تبلیغ کے ذریعے حکومت پر قبضہ کی کوشش

”پس اسلام کی ترقی خدا تعالیٰ نے میرے ساتھ وابستہ کر دی ہے۔یاد رکھو! سیاست۔اقتصادیات اور تمدنی امور حکومت کے ساتھ وابستہ ہیں۔پس جب تک ہم اپنے نظام کو مضبوط نہ کریں اور تبلیغ و تعلیم کے ذریعے حکومتوں پر قبضہ کرنے کی کوشش نہ کریں۔ہم اسلام کی ساری تعلیم کو جاری نہیں رکھ سکتے۔“

(اخبار الفضل ۔5، فروری 1937ئ)

۲۔ پاکستانی فوج میں گھس کر حکومت پر قبضہ کرنے کا منصوبہ

مرزا محمود قادیانی نے پاکستان میں اپنے مریدوں کو واضح الفاظ میں ہدایت جاری کی کہ

”پاکستان میں اگر ایک لاکھ احمدی سمجھ لیے جائیں تو 9، ہزار احمدیوں کو فوج میں جانا چاہیے........ فوجی تیاری نہایت اہم چیز ہے۔جب تک آپ جنگی فنون نہیں سیکھیں گے کام کس طرح کریں گے۔“

(الفضل ۔ 11، اپریل 1950ئ)

۳۔حصول اقتدار کیلئے سرکاری اور کلیدی عہدوں پر قبضہ

قادیانی خلیفہ مرزا محمود کہتا ہے ”جب تک سارے محکموں میں ہمارے آدمی موجود نہ ہوں۔ان سے پوری طرح کام نہیں لے سکتے۔مثلاً موٹے موٹے محکموں میں سے جیسے فوج ہے، پولیس ہے، ایڈمنسٹریشن ہے، ریلوے ہے، فنانس ہے، کسٹم ہے، انجینئرنگ ہے، یہ آٹھ دس موٹے موٹے صیغے ہیں۔جن کے ذریعے سے جماعت اپنے حقوق [redacted] کرا سکتی ہے۔ہماری جماعت کے نوجوان فوج میں بے تحاشہ جاتے ہیں۔اس کے نتیجے میں ہماری نسبت فوج میں دوسرے محکموں کی نسبت سے بہت زیادہ ہے اور ہم اس سے اپنے حقوق کی حفاظت کا فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔باقی محکمے خالی پڑے ہیں۔بے شک آپ لوگ اپنے لڑکوں کو نوکری کرائیں۔لیکن وہ نوکری اِس طرح کیوں نہ کرائی جائے جس سے جماعت فائدہ اٹھا سکے۔پیسے بھی اس طرح کمائے جائیں کہ ہر صیغے میں آدمی موجود ہوں اور ہر جگہ ہماری آواز پہنچ سکے۔“

(خطبہ مرزا محمود اخبار الفضل مورخہ 11، جنوری 1954ئ)

مرزا بشیر الدین محمود نے اپنی تقاریر اور مکتوبات کے ذریعے مرزائیوں میں یہ تحریک بھی پیدا کی کہ وہ اپنے اپنے علاقوں اور حلقہ اثر میں موزوں افراد کو رام کرنے کی کوشش کریں۔غریب اور متوسط طبقہ میں یہ کام نوکری دلوا کر اور اونچے گھرانوں میں یہ کام خوبصورت لڑکیوں کے ذریعے کیا جا سکتا ہے۔چنانچہ ان خوبصورت لڑکیوں کی بدولت بڑے بڑے فوجی و سول افسر با آسانی قابو آگئے۔اہل ثروت گھرانوں میں دینی تعلیمات سے دوری پہلے ہی موجود تھی۔اوپر سے اِن نازنینوں کے نخروں نے رہا سہا ایمان بھی پگھلا دیا۔دیکھتے ہی دیکھتے اس کے اثرات چند برسوں میں اس طرح ظاہر ہوئے کہ لوگ اپنا دبدبہ جمانے کیلئے خود کو مرزائی ظاہر

کرنے لگے۔ مرزا غلام احمد قادیانی پر تنقید و جرح ایک طرح جرم قرار دے دی گئی۔ جس کی ذرا سی خلاف ورزی پر حکومت کی جانب سے بھاری جرمانے اور قید کی سزائیں دی جانے لگیں ۔سفارت خانوں اور فوج سمیت ہر اہم محکمے میں کلیدی اسامیوں پر قادیانی افسران براجمان ہو گئے۔ دفاتر میں مرزا غلام احمد قادیانی کی تصویریں آویزاں ہونے لگیں ۔ درسگاہوں میں قادیانی اساتذہ کی بڑی تعداد تعینات کی گئی۔ ہر جگہ قادیانی لٹریچر باآسانی دستیاب ہونے لگا اور قادیانی ایک ایسی مستحکم سیاسی قوت بن گئے کہ اقتدار کے پجاری مسند اقتدار تک پہنچنے کیلئے اُن سے راہ و رسم بڑھانے پر مجبور ہو گئے۔

تبلیغی و سیاسی راہ میں رکاوٹ کی صورت میں مملکت سے اعلان بغاوت

قادیانی اپنے سیاسی اور مذہبی عزائم کی راہ میں رکاوٹ کی صورت میں پاکستانی حکومت سے بغاوت کا ارادہ رکھتے تھے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ قادیانی اخبار الفضل مورخہ 13،نومبر 1953ء کی اشاعت میں کیا لکھتا ہے "اگر تبلیغ کیلئے کسی قسم کی رکاوٹ پیدا کی گئی تو ہم ملک (پاکستان) سے نکل جائیں گے یا پھر اگر اللہ تعالیٰ اجازت دے تو پھر ایسی حکومت سے لڑیں گے۔"

تاریخ کی دو عظیم شخصیات کا تذکرہ

قادیانی ہر مشہور زمانہ شخصیت کو قادیانی ثابت کرنے میں بڑے حساس اور جلد باز واقع ہوئے ہیں۔ اس معاملے میں وہ حد درجہ احساس کمتری اور کمینگی کا شکار بھی رہے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کی ہر ممکن سرپرستی اور امداد کے باوجود انہیں اپنے مذموم مقاصد میں آج تک کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ مسلمانوں کی بڑی اور ہر دل عزیز شخصیات کو اپنے پروگراموں میں مدعو کریں۔ اس موقع کا فائدہ اٹھا کر ان شخصیات کی اپنے قادیانی سربراہوں کے ساتھ مصافحہ و معانقہ کی تصاویر اتاریں اور پھر ان کو مختلف مواقع پر شائع کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی جائے کہ یہ شخصیات قادیانی ہیں یا قادیانیت سے متاثر ہیں۔ اسی طرح کا شوشہ

قادیانیوں نے بانی پاکستان حضرت قائداعظم محمد علی جناح۔ مفکر پاکستان حضرت علامہ محمد اقبال اور محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے بارے میں بھی کیا۔ تا کہ ان سے محبت وعقیدت رکھنے والے لوگ شکوک وشبہات میں مبتلا ہو کر اپنی رائے بدل لیں اور قادیانیوں کو بھی مسلمانوں کا ایک فرقہ تصور کر لیں۔ لیکن یہ بات قطعی غلط اور حقائق کے منافی ہے کہ مذکورہ شخصیات کا قادیانیت سے کوئی تعلق ہے یا وہ قادیانیوں کے بارے میں نرم گوشہ رکھتی ہیں۔ اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ متذکرہ بالا احباب سچے اور صحیح العقیدہ مسلمان ہیں اور ان کا بھی قادیانیوں کے بارے میں وہی عقیدہ ہے جو عام مسلمانوں کا ہے۔

قبل اس کہ ہم یہاں ان قادیانی سازشوں کے تذکرہ کریں جو اس ذرّیت نے صہیونیوں اور یہودیوں کی ایماء پر قیام پاکستان کے بعد مملکت کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے کیلئے کیں۔ ہم تحریک پاکستان کی دو عظیم شخصیات مفکر پاکستان ڈاکٹر محمد اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح کا ذکر یہاں ضروری خیال کرتے ہیں۔

علامہ اقبالؒ اور فتنہ قادیانیت

علامہ اقبالؒ کے حوالے سے قادیانی ناقد کردار کشی کرتے ہیں اور آپ پر الزامات عائد کرتے ہیں کہ پہلے آپ قادیانیت کے حامی تھے اور یہ کہ علامہ اقبالؒ کا خاندان قادیانیوں سے تعلق رکھتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ ایک سچے راسخ العقیدہ مسلمان تھے اور پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفی ﷺ سے بے پناہ محبت وعقیدت رکھتے تھے۔ جس کی گواہی اقبال کے کلام میں جابجا عیاں ہے۔ اُس دور میں

> ”قادیانیت کی سب سے بہترین نقاب کشائی ڈاکٹر محمد اقبال نے کی، ان کے متاثر کن بیانات اور زبردست علمی وعقلی دلائل نے سامراجیت کی اس آلۂ کار سیاسی ومذہبی تنظیم کی خوب پردہ دری کی۔ علامہ اقبالؒ کو کس چیز نے قادیانیت کے خلاف اس جہاد پر ابھارا، یہ سمجھنا زیادہ مشکل نہیں۔ ڈاکٹر

اقبالؒ قادیانیت کے آغاز سے اس ایک حد تک واقف تھے، جماعت احمدیہ لاہور کے امیر مولوی محمد علی کے مطابق 1908ء میں انہیں سر فضل حسین کے ہمراہ مرزا غلام احمد (قادیانی) سے ملاقات کرنے کا موقع ملا، (واضح رہے کہ یہ روایت کمزور ہے) سر فضل حسین نے مرزا سے پوچھا کہ جو لوگ ان کے دعوؤں کو نہیں مانتے وہ کافر ہیں؟ مرزا نے نفی میں جواب دیا، احمدیت ان کے خاندان میں سرایت کر گئی تھی۔ان کے والد اور بڑے بھائی احمدیت سے متاثر ہو گئے تھے۔اگرچہ بعد میں ان کے والد نے اپنے آپ کو قادیانیت سے لاتعلق کر لیا۔ڈاکٹر اقبالؒ نے کبھی قادیانیت قبول نہ کی تھی۔وہ اس تحریک کے ابتدائی دنوں میں اس سے متعلق کسی حد تک نرم رویہ رکھتے تھے کیونکہ اس کی اصلیت اس وقت تک مکمل طور پر ظاہر نہ ہوئی تھی۔"

(تحریک احمدیت۔ص 343)

لیکن اس کے باوجود آپ نے کبھی بھی قادیانیت کو قبول نہیں کیا۔علامہ اقبالؒ لکھتے ہیں کہ

"کسی تحریک کی اصلی روح اور اس کے اجزاء ایک دن میں ظاہر نہیں ہوتے۔یہ اپنے آپ کو ظاہر کرنے میں دہائیاں لے جاتے ہیں۔اس تحریک کے اندر دو فریقین کی محاربت اس حقیقت کی شاہد ہے کہ وہ لوگ بھی جو اس کے بانی کے قریبی حلقہ سے تعلق رکھتے تھے۔اس بات سے بے خبر تھے کہ یہ تحریک کس طرح ظہور پذیر ہوگی۔ذاتی طور پر اس تحریک سے میں اس وقت بدظن ہوا۔جب اس میں بانی اسلام محمد ﷺ سے برتر نبوت کا دعویٰ پیش کیا گیا اور مسلمانان عالم کو کافر قرار دے دیا۔بعد میں میرے شکوک ایک مثبت بغاوت میں تبدیل ہو گئے، جب میں نے اپنے کانوں سے تحریک کے ایک پیروکار کو پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں بڑی تحقیر آمیز

زبان استعمال کرتے سنا۔ درخت اپنی جڑ سے نہیں پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ اگر میرا موجودہ رویہ متضاد ہے۔ تو ٹھیک ہے ایک زندہ اور فہم رکھنے والے شخص کا یہ استحقاق ہے کہ وہ اپنے پہلے نظریئے کو بدل لے۔ جیسا کہ ایمرسن کا قول ہے کہ "صرف پتھر ہی اپنی تردید نہیں کرتے۔"

(تصانیف اقبال۔ص449)

"جوں ہی علامہ اقبالؒ پر قادیانی مذہب کی اصلیت اور اُن کے سیاسی عزائم پوری طرح عیاں ہوئے اور قادیانیت کا مکروہ چہرہ سامنے آیا۔ آپ نے ایک تاریخ کے طالبعلم ہونے کی حیثیت سے اس تحریک کو اسلام دشمن، رجعت پسند، اور سامراج نواز محسوس کرتے ہوئے قادیانیت کا زبردست محاسبہ کیا۔ 2، مئی 1935ء کو علامہ اقبالؒ نے پریس کو قادیانی مسئلہ کے مذہبی، سیاسی اور سماجی مضمرات سے متعلق اپنا تاریخی بیان جاری کیا۔"

(قادیانیت اور راسخ عقیدہ مسلمان، اقبال کے بیانات اور تقاریر ص161-162)

"علامہ اقبالؒ کے نزدیک ایک اسلامی معاشرے کا استحکام اور بقاء اسی صورت میں ممکن تھی۔ جب وہ معاشرہ عقیدہ ختم نبوت پر کامل یقین رکھتا ہو۔ اقبال کے نزدیک "ختم نبوت کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص بعد از اسلام اگر یہ دعویٰ کرے کہ مجھ میں ہر دو اجزاء نبوت کے موجود ہیں۔ یعنی یہ کہ مجھے الہام وغیرہ ہوتا ہے اور میری جماعت میں داخل نہ ہونے والا کافر ہے۔ تو وہ شخص کاذب ہے اور واجب القتل ہے۔ مسیلمہ کذّاب کو اسی بناء پر قتل کیا گیا حالانکہ (ابی جعفر محمد جریر) طبری لکھتا ہے۔ وہ رسالتمآب ﷺ کی نبوت کا مصدق تھا اور اس کی اذان میں حضور ﷺ کی نبوت کی تصدیق تھی۔"

(انوار اقبال۔ص45)

21، جون 1936ء کو علامہ اقبالؒ نے پنڈت جواہر لال نہرو کے نام اپنے ایک خط

میں واضح طور پر لکھا کہ "میں اپنے ذہن میں اِس اُمر کے متعلق کوئی شبہ نہیں پاتا کہ احمدی اسلام اور ہندوستان دونوں کے غدار ہیں" اقبال کے نزدیک قادیانیت یہودیت کا چربہ ہے۔ آپ قادیانیت کی نسبت بہائیت کو زیادہ مخلص قرار دیتے تھے۔ کیوں کہ بہائی اسلام کے کھلے طور پر باغی تھے۔ جبکہ قادیانی بظاہر اسلام کے معتقدات کو برقرار رکھتے ہوئے اِس کی اصل روح اور فلسفے کے صریحاً مخالف ہیں۔ اسی وجہ سے علامہ اقبالؒ نے حکومت ہند سے قادیانیوں کو علیحدہ اقلیت قرار دینے کا مطالبہ بھی کیا اور برصغیر کے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ قادیانیت کو اسی طرح برداشت کریں۔ جس طرح وہ دوسرے مذاہب کو کرتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد علامہ اقبالؒ نے اُس دور میں نہایت عمدہ طریقے سے قادیانیت کی نوعیت اور اُس کے مقابلے میں اسلام میں ختم نبوت کے نظریات کی ثقافتی اہمیت اجاگر کی۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کے پرفریب دعوے کی قلعی کھولی۔ علامہ اقبالؒ نے ثابت کیا کہ قادیانیت کی اصل حقیقت قرون وسطیٰ کے تصوف کی دھند کے دبیز پردوں میں دبی ہوئی ہے اور یہ تحریک دراصل اپنی نوعیت میں سیاسی اور برطانوی سامراج کی حاشیہ بردار ہے۔

قادیانیت کے حوالے سے علامہ اقبالؒ کے قوی دلائل، حقیقت پسندانہ تجزیے، اور عالم اسلام پر اُس کے مضمرات پر مبنی تحریروں نے برصغیر کے مسلمانوں کے اذہان پر گہرا اثر چھوڑا اور قادیانی ارتداد کے خلاف ہندوستان سمیت پوری اسلامی دنیا میں ایک قابل لحاظ نفرت نے جنم لیا۔ یہ قادیانیت کے خلاف علامہ اقبالؒ کے جہاد کا ہی نتیجہ تھا کہ **1935**ء میں انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ اجلاس میں آپکی زیر صدارت وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل میں ظفر اللہ قادیانی کی ایک مسلمان رکن کے طور پر رکنیت کے خلاف قرارداد منظور کی۔ جس کے نتیجے میں اگلے سال ہی انجمن سے قادیانی ارکان کی چھٹی کرادی گئی۔ علامہ اقبالؒ کے اعتقادات اور عقائد دیکھ کر واضح طور پر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اقبال کو قادیانیت سے کتنی نفرت ہے۔ دور حاضر میں اقبال کسی نئے نبی، رسول، اور پیغمبر کا منتظر نہیں، وہ اپنے عقیدہ ختم نبوت کا اظہار برملا کرتے ہوئے کہتا ہے۔

پس خدا بر ما شریعت ختم کرد بر رسول ما رسالت ختم کرد
رونق از ما محفل ایام را او رسل را ختم و ما اقوام را

☆

لا نبی بعدی ز احسانِ خدا است پردۂ ناموسِ دین مصطفیٰ است
قوم را سرمایہ قوت از و حفظ سر وحدت ملت از و

☆

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ

☆

قائداعظم محمد علی جناح اور قادیانیت

بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے زندگی کی آخری سانسوں تک برصغیر کے مسلمانوں کے حقوق کی جنگ لڑی۔ قائداعظمؒ کے خاندان کا تعلق خواہ کسی بھی فرقے سے ہو لیکن آپ نے کبھی بھی اپنے آبائی مسلک سے دلچسپی کا اظہار نہیں کیا۔ آپ ایک سچے اور پکے مسلمان تھے اور ہمیشہ دین اسلام کی بات کرتے تھے۔

"عملی اعتبار سے قائداعظمؒ کا اسلام ممکن ہے ضعیف ہو لیکن ہندوستان و پاکستان کے پچیس کروڑ مسلمانوں میں کتنے ہیں جو عملی اعتبار سے اسلام کی ہر تعلیم کا مکمل نمونہ ہوں؟ یقیناً یہ کوتاہی بھی افسوس ناک ہے اور اس کا استیصال بھی ضروری ہے۔ لیکن یہ کوتاہی اگر نگاہِ عمیق سے دیکھی جائے تو خانقاہوں میں بھی ہے۔ حجروں میں بھی ہے........ خرابات کی تاریخ تو

بڑی پرانی ہے۔ عمل درجہ اعتقاد کے بعد آتا ہے۔ کافر وہی ہے جو عمل اور اعتقاد کے اعتبار سے منکر ہو لیکن اگر کسی شخص کا عمل کمزور ہے اور اعتقاد میں کوئی خامی نہیں ہے تو اُس پر کوئی کفر کا فتویٰ نہیں دیا جاسکتا۔ قائداعظمؒ کی ذات اعتقادی نقطہ نظر سے پختہ مسلمان ہی ہے۔ اُن کا دل اسلام کی عظمت سے مالا مال تھا اور اُن کا دماغ ایک مسلم ہونے کے فخر سے معمور تھا۔ علمی و عملی کی تاریخ بھی ان کے سامنے تھی۔ انہوں نے دوسرے مذہب پر بھی ایک نظر ڈالی۔ ایک قانون دان کیلئے ضروری ہے کہ وہ ہر مذہب سے واقف ہو۔ ہر مذہب کے احکام و روایات۔ تعلیمات و امر و نواہی اُس کے پیش نظر ہوں۔ لیکن کوئی بھی مذہب اُن کے دل میں گھر نہ کرسکا۔ ایک بیرسٹر، ایک وکیل، ایک قانون دان کی حیثیت سے انہوں نے فقہ اسلامی کا بھی، ہندو لاء کے ساتھ ساتھ اور مغربی قوانین، ذاتی و اجتماعی کے پہلو بہ پہلو مطالعہ کیا۔ اس طرح دانستہ یا نادانستہ طور پر وہ اسلام سے واقف تھے۔ اپنے ذاتی عقائد کو انہوں نے مختلف مقامات اور بیانات میں کئی بار واضح کیا تھا۔"

(اسلام کا سفیر۔ ص45)

قائداعظمؒ فکری و نظری اور عملی طور پر پکے اور سچے راسخ العقیدہ مسلمان تھے۔ وہ اور اپنے معاصر سیاستدانوں میں سب سے زیادہ پڑھے لکھے، کھرے، اصول پسند، واضح، صاف گو، اور راست فکر انسان تھے۔ آج جو لوگ قائداعظمؒ پر سوشلسٹ، لبرل، یا سیکولر ہونے کا الزام لگاتے ہیں۔ وہ دراصل قائداعظمؒ کے شاہکار اسلامی سوانحی تصویر کو مسخ کر کے انہیں غیر واضح، الجھی ہوئی غیر متوازن شخصیت کے روپ میں پیش کر کے مضحکہ خیز تجریدی کارٹون بنا کر دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔

قائداعظم محمد علی جناح حضور اکرم ﷺ کی ذات سے بے انتہا عشق کرتے تھے۔ آپ کا

حضور اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ سے عشق و محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ نے برطانیہ کی لنکنز ان یونیورسٹی میں محض اس لیے داخلہ لیا کہ اُس کے صدر دروازے پر نصب بورڈ پر دنیا کے بڑے آئین سازوں اور قانون دانوں کی فہرست میں حضرت محمد مصطفی ﷺ کا نام نامی سرفہرست درج تھا۔ آج قائداعظمؒ جیسی عظیم شخصیت کو سیکولر یا لبرل قرار دینا اُن کا قد چھوٹا کرنے، سیرت مسخ کرنے اور کردار کشی کرنے کے مترادف ہے۔ یہ اِس صدی کا سب سے بڑا جھوٹ اور ایسا سوچنے، سمجھنے اور کرنے والے موجودہ صدی کے سب سے بڑے جھوٹے، ذہنی معذور اور استعمار کے فکری غلام معلوم ہوتے ہیں۔

یہ سچ ہے کہ قائداعظمؒ زندگی بھر مذہبی اختلافات میں نہیں الجھے، آپ نے متعدد موقعوں پر خوجہ یا شعیہ مکتبہ فکر سے لاتعلقی کا اظہار کرتے ہوئے پوری جرأت کے ساتھ فرمایا ”I am Muslim“ میں مسلمان ہوں۔ کیونکہ آپ ایک سچے مسلمان کی طرح اسلام کو ایک کامل و اکمل ضابطہ حیات تسلیم کرتے تھے۔ آپ کے نزدیک مسلمانوں کا مذہبی تعصبات میں الجھنا اُن کی اجتماعی وحدت اور قوت کو تقسیم کرنے کے مترادف تھا۔

بیوری نکلسن نے اپنی مشہور کتاب ”ورڈکٹ آف انڈیا“ میں ایک بطل عظیم سے مکالمہ کے عنوان سے متعلقہ باب میں قائداعظمؒ سے اپنی ملاقات (1943ئ) کی تفصیل پیش کی۔ اس ملاقات کے دوران مصنف دیگر سوالات کے ساتھ آپ سے یہ سوال بھی کرتا ہے کہ آپ کن وجوہات کی بناء پر مسلمانوں کو ایک الگ قوم قرار دیتے ہیں۔ کیا آپ کے نزدیک مسلمان ایک الگ قوم ہیں؟ بیوری نکلسن لکھتا ہے کہ قائداعظمؒ نے جواباً فرمایا

> ”یاد رکھیئے اسلام صرف روحانی اور مذہبی اصولوں کا نام نہیں۔ بلکہ ایک عملی نظامِ حیات ہے۔ میں زندگی پر ایک کل کی حیثیت سے غور کرتا ہوں اور پورے نظامِ حیات کے اعتبار سے مسلمانوں کو ایک مستقل اور جداگانہ قوم تصور کرتا ہوں۔ تمام امور میں زاویہ نگاہ نہ صرف ہندوؤں سے مختلف ہے

بلکہ اکثر شعبوں میں متضاد ہے۔ہمارا وجود ہماری دنیا ہی مختلف ہے۔زندگی میں ہمیں ان سے مربوط کرنے والی کوئی چیز بھی تو دکھائی نہیں دیتی۔ہمارے نام،ہماری غذا ،ہمارا لباس ،یہ سب اُن سے مختلف ہیں،ہماری معاشی زندگی ،ہمارے تعلیمی تصورات ،حیوانات کے ساتھ طرزِعمل ہر نقطہ پر کار میں ہم ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں۔"

(ماخوذ از مقالہ ڈاکٹر عبدالغنی فاروق۔اسلام کا سفیر۔از محمد متین خالد ص 367)

25،جنوری 1948ء کو یوم میلاد النبی ﷺ کے موقع پر کراچی بار ایسوسی ایشن کے زیر انتظام ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے نوزائیدہ مملکت کے اسلامی آئین کے خدوخال واضح کرتے ہوئے فرمایا

"پاکستان کا آئین شریعت اسلامی کے اصولوں پر مبنی ہوگا۔یہاں کچھ لوگ ایسے بھی پائے جاتے ہیں جو دیدہ دانستہ شرارت اور الجھاؤ پیدا کرنے کی خاطر کہتے ہیں اور یہ پروپیگنڈہ کئے جارہے ہیں کہ پاکستان کا آئین مبنی بر شریعت نہیں ہوگا۔اسلامی اصول آج بھی زندگی میں اتنے ہی قابل اطلاق ہیں جتنے تیرہ سو سال قبل تھے۔آیئے ہم پاکستان کا آئندہ دستور و آئین بنائیں اور پھر دنیا کو دکھا دیں کہ لیجئے یہ اسلامی آئین بن گیا۔"

(مضمون۔کیا قائداعظم سیکولر تھے۔پروفیسر مرزا محمد منور،کتاب اسلام کا سفیر)

قائداعظم محمد علی جناح کے مندرجہ بالا بیان سے واضح ہے کہ اُس دور میں بھی ایسے لوگ موجود تھے جو پاکستان میں اسلامی آئین کے بننے اور اس کے نفاذ کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کر رہے تھے اور بابائے قوم اُن کے مذموم عزائم اور ناپاک سازشوں سے بخوبی آگاہ تھے۔ پاکستان کے اسلامی آئین کی تشکیل میں رکاوٹ اور اس کے نفاذ کی راہ میں شکوک وشبہات پیدا کرنے والے لوگ کوئی اور نہیں قادیانی تھے۔جن کو یہ پریشانی لاحق تھی کہ اگر اسلامی دستور بن

گیا اور ملک میں نافذ ہو گیا تو جس جعل ساز جھوٹی نبوت سے وہ وابستہ ہیں اس کا کیا بنے گا۔

حقائق و قرائین سے اندازہ ہوتا ہے کہ قائد اعظمؒ کس حد تک قادیانیوں کی اسلام اور پاکستان دشمن سازشوں سے آگاہ تھے۔ مشہور صحافی جناب نیر زیدی (روزنامہ جنگ) لکھتے ہیں کہ جب کشمیر سے واپسی پر قائد اعظمؒ سے سوال پوچھا گیا کہ

> ''آپ کی قادیانیوں کے بارے میں کیا رائے ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ''میری رائے وہی ہے جو علماء کرام اور پوری اُمت کی ہے'' قائد اعظمؒ کے اس ارشاد سے واضح ہوتا ہے کہ آپ پوری اُمت کی طرح قادیانیوں کو کافر سمجھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ قادیانیوں نے آپ کا جنازہ پڑھنے سے انکار کیا اور آپ کی حکومت کو کافر کہا تھا۔'' (اسلام کا سفیر۔ص 387)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیا عوامل تھے جن کی وجہ سے قائد اعظم محمد علی جناح نے قادیانیوں کے عقائد اور اُن کے مذموم مقاصد سے واقف ہونے کے باوجود چوہدری ظفر اللہ قادیانی کو پاکستان جیسے اسلامی ملک کا وزیر خارجہ بنانا منظور کیا۔ آیئے دیکھتے ہیں۔

ظفر اللہ قادیانی کی بطور وزیر خارجہ نامزدگی

ظفر اللہ قادیانی کے بطور وزیر خارجہ نامزدگی کے حوالے سے مندرجہ ذیل حوالے قابل توجہ ہیں۔ قائد اعظم محمد علی جناح کی خواہش تھی کہ حسین شہید سہروردی پاکستان کی نوزائیدہ مرکزی حکومت میں وزارت خارجہ کا قلمدان سنبھال لیں۔ لیکن حسین شہید سہروردی نے قائد اعظمؒ کی یہ پیش کش یہ کہہ کر ٹھکرا دی کہ وہ ان مسلمانوں کی مدد میں مصروف ہیں جو آزادی کے فوراً بعد بھڑک اٹھنے والے غیر متوقع فسادات میں پھنس گئے ہیں۔ درحقیقت حسین شہید سہروردی خواجہ ناظم الدین کے مشرقی پاکستان کے وزیر اعلیٰ مقرر کئے جانے سے ناراض تھے اور اسی وجہ سے انہوں نے قائد اعظمؒ کی یہ پیش کش رد کر دی تھی۔

ڈاکٹر صفدر محمود کے مطابق ''بانی پاکستان کو برصغیر کے مسلمانوں کی آزادی کی خاطر بعض ناگوار معاہدات اور شرائط پر مجبوراً دستخط کرنا پڑے۔ آپ کے پاس وقت کم تھا اور کام زیادہ

تھا۔انہوں نے غلامی پر لولے لنگڑے پاکستان کو ترجیح دی۔اُن کے نزدیک پروانہ خود مختاری مل جانا ہی محرومیوں کا مداوا تھا۔اسلیئے کہ قائداعظم محمد علی جناح جان چکے تھے کہ

"اُن کی جیب میں کھوٹے سکے ہیں"۔بتایا جاتا ہے کہ انگریز وائسرائے نے ظفر اللہ قادیانی کی تقرری پر بہت زیادہ اصرار کیا تھا اور دھمکی دی تھی کہ جب تک یہ اعلان نہیں کیا جاتا۔اختیارات کی منتقلی نہ ہو سکے گی ....ان ہی مسائل کے سبب قائداعظمؒ نے چوہدری ظفر اللہ خان قادیانی کے علاوہ جنرل سر ڈگلس گریسی کو پاکستان کی فوج کا کمانڈر انچیف اور سردار جوگندر ناتھ منڈل کو پاکستان کا پہلا وزیر قانون مقرر کیا تھا۔"

(پاکستان کی پہلی کابینہ۔پاکستان کیوں ٹوٹا)

سر محمد اسماعیل کا کہنا ہے کہ "ولنگڈن کی وائسرائے کے دوران جب ظفر اللہ ایگزیکٹو کونسل کا ممبر تھا۔مسٹر جناح کو سیاسی میدان میں اُن کی واضح اہمیت کے باوجود گول میز کانفرنسوں کے آخری مراحل میں انہیں دانستہ طور پر باہر رکھا جاتا تھا۔اس کے باوجود قائداعظمؒ نے پاکستان کے پہلے خارجہ امور کا قلمدان اُس کے حوالے کر دیا۔یہ واقعہ اس بات کو ثابت کرنے کیلیے کافی ہے کہ قائداعظمؒ کتنے عالی ظرف تھے۔"

(میری عوامی زندگی۔ص100)

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ظفر اللہ قادیانی کی تعیناتی کیلیے قائداعظمؒ اس لیے مجبور تھے کہ وہ انگریزوں کے بہت قریب تھا اور اُس وقت ملک کو کسی ایسے شخص کی ضرورت تھی۔جس کی رسائی ہو اور جو معاملات کو با آسانی حل کر سکے۔ایک رائے یہ بھی ہے کہ قائداعظمؒ اقلیتوں کو بھی پاکستان کی خدمت کا موقع دینا چاہتے تھے اور آپ اس اَمر کے قائل تھے کہ سب پاکستانیوں کو پاکستان میں عدل میسر آنا چاہیے تا آنکہ وہ لوگ پاکستان سے اتنی محبت کریں کہ انہیں احساس تک نہ ہو کہ ہندو یا غیر مسلم ہونے کے باعث اُن سے کوئی زیادتی ہوئی ہے۔گویا وہ وقت بھی آئے کہ وہ پاکستانی

کہلا کر فخر محسوس کریں۔ مگر جس طرح جوگندر ناتھ منڈل نے وفا نہ کی۔ اُسی طرح ظفر اللہ قادیانی نے بھی پاکستان کی خدمت پر بنو مسیلمہ کی خدمت وتقویت کو ترجیح دی۔

بہر حال حقائق خواہ کچھ بھی ہوں لیکن ظفر اللہ قادیانی کی بطور وزیر خارجہ نامزدگی کے حوالے سے قائداعظم محمد علی جناح جیسی عظیم اور مخلص شخصیت تمام شکوک وشبہات سے بالاتر ہے اور اِس کا ثبوت آپ کا اخلاص، جذبہ خیر خواہی اور مسلمانان برصغیر کے روشن مستقبل کی خاطر بے مثال عملی جدوجہد ہے۔ قائداعظمؒ کی زندگی میں قادیانی گروہ کو کھل کر اپنا کھیل کھیلنے کا موقع نہیں ملا۔ حقائق بتاتے ہیں کہ قائداعظمؒ قادیانی وزیر خارجہ ظفر اللہ کے مشکوک اور خطرناک ملک دشمن عزائم سے آگاہ ہو چکے تھے اور آپ نے اِس بات کا اظہار راجہ صاحب محمود آباد سے **1948**ء میں کراچی آمد کے موقع پر بھی کیا تھا'' کہ میں اِس پر کڑی نظر رکھے ہوئے ہوں اور مناسب وقت کا انتظار کر رہا ہوں'' آپ نے یہ ہدایت بھی جاری کی کہ خارجہ حکمت عملی کے وہ پہلو جو پالیسی سے متعلق ہوں۔ انہیں یا تو احکامات کیلئے اُن کو بھیجا جائے یا پھر وزیر اعظم لیاقت علی خان کو بھجوائے جائیں۔ مگر درحقیقت یہ فیصلہ کرنا وزیر خارجہ کا کام تھا کہ کون سا معاملہ خارجہ پالیسی سے متعلق ہے اور کون سا روزمرہ کا معمول ہے۔ ان تمام اقدامات کے باوجود شومئ قسمت کہ فرشتہ قضاء نے قائداعظمؒ کو مہلت نہ دی۔

قائداعظمؒ کے انتقال پر ظفر اللہ اور قادیانیوں کا شرمناک طرزِ عمل

سر محمد اسماعیل کی بات کو اگر درست مان لیا جائے کہ قائداعظمؒ نے ظفر اللہ کو اسکے معاندانہ طرزِ عمل کے باوجود وزیر خارجہ نامزد کر کے اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کیا۔ تو ہونا یہ چاہیے تھا ظفر اللہ قادیانی شرمندگی اور ندامت محسوس کر کے آئندہ زندگی میں اپنے محسن کا احسان مند رہتا اور کوئی ایسا کام نہ کرتا جو احسان فراموشی کے دائرے میں آتا۔ لیکن کیا کیا جائے کہ قادیانی خمیر میں ہی احسان فراموشی اور ملت فروشی کے عنصر موجود ہیں۔ افسوس کہ جس وقت قائداعظم محمد علی جناح کے انتقال کے جانکاہ صدمے پر پوری پاکستانی قوم افسردہ اور مغموم تھی اور اپنے آپ کو یتیم محسوس کر

رہی تھی۔قادیانیوں کا رویہ اس المناک سانحہ پر انتہائی شرمناک اور توہین آمیز تھا۔پوری قوم نے دیکھا کہ پاکستان کے وزیر خارجہ ظفر اللہ قادیانی نے قائداعظم محمد علی جناح کی نماز جنازہ پڑھنا پسند نہیں کی اور اِس دوران وہ غیر ملکی سفیروں کے ساتھ ایک طرف الگ بیٹھا رہا۔جب لوگوں نے اُس سے اِس اقدام کی وجہ جاننا چاہی تو اُس نے کمال ڈھٹائی سے جواب دیا کہ "تمام دنیا جانتی ہے کہ قائداعظمؒ احمدی نہ تھے۔لہٰذا جماعت احمدیہ کے کسی فرد کا جنازہ نہ پڑھنا کوئی قابل اعتراض بات نہیں" ایک موقع پر جب چوہدری ظفر اللہ سے یہی سوال کیا گیا کہ قائداعظمؒ کے نماز جنازہ میں شامل نہ ہونے کی کیا وجہ تھی۔تو اُس نے جواباً کہا کہ "آپ مجھے مسلمان حکومت کا ایک کافر یا ایک کافر حکومت کا ایک مسلمان ملازم خیال کریں۔"

(قادیانی عقائد و عزائم ص 24)

قادیانی اخبار الفضل مورخہ 28، اکتوبر 1952 کی اشاعت میں ظفر اللہ قادیانی کے اِس اقدام کی تائید میں یہ دلیل دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ

> "کیا یہ حقیقت نہیں کہ ابو طالب بھی قائداعظمؒ کی طرح مسلمانوں کے بہت بڑے محسن تھے۔مگر مسلمانوں نے آپ کا جنازہ پڑھا اور نہ رسول ﷺ نے" دراصل چوہدری ظفر اللہ قادیانی سمیت پوری قادیانی ذرّیت کا یہ عقیدہ کہ "ہمارا یہ فرض ہے کہ غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں اور نہ اُن کے پیچھے نماز پڑھیں۔کیونکہ ہمارے نزدیک وہ خدا کے ایک نبی کے منکر ہیں........ غیر احمدی مسلمانوں کا جنازہ پڑھنا ناجائز حتیٰ کہ غیر احمدی معصوم بچے کا بھی جائز نہیں"

(انوار خلافت۔ص 90-93)

"قائداعظمؒ بے وقوف تھے" ظفر اللہ قادیانی کی ہرزہ سرائی

قائداعظم محمد علی جناح برصغیر کے مسلمانوں کے ایسے عظیم لیڈر ہیں جن کی فہم و فراست، حکمت و دانائی، جرأت و دانشمندی، اور رہنمائی پر پوری قوم اندھا اعتماد کرتی تھی۔ یہاں یہ اَمر

دلچسپی سے خالی نہیں کہ قائداعظم محمد علی جناح پوری تاریخ میں مسلمانوں کے ایسے رہنماء ہیں جو صحیح طور سے اردو بھی نہیں بول پاتے تھے۔انہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ برصغیر سے باہر گزارا تھا۔لیکن اِس کے باوجود برصغیر کے مسلمان قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت پر غیر متزلزل یقین رکھتے تھے اور وہ آپ ہی کو اپنا نجات دہندہ خیال کرتے تھے۔انہیں یقین تھا کہ قائداعظم محمد علی جناح ہی وہ شخص ہیں۔جنکی رہنمائی میں مسلمان پروانہ آزادی حاصل کرسکتے ہیں۔برصغیر پاک وہند میں قوم کا یہ اعتبار اور اعتماد آپ سے پہلے کسی رہنماء کو نہیں ملا۔مسلمانوں کے ایسے عظیم محسن کے بارے کوئی بھی محب وطن پاکستانی توہین آمیز الفاظ کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔

بھارت کے مشہور اخبار ''ہندوستان ٹائمز'' میں بھارت کے سابق کمشنر سری پرکاش کی قسط وار سوانح عمری چھپی۔جس میں اُس نے پاکستان کے سابق وزیر خارجہ اور عالمی عدالت کے جج چوہدری ظفر اللہ قادیانی کے بارے میں لکھا

> ''1947ء میں انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کو بے وقوف قرار دیا اور کہا تھا کہ اگر پاکستان بن گیا تو اِس سے ہندوؤں سے زیادہ مسلمانوں کو نقصان پہنچے گا۔مسٹر سری پرکاش مزید لکھتے ہیں کہ'' کچھ عرصہ کے بعد جب کراچی میں ظفر اللہ سے ملاقات ہوئی اور میں نے اُن سے پوچھا کہ اب قائداعظمؒ اور پاکستان کے بارے میں کیا خیال ہے۔تو انہوں نے کہا میرا جواب اب بھی وہی ہے جو پہلے دن تھا۔''

(اداریہ، روزنامہ مشرق لاہور۔15، فروری 1964ئ)

تنخواہ قومی خزانے سے، نوکری جماعت احمدیہ کی

ظفر اللہ قادیانی پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ بنا۔اس نے پاکستان جیسی اسلامی ریاست کے بنیادی نقطہ نظر سے ہٹ کر اپنے غیر ملکی آقاؤں کے حکم اور اپنی جماعت کے زاویہ نگاہ کے مطابق پاکستان کی خارجہ پالیسی بنائی۔چوہدری ظفر اللہ قادیانی کے کردار اور اُس کے دور میں وزارت خارجہ کی کارکردگی کا جائزہ لینے سے مندرجہ ذیل باتیں سامنے آتی ہیں۔

☆چوہدری ظفر اللہ قادیانی اپنے دور وزارت میں پارلیمنٹ میں آنے سے گریز کرتا تھا اور زیادہ تر وقت پاکستان سے باہر گزارتا تھا۔

☆چوہدری ظفر اللہ قادیانی کے دور وزارت میں وزارت خارجہ سے محب وطن افراد کو نکال کر قادیانی افراد کو وسیع پیانے پر بھرتی کیا گیا۔

☆پاکستان کی خارجہ پالیسی پاکستان کے مفاد اور نقطہ نظر کے بجائے قادیانی جماعت کے مفاد اور تحفظ کو مدنظر رکھ کر بنائی گئی۔

☆ غیر ممالک میں پاکستان کے وزارت خارجہ کے دفاتر کو قادیانیت کی تبلیغ اور جاسوسی کے اڈوں میں تبدیل کیا گیا۔

☆مسلم عرب ممالک سے رشتہ اخوت مستحکم کرنے کے بجائے انہیں پاکستان سے بدظن کیا گیا اور پاکستان سے دور کرنے کی پالیسی اختیار کرنے کے ساتھ عربوں کی جاسوسی کیلئے مختلف ممالک میں قادیانی سیل قائم کیے گئے۔

☆پاکستان کے ہمسایہ اسلامی ممالک سے جان بوجھ کر تعلقات کشیدہ کیے گئے۔

☆مسئلہ کشمیر کو جان بوجھ کر خراب کیا گیا تاکہ اس مسئلے کا کوئی پائیدار حل تلاش نہ کیا جاسکے۔

☆چوہدری ظفر اللہ قادیانی پاکستان کے وزیر خارجہ کی حیثیت سے تنخواہ پاکستان کے قومی خزانے سے لیتا تھا۔لیکن کام وہ اپنی قادیانی جماعت کیلئے کرتا تھا۔

پاکستانی سفارت خانے تبلیغ مرزائیت کے اڈے

مندرجہ بالا حالات کو دیکھتے ہوئے پاکستان کے نامور صحافی حمید نظامی مرحوم نے اپنے ایک غیر ملکی دورے سے واپسی پر نوائے وقت کے ایک اداریئے میں لکھا تھا کہ ''بیرون ممالک میں پاکستان کے سفارت خانے تبلیغ مرزائیت کے اڈے اور انکے جماعتی دفاتر معلوم ہوتے ہیں'' 7،اگست 1962ء کو ایشیاء لاہور میں ایک محب وطن پاکستانی عبدالرحمن شاہ ولی کا ایک مکتوب شائع ہوا جس میں وہ لکھتے ہیں کہ

''مجھے کچھ عرصہ قبل بغداد کے اندر پاکستانی سفارت خانے جانے کا اتفاق

ہوا۔ وہاں یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا کہ لاہوری قادیانیوں کے تبلیغی رسالے سرکاری ٹیبل پر نہ صرف موجود ہیں۔ بلکہ اُن کو سرکاری لٹریچر سے بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے اور قادیانیت ہی کو پاکستان کا سرکاری مذہب سمجھا جاتا ہے .... پھر یہ صرف بغداد تک محدود نہیں۔ بلکہ جس سفارت خانے میں قادیانیوں کو ملازمت مل جاتی ہے۔ وہ سفارت خانے کو قادیانیت کی تبلیغ کیلئے استعمال کرتے ہیں' چوہدری ظفر اللہ قادیانی کے دور میں ناقص پالیسی کے باعث ہمیں سیاسی، اقتصادی، اور ثقافتی طور پر ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ چونکہ قادیانی جماعت احمدیہ برطانیہ کی خودکاشتہ اور امریکہ کی لے پالک تھی۔ اسلئے اُس نے پاکستان کو یورپی ممالک کا دست نگر اور امریکہ کا اقتصادی بھکاری بنادیا۔ اقوام متحدہ میں سب سے زیادہ تعداد اسلامی ممالک کی تھی جب کہ پاکستان اسلامی ممالک کی سب سے بڑی مملکت تھا۔ اسلامی ممالک کے سرخیل ہونے کی حیثیت سے پاکستان کو اسلامی بلاک کی تشکیل و تنظیم کے سلسلے میں بھرپور کردار ادا کرنا چاہیے تھا۔ لیکن چوہدری ظفر اللہ قادیانی نے پاکستان کے وزیر خارجہ کی حیثیت سے اسلامی ممالک کے ساتھ گہرے مراسم، مسلسل روابط، اور روایتی گرم جوشی کے برعکس سرد مہری کا رویہ اختیار کئے رکھا اور انہی ممالک سے تعلقات استوار کئے جو امریکہ و برطانیہ کے حاشیہ بردار تھے۔ واضح رہے کہ پاکستان اور افغانستان کے درمیان تعلقات میں کشیدگی کا سب سے پہلا اور اہم سبب بھی چوہدری ظفر اللہ قادیانی ہی تھا۔"

چوہدری ظفر اللہ قادیانی کی انہی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ 40 ممالک میں قادیانیوں کے 132 مشن اور 57 مدارس کام کر رہے تھے اور مختلف ممالک میں قادیانیوں کے 22 اخبارات و رسائل بھی نکل رہے تھے۔"

(المنبر لاہور 14، جولائی 1967ئ)

ظفر اللہ قادیانی کی خارجہ پالیسی اخبارات کی نظر میں

وزیر خارجہ چوہدری ظفر اللہ قادیانی کی خارجہ پالیسی پر تبصرہ کرتے ہوئے روزنامہ امروز لکھتا ہے

''پارلیمنٹری طرز حکومت میں غالباً یہ بات انوکھی ہے کہ پاکستانی پارلیمنٹ کے اراکین کو تین سال تک وزیر خارجہ کے خیالات سننے اور انکی موجودگی میں خارجہ حکمت عملی پر بحث کرنے کا شرف حاصل نہ ہوسکا، نائب یا قائم مقام وزیر خارجہ اُن کی طرف سے وکالت کرتے رہے اور خود وزیر خارجہ یورپ یا امریکہ میں مقیم رہے۔''

(روزنامہ امروز مورخہ 30، مارچ 1952ئ)

''خارجہ پالیسی کے مسئلے پر ہم ایک سے زائد بار توجہ دلا چکے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی معین خارجہ پالیسی ترتیب ہی نہیں دی گئی۔ حالانکہ جب کوئی پالیسی ناکام ہوتی ہے تو فوراً اس پر نظر ثانی کی جاتی ہے۔ لیکن ہمارے یہاں مسلسل ناکامی کے باوجود اسی پالیسی پر عمل ہو رہا ہے اور طرفہ تماشہ یہ کہ جب اس پر نکتہ چینی کی جائے تو اس کے جواز میں نئے نئے استدلال پیش کیے جاتے ہیں۔''

(روزنامہ احسان لاہور۔ 4، اپریل 1952ئ)

''جس طرح ہمارے غیر ملکی سفارت خانے ہمارے ملک کے حق میں آج تک کوئی مفید خدمات انجام نہیں دے سکے ہیں۔ اسی طرح ہماری وزارت خارجہ بھی اپنی پالیسی میں ہر جگہ بری طرح ناکام ثابت ہوئی ہے اور اس کی ناکامی ہمیں کشمیر کی صورت میں بھگتنا پڑ رہی ہے۔ ہماری

وزارت خارجہ کے کمزور پہلوؤں سے آج ایک دنیا واقف ہو چکی ہے اور اس طرح ہمارا وقار بھی مجروح ہو چکا ہے۔ جو ایک قوم کا متاع حیات ہوتا ہے۔"

(پندرہ روزہ عزم، بغداد الجدید۔25، مارچ 1952ئ، سازشوں کا دیباچہ)

قادیانی عسکری تنظیم فرقان بٹالین اور جنگ کشمیر

قیام پاکستان کے ساتھ ہی بھارت نے پاکستان کو کمزور کرنے اور دبانے کیلئے پاکستان دشمن مختلف پالیسیوں پر عمل درآمد کرنا شروع کر دیا۔اس پالیسی کا ایک حصہ 1948ء میں بھارت کی جانب سے جنگ کشمیر بھی تھی۔ اس وقت پاکستان کی مسلح افواج کے کمانڈر جنرل ڈگلس گریسی تھے۔

1948ء کی کشمیر جنگ میں قائداعظم محمد علی جناح جنرل گریسی کی کارگزاریوں اور من مانی پالیسیوں کی وجہ سے سخت نالاں تھے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ قائداعظمؒ کے حکم کے باوجود جنرل گریسی کشمیر کی جنگ میں پاکستان کی مسلح افواج کو شریک کرنے کے حق میں نہ تھے۔ پیپلز پارٹی کے دور میں وفاقی وزیر تعلیم سید غلام مصطفی شاہ نے ایک سیمنار سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ

"اگر قیام پاکستان کے وقت کمانڈر انچیف جنرل گریسی قائداعظم کا حکم مان لیتا تو آج کشمیر کی تاریخ مختلف ہوتی۔"

(روزنامہ جنگ لاہور۔24، دسمبر 1989ئ)

جنرل گریسی بھی برطانوی سامراج کی طرح قادیانیوں کیلئے نرم گوشہ رکھتا تھا۔ کشمیر کے محاذ پر جب جنگ کا آغاز ہوا۔ تو قادیانی جماعت نے اپنی عسکری تنظیم "فرقان بٹالین" کو جنرل گریسی کی مدد کیلئے کشمیر کے محاذ پر بھیجا۔ فرقان بٹالین کا قیام جون 1948ء میں مرزا محمود قادیانی کی ہدایت پر عمل میں لایا گیا تھا۔ کسی ملک کی مسلح افواج کی موجودگی میں سویلین

فورس کو اپنے ساتھ میدان جنگ میں خدمات انجام دینے کی پیشکش اپنی نوعیت کی انوکھی مثال تھی اور پھر ایسی جماعت کی عسکری تنظیم کا میدان جنگ میں جانا جو "عقیدہ جہاد" پر اعتقاد ہی نہ رکھتی ہو۔ بڑی مضحکہ خیز، حیران کن اور توجہ طلب بات تھی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سب جنرل گریسی اور قادیانی جماعت کے گٹھ جوڑ کا نتیجہ تھا۔ جنرل گریسی نے فرقان بٹالین کی خدمات اس لیے مستعار لیں کہ وہ ان کے ذریعے اہم اور خفیہ معلومات ہندوستانی فوج کے سربراہ کمانڈر انچیف جنرل سر آکن تک پہنچاتا تھا۔ دراصل فرقان بٹالین ایک جاسوسی فوج تھی۔

فرقان بٹالین کی کارگزاری کی تفصیل جناب سردار آفتاب احمد سیکرٹری جموں و کشمیر کانفرنس کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے۔

> "اس فرقان بٹالین نے جو کچھ کیا اور ہندوستان کی جو خدمات سرانجام دیں۔ مسلم مجاہدین کا انہوں نے جس طرح سودا چکایا۔ اگر اس پر خون کے آنسو بھی بہائے جائیں تو کم ہے۔ جو اسکیم بنتی ہندوستان پہنچ جاتی۔ جہاں مجاہدین مورچہ بناتے۔ دشمن کو پتہ چل جاتا۔ جہاں مجاہدین ٹھکانہ کرتے۔ ہندوستان کے ہوائی جہاز پہنچ جاتے"

(قادیانیت کا سیاسی تجزیہ۔ ص 806)

فرقان بٹالین نے کشمیر کے محاذ پر جو گل کھلائے اُس کی تفصیلات جب منظر عام پر آئیں تو حکومت اور فوجی افسروں میں سراسیمگی پھیل گئی۔ چنانچہ جنرل گریسی نے فرقان بٹالین کی قلعی کھل جانے کے بعد اُس کا بھرم رکھنے اور قادیانیوں کا وقار بحال کرنے کیلئے 17، جون 1950ء کو فوری طور پر فرقان بٹالین کو ختم کرنے کا اعلان کر کے سازش پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی۔

اس خود ساختہ عسکری فورس کے بارے میں جسٹس منیر اپنی رپورٹ میں لکھتا ہے کہ

"احمدی ایک متحد و منظم جماعت ہے۔ ان کا صدر مقام ایک خالص احمدی

قصبے میں واقع ہے۔ جہاں ایک مرکزی تنظیم قائم ہے۔ جس کے مختلف شعبے ہیں۔ مثلاً شعبہ امور خارجہ، شعبہ امور داخلہ، شعبہ امور عامہ، اور شعبہ نشرواشاعت یعنی وہ شعبے جو باقاعدہ سیکرٹریٹ میں ہوتے ہیں۔ وہ سب یہاں موجود ہیں۔ ان کے پاس رضا کاروں کا ایک جیش بھی ہے۔ جس کو ''خدام دین'' (قادیانی جماعت کی نوجوانوں کی اس تنظیم کا نام ''خدام الاحمدیہ'' ہے) کہتے ہیں۔ فرقان بٹالین اسی جیش سے مرکب ہے۔ یہ خالص احمدی بٹالین ہے۔ جو کشمیر میں خدمت انجام دے چکی ہے۔''

(منیر انکوائری رپورٹ ص 211)

مسئلہ کشمیر اور ظفر اللہ قادیانی

چوہدری ظفر اللہ قادیانی کے دور میں غیر معیاری خارجہ پالیسی۔ ان کے غیر ملکی آقاؤں کی حکمت عملی اور ان کی ہدایت پر مسئلہ کشمیر کے موثر حل کیلئے کوئی مثبت، معقول یا مربوط لائحہ عمل مرتب نہ کیا گیا۔ قیام پاکستان کے بعد اولین دور میں مسئلہ کشمیر اہمیت کے اعتبار سے بڑا توجہ طلب مسئلہ تھا۔ اگر کشمیر کے مسئلہ پر خصوصی توجہ دی جاتی تو یقیناً مسئلہ کشمیر حل ہو جاتا۔ لیکن قادیانی چاہتے ہی نہیں تھے کہ مسئلہ کشمیر حل ہو یا ایسے حالات پیدا ہوں کہ اسکے حل ہونے کا کچھ امکان نظر آئے۔ اس بات کی تائید جناب آفتاب احمد صاحب سیکرٹری جموں و کشمیر کانفرنس کے اس بیان سے ہوتی ہے۔ کہ ''مرزائی 30 سال سے آزاد کشمیر کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں''

(ملت اسلامیہ کا موقف۔ ص 195)

اس بات پر مشہور اخبار ''زمیندار'' اپنے اداریے میں مزید روشنی ڈالتا ہے۔
''ہمارے نزدیک اگر پاکستان کشمیر کے مسئلے کو پر امن ذرائع سے حل کرنے کا متمنی ہے۔ تو اسے اپنی خارجہ پالیسی پر نظر ثانی کرنا پڑے گی۔ لیکن پاکستان کی خارجہ پالیسی پر اُس وقت تک نظر ثانی نہیں ہوسکتی

جب تک چوہدری ظفر اللہ خان کو موجودہ عہدے سے سبکدوش نہیں کیا جاتا۔"

(زمیندار 31، مارچ 1955ء، قادیانیت کا سیاسی محاسبہ)

یہ ظفر اللہ قادیانی کی ناقص خارجہ پالیسی کا نتیجہ تھا کہ کشمیر کے مسئلے پر پاکستان اور بھارت 1948ء اور 1965ء میں ایکدوسرے کے مدمقابل آئے اور دو بے معنی جنگیں ہوئیں۔ جس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوسکا۔ ان جنگوں کا اصل مقصد پاکستان کو اقتصادی طور پر مشکلات میں مبتلا کرنا اور اسکی بنیادوں کو کمزور کرنا تھا۔ تاکہ پاکستان صحیح معنوں میں اسلام کا قلعہ اور دین کا گہوارہ نہ بن سکے۔ اس سازش میں مرکزی کردار قادیانی جماعت نے ادا کیا اور اس کی منصوبہ بندی مرزا محمود اور ظفر اللہ قادیانی نے کی تھی۔

یہ پاکستان کی بدقسمتی اور قومی وملی تاریخ کا سب سے بڑا المیہ ہے۔ کہ مسئلہ کشمیر جو کہ پاکستان کیلئے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ اِس اہم مسئلے کیلئے سیکورٹی کونسل میں وکیل ہمارا نظریاتی دشمن چوہدری ظفر اللہ قادیانی تھا۔ اس نے جان بوجھ کر سیکورٹی کونسل کے اجلاسوں میں اس مسئلے کی اہمیت کو گھٹانے اور مسئلہ کشمیر پر پاکستان کے موقف کو کمزور کرنے کیلئے طویل، پر پیچ اور بے مقصد و بے معنی تقریریں کرکے اسے پیچیدہ تر کرنے کی کوششیں کیں اور اس مقصد میں وہ کامیاب بھی رہا۔ ظفر اللہ قادیانی کی غیر معمولی طور پر طویل تقاریر نے معاملے کو اور بھی الجھا دیا اور ان بے مقصد، طویل تقاریر کا اثر یہ ہوا کہ شرکاء اجلاس یا تو دوران تقریر سو گئے یا اجلاس سے اٹھ کر چلے گئے۔ پاکستان ہندوستان کے ساتھ لفاظی کی جنگی دلدل میں پھنس گیا۔ جس سے اصل مقصد یعنی رائے شماری کیلئے ایک ایڈمنسٹریٹر کا قیام نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

میاں افتخار الدین بزرگ مسلم لیگی رہنماء نے 5، اکتوبر 1950ء کو پاکستان کی آئینی اسمبلی میں اپنی تقریر کے دوران مسئلہ کشمیر کے حوالے سے ظفر اللہ قادیانی کے کردار پر بڑے واضح اور متاثر کن انداز میں تنقید کرتے ہوئے کہا

"کیا ہمیں یہ صاف نظر نہیں آتا کہ ان (برطانوی اور امریکی سامراجیوں)

کا مفاد اس میں ہے کہ وہ مشرق کے لوگوں پر اپنا تسلط قائم رکھیں۔ جن پر وہ پرانے طریقوں سے حکومت نہیں کر سکتے۔ ان پر اب وہ بالواسطہ طور پر اپنے آلہ کاروں کے ذریعے حکومت کریں گے اور ہم نے اپنے آپ کو دانستہ یا غیر دانستہ طور پر جھکا دیا ہے اور ہماری حکومت نے دانستہ یا غیر دانستہ طور پر اپنے آپ کو ان کا آلہ کار ثابت کرتے ہوئے جھکا دیا ہے۔ یہ ہی وہ کردار ہے جو ہم نے اس مسئلہ پر ادا کیا ہے۔ جناب آپ اس آدمی (ظفر اللہ) کے بارے میں سوچیں۔ جس کی میں بات کر رہا ہوں اور میں کسی فرد کی مخالفت نہیں کر رہا اور جب تک حکومت کی حکمت عملی یہ رہے گی۔ جواب تک رہی ہے تو بظاہر بہترین آدمی (اقوام متحدہ) جائے گا اور اپنی ناکامی ظاہر کرے گا۔ مگر یہ تو پاکستانی حکومت کی شدت، نیت، اور ذہنیت کا علامتی اظہار ہوگا۔ میرا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ظفر اللہ تیس چالیس سالہ تجربے کا مالک اور ایک قابل وکیل تو ہو سکتا ہے اور برطانوی راج پر یقین کامل رکھنے والا ہو سکتا ہے اور ”شاہ سے زیادہ شاہ کا وفادار“ ہو سکتا ہے۔ جس نے ان تیس سالوں کے دوران ایک لمحے کیلئے بھی یہ نہیں سوچا کہ وہ آئے اور ملک کی آزادی کا سوال پیش کرے۔ اس نے ساری زندگی برطانوی حکومت کی خدمت کی ہے۔ اگر اسے رقم مل جائے تو یہ بھاولپور، بھوپال یا حکومت ہند کی خاطر بول سکتا ہے اور ہندوستانی حکومت کے نمائندے کے طور پر پیش ہو سکتا ہے۔ اگر اسے ادائیگی کی جائے اور اس طرح اس نے چین میں جا کر کیا اور اس طرح اس نے حکومت پاکستان کی نمائندگی کی جس کیلئے اسے ادائیگی ہوئی۔ اگر حکومت اسے رقم دے تو یہ متحدہ ہندوستانی حکومت کی نمائندگی بھی کر دے گا۔ اگر خدانخواستہ کل پاکستان انڈین یونین بن جائے تو اسے صرف رقم کی ضرورت ہے۔ اس

شخص کو ہم نے اپنے مفادات کے تحفظ کیلئے بھجوایا ہے کہ یہ بہترین وکیل ہے جو ہمیں میسر آسکتا تھا۔ اس وکیل نے باؤنڈری کمیشن میں سرحدی مسئلے پر ہماری وکالت کی اور ہم سب جانتے ہیں کہ ریڈ کلف نے ہمیں کیا دیا؟ یہی وکیل قابل نفرت یونینسٹوں کا فکری رہنما تھا۔ جو سب سے زیادہ تنگ نظر اور رجعت پسند عناصر تھے۔ برصغیر کی آج تک سیاست کی بدصورت ترین پیداوار تھے۔ یہ شخص کشمیر کے عوام کے جذبہ آزادی کو بھی نہیں سمجھ سکتا۔ یہ ان کیلئے نہیں لڑسکتا۔ یہ شخص صرف بال کی کھال تو اتار سکتا ہے۔ مگر کوئی حکمت عملی دینے سے قاصر ہے۔ جناب والا.......... یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ شخص لازمی طور پر برطانوی مفادات کا نگہبان ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ بحث کو طویل کیا جائے۔ تمام معاملات کو طوالت دی جائے تاکہ دونوں پاکستان اور ہندوستان مدد کیلئے برطانیہ اور امریکہ کو پکاریں۔ ہمارا معزز وزیر امریکہ سے زیادہ برطانیہ کا آلہ کار ہے۔ تاہم یہ بات تو سرراہ آگئی۔ بات یہ ہے کہ اس کی حکمت عملی سے ہمیں کشمیر نہیں مل سکتا۔"

(میاں افتخار الدین کی تقاریر و بیانات از عبداللہ ملک ص 266)

دراصل چوہدری ظفر اللہ قادیانی ایک ایسا نااہل، اسلام مخالف اور ملک دشمن انسان تھا۔ جس کی اصل وفاداریاں پاکستان اور حکومت پاکستان کے بجائے اپنی قادیانی جماعت سے وابستہ تھیں۔ وہ پاکستان اور حکومت پاکستان سے زیادہ اپنے قادیانی امام مرزا بشیر الدین محمود کا وفادار تھا اور اپنے امام مرزا بشیر الدین محمود کی ہدایت کے مقابلے میں حکومت پاکستان کے احکام ٹھکرانا اُس کیلئے معمولی بات تھی۔ اس نے ہمیشہ ملکی مفاد پر قادیانی جماعت کے مفاد کو ترجیح دی اور اسی وجہ سے اس کی تمام تر سرگرمیوں، کوششوں، اور کاوشوں کا بنیادی مقصد قادیانیت کا فروغ، استحکام اور پھیلاؤ تھا۔ موصوف کا ایک طرۂ امتیاز یہ بھی تھا کہ پاکستان کے حوالے سے جو

بھی معاملہ اُن کے سپرد ہوا۔ اس میں پاکستان کو ناکامی و نامرادی کا منہ دیکھنا پڑا۔

سابق وزیر بلدیات و بحالیات صوبہ سرحد خان بلال خان نے ایبٹ آباد میں ایک دفعہ تقریر کرتے ہوئے کہا کہ

"پاکستان کی پانچ سالہ تاریخ میں یہ بات نمایاں طور پر نظر آ رہی ہے کہ حکومت کا جو معاملہ ظفر اللہ خان کے سپرد ہوا۔ اس میں حکومت کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ جس کے ساتھ پاکستان کی حیات وابستہ ہے۔ جب تک وزارت خارجہ کے عہدے پر ظفر اللہ خان موجود ہے۔ کشمیر پاکستان کو ہرگز ہرگز نہیں مل سکتا۔"

(آزاد اخبار۔ لاہور 30، جون 1952ئ)

بلوچستان کو "قادیانی ریاست" بنانے کا ناپاک منصوبہ

تقسیم سے قبل قادیانیوں کے نزدیک حیدرآباد دکن وہ مناسب جگہ تھی جہاں وہ اپنی قوت و قار کا مرکز قائم کرنا چاہتے تھے۔ لیکن بعد میں انہوں نے کشمیر پر قبضہ کرنے کے خواب دیکھنے شروع کر دیئے۔ پاکستان بننے کے بعد قادیانیوں نے کشمیر کے ساتھ بلوچستان پر بھی اپنی حکومت قائم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ مرزا بشیر الدین محمود قادیانی نے 23، جولائی 1948ء کو کوئٹہ میں تقریر کرتے ہوئے اس خیال کا اظہار کیا کہ "وہ بلوچستان کو ایک قادیانی صوبہ میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں تا کہ پورے پاکستان پر قبضہ کرنے کیلئے وہ ایک بیس کے طور پر کام آئے"

اس ناپاک منصوبے پر عمل کرنے کیلئے مرزا بشیر الدین محمود نے قادیانیوں کو ہدایت جاری کی کہ

"بلوچستان کی آبادی پانچ یا چھ لاکھ ہے۔ زیادہ آبادی کو احمدی بنانا مشکل ہے۔ لیکن تھوڑے آدمیوں کو احمدی بنانا تو کوئی مشکل نہیں۔ پس جماعت احمدیہ اس طرف توجہ دے تو اس صوبے کو بہت جلد احمدی بنایا جاسکتا

ہے۔ اگر ہم سارے صوبے کو احمدی بنا لیں تو کم از کم ایک صوبہ تو ایسا ہو جائے گا۔ جس کو ہم اپنا صوبہ کہہ سکیں گے۔ پس میں جماعت کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ آپ لوگوں کیلئے یہ عمدہ موقع ہے کہ اس سے فائدہ اٹھائیں اور اسے ضائع نہ ہونے دیں۔ پس تبلیغ کے ذریعے بلوچستان کو اپنا صوبہ بنا لیں تا کہ تاریخ میں اپنا نام رہے۔"

(اخبار الفضل 3، اگست 1945ئ)

5، جولائی 1950ء کو قادیانی خلیفہ مرزا محمود قادیانی نے ایک بار پھر صوبہ بلوچستان کو قادیانی ریاست میں تبدیل کرنے کیلئے قادیانیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "یہی علاقہ جس کے متعلق میں نے کہا تھا بہت چھوٹا سا ہے۔ اگر تم کوشش کرو اور ہمدردی کے جذبات لے کر لوگوں کے پاس جاؤ تو سارا علاقہ احمدی ہو سکتا ہے۔ اس بات پر تین سال گزر گئے۔ لیکن اس کام کے کرنے کی طرف توجہ نہیں کی گئی۔ بے شک کتے بھونکتے رہیں گے قافلہ چلتا رہے گا" ایک اور موقع پر مرزا محمود قادیانی نے اعلان کیا کہ اب بھی صوبہ بلوچستان ہمارے ہاتھ سے نکلا نہیں ہے۔ یہ ہماری شکارگاہ ہوگا۔ دنیا کی ساری قومیں مل کر بھی ہم سے علاقہ نہیں چھین سکتیں۔

پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان کا قتل اور قادیانی

پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان کے قتل کی سازش میں قادیانی وزیر چوہدری ظفر اللہ قادیانی کے ملوث ہونے کے بارے مختلف شواہد ملتے ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ لیاقت علی خان سے کراچی میں علماء کے ایک وفد نے مل کر قادیانیوں کے مذہبی عقائد اور سیاسی عزائم کے بارے میں دستاویزی ثبوت پیش کر کے چوہدری ظفر اللہ قادیانی کو وزارت سے برطرف کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ اس موقع پر لیاقت علی خان کو ان سامراجی گماشتوں کے مکارانہ عزائم سے پہلی بار واقفیت ہوئی۔

"انہیں کشمیر و بلوچستان میں قادیانی ریاست کے قیام کے بارے میں

قادیانی پیشین گوئیوں اور بیانات کا بھی علم ہو چکا تھا۔ اکھنڈ بھارت یا متحدہ ہندوستان کے بارے میں حکمت عملی اور خواہشات کے متعلق شناسائی کے بعد لیاقت علی خان نے ایک خصوصی انٹیلی جنس سیل قائم کرنے کا حکم دیا تا کہ حساس عہدوں پر فائز قادیانیوں کی ایک فہرست تیار کی جاسکے اور اُن کی سرگرمیوں پر نظر رکھی جاسکے۔"

(امپیکٹ انٹرنیشنل برطانیہ، 27، ستمبر 1974ء)

ایک روایت یہ بھی ہے کہ لیاقت علی خان نے قادیانی وزیر چوہدری ظفر اللہ خان کو وزارت خارجہ سے ہٹانے کا فیصلہ کر لیا تھا اور وہ 6، اکتوبر 1951ء کو راولپنڈی کے جلسہ عام میں بھی اہم اعلان کرنے والے تھے۔ لیاقت علی خان کے قتل پر اخبار یروشلم پوسٹ کا تبصرہ قابل توجہ ہے کہ

"قتل کے بعد اتنے آرام سے سیاسی تبدیلیاں ہوئیں اور حالات نے اس انداز سے پلٹا کھایا۔ جیسے کہ متوقع ہنگامی حالت کیلئے پہلے ہی منصوبہ بندی کی جا چکی تھی۔"

(دی امپیکٹ لندن 8۔ تا 21۔ اکتوبر 1982ئ)

لیاقت علی خان کے قتل کی سازش میں دیگر عوامل کے ساتھ ساتھ مرزائیوں کا ملوث ہونا ایک ناقابل تردید حقیقت ہے اور اس کی شہادت جسٹس منیر رپورٹ میں دیئے گئے اِس تراشے سے بھی ملتی ہے۔ جو قادیانی جماعت لاہور کے امیر مسٹر بشیر احمد کی چٹھی سے متعلق ہے۔ جو چیف سیکرٹری کو لکھی تھی جس میں لیاقت علی خان کے قتل کو فرقہ وارانہ قرار دے کر مذہبی عدم رواداری کا نتیجہ بتایا گیا ہے۔

بیگم رعنا لیاقت علی نے اپنے شوہر خان لیاقت علی خان کے قتل میں سابق گورنر جنرل غلام محمد اور مشتاق احمد گورمانی (جو کہ کابینہ میں وزیر تھے) کو ملوث قرار دے کر حکومت سے اس قومی المیےؑ کے حقائق کو منظر عام پر لانے کا مطالبہ کیا۔ لیکن بدقسمتی سے ایسا نہیں ہوا اور اس طیارے کو بھی تباہی سے دوچار ہونا پڑا۔ جس میں اس کیس کا تمام تحقیقاتی مواد موجود تھا۔ اس

حادثے میں تحقیقاتی دستاویزات سمیت اسے تیار کرنے والے بھی ختم ہو گئے۔ اس تلخ حقیقت پر آج پچاس برس گزرنے کے بعد بھی پردہ پڑا ہوا ہے۔ 13، فروری 1982ء کو روزنامہ جنگ میں جناب ممتاز دولتانہ کا ایک انٹرویو چھپا۔ جس میں انہوں نے اس کیس پر تبصرہ کرنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ "میں اس پر تبصرہ کیسے کر سکتا ہوں۔ مجھے جیل جانا ہے۔" یہ کیسا ڈر اور خوف ہے۔ جو قتل کے تیس برس بعد بھی لب کشائی سے روکے ہوئے ہے۔

پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان کا قتل دراصل ایک سوچی سمجھی سازش کا نتیجہ تھا اور یہ قتل پاکستان کے استحکام، سالمیت، اور دفاع کا قتل تھا۔ جس سے پاکستان کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ سازشی عناصر نے جان بوجھ کر اس کیس کو اس قدر پیچیدہ بنا دیا کہ اس قتل کے حقیقی کردار آج تک منظر عام پر نہ آ سکے۔ لیکن اس قتل سے پاکستان پر مندرجہ ذیل اثرات مرتب ہوئے۔

☆ لیاقت علی خان کے قتل کے بعد پاکستان میں شخصی آمریت کی راہ ہموار ہوئی۔

☆ مملکت پاکستان ایک طویل عرصہ تک بنیادی دستور سے محروم رہی۔

☆ لیاقت علی خان کے قتل سے پاکستان مسئلہ کشمیر پر واضح اور ٹھوس موقف اختیار کرنے والی حکومت سے محروم ہو گیا۔

☆ لیاقت علی خان کے بعد برسر اقتدار آنے والوں نے پاکستان کو امریکہ اور برطانیہ کی جھولی میں ڈال کر اقتصادی غلامی کی راہ ہموار کی۔

☆ لیاقت علی خان کے بعد برسر اقتدار آنے والوں نے قادیانیوں کو تحفظ دیا۔

☆ قادیانیوں کا عمل دخل پاکستان کی انتظامی مشینری میں بڑھ گیا اور کلیدی عہدوں پر قادیانی فائز ہو گئے۔

☆ لیاقت علی خان کے قتل کے بعد ہر آنے والی حکومت قادیانیوں کے زیر اثر رہی۔

1965ء کی پاک بھارت جنگ قادیانی سازش کا نتیجہ تھی

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ 1965ء کی پاک بھارت جنگ کا اصل محرک اور اس کا کلیدی کردار قادیانی تھے۔ دراصل یہ لڑائی قادیانیوں کی گہری سازش کا نتیجہ تھی۔ جس کا اصل مقصد یہ تھا کہ کسی طرح مغربی پاکستان میں پنجاب کو بالواسطہ شکست ہو تو پاکستان کا عسکری بازو ٹوٹ جائے گا اور مشرقی حصہ نتیجتاً الگ ہو جائے گا۔ پنجاب کی پسپائی کے بعد سرحد بلوچستان اور سندھ عرب ریاستوں کی طرح چھوٹی چھوٹی ریاستیں بن جائیں گی۔ اس طرح جہاں ایک طرف بلوچستان کو قادیانی صوبہ بنانے کے پرانے خواب کی تعبیر ممکن ہو سکتی تھی۔ وہاں دوسری طرف مسلمانوں کے سیاسی طور پر ناکام جانے کی وجہ سے مجبوراً مرزا محمود قادیانی کو اپنی مذہبی قیادت تسلیم کر لینے کا امکان بھی بڑھ جاتا تھا۔ مندرجہ بالا عوامل کے ساتھ اس جنگ کا سب سے اہم اور بنیادی مقصد یہ بھی تھا کہ اس جنگ کے ذریعے اُس قادیانی دعوے (مرزا قادیانی کی پیشین گوئی) کو کسی طرح سچ ثابت کیا جائے۔ جس میں کہا گیا تھا کہ "انشاء اللہ جموں اور کشمیر کی ریاست آزاد ہوگی اور اس کی فتح اور شان و شوکت احمدیت کے ہاتھوں ہوگی" چنانچہ قادیانیوں نے اس جنگ کے دوران کشمیر کے مستقبل سے متعلق لاتعداد ایسے کتابچے شائع کئے جو مرزا غلام احمد قادیانی اور مرزا محمود قادیانی کی پیشین گوئیوں پر مشتمل تھے۔

مگر اس موقع پر پاکستان کو بلقان (خلافت عثمانیہ / ترکی) کی طرح تقسیم کرنے میں قادیانیوں کو بری طرح ناکامی ہوئی۔ اس ناکامی کی سب سے اہم اور بڑی وجہ پاکستان کی مسلح افواج اور جذبہ جہاد سے سرشار محب وطن عوام تھے۔ جنہوں نے مادر وطن کا دفاع بے جگری سے کرتے ہوئے قربانی کی لازوال داستانیں رقم کیں۔

قدرت اللہ شہاب اپنی کتاب "شہاب نامہ" میں 1965ء کی پاک بھارت جنگ کے حوالے سے انکشاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

> "ایک بار میں نے نواب آف کالاباغ (سابق گورنر مغربی پاکستان) سے اس جنگ کے متعلق کچھ دریافت کیا۔ تو انہوں نے فرمایا "بھائی شہاب! یہ

جنگ پاکستان کی جنگ ہرگز نہ تھی۔ دراصل یہ جنگ اختر ملک (قادیانی) ایم۔ ایم، احمد (قادیانی) بھٹو، عزیز احمد اور نذیر احمد (قادیانی) نے شروع کروائی تھی" جب میں نے پوچھا کہ "جنگ شروع کروانے سے ان حضرات کا کیا مقصد تھا؟" تو نواب صاحب نے جواب دیا "یہ لوگ ایوب خان کو شکنجے میں کس کر اپنی طاقت بڑھانا چاہتے تھے۔ اس عمل سے اگر پاکستان کا ستیاناس ہوتا ہے تو ان کی بلا سے۔"

(شہاب نامہ۔ ص932)

پاکستان کی مسلح افواج کے سابق کمانڈر انچیف جنرل محمد موسیٰ بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

"ایوب خان مرحوم کو ایک خاص ٹولے نے اپنے دام میں پھنسالیا۔ ایوب خان (1965ء کی پاک بھارت جنگ کے) اس جال میں کیسے پھنس گئے۔ بظاہر یہ ایک معمہ ہے۔ مگر میرا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ ایک ٹولے نے ایوب خان پر اس قدر دباؤ ڈالا کہ وہ یہ خطرہ لینے پر تیار ہو گئے۔ ان سے کہا گیا کہ یہ موقع بھی 1962ء کی طرح ضائع ہو گیا۔ تو پھر قوم آپ کو کبھی معاف نہیں کرے گی اور اگر اسی مرحلے پر جرأت کا مظاہرہ کیا گیا تو آپکا نام تاریخ میں ہمیشہ کیلئے [redacted]ظ ہوجائے گا۔"

(ماہنامہ اردو ڈائجسٹ لاہور ص22، شمارہ ستمبر 1986ئ)

1965ء کی پاک بھارت جنگ کے ہیرو، مایہ ناز پاکستانی سپوت اور پاک فضائیہ کے اسکواڈرن لیڈر ایم ایم عالم بھی اس جنگ کو قادیانیوں کی سوچی سمجھی سازش کی قرار دیتے ہیں۔ ایم، ایم عالم کہتے ہیں کہ

"قادیانیوں نے اس جنگ میں اس لیے حصہ لیا کہ انہیں قادیان کا علاقہ واپس ملنے کی توقع تھی۔ اس لیے ملک اختر حسین کو ہٹا کر یحییٰ خان کو بھیجنے کا

فیصلہ درست تھا۔"

(روزنامہ جنگ لاہور۔ 6 ستمبر 1986ء)

1965ء کے معرکے میں چھمب جوڑیاں کے باڈر پر ابتداً دو قادیانی جرنیل اختر حسین ملک اور بریگیڈیر عبدالعلی متعرر تھے۔ قادیانیوں نے اس جنگ کے دوران نہایت شرمناک کردار ادا کیا اور چھمب میں سب سے بڑا پاکستانی آپریشن (گرانڈ سلام) ناکامی سے دوچار ہوا۔

"1965ء کی جنگ کے دوران پورے ملک میں دشمن کے حملے سے محفوظ رہنے کیلئے سرکاری طور پر بلیک آؤٹ کرنے کا حکم تھا۔ لیکن پاکستان میں "ربوہ" وہ واحد جگہ تھی۔ جہاں اس سرکاری حکم کی صریحاً خلاف ورزی کی جاتی رہی۔ "ربوہ" کی روشنیاں بھارتی طیاروں کو سرگودھا کے ہوائی اڈے کا محل وقوع بتانے کیلئے جلائی جاتی رہیں اور بالآخر ائیر فورس کی شکایت پر واپڈا کو "ربوہ" کی بجلی منقطع کرنی پڑی۔"

(قادیانیت کا سیاسی تجزیہ۔ ص 32)

1965ء کی جنگ پاکستان کیلئے ایک ایسا تباہ کن موڑ تھی۔ جس نے پاکستان کے حکمران طبقے کیلئے ترجیحات محدود کردیں اور مشرقی پاکستان کیلئے علیحدگی کی تحریک کی راہ ہموار کیں اور اس جنگ نے سقوط پاکستان کے حقیقی امکانات پیدا کردیئے۔

ایک اہم، قابل توجہ اور تلخ حقیقت

یہ بات بہت اہم، قابل توجہ اور ایک تلخ حقیقت ہے کہ کشمیر اور قادیان سے ملحقہ سرحدات کے محاذوں پر جنگی کمان ہمیشہ قادیانی جرنیلوں کے ہاتھ میں رہی۔ مثال کے طور پر جیسے 1965ء کی جنگ میں چھمب جوڑیاں کے محاذ پر ابتداً کمان جنرل اختر ملک اور بریگیڈیر عبدالعلی ملک کے پاس تھی۔ جو آپس میں سگے بھائی اور راسخ العقیدہ قادیانی تھے۔ جنرل محمد موسیٰ پاکستانی فوج کے کمانڈر انچیف کہتے ہیں کہ

"میجر جنرل اختر ملک نے یکم ستمبر کو چھمب کی طرف پیش قدمی کی۔ چھمب

پر قبضہ کرنے میں چار گھنٹوں کی تاخیر ہوگئی۔ پہلے دن کوئی خبر نہیں آئی۔ رات کو بھی سگنل موصول نہ ہوا۔ دوسرے دن بھی کوئی خبر ہی نہ آئی۔ رات کو سگنل موصول ہوا۔ لیکن میں نے خود محاذ پر جانے کا فیصلہ کرلیا .... بڑی مشکل سے اختر ملک دریافت ہوئے۔ وہ آرٹلری ہیڈکواٹر میں تھے۔ میں نے کہا "جلد یہاں آؤ۔ معاملات ناگفتہ بہ تھے۔ ملک صاحب آئے۔ تو میں نے اُن سے کہا "اب آپ مری تشریف لے جایئے" یحییٰ خان سے کہا "تم کمان سنبھال لو" میں یہ سمجھتا ہوں کہ جنرل اختر ملک کا ٹروپس پر کنٹرول نہیں رہا تھا اور اس وجہ سے چھمب پر قبضہ کرنے میں تاخیر ہوئی۔"

(1965ء کی پاک و ہند جنگ اور میرا موقف۔ از جنرل محمد موسیٰ)

مشرقی پاکستان کی علیحدگی میں قادیانیوں کا کردار

گو کہ مشرقی پاکستان کی پاکستان سے علیحدگی اور بنگلہ دیش کے قیام تک کے المناک سفر کے کئی محرکات ہیں۔ لیکن اس علیحدگی کی سازش میں قادیانی اُمت کا کردار نہایت شرمناک ہے۔ قادیانیوں نے باقاعدہ پلاننگ کے تحت پہلے مغربی پاکستان کیلئے شکایات پیدا کیں اور پھر ان میں تلخی کا رنگ اس طرح بھرا کہ مشرقی پاکستان کے رہنے والوں کے دلوں میں مغربی پاکستان کیلئے نفرت کا جذبہ پیدا ہوا۔ جو انھیں تعصب اور بغاوت کے راستے پر لے گیا۔ مشرقی پاکستان کے معروف لیڈر مولانا فرید احمد مرحوم نے اپنی کتاب میں لکھا

"موتمر عالم اسلامی کے سیکرٹری جنرل عنایت اللہ نے انہیں کراچی میں بتایا تھا کہ یہودی ایم۔ ایم، احمد کی معرفت اپنی مزموم کاروائیوں میں مصروف ہیں۔ انہیں تل ابیب سے ہدایات ملتی ہیں۔ قادیانیوں اور یہودیوں کی سازباز اتنی عیاں ہے کہ نظر انداز نہیں کی جاسکتی۔"

(سورج بادلوں کی اوٹ میں۔ ص 98)

قادیانی اور یہودی ساز باز کی تصدیق پاکستان کے سابق وزیر اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو کے بیان سے بھی ہوتی ہے جو پاکستان ٹائمز راولپنڈی میں 27، جنوری 1972ء کو شائع ہوا۔ اس میں بھٹو نے ایک صحافی کے سوال کے جواب میں یہ انکشاف کیا کہ پاکستان ایک سازش کے تحت توڑا گیا۔ سوال کرنے والے نے جب اُن سے پوچھا۔ آیا صیہونیت نے تقسیم میں کوئی کردار ادا کیا ہے؟ تو بھٹو نے کہا "کئی قوتیں مل گئی تھیں اور ایک بین الاقوامی سازش ہوئی تھی" ایک اور انٹرویو میں (جو بھٹو نے مصر کے معروف صحافی محمد حسنین ہیکل کو دیا تھا) اسرائیل کو سانحہ مشرقی پاکستان کا ذمہ دار قرار دیتے ہوئے کہا تھا کہ "مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا منصوبہ تل ابیب میں تیار کیا گیا تھا" (روزنامہ المنبر 20، جولائی 1973ء)

اقتصادی ماہرین کے مطابق مشرقی پاکستان کے باسیوں کی ناراضگی کا سب سے بڑا سبب تفریق معیشت اور محکمہ مال کی غلط منصوبہ بندیاں تھیں۔ مشرقی پاکستان کی معاشی بدحالی اور غلط منصوبہ بندی کا اصل محرک سیکرٹری مالیات مرزا غلام احمد قادیانی کا پوتا ایم، ایم احمد تھا۔ جس نے مالی مشیر، سیکرٹری فنانس اور منصوبہ بندی کے ڈپٹی چیئرمین کی حیثیت سے مشرقی پاکستان کی غریب اور مصیبت زدہ عوام کو اُن کے جائز حق سے بھی محروم رکھا اور ہر موقع پر اُن کو دبانے کی کوشش کی۔ اس بے بسی اور مایوسی کی فضا نے مشرقی پاکستان کے رہنے والوں کیلئے پاکستان سے بیزاری اور بغاوت کے دروازے کھول دیئے۔ یہ حقیقت ہے کہ "مولانا شاہ احمد نورانی" وہ واحد سیاستدان تھے جنھوں نے ایم، ایم احمد کی غلط منصوبہ بندی کی وجہ سے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے خطرے کی نشاندہی سب سے پہلے کی اور حکومت کو متنبہ کیا کہ "ایم، ایم احمد کی متعصبانہ اقتصادی پالیسیوں کی وجہ سے ملک ٹوٹ جائے گا۔ لہٰذا ایم، ایم احمد کو فوری طور پر حکومت سے علیحدہ کیا جائے۔ انہوں نے یہ انکشاف بھی کیا تھا کہ نئی دہلی اور تل ابیب میں پاکستان توڑنے کیلئے ایک خوفناک سازش تیار کی گئی ہے۔ اور ایم، ایم احمد سامراجیوں کی طرف سے پوری سرگرمی سے اس میں ملوث ہیں"۔ عوامی لیگ کی قیادت اور مغربی پاکستان کے سرکردہ سیاسی رہنماؤں نے بھی اس کڑے وقت میں مشرقی پاکستان میں ایم، ایم احمد کی موجودگی پر شدید تنقید

کی اور اسے پاکستان کو تقسیم ہونے سے بچانے کی کوششوں میں رخنہ اندازی کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ مگر افسوس کہ حکومت نے تمام تر نشاندہی کے باوجود توجہ نہ دی اور ایم ایم احمد کو اسکے عہدے سے برطرف نہیں کیا۔ جس کا نتیجہ ہمارے مشرقی بازو کی علیحدگی کی صورت میں نکلا۔

16، دسمبر 1971ء کا دن سقوط ڈھاکہ کا سورج لے کر طلوع ہوا۔ بنگلہ دیش کا قیام پاکستان کے مسلمانوں کیلئے ایک المناک سانحہ سے کم نہیں تھا۔ اپنوں سے بچھڑنے کے غم میں پوری قوم نڈھال تھی۔ عوام مشرقی پاکستان میں باعث شکست بننے والے عوامل کی تحقیقات کا مطالبہ کر رہے تھے۔ پورے مغربی پاکستان میں جنرل یحیٰی خان، ایم، ایم احمد اور اس سازش میں ملوث سول و فوجی مشیروں کے خلاف مقدمہ چلانے کیلئے بڑے بڑے جلوس نکالے جا رہے تھے۔ لیکن ادھر قادیانی اخبار "الفضل" سقوط ڈھاکہ کو ایک عارضی شکست قرار دیتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ

> "پاکستان میں جو اہم سیاسی تبدیلیاں وقوع پزیر ہوئی ہیں۔ وہ اندھیرے میں روشنی کی کرن کی طرح ہیں۔"

(الفضل 24، دسمبر 1971ئ)

ربوہ میں مرزائیوں نے اس سانحہ پر خوشی میں مٹھایاں تقسیم کیں اور انہوں نے اپنے مکانوں پر نہ صرف چراغاں کیا۔ بلکہ ربوہ کی سڑکوں پر رات بھر رقص کر کے اُمت مسلمہ کے زخموں پر نمک پاشی بھی کی۔

پاکستان کی مسلح افواج اور یہودی وقادیانی عزائم

1965ء کی پاک بھارت جنگ میں جنرل اختر ملک قادیانی کی "ربوہ سٹریٹجی" جب ناکام ہوگئی تو قادیانیت کے اصل عزائم کی شرمناک شکست کا دکھ اگر کسی قوم کو ہوا تو وہ یہودی قوم تھی۔ چنانچہ اسرائیل کی صیہونی حکومت نے اپنے ملک کی افواج میں چھ سو قادیانیوں کو شامل کیا اور ایک یہودی فوجی ماہر مسٹر ہرٹر نے ایک یہودی جریدے میں لکھا کہ

> "پاکستانیوں کے اندر رسول اللہ ﷺ کی محبت کا (معاذ اللہ) خاتمہ کر دیا جائے" اسی قسم کی رائے ایک یہودی دانشور نے دی "پاکستانی فوج اپنے

رسول محمد ﷺ سے غیر معمولی عشق رکھتی ہے۔ یہی بنیاد ہے جس نے پاکستان اور عربوں کے باہمی رشتے کو مضبوط کر رکھا ہے۔ لہٰذا یہودیوں کو چاہیے کہ وہ ہر ممکن طریقے سے پاکستانیوں کے اندر سے رسول ﷺ کی محبت کا خاتمہ کر دیں۔''

(روزنامہ نوائے وقت لاہور 22 مئی 1972ئ)

علامہ اقبالؒ نے اسی صیہونی اور یہودی سازش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں،

وہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمد اس کے بدن سے نکال دو
فکر عرب کو دے کے فرنگی تخیلات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو

یروشلم پوسٹ میں اسرائیل کے سابق صدر مسٹر ڈیوڈ گوریان کا بیان پاکستان اور اسلام کے خلاف سازش کی اصل کہانی اور اس کے اصل کرداروں کا تعین کر رہا ہے۔ آیئے اس بیان کی مدد سے ہم صیہونی، یہودی اور قادیانی گٹھ جوڑ کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مسٹر ڈیوڈ گوریان کہتا ہے۔

''پاکستان دراصل ہمارا نظریاتی چیلنج ہے۔ بین الاقوامی صیہونی تحریک کو کسی طرح بھی پاکستان کے بارے میں غلط فہمی کا شکار نہیں رہنا چاہیے اور نہ پاکستان کے خطرے سے غفلت کرنی چاہیے۔ پاکستان کا فکری سرمایہ (اسلام) اور جنگی قوت ہمارے لیے آگے چل کر سخت مصیبت کا باعث بن سکتی ہے۔ لہٰذا ہندوستان سے گہری دوستی ضروری ہے۔ بلکہ ہمیں اس تاریخی عناد و نفرت سے بین الاقوامی دائروں کے ذریعے اور بڑی طاقتوں میں اپنے نفوذ سے کام لے کر ہندوستان کی مدد اور پاکستان پر بھرپور ضرب لگانے کا انتظام کرنا چاہیے۔ یہ کام نہایت رازداری کے ساتھ اور خفیہ منصوبوں کے تحت انجام دینا چاہیے۔''

(نوائے وقت، 3، ستمبر 1973ء)

چنانچہ مرزا محمود قادیانی نے اس منصوبے پر عمل درآمد کی خاطر پاکستان میں اپنے مریدوں کو واضح الفاظ میں ہدایت جاری کی کہ

"پاکستان میں اگر ایک لاکھ احمدی سمجھ لیے جائیں تو 9، ہزار احمدیوں کو فوج میں جانا چاہیے........ فوجی تیاری نہایت اہم چیز ہے۔ جب تک آپ جنگی فنون نہیں سیکھیں گے کام کس طرح کریں گے۔"

(الفضل 11، اپریل 1950ء)

چنانچہ محکمہ خارجہ کے علاوہ قادیانیوں نے اپنے خلیفہ کے حکم کے مطابق پاکستانی فوج میں اپنے اثر ونفوذ کے دائرے کو خاصی وسعت دی۔ یحییٰ خان کے دور حکومت میں یہ اثر ونفوذ اس قدر بڑھ گیا تھا کہ پاکستان کی مسلح افواج میں بھرتی کیلئے اشتہار فوج کے تعلقات عامہ یا کسی افسر کی طرف سے آنے کے بجائے "ناظر اُمور عامہ ربوہ" کی طرف سے شائع ہوا۔ جس میں بھرتی کی جگہ "ریسٹ ہاؤس چنیوٹ" اور امیدوارں کے مطلوبہ کوائف دیئے گئے تھے۔

(الفضل۔13، اکتوبر 1970ء)

مولوی محمد علی لاہوری (بانی لاہوری گروپ) نے 15، اپریل 1951ء کو فیصل آباد کی جامع مسجد رشیدیہ کے سالانہ اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ "پاکستان کی ہوائی فوج میں 80% فیصد پائلٹ احمدی ہیں"۔ قادیانی اثر ونفوذ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مشہور قادیانی وائس ایئر مارشل ایس، ایم، اختر نے پاکستان ایئر سروسز کے نام سے ایک نجی ادارہ قائم کرنے کی کوشش کی۔ 1951ء میں راولپنڈی سازش کیس میں ملوث فوجی افسران میں میجر جنرل نذیر احمد قادیانی بھی شامل تھا۔ پاک فضائیہ کا سابق متصب قادیانی ایئر مارشل ظفر چوہدری (جو کہ سابق وزیر خارجہ ظفر اللہ خان قادیانی کا حقیقی بھتیجا اور راولپنڈی سازش کیس میں ملوث میجر جنرل نذیر احمد کا ہم زلف تھا) واضح رہے کہ راولپنڈی سازش کیس کے مجرم میجر جنرل نذیر احمد قادیانی کو اس کیس میں صرف ایک دن کی سزا ملی تھی۔ بعد میں وہ سویلین نوکری پر فائز کئے گئے۔ جبکہ اس کیس کے

باقی لوگ کئی برسوں تک جیلوں میں رہے) نے اپنے دور میں پاک فضائیہ میں قادیانی افراد کو ملازمتیں فراہم کیں اور بیرون ممالک میں اعلیٰ پیشہ ورانہ تربیت کیلئے قادیانی افسران کو ترجیح دی۔

15، فروری 1987ء کو پاکستان کی قومی اسمبلی میں وزیر خارجہ صاحبزادہ یعقوب علی خان نے قومی اسمبلی میں پاکستان کی مسلح افواج میں شامل قادیانی افسران کی تعداد 328 بیان کی۔ جو اُس وقت مختلف اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔ ''ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

1۔ لیفٹیننٹ جنرل (یا مساوی)، برّی فوج میں ایک (1)

2۔ بریگیڈیر (یا مساوی)، برّی فوج میں پانچ (5)، فضائیہ میں ایک (1)

3۔ کرنل (یا مساوی)، برّی فوج میں دس (10)، بحریہ میں دو (2) اور فضائیہ میں تین (3)

4۔ لیفٹیننٹ کرنل (یا مساوی)۔ برّی فوج میں چھپن (56)، بحریہ میں چھ (6) اور فضائیہ میں گیارہ (11)

5۔ میجر (یا مساوی)، برّی فوج میں ایک سو پینتس (135) بحریہ میں پانچ (5)، اور فضائیہ میں سولہ (16)

6۔ کپتان (یا مساوی)، برّی فوج میں اٹھاون (58)، بحریہ میں پانچ (5) اور فضائیہ میں چودہ (14)''

(روزنامہ جنگ راولپنڈی۔ 16، فروری 1987ئ)

پاکستان کے مختلف ادوار حکومت اور قادیانی اثرات

خواجہ ناظم الدین کے دور نے پاکستان میں اِن عناصر کو خوب پھلنے اور پھولنے کا موقع دیا۔ جو آزادی کے بعد بھی یہودیوں اور عیسائیوں کی غلامی سے آزاد نہیں ہوئے تھے۔ خواجہ ناظم الدین عوامی احتجاج کو مسلسل یہ بہانہ بنا کر ٹالتے رہے کہ ہمیں گندم درکار ہے اور قادیانیوں پر پابندی عائد کرنے کی صورت میں امریکہ سے اِس کی خیرات نہیں مل سکے گی۔

ملک غلام محمد اور فیروز خان نون ایسے حکمران تھے۔ جنھیں دین سے کوئی دلچسپی نہیں تھی

۔وہ زیادہ سے زیادہ عرصہ کرسیٔ اقتدار پر براجمان رہنا چاہتے تھے۔انکے عہد حکومت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے قادیانیوں نے اپنی فوجی قوت بڑھانے پر بھرپور توجہ دی۔سابق صدر اسکندر مرزا کا سلسلہ نسب غدار بنگال میر جعفر سے ملتا تھا۔اسلئے اس کا چال چلن اور عادات وخصائل اپنے آباؤاجداد سے مختلف نہ تھے۔اسکندر مرزا کے عہد نے قادیانیوں کو محکمہ دفاع پر چھانے کا پورا موقع فراہم کیا۔

1957ء تک قادیانی پاکستانی سیاست میں نوکر شاہی اور مغرب نواز حلقوں کے ذریعے کافی سرگرم ہو چکے تھے۔پاکستانی سیاست میں اُن کا دائرہ اثر اس قدر وسیع ہو چکا تھا کہ حکومت کو اس تجویز پر غور کرنا پڑا کہ انہیں ایک الگ سیاسی تنظیم قرار دے دیا جائے۔پاکستان انٹیلی جنس کے اعلیٰ عہدیدار نے روزنامہ ''مسلم'' اسلام آباد میں انکشاف کرتے ہوئے کہا کہ

> ''مجھے یاد پڑتا ہے کہ 1957ء میں پنجاب سی،آئی،ڈی نے ایک تجویز تیار کی کہ جماعت احمدیہ کو سیاسی تنظیم قرار دے دیا جائے۔کیونکہ یہ اس وقت حکومت پنجاب کی نظروں میں مشکوک قرار پا چکی تھی۔اس جماعت کی ذیلی اراکین کی ایک تنظیم کو حکومت نے غیر قانونی قرار دیا اور سرکاری ملازمین کو سختی سے منع کر دیا کہ وہ اس کے ساتھ تعلق نہ رکھیں۔یہ ذیلی تنظیم ''احمدیہ انٹیلی جنس سٹاف'' کہلاتی تھی اور اس نے حکومت کے مختلف محکموں میں اپنے حلقے قائم کئے ہوئے تھے۔اس کے نتیجے میں مسلح افواج میں احمدی افسران کی ایک فہرست لاہور اور دیگر بڑے شہروں میں تیار کی گئی۔حکومت کے نوٹس میں یہ بات بھی آئی کہ قادیانی افسران خفیہ اجلاس بھی منعقد کرتے ہیں۔''

(دی مسلم اسلام آباد 24،مئی 1984ئ)

قادیانی جماعت کی اِن خفیہ کارستانیوں نے 1958ء کے مارشل لاء کے بعد کئی نئی جہتیں اختیار کیں۔ایوب خان نے اس تحریک کی نشوونماء میں سرپرستی کی تاکہ اپنے استبدادی پنجے بیرون ملک تک پھیلا سکے۔ایوبی آمریت کے دور میں قادیانیوں نے اپنی سیاسی حیثیت اور

قوت کو مستحکم کیا۔ 27، اکتوبر 1958ء سے لے کر جون 1962ء تک ملک پر مارشل لاء مسلط رہا۔ ایوب خان تمام اہم معاملات میں قادیانیوں پر اندھا اعتماد کرتا تھا۔ اس اعانت کے باعث قادیانیوں کو یہ موقع بھی مل گیا کہ وہ مشرقی اور مغربی پاکستان کی مذہبی وسیاسی تحریکوں کے خلاف سرگرمیاں شروع کریں۔ پاکستان میں قادیانیت کے بڑھتے ہوئے اثر ورسوخ کو روکنے کیلئے مذہبی تنظیموں کو شدید مشکلات کا سامنا تھا۔ دفتر خارجہ میں قادیانی اہلکار اور اُن کے بہی خواہوں نے کمال ہوشیاری سے پاکستان کے عرب ممالک سے تعلقات کو فروغ نہ پانے دیا۔ نوکر شاہی میں ان عناصر نے ایک سرمایہ دارانہ نظام کو پروان چڑھانے کی حکمت عملی اختیار کی اور پہلے سے طے شدہ حکمت عملی کے تحت قادیانیوں کو فوج کی صفوں میں گھسنے کا ایوبی دور میں سنہری موقع ملا۔

ایوب خان نے معاشی منصوبہ بندی کے حساس معاملے سے لے کر بین الاقوامی معاملات کے میدان میں قادیانیوں کی بھرپور حوصلہ افزائی کی۔ ایوب خان نے امریکہ کے ایماء پر ظفر اللہ قادیانی کو اقوام متحدہ میں پاکستان کا مستقل مندوب مقرر کیا۔ تاکہ اقوام متحدہ کے ایوان میں امریکہ اور پاکستان کے درمیان مکمل ہم آہنگی پائی جائے۔ اسی دور میں پاکستان کیلئے امریکی امداد میں اضافہ ہوا اور مرزا غلام احمد قادیانی کا پوتا ایم، ایم، احمد قادیانی جو کہ ایک بدنام زمانہ بیوروکریٹ تھا۔ پہلے فنانس سیکرٹری اور بعد میں پاکستان کے منصوبہ بندی کمیشن کا چیئرمین بن گیا۔ وہ صیہونیوں کے در پردہ گروپوں جیسے "فورڈ فاؤنڈیشن" اور" ہارورڈ ایڈوائزری گروپ" کی مدد سے پاکستانی معیشت میں علاقائی عدم تعاون کا ذمہ دار تھا۔ ان صیہونی گروپوں نے منصوبہ بندی کمیشن اور صوبائی محکمہ جات برائے منصوبہ بندی میں ماہرین معیشت کا ایک ریلا داخل کر دیا۔ تاکہ پاکستان کیلئے پانچ سالہ منصوبے تیار کئے جاسکیں۔ اس ناقص منصوبہ بندی نے مشرقی ومغربی پاکستان کے درمیان معاشی ناہمواریاں پیدا کیں۔ جس کا نتیجہ ملک کے مشرقی حصے کی علیحدگی کی صورت میں نکلا۔ آغا شورش کاشمیری لکھتے ہیں کہ

> "جنرل ایوب خان کے دور حکومت میں مرزائیت کو پر پھیلانے کا سنہری موقع ملا۔ ظفر اللہ خان عالمی عدالت انصاف کا جج بن چکا تھا۔ فیلڈ مارشل

جنرل ایوب خان پر شب و روز آمریت کا بھوت سوار رہا۔ چونکہ وہ فوج سے متعلق تھے۔ اس لیے وہ نو "No" سننا ہرگز گوارہ نہ کرتے تھے۔ اس پر ایک حادثہ ہوا۔ ایوب خان کے چہیتوں کا ربوہ کے قصر خلافت میں آنا جانا ہو گیا۔ یہاں سے انہیں ضرورت کی ہر شے مل جاتی تھی۔ اُن کی راتیں عیاشیوں کے ریلے میں ڈوب گئیں۔ یوں پریذیڈنٹ ہاؤس اور قادیانی قصر خلافت کے درمیان فاصلے سمٹ کر رہ گئے۔ زیادہ قربت ہوئی تو حکومت نے ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت اخبارات کے نام اس اَمر کا سرکلر جاری کر دیا کہ اشارتاً و کنایتاً یا تفصیلاً و اجمالاً کسی بھی طرح قادیانی فرقے پر خفی و جلی تنقید نہ کی جائے۔ خلاف ورزی کا مرتکب قانون کی رو سے مستوجب سزا ہوگا۔"

(تحریک ختم نبوت، شورش کاشمیری ص 143)

"پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ جنرل ایوب خان کے دور میں حکومت نے ایڈووکیٹ جنرل کی معرفت لاہور ہائی کورٹ کے ڈویژن بنچ کے روبرو یہ بیان دیا کہ قادیانی بھی مسلمانوں کا ایک فرقہ ہیں۔ (ایضاً) اور یہ مہربانیاں اس قدر بڑھیں کہ ایوب خان کے دور صدارت میں زرعی اصلاحات اور محکمہ اوقاف کا قیام عمل میں آیا۔ تو کمال ہوشیاری سے ربوہ کی زمین کو اِس قانون سے مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے کہا گیا کہ چونکہ یہ زمین "مرزا محمود" کے نام ہونے کے باوجود جماعت کی ملکیت ہے۔ اسلیئے وہ زرعی اصلاحات کے دائرے میں نہیں آتی ہے۔"

(قادیانیت کا سیاسی تجزیہ ص 51-52)

ایوبی دور حکومت قادیانیوں اور انکے ہیڈ کوارٹر ربوہ کیلئے برطانوی سامراجیت کے دور کی طرح تھا۔ اس دور میں قادیانی اپنے آپ کو مکمل طور [redacted] خیال کرتے تھے۔ پاکستان اور بیرون ملک انہوں نے بڑی ترقی کی۔ قادیانیوں پر نوازشوں کی وجہ سے ایک وقت ایسا بھی آیا

جب عوام نے صدر ایوب خان کو قادیانی اور مرزائی ایجنٹ کہنا شروع کر دیا۔ ایوبی حکومت کی بے انتہا نوازشوں کی وجہ سے قادیانیوں نے کھلے عام 1965ء کے الیکشن میں محترمہ فاطمہ جناح کے خلاف ایوب خان کا بھرپور ساتھ دیا۔ ایوب خان کی انتخابی مہم چلانے کیلئے قادیانیوں نے" ربوہ" میں ایک خصوصی سیل قائم کیا۔ حزب اختلاف کے قائدین کی کردار کشی کیلئے فرضی ناموں سے سینکڑوں اشتہارات اور کتابچے شائع کئے اور ایوب خان کی انتخابی مہم کیلئے فنڈ بھی اکٹھا کیا۔ اپنی ذاتی محفلوں میں قادیانی اکابر ایوب خان کیلئے قادیانی جماعت کی خدمات کو" ایشیا کے ڈیگال" کیلئے حقیر تحفہ قرار دیتے تھے۔

جنرل آغا محمد یحییٰ خان اپنے پہلو میں ایسا بے قرار دل رکھتے تھے۔ جسے حسینوں کی قربت کے بغیر چین ہی نہیں آتا تھا۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ ایسے رنگین مزاج حکمران کو قادیانی پسند نہ کرتے اور اسے خوش آمدید نہ کہتے۔ جو خود پہلے ہی ان کے مطلوبہ معیار کے سانچے میں ڈھلا ڈھلایا تھا۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ جب صدر صاحب رنگ رلیاں مناتے تھے تو صدارتی محل کے دروازے پر مرزائی خدمت گار باری باری کھڑے ہوتے تھے اور صنف نازک کو برابر تحفے پیش کئے جاتے کہ کہیں صدر صاحب کبیدہ خاطر نہ ہوں اور اسی رنگ رلیوں کے مکروہ کھیل کے دوران ہمارا مشرقی بازو ہم سے جدا ہو گیا۔

اس دور میں بھی قادیانیوں کو بے پناہ مراعات میسر رہیں۔ ایم، ایم، احمد کو ڈپٹی چیئرمین منصوبہ بندی اور صدر یحییٰ خان کا مشیر برائے اقتصادیات مقرر کیا گیا۔ وہ یحییٰ خان کی کابینہ کے ایک اہم رکن کے طور پر کام کرتا رہا۔ اس کے اسرائیلی اہلکاروں کے ساتھ قریبی روابط تھے۔ ایم، ایم احمد نے معاشی منصوبہ بندی میں عدم مساوات کے ذریعے استحکام پاکستان کو کھوکھلا کر کے صیہونی اور یہودی منصوبے کو پروان چڑھایا۔ ادھر ظفر اللہ قادیانی نے اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ امریکہ اور صدر یحییٰ خان کے اہل کاروں کے درمیان رابطے کا کام جاری رکھا۔ قادیانی بیورو کریٹس نے ملک کے مستقبل کے سیاسی ڈھانچے میں اپنا کردار ادا کرنے کیلئے نئی حکومت سے تعلقات استوار کر لیے اور اس دور میں پاکستانی معاملات میں امریکی مداخلت خوفناک حد تک

بڑھ گئی تھی۔

1970ء کے انتخابات میں قادیانیوں نے پیپلز پارٹی کی بھرپور مدد کی۔ تحریک استقلال کے سربراہ ریٹائیرڈ ائیر مارشل اصغر خان نے اس الیکشن میں پیپلز پارٹی پر قادیانیوں سے 45، لاکھ روپے لینے کا الزام بھی لگایا۔ مرزا ناصر نے قادیانی قلمکاروں کی ایک مصنوعی جماعت تیار کی جس کا کام یہ تھا کہ وہ اخبارات میں اسلامی فکر و فلسفہ رکھنے والی جماعتوں کے خلاف پروپیگنڈہ کریں۔ تاکہ پیپلز پارٹی کیلئے کامیابی کی راہ آسان ہوسکے۔ قادیانی اخبار الفضل نے ان سیاسی جماعتوں پر شدید تنقید کی۔ جو پاکستان میں اسلامی نظام کا نفاذ چاہتی تھیں۔ امیر قادیانی جماعت احمدیہ فیصل آباد محمد احمد نے یہ انکشاف بھی کیا کہ

''احمدیہ جماعت کا پیپلز پارٹی کے ساتھ ایک معاہدہ ہوا تھا اور اس نے صوبائی اسمبلی میں اپنے پانچ امیدوار کامیاب کرالیے تھے۔''

(ہفت روزہ خدام الدین 15، جنوری 1971ئ)

اس بات میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ 1970ء کے عام انتخابات کے موقع پر پیپلز پارٹی اور قادیانی جماعت کے درمیان خفیہ معاہدہ طے پایا تھا۔ جیسا کہ روزنامہ مشرق لاہور کی خبر سے مرزا ناصر قادیانی خلیفہ اور پیپلز پارٹی کے چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کے درمیان مذاکرات اور ملاقاتوں پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ جب قادیانی اور پیپلز پارٹی کے گٹھ جوڑ کی خبریں عام ہوگئیں تو ایک اخباری نمائندے نے مسٹر بھٹو سے سوال کیا کہ

''پیپلز پارٹی عوام کے اس مطالبے کی حمایت کرے گی کہ احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے'' اس پر مسٹر بھٹو نے جواب دیا ''یہ انتہائی نازک مسئلہ ہے جس پر ملک میں پہلے ہی خون خرابہ ہوچکا ہے اور مارشل لاء لگ چکا ہے اور موجودہ حالات میں اگر اس مسئلے کو ہوا دی گئی تو مزید خون خرابہ ہونے کا خدشہ ہے۔ ہماری پالیسی یہ ہے کہ ملک میں سوشلسٹ نظام رائج کریں۔ جس میں ہندو، عیسائی، وغیرہ تمام طبقوں کے عوام کے حقوق کا

تحفظ کیا جاسکے۔ یہ قطعی غلط ہے کہ قادیانی فرقہ کی ہم حمایت کررہے ہیں
۔ہماری جماعت میں اس قسم کے مسئلوں کیلئے کوئی گنجائش نہیں"

(روزنامہ مشرق 29، جولائی 1970ئ)

1970ء کے انتخابی نتائج مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی اور مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ کے حق میں نکلے۔قادیانی جماعت کے ترجمان اخبار الفضل نے مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی کی کامیابی کو"اسلام پسندوں کی شکست سے تعبیر کیا"

(الفضل19،دسمبر1970ئ)

دسمبر 1970ء سے جنوری 1971ء کے دوران صوبائی اور قومی اسمبلیوں کے انتخابات کے بعد تمام سرکردہ مذہبی وسیاسی رہنماؤں نے پاکستانی سیاست میں قادیانی اور صہیونی دخل اندازی کی بھرپور مذمت کی۔ جمعیت علماء پاکستان کے صدر مولانا شاہ احمد نورانی نے پاکستان کے خلاف قادیانی سازشوں کی مذمت کرتے ہوئے یہ الزام بھی عائد کیا کہ وہ(قادیانی) صدر پاکستان کے مشیر اقتصادیات ایم ایم احمد کے ذریعے اسرائیل سے رقومات حاصل کرتے رہے ہیں۔ 15،فروری 1971ء کو روزنامہ "جسارت" کراچی آپ کے بیان کو نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ

"مولانا نورانی نے کہا کہ اشتراکی، یہودی، فری میسن اور قادیانی پاکستان کی سالمیت اور استحکام کے خلاف سازشیں کررہے ہیں۔ پاکستان کے اصل دشمنوں کو بے نقاب کرنے پر وہ اتھاہ گہرائیوں سے شکریئے کے مستحق ہیں ۔یہ کوئی راز کی بات نہیں ہے کہ پاکستان کی سیاست میں ایک خفیہ یہودی تنظیم تحریک فری میسنری کے تعاون سے قادیانی گھناؤنا کردار ادا کر رہے ہیں۔فری میسنوں نے ایک بین الاقوامی نظام ترتیب دیا ہے تاکہ دولت اکھٹی کی جاسکے۔انہوں نے بڑے بڑے کاروباری اشخاص، بڑی کاروباری کمپنیوں کے ڈائریکٹروں، مختلف پیشہ ورانہ گروہوں کے سرکردہ

لوگوں اور اعلیٰ سطح کے افسران کو مختلف لالچ دے کر اپنے زیر اثر کر لیا ہے۔انہوں نے قادیانیوں کے ساتھ اُن کے اسرائیلی مشن کے ذریعے مضبوط تعلقات قائم کر لیے ہیں۔دراصل فری میسنوں نے اپنے خفیہ ہتھکنڈوں سے پاکستان میں ایک متوازی حکومت قائم کر لی ہے۔ (1970ء کے) عمومی انتخابات کے دوران قادیانیوں کے اشتراک کے ساتھ انتخابی نتائج پر اثر انداز ہونے کا مکروہ کھیل کھیلا گیا ہے۔"

بھٹو نے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کا عہدہ سنبھالتے ہی سب سے پہلا کام اپنے اختیارات کے استحکام کیلئے اپنے مخالفین کے خاتمے کو ضروری سمجھا۔چنانچہ اس نے قائم مقام کمانڈر انچیف لیفٹیننٹ جنرل گل حسن،ائیر مارشل رحیم خان کے ساتھ چھ دیگر افسروں کو اپنے عہدوں سے سبکدوش کر دیا۔جنرل گل حسن کی جگہ جنرل ٹکا خان،اور ائیر مارشل رحیم خان کی جگہ قادیانی ائیر وائس مارشل ظفر چوہدری کو پاک فضائیہ کا سربراہ مقرر کر دیا۔پاک بحریہ میں ایک جونیئر افسر کموڈور ایچ ۔ایچ احمد (جس پر قادیانی ہونے کا الزام تھا) کو بحریہ کا قائم مقام کمانڈر انچیف تعینات کر دیا اور ساتھ ہی سانحہ مشرقی پاکستان کا مرکزی کردار ایم ۔ایم احمد قادیانی کو اپنا مشیر برائے بیرونی امداد اور قرضہ جات بھی مقرر کیا۔

بھٹو حکومت کے ابتدائی دو سالوں میں قادیانیوں نے اس سے بھرپور تعاون کیا۔ قادیانی اخبار الفضل نے کئی اداریے لکھے۔جن میں لوگوں کو نصیحت کی گئی کہ وہ احتجاجی سیاست ترک کر دیں۔امن وامان قائم کرنے میں مدد دیں اور عوامی حکومت کے ہاتھ مضبوط کریں۔ قادیانی خلیفہ مرزا ناصر اپنے نجی خطابات کے دوران بھٹو کی بے انتہا تعریف کرتے تھے اور ملک میں پیپلز پارٹی کی حکومت کو قادیانی جماعت کیلئے ایک نعمت غیر مترقبہ قرار دیتے تھے۔اس دوران قادیانی مشنوں نے پاکستان کے بیرونی سفارت خانوں کی معاونت سے کام جاری رکھا اور پاکستان سے باہر رہنے والے پاکستانیوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ قادیانیوں نے پاکستان پیپلز پارٹی کو اقتدار دلایا ہے۔

اپریل 1973ء میں قادیانیوں اور بھٹو حکومت کے تعلقات میں اُس وقت سرد مہری آئی۔ جب حکومت نے تختہ الٹنے کی سازش کے الزام میں تین اعلیٰ قادیانی فوجی افسران کو گرفتار کرلیا اور پیپلز پارٹی کی حکومت نے قادیانی فرقے کی وفاداری مشکوک قرار دیتے ہوئے یہ ضروری سمجھا کہ اپنی حمایت واپس لے لی جائے۔اس سازش میں چودہ میجر، تین لیفٹیننٹ کرنل، ایک بریگیڈیر، ایک ونگ کمانڈر اور ایک اسکواڈرن لیڈر شامل تھا۔ان سازشی افراد میں تین قادیانی افسران جن میں میجر فاروق آدم خاں، اسکواڈرن لیڈر محمد غوث اور میجر سعید اختر ملک (اختر حسین ملک قادیانی کا بیٹا، اور لیفٹیننٹ عبدالعلی ملک کا بھتیجا، جو سینارٹی میں آرمی چیف جنرل ٹکا خان سے تیسرے نمبر پر تھا) ملوث تھے۔تقریباً دو ماہ کے بعد حکومت نے ایک اور سازش کی اطلاع دی۔جس میں پاک فضائیہ کے چودہ افسران ملوث پائے گئے۔ان افسران کے خلاف بڈبیر اٹک میں 2، جولائی 1973ء کو مقدمہ شروع ہوا۔دوران مقدمہ ایک ملزم گروپ کیپٹن عبدالستار نے انکشاف کیا کہ اسے اس مقدمے میں غلط طور پر ملوث کیا گیا ہے۔قادیانی بھٹو حکومت کو ختم کرنے کی سازشیں کررہے ہیں اور اس میں ائیر مارشل ظفر چوہدری قادیانی، ائیر وائس مارشل سعد اللہ خان، کور لیفٹیننٹ جنرل اے حمید خاں اور ائیر کموڈور اے، ڈبلیو مفتی ملوث تھے۔آنے والے مہینوں میں حصول اقتدار اور پاکستان کے استحکام وسا لمیت کو کھوکھلا کرنے کی مزید سازشیں منظر عام پر آئیں۔جو قادیانیوں نے ائیر مارشل ظفر چوہدری کے ذریعے کی تھیں۔چنانچہ حکومت کو قادیانی ائیر مارشل ظفر چوہدری کو مملکت کے تحفظ کی خاطر رخصت کرنا پڑا۔

قادیانی ہمارا فرقہ ہیں امریکی صدر کا اعتراف

”پاکستان کے سابق وزیر اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو مرحوم نے اپنے اقتدار کے آخری ایام میں قادیانیوں کے سیاسی عزائم اور ملک دشمن عناصر سے خفیہ تعلقات کے بعض گوشوں سے نقاب اٹھاتے ہوئے کہا تھا کہ برسر اقتدار آنے کے بعد جب میں سربراہ مملکت کی حیثیت سے پہلی مرتبہ امریکہ کے دورے پر گیا تو امریکی صدر نے مجھے ہدایت کی کہ قادیانی

جماعت ہمارا سیکٹ (Sect) فرقہ ہے۔ آپ ان کا ہر لحاظ سے خیال رکھیں۔ دوسری مرتبہ جب امریکہ کا سرکاری دورہ ہوا تب بھی یہی بات دوہرائی گئی۔ یہ بات میرے پاس امانت تھی۔ ریکارڈ کی خاطر میں پہلی مرتبہ انکشاف کر رہا ہوں۔"

(قادیانیت کا سیاسی تجزیہ۔ ص35)

واضح رہے کہ سابق وزیر اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کے خلاف نواب محمد احمد خان کے مقدمہ قتل میں وعدہ معاف گواہ ایف، ایس، ایف کا ڈائریکٹر مسعود محمود ایک متعصب قادیانی شخص تھا۔ جس نے جناب ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کے خلاف گواہی دے کر دراصل اُن کو قادیانیوں کو کافر قرار دینے کے عظیم الشان کارنامہ انجام دینے پر سزا دینے کی کوشش کی۔ لیکن جناب بھٹو مرحوم کا یہ کارنامہ آج تاریخ کا حصہ ہی نہیں ایک انوکھا اعزاز بھی ہے۔ جو انشاء اللہ انہیں بارگاہ ایزدی میں سرخروئی عطا کرے گا۔

باب:۔ ہشتم

قادیانیت کے خلاف

علماء و مشائخِ اہلسنّت

کا

عملی، علمی اور قلمی جہاد

☆ قادیانیت ملت اسلامیہ کا سب سے بڑا فتنہ اور مصیبت ہے۔ یہ اقلیت سور کا گوشت بیچتی ہے اور کہتی ہے کہ یہ گائے کا گوشت ہے، مسلمانوں کو شراب پیش کر کے اُسے روح افزاء قرار دیتی ہے۔ اس لیے اُمت مسلمہ کو اس کے خطرناک دعوے اور فراڈ سے بچانے کیلئے ایک صدی سے اُمت کے بہترین صلاحیتوں کے حامل اہل علم وقلم، علماء ومشائخ اس کے خلاف نبرد آزماء رہے۔ سیّدنا صدیق اکبرؓ کے دور میں مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے بعد اُمت مسلمہ نے سب سے بڑی اجتماعی قربانی اسی فتنہ کے خلاف دی۔

☆ اس باب میں اُن علماء ومشائخ کی علمی، قلمی اور عملی خدمات کا تذکرہ ہے۔ جنھوں نے ارتداد قادیانیت اور عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ، سربلندی اور علوم دینیہ کی ترویج واشاعت کی خاطر اپنی زندگی کے شب وروز صرف کیے۔

ملت اسلامیہ پر جب بھی کوئی مشکل وقت آیا تو علماء و مشائخ اہلسنّت کو اُمت نے راہنمائی کا فریضہ انجام دینے کیلئے موجود پایا۔ دین کے فروغ ونفاذ کے ساتھ ساتھ اسلامی عقائد و شعائر کے خلاف ہرژاژ خائی اور ہرزہ سرائی کے ردو ابطال میں یہ حضرات علماء و مشائخ ہمیشہ ہی پیش پیش رہے اور انہوں نے اپنے خون جگر سے اسلام کے فروغ اور دفاع کی تحریک کو نہ صرف پروان چڑھایا بلکہ ہر میدان میں سر دھڑ کی بازی لگا کر مسلمانوں کی رہبری و رہنمائی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں چھوڑا۔ یہ وہ اخیار اُمت ہیں جنھوں نے ملت اسلامیہ کے تحفظ، سربلندی اور علوم دینیہ کی ترویج و اشاعت کی خاطر اپنی زندگی کے شب و روز صرف کئے۔ مسلمانوں کے ایمان و عمل کو قوت و تازگی بخشی اور اپنے علم و عمل سے دین اسلام کی صداقت اور ہمہ گیری کے اَنمٹ نقوش ثبت کئے۔ جس سے لاتعداد افراد راہ ہدایت پا گئے، گو کہ قادیانیت کی تردید اور محاسبے میں علماء اہلسنّت کے ساتھ دیگر مکاتب فکر کے احباب نے بھی حصہ لیا، لیکن یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ قادیانیت کے خلاف تحریک تحفظ ختم نبوت کی رہبری و قیادت میں علماء و مشائخ اہلسنّت ہمیشہ پیش پیش رہے اور انہوں نے ہر محاذ پر ہراول دستے کا کردار ادا کیا، ذیل میں ہم موضوع گفتگو کے اعتبار سے صرف اُن اکابرین اہلسنّت و جماعت کا تذکرہ کر رہے ہیں، جنہوں نے مرزا کے دعویٰ نبوت سے لے کر 1953ء کی تحریک ختم نبوت کے آغاز تک مرزا کی کفریات ولغویات اور اُس کی ذرّیت کی سازشوں کا بھرپور مقابلہ علمی، عملی اور قلمی محاذ پر کیا۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی کفریات، لغویات اور ضلالت کے ردّ و ابطال میں علماء و مشائخ اہلسنّت کی مساعی جمیلہ بہت وسیع ہیں اور یہ علمی، عملی اور قلمی سرگرمیاں ایمان افروز بھی ہیں اور بصیرت انگیز بھی ہیں۔ علماء و مشائخ اہلسنّت نے قادیانیت کی تردید اور احتساب میں مرزا

غلام احمد قادیانی اور اسکے متبعین سے مندرجہ ذیل (5) پانچ محاذوں پر بھرپور مقابلہ کر کے عقیدہ ختم نبوت کا دفاع کیا اور تحریک تحفظ ختم نبوت کی بنیاد رکھی۔

۱۔ تحفظ ناموس رسالت اور عقیدہ ختم نبوت کے دفاع کیلئے قادیانیت کے رد میں کتابیں تصنیف کیں۔

۲۔ تحفظ ناموس رسالت اور عقیدہ ختم نبوت کے دفاع کیلئے قادیانیت کے رد میں فتاوی جاری کئے۔

۳۔ تحفظ ناموس رسالت اور عقیدہ ختم نبوت کے دفاع کیلئے قادیانیوں سے مناظرے ومباہلے کئے۔

۴۔ تحفظ ناموس رسالت اور عقیدہ ختم نبوت کے دفاع کیلئے قادیانیت کے خلاف اخبارات ورسائل میں اشتہارات اور مضامین شائع کئے۔

۵۔ تحفظ ناموس رسالت اور عقیدہ ختم نبوت کے دفاع کیلئے مرزا غلام احمد قادیانی اور اسکے متبعین کے خلاف مقامی رائج قوانین کے تحت مقدمات دائر کر کے اس کی ذلت وہزیمت کا سامان پیدا کیا۔

برصغیر پاک وہند میں جن علماء ومشائخ اہلسنت نے فتنہ قادیانیت کا بھرپور رد کیا اور اِس فتنے کا مردانہ وار مقابلہ کیا، اِن حضرات علماء ومشائخ کی فہرست بہت طویل ہے، انکی خدمات وکارناموں کا اِحاطہ اِس مختصر مضمون میں ممکن نہیں۔ لہٰذا اِن کے اجمالی تذکرے پر اکتفا کرتے ہوئے ان حضرات علماء ومشائخ کا ذکر درج ذیل دو (2) عنوانات کے تحت کیا جارہا ہے۔

۱۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی زندگی میں اُس کے جھوٹ وکفر کا پردہ چاک کرنے اور قادیانیت کا مقابلہ کرنے والے علماء ومشائخ عظام۔

۲۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی موت 1908ء سے لے کر 1953ء کی تحریک ختم نبوت تک قادیانیت کا مقابلہ کرنے والے علماؤ مشائخ عظام

۱۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی زندگی میں علماء اہلسنت کا عملی، علمی اور قلمی جہاد

مرزا غلام احمد قادیانی کے کفریہ عقائد اور دعویٰ باطلہ کا اظہار ہوتے ہی علماء و

مشائخ اہلسنّت و جماعت نے اُس کے عقائد باطلہ کا علمی اور قلمی محاذ پر محاسبہ شروع کر دیا۔ مرزا کے کفریہ عقائد کے اظہار سے مرزا کی موت 1908ء تک جن علماء و مشائخ نے اِس محاذ پر عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کیلئے خدمات انجام دیں۔ ذیل میں اُن علماء و مشائخ اہلسنّت کی علمی اور قلمی کوششوں اور کاوشوں کا مختصراً تذکرہ دیا جارہا ہے۔

واضح رہے کہ یہ اُمت کے وہ عظیم مجاہد ہیں جنھوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کی زندگی ہی میں ردّ مرزائیت کے حوالے سے علمی و عملی محاذ پر عقیدہ ختم نبوت کے دفاع کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے لاکھوں مسلمانوں کے عقائد و ایمان کا تحفظ کیا اور اِن کی کوششوں و کاوشوں کی بدولت ہزاروں افراد کو قادیانیت سے تائب ہو کر توبہ کی توفیق نصیب ہوئی۔ برصغیر پاک و ہند میں یہ ہی وہ مجاہدین اسلام ہیں، جن کی بدولت اس خطے میں تحریک تحفظ عقیدہ ختم نبوت کا آغاز ہوا۔

علماء و مشائخ کا عملی، علمی اور قلمی جہاد

علماء و مشائخ نے برصغیر پاک و ہند میں قادیانیت کے ردّ میں کئی محاذوں پر کام کیا ،ذیل میں اُن حضرات و علماء کے علمی، قلمی اور عملی جہاد کے حوالے سے کئے گئے کام کا تذکرہ کیا جارہا ہے سب سے پہلے ہم اُن کی اُن تصانیف کا ذکر کررہے ہیں، جو قادیانیت کے ردّ میں علماء کرام نے تصنیف کیں، اِس ترتیب کو سن اشاعت کے اعتبار سے درج کیا گیا ہے، جن کتابوں کے سن اشاعت دستیاب نہیں ہوسکے، اُن کتابوں کو فہرست کے آخر میں شامل ترتیب کیا گیا ہے۔

ا۔ کتاب: ''رجم الشیاطین براغلوطات البراہین'' (اردو)

مصنف: علامہ غلام دستگیر قصوری رحمتہ اللہ علیہ

صفحات: سن اشاعت: ۱۳۰۲ھ بمطابق 1884ء

عارف کامل علامہ غلام دستگیر قصوری رحمتہ اللہ علیہ نے مرزا غلام احمد قادیانی کی کتاب ''براہین احمدیہ'' میں کئے گئے مرزا کے دعوؤں کا بطلان اِس کتاب میں پیش کیا ہے۔ مرزغلام احمد قادیانی کی کتاب ''براہین احمدیہ'' پڑھ کر اسکی گمراہی اور فتنے سے سب سے پہلے واقف ہونے والے برصغیر پاک و ہند میں علامہ غلام دستگیر قصوری رحمتہ اللہ علیہ سرفہرست ہیں۔ خیال رہے کہ

اس وقت تک مرزا نے کھلا دعویٰ نبوت نہیں کیا تھا، اس کے الہامات کی بناء پر بہت سے علماء اُسے ''مردِ صالح'' اور ''اسلام کا عظیم مبلغ'' قرار دے رہے تھے۔ مگر یہ علماء اہلسنّت کا نورِ ایمان تھا جس کی فراست نے بہت قبل مرزا کو پہچان لیا تھا۔

۲۔ کتاب: ''تحقیقاتِ دستگیریہ فی اغلوطات البراہینیہ'' (عربی اور اردو)

مصنف: علامہ غلام دستگیر قصوری رحمۃ اللہ علیہ

صفحات: 72 سن اشاعت: ۱۳۰۳ھ بمطابق 1885ء

علامہ غلام دستگیر قصوری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کتاب ''براہین احمدیہ'' کی ہفوات پر عالمانہ اور فاضلانہ تحقیق ہے، کتاب کا ہر صفحہ عربی اور اردو دونوں زبان میں ہے۔

۳۔ کتاب: ''الالہام الصحیح فی اثبات حیاۃ المسیح'' (عربی)

مصنف: مولانا غلام رسول شہید امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

صفحات: 116 سن اشاعت: ۱۳۱۱ھ بمطابق 1893ء

حضرت مولانا کی یہ کتاب خالص علمی انداز اختیار کئے ہوئے ہے، اس کتاب کا اردو ترجمہ جناب پیر غلام مصطفی صاحب نے آفتاب صداقت" کے نام سے کیا۔

۴۔ کتاب: ''فتح الرحمانی بدفع کید قادیانی'' (اردو)

مصنف: علامہ غلام دستگیر قصوری رحمۃ اللہ علیہ

صفحات: سن اشاعت: ۱۳۱۴ھ بمطابق 1896ء

علامہ غلام دستگیر قصوری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بلند پایہ تصنیف آپکے وصال سے ایک سال قبل شائع ہوئی، اس کتاب میں آپ نے مرزا کے مکر و دجل کے جال کو تار تار کیا ہے۔

۵۔ کتاب: ''کلمۂ فضل رحمانی بجواب اوہام قادیانی'' (اردو)

مصنف: علامہ قاضی فضل احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

صفحات: 175 سن اشاعت: ۱۳۱۴ھ بمطابق 1896ء

علامہ قاضی فضل احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کتاب مرزا کی کتاب ''انجام آتھم'' کا

مکمل جواب ہے، اس کتاب میں مصنف کے قائم کردہ استدلال کے جواب کی توفیق مرزا کو کبھی نہ مل سکی۔

۶۔ کتاب: "الصارم الربانی علی اسراف القادیانی" (اردو)

مصنف: حجۃ السلام علامہ مولانا حامد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

صفحات: 56 سن اشاعت: ۱۳۱۵ھ بمطابق 1897ء

حجۃ الاسلام کی یہ محققانہ تصنیف پہلی بار پٹنہ سے شائع ہوئی، یہ کتاب مرزا غلام احمد قادیانی کی خرافات، ہذیانات اور وساوس کا مدلل جواب ہے۔

۷۔ کتاب: "جزاءُ اللہِ عدوَّہٗ بِاِبائِہٖ ختمَ النُّبوۃ" (اردو)

مصنف: اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

صفحات: 111 سن اشاعت: ۱۳۱۷ھ بمطابق 1899ء

اس کتاب میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے منکرین ختم نبوت کے خوب بخیے ادھیڑے ہیں، ختم نبوت کے عنوان پر یہ ایک بہترین کتاب ہے۔ کچھ احباب کے خیال میں یہ کتاب "ختم نبوت" کے عنوان پر یہ سب سے پہلا مجموعہ انتخاب حدیث ہے۔ جس میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے متفرق کتب احادیث سے پہلی مرتبہ احادیث مبارکہ کو ایک جگہ جمع فرمایا ہے۔

۸۔ کتاب: "شمس الہدایہ فی اثبات حیات المسیح" (اردو)

مصنف: حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

صفحات: 66 سن اشاعت: ۱۳۱۷ھ بمطابق 1899ء

حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب میں قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ سے ثابت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ ہی قتل کئے گئے اور نہ ہی پھانسی پر لٹکائے گئے بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو زندہ آسمانوں کی طرف اٹھالیا، آپ کی اس کتاب کو پڑھ کر کئی قادیانی مسلمان ہوئے، جن میں سرفہرست مولانا حبیب اللہ کلرک بھی شامل ہیں۔ (جو کہ

پہلے مرزائیت سے متاثر تھے بعد میں آپ نے مرزا کے خلاف متعدد کتابیں لکھیں)

۹۔ کتاب: ''سیف چشتیائی'' (اردو)

مصنف: حضرت سیّدنا پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

صفحات: 375 سن اشاعت: ۱۳۱۸ھ بمطابق 1900ئ

حضرت سیّدنا پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وجود مرزا قادیانی کیلئے درّہِ فاروقی ﷺ کی حیثیت رکھتا ہے، مرزا آپکے سائے سے بھی اس طرح بھاگتا تھا جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نام سے شیطان بھاگتا تھا، اس کتاب میں آپ نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ مرزا دجّال ہے اور کیونکہ دجّال کبھی بھی مکہ و مدینہ میں داخل نہیں ہوسکتا اسلیئے مرزا قادیانی کو مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ جانے کی کبھی توفیق نصیب نہ ہوگی، آپکی اس پیشین گوئی کے بعد مرزا آٹھ سال تک زندہ رہا لیکن وہ مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ نہ جاسکا، یوں آپ کی پیشین گوئی حرف بہ حرف سچ ثابت ہوئی۔

۱۰۔ کتاب: ''راست بیانی بر شکست قادیانی'' (اردو)

مصنف: حضرت مولانا امام الدین گجراتی رحمۃ اللہ علیہ

صفحات: 60 سن اشاعت: ۱۳۱۹ھ بمطابق 1901ء

25، اگست 1900ء میں مرزا قادیانی حضرت سیّدنا پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مناظرے کا چیلنج دیا، جسے قبول کر کے پیر صاحب لاہور پہنچ گئے لیکن مرزا قادیانی نے راہ فرار اختیار کی اور مقابلے پر نہ آیا، بعد میں مرزا نے اس داغ کو دھونے کیلئے مختلف حیلے، بہانے اور تاویلیں تراشیں، جس کے جواب میں شاہ صاحب کے عقیدت مند مولانا امام الدین گجراتی نے مرزا کا رڈ کیا، یہ ختم نبوت کی مباحث پر مبنی ایک علمی اور دلچسپ کتاب ہے۔

۱۱۔ کتاب: ''درۃ الدرانی علی ردۃ القادیانی'' (اردو)

مصنف: مولانا حیدر اللہ خان درانی رحمۃ اللہ علیہ

صفحات: 298   سن اشاعت: ۱۳۱۹ھ بمطابق 1901ء

مولانا حیدر اللہ خان درانی کی یہ کتاب مرزا کے جملہ دعاوی کا رد احسن طریقے سے کیا گیا ہے۔

۱۲۔ کتاب: "فوائد فریدیہ" (اردو)

مصنف: حضرت خواجہ غلام فرید چاچڑاں شریف رحمۃ اللہ علیہ

صفحات: سن اشاعت: ۱۳۱۹ھ بمطابق 1901ء

حضرت خواجہ غلام فرید چاچڑاں شریف رحمۃ اللہ علیہ نے مسلک توحید اور اعتقادی مسائل کے ضمن میں مرزا قادیانی کا رد بلیغ فرمایا اور آپ نے اس کتاب میں مرزا کو کافر، ناری اور جہنمی لکھا ہے۔

۱۳۔ کتاب: "السوء والعقاب علی المسیح الکذاب" (اردو)

مصنف: اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

صفحات: 28   سن اشاعت: ۱۳۲۰ھ بمطابق 1902ء

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے امرتسر کے مولانا عبد الغنی کے ایک سوال کے جواب میں آپ نے مرزا غلام احمد قادیانی کے دس وجوہ کفر بیان کئے اور متعدد فتاویٰ جات کے حوالے سے ثابت کیا کہ مسلمان عورت کسی مرزائی خاوند کے نکاح میں نہیں رہ سکتی اور ایسی صورت میں نکاح باطل ہو جاتا ہے۔

۱۴۔ کتاب: "المستند بناء نجاۃ الابد" (عربی)

مصنف: اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

صفحات: 372   سن اشاعت: ۱۳۲۰ھ بمطابق 1902ء

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا فضل رسول بدایونی کی کتاب "المعتقد المنتقد" پر عربی میں حاشیہ لکھا ہے، ان حواشی میں آپ نے نئے پیدا ہونے والے گمراہ کن فرقوں اور ان کے قائدین کا ذکر کیا...... مرزا کے بارے میں آپ لکھتے ہیں کہ ماسبق کی بحث سے مرزا کا کفر ظاہر ہو گیا ہے، یہ مرزا اُن جھوٹے دجالوں میں سے ہے جن

کے خروج کی خبر صادق و مصدق نبی ﷺ نے دی، یہ دجّال مرزا قادیانی اِس زمانہ میں موضع قادیان پنجاب میں نکلا۔

۱۵۔ کتاب: ''انوار الحق'' (اردو)

مصنف: مولانا محمد انوار اللہ خان رحمتہ اللہ علیہ

صفحات: 112 سن اشاعت: ۱۳۲۲ھ بمطابق 1904ء

اس کتاب میں آپ نے مرزا کے اوہام ووساوس کا علمی دلیلوں کے ساتھ بڑی خوبصورتی سے ردّ کیا ہے۔

۱۶۔ کتاب: ''قہر الدّیان علی مرتدِ بقادیان'' (اردو)

مصنف: حضرت مولانا امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ

صفحات: 16 سن اشاعت: ۱۳۲۳ھ بمطابق 1905ئ

اس کتاب میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ نے ستر حوالہ جات قادیانی کتب سے نقل کر کے ثابت کیا ہے کہ مرزا قادیانی جھوٹا مکار اور غلط آدمی ہے، آپ کا یہ رسالہ حضور سیّد عالم ﷺ کے مخالفین کیلئے قہر الٰہی سے کم نہیں ہے، یہ کتاب مرزا اور اس کی پوری ذرّیت کے الہام ووحی کی بیخ کنی، اُسے جڑ سے اکھیڑنے اور فتح محمدی ﷺ کے پھریرے لہرانے والی ہے۔

۱۷۔ کتاب: ''حسام الحرمین علیٰ منحر الکفر والمین'' (اردو)

مصنف: اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ

صفحات: سن اشاعت: ۱۳۲۴ھ بمطابق 1906ء

محدث بریلوی کی معرکۃ الآراء کتاب جس کی تصدیق ۳۵ علمائے حرمین شریفین نے بھی کی، اس میں دورِ حاضر میں پیدا ہونے والے باطل فرقوں کا ردّ اور بالخصوص فتنہ مرزا غلام احمد قادیانی کا ردّ بھی شامل ہے ۔

۱۸۔ کتاب: ''افاضات امام احمد بریلوی'' (اردو)

مصنف: اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

صفحات: سن اشاعت: ۱۳۲۴ھ بمطابق 1906ء

اس کتاب میں اعلیٰ حضرت کے بدمذہبوں اور قادیانی کے خلاف فتاویٰ اور ارشادات شامل ہیں۔

۱۹۔ کتاب: ''نیام ذوالفقارعلیٰ برگردن خاطی مرزائی فرزند علی'' (اردو)

مصنف: حضرت مولانا قاضی فضل احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

صفحات: 276 سن اشاعت: ۱۳۲۵ھ بمطابق 1907ء

حضرت مولانا قاضی فضل احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کتاب مرزائیت کے ردّ میں ایک عمدہ کتاب ہے۔ (مراۃ التصانیف مولف حافظ محمد عبدالستار سعیدی نے اس کتاب کا سن اشاعت ۱۳۲۵ھ بمطابق 1907ء درج کیا ہے جبکہ جناب صادق علی زاہد نے اس کتاب کا سن اشاعت اپنی کتاب علمائے حق اور ردقادیانیت میں ۱۳۳۹ھ بمطابق 1920ء لکھا ہے)

۲۰۔ کتاب: ''افادۃ الافہام'' (2 جلدیں اردو)

مصنف: مولانا محمد انوار اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ

صفحات: 737 سن اشاعت: ۱۳۲۵ھ بمطابق 1907ئ

حضرت مولانا محمد انوار اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تصنیف مرزا قادیانی کی کتاب ''ازالہ اوہام'' کے اوہام باطلہ کا قرآن و حدیث کی روشنی میں بہترین جواب ہے، اس کی دو جلدیں ہیں، پہلی جلد 376 صفحات اور دوسری جلد 360 صفحات پر مشتمل ہے، ایک صدی گزرنے کے باوجود اس موضوع پر جبکہ بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں، لیکن اس موضوع پر یہ کتاب آج بھی حرف آخر کا درجہ رکھتی ہے۔

۲۱۔ کتاب: ''مفاتیح الاعلام'' (اردو)

مصنف: مولانا محمد انوار اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ

صفحات: 64 سن اشاعت: بمطابق

یہ دراصل آپ کی کتاب ''افادۃ الافہام'' کی فہرست ہے، جو کہ آپ نے مرزا کی کتاب ''ازالہ اوہام'' کے ردّ میں لکھی ہے۔

۲۲۔کتاب: ''المبین ختم النبیین'' (اردو)

مصنف: اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

صفحات:25 سن اشاعت: ۱۳۲۶ھ بمطابق 1908ء

اعلیٰ حضرت کی ختم نبوت پر ایک بے مثال تحریر ہے اور آپ نے اس کتاب میں حضور اکرم ﷺ کے بعد ہر طرح کے امکان نبوت کو ردّ کیا ہے۔

۲۳۔کتاب: ''التجلیات علی السلام فی الذب عن حریم الاسلام''

مصنف: مولانا محمد عالم آسی رحمۃ اللہ علیہ

۲۴۔کتاب: ''اتمام الجنۃ عمن اعرض عن الجنۃ'' (غیر مطبوعہ)

مصنف: مولانا اصغر علی روحی رحمۃ اللہ علیہ

مرزا قادیانی کی زندگی میں علماء ومشائخ کی دیگر علمی اور عملی مساعی

(فتاوے، مناظرے، مباہلے، اور مقدمات)

ذیل میں ان علماء ومشائخ کے دیگر علمی وعملی کوششوں اور کاوشوں کا مختصراً تذکرہ کیا جارہا ہے، جنھوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کی زندگی میں ردّ مرزائیت کے حوالے سے مناظرے، مباہلے اور مقدمات کی صورت میں خدمات انجام دیں۔

☆مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ اور علمائے حرمین نے مولانا غلام دستگیر قصوری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''رجم الشیاطین'' پر تصدیقات ومواہیر ثبت کیں اور مرزا قادیانی کے خلاف کفر کا فتوٰی دیا، یہ پہلا فتوٰی کفر تھا جو کہ سے مرزا غلام احمد قادیانی کے خلاف دیا گیا، جسے 1894ء تک مولانا قصوری صاحب نے بامید اصلاح شائع نہ کیا اور جب اصلاح کی امیدیں ختم ہوگئیں، تو آپ نے ان فتاوٰی جات کو شائع فرمایا، جس کے نتیجے میں جنوری 1896ء میں مرزا سے مسجد ملا مجید موچی دروازہ میں مباہلہ طے ہوا، لیکن مرزا قادیانی مقابلے پر نہ آیا۔

☆مولانا فقیر محمد جہلمی نے 11، ستمبر 1886ء کو جہلم سے قادیانیت کے خلاف ایک ہفت روزہ اخبار ''سراج الاخبار'' جاری کیا، جس نے قادیانیت کے خلاف بے مثال خدمات انجام دیں، اس اخبار کے مدیر مولانا ابو الفضل کرم الدین دبیر تھے۔

☆مولانا ارشاد حسین رامپوری رحمتہ اللہ علیہ نے 1895ء سے قبل مرزا قادیانی کے باطل دعوؤں کے ردّ میں لاجواب فتویٰ ''فتویٰ در تردید دعاوی مرزا قادیانی'' لکھا۔

☆ 1898ء میں حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ نے مرزا قادیانی کو مناظرے کی دعوت دی اور بادشاہی مسجد لاہور میں سات روز قیام فرمایا، لیکن مرزا آپ کے مقابلے پر نہیں آیا۔ (روزنامہ نوائے وقت 11، اکتوبر 1991ئ)

☆مولانا ابو الفیض محمد حسن فیضی رحمتہ اللہ علیہ نے 13، فروری 1899ء کو عربی زبان میں ایک بے نقط قصیدہ چالیس اشعار پر مبنی لکھ کر مسجد حسام الدین میں خود مرزا قادیانی کو پڑھنے کیلئے دیا، لیکن مرزا اس قصیدے کو باوجود کوشش کے پڑھنے سے قاصر رہا۔

☆ 9، مئی 1899ء کو اس تمام واقعہ کو ''سراج اخبار'' جہلم نے درج کر کے مرزا قادیانی کو جواب کا چیلنج دیا اور بعد ازاں 13، اگست 1899ء کو مرزا کو خط بھی لکھا، جس میں مناسب شرط کے ساتھ مرزا کو دعوت مقابلہ دی، مگر پھر بھی مرزا کی جانب سے کوئی جواب نہ آیا۔

☆24، اگست 1899ء کو مولانا ابو الفیض محمد حسن فیضی رحمتہ اللہ علیہ نے لاہور کی بادشاہی مسجد میں سینکڑوں علماء و مشائخ کی موجودگی میں مرزا کو دعوت مناظرہ دی، مگر اُس کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔

☆حضرت پیر سیّدنا مہر علی شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب ''شمس الہدایہ'' نے مرزا قادیانی کو مبہوت کر دیا، چنانچہ اپنا جھوٹا بھرم قائم رکھنے کیلئے مرزا کے خلیفہ حکیم نور الدین بھیروی نے پیر صاحب کو اپنے مکتوب مورخہ 20، فروری 1900ء میں بارہ سوالات لکھ کر جواب دینے کیلئے ارسال کئے، حضرت پیر سیّدنا مہر علی شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ان تمام سوالات کا تسلی

بخش جواب دیا اور ساتھ اپنی طرف سے ایک سوال "حقیقت معجزہ" سے متعلق اُس سے کیا، آپ کا یہ سوال آج تک مرزائیت کے گلے کا پھندا بنا ہوا ہے۔

☆ 22، جولائی 1900ء کو مرزا غلام احمد قادیانی نے ایک اشتہار کے ذریعے 86 علماء کرام کو عربی میں تفسیر لکھنے پر مناظرے کی دعوت دی، اِن چھیاسی علماء میں پیر سیّدنا مہر علی شاہ صاحب کا نام بھی شامل تھا، حضرت سیّدنا پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دعوت مناظرہ قبول کی اور 25، اگست 1900ء کو لاہور کی بادشاہی مسجد میں یہ مناظرہ ہونا قرار پایا، مقررہ تاریخ کو حضرت پیر سیّدنا مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اکابرین وقت مقررہ پر بادشاہی مسجد میں موجود تھے، لیکن مرزا اور اُسکے حواریوں نے راہ فرار اختیار کی، بعد میں مناظرہ دیکھنے کیلئے جمع ہونے والے ہزاروں کے اجتماع سے پیر جماعت علی شاہ صاحب، مولانا محمد حسن فیضی، مولانا تاج الدین جوہر، مولانا عبداللہ ٹونکی، مولانا احمد دین وغیرہم نے خطاب کیا اور اس موقع پر اٹھاون علماء اور اٹھائیس اکابر ملت کی طرف سے مناظرہ میں مرزا کا فرار اور اہل سنت کی فتح کا ایک اشتہار شائع ہوا۔

☆ 19، اگست 1903ء کو رائے چندو لال مجسٹریٹ درجہ اوّل گورداسپور کی عدالت میں اہلسنّت کی جانب سے قائم کردہ مقدمہ میں مرزا غلام احمد قادیانی کو اعتراف کرنا پڑا کہ "سیف چشتیائی" میں سرقہ مضامین کا جو الزام اُس نے اپنی کتاب "نزول المسیح" میں حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی پر لگایا ہے، وہ غلط ہے اور میں اُس الزام کو واپس لیتا ہوں۔

☆ مولانا نواب الدین رمداسی خلیفہ خواجہ سراج الحق رحمۃ اللہ علیہ نے اگست، 1903ء میں مرزا کا بازو پکڑ کر اور اسے مخاطب کر کے فرمایا "اگر خدا کو نبی بنانا ہوتا تو تجھ جیسے ہیچ (بدشکل، کریہہ صورت) کو نہ بناتا بلکہ مجھ جیسے وجیہہ کو بناتا، مگر نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔"

☆ مرزا کے دست راست حکیم نورالدین بھیروی نے حضرت مولانا کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف گورداسپور میں دو مقدمات دائر کئے، 14، نومبر 1902ء اور 29، جون 1903ء میں دونوں مقدمات میں اللہ کے فضل سے حضرت مولانا کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ علیہ

باعزت بری ہوئے اور ان مقدمات میں مرزا قادیانی خود کچہری میں مجرموں کی طرح پیش ہوتا رہا۔

☆ قادیانی اخبار "الحکم" کے ایڈیٹر شیخ یعقوب علی تراب نے مولانا کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا فقیر محمد جہلمی پر مقدمہ قائم کیا، مدعا علیہما نے جواب دعویٰ میں مرزائیت کی رسوائی کا سامان کیا۔

☆ 17، جنوری 1903ء کو مرزائیوں کی طرف سے جہلم میں کتاب "مواہب الرحمٰن" کی تقسیم پر مولانا کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ علیہ نے مرزا قادیانی اور حکیم فضل الدین بھیروی پر جہلم میں مقدمہ دائر کر دیا، یہ مقدمہ دو سال تک چلتا رہا اور بالآخر مولانا کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ علیہ کو کامیابی ہوئی اور عدالت نے مرزا غلام احمد قادیانی پر پانچ سو روپے اور حکیم فضل الدین بھیروی پر دو سو روپے جرمانہ کا حکم سنایا اور عدم ادائیگی کی صورت میں بالترتیب چھ ماہ اور پانچ ماہ قید کی سزا سنائی۔

☆ مولانا اصغر علی روحی رحمۃ اللہ علیہ نے مرزا کی کتاب "اعجاز احمدی" (جس کو مرزا نے اپنی جھوٹی نبوت کی تائید میں بطور ثبوت پیش کیا) کی غلط عربی عبارات پر عالمانہ گرفت فرمائی، جس پر مرزا قادیانی کو اکتوبر 1903ء کو اخبار "الحکم" میں تسلیم کرنا پڑا کہ "نہ میں عربی کا عالم ہوں اور نہ شاعر ہوں"

☆ نومبر 1904ء میں حضرت پیر سید پیر جماعت علی شاہ صاحب باوجود علالت ایک ماہ سیالکوٹ میں قیام فرما کر مرزا غلام احمد قادیانی کا نہ صرف خود رد کیا بلکہ دیگر علماء کرام کو بلوا کر مرزائیت کے رد میں ان سے بھی تقاریر کروائیں، اس اجتماع کے تمام اخراجات آپ نے خود برداشت کئے، مرزا کی ذلت و رسوائی دیکھ کر ہزاروں افراد قادیانیت سے تائب ہوئے اور مرزا تا زیست سیالکوٹ کا رخ کرنے کی ہمت نہ کر سکا۔

☆ مولانا محمد عبداللہ گجراتی رحمۃ اللہ نے منظوم "قصیدہ عربی فارسی" مرزا قادیانی کو لکھا جو کہ "رسالہ شمس الاسلام" بھیرہ میں شائع ہوا۔

☆ مولانا اصغر علی روحی رحمۃ اللہ علیہ نے مرزا کے اغلاط سے پُر قصیدہ اعجازیہ کا ردّ

''قصیدہ عربیہ'' لکھا جو پیسہ اخبار لاہور میں شائع ہوا۔

☆مولانا غلام قادر بھیروی نے پنجاب میں مرزا قادیانی کے خلاف سب سے پہلا فتویٰ ''رڈ ابطال نکاح المرتد'' دیا کہ ''مرزا قادیانی اور اس کے ماننے والے مرتد ہیں اور ان کے ساتھ مسلمان مرد یا عورت کا نکاح حرام اور ناجائز ہے۔(مولانا بھیروی وہ واحد شخصیت ہیں جنھوں نے لاہور کی بیگم شاہی مسجد جہاں آپ خلیب تھے، کی پیشانی پر ایک پتھر نصب کروایا تھا جس پر کندہ تھا'' باتفاق انجمن حنفیہ وحکم شرح شریف قرار پایا ہے کہ کوئی وہابی، رافضی، نیچری، مرزائی، مسجد ہذا میں نہ آئے اور خلاف مذہب حنفی کوئی بات نہ کرے)

☆مولانا اصغر علی روحی رحمۃ اللہ علیہ نے مرزا کی تردید میں ''اتمام الحجۃ عمن اعرض الحجۃ'' (غیر مطبوعہ) رسالہ لکھا، جس میں مرزا کے فریضہ حج سے اعراض کا بیان کیا گیا ہے۔

☆مولانا مفتی غلام مرتضیٰ رحمۃ اللہ کی کتاب ''ختم نبوت'' زیور طبع سے تاحال آراستہ نہ ہوسکی۔

☆امام العارفین خواجہ اللہ بخش تونسوی نے مرزا قادیانی کی تردید نہایت موثر انداز میں فرمائی، جس کی وجہ سے پنجاب میں مرزائیوں کی خوب رسوائی ہوئی۔

☆مجاہد اسلام خواجہ ضیاء الدین سیالوی نے علاقہ سون سکیسر سے وہ پتھر اکھڑوادیا جس پر ترکوں کے خلاف لڑنے والے کے نام کندہ تھے، کیونکہ دوسری جنگ عظیم میں ترکوں کی شکست پر اور انگریزوں کی فتح پر قادیانیوں نے مسرت کا اظہار کیا تھا، خواجہ صاحب کا یہ عمل دونوں سے اظہار نفرت تھا۔

☆مرزائیوں نے دوالمیال کی مسجد میں علیحدہ جمعہ قائم کرنے کیلئے عدالت میں مقدمہ دائر کیا، مسلمانوں کی طرف سے اس مقدمے کی پیروی حضرت مولانا سید لال شاہ دوالمیالوی نے کی اور 9، فروری 1907ء کو اسسٹنٹ کمشنر پنڈ دادن خان نے اس مقدمے کا فیصلہ شاہ صاحب کے حق میں دیا۔

☆ 22، مئی 1908ء کو حضرت امیر ملت سید جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے

بادشاہی مسجد لاہور میں جمعۃ المبارک کے خطبے میں مرزا قادیانی کو مباہلہ کا چیلنج دیا، مرزا غلام احمد قادیانی لاہور میں موجود ہونے کے باوجود بار بار تقاضہ اور اعلان کے سامنے نہ آیا۔

☆ حضرت امیر ملت سیّد جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے 25-26 مئی 1908ء کو ہزاروں مسلمانوں کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "پیشین گوئی کرنا میری عادت نہیں لیکن میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ مرزا قادیانی کا فیصلہ ہو چکا ہے، خدا کے فضل و کرم سے وہ میرے مقابلے میں نہیں آئے گا، کیونکہ میرا نبی سچا ہے اور میں صدق دل سے اس سچے نبی کا غلام ہوں، آپ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ آئندہ (24) چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر اپنے حبیب پاک کے صدقے میں ہمیں اس جھوٹے نبی سے نجات عطا فرمائے گا۔" آپ نے یہ پیشین گوئی رات دس بجے فرمائی اور 26، مئی 1908ء کو صبح دس بجکر دس منٹ پر مرزا مرض ہیضہ میں آنجہانی ہوگیا، آپ کی پیشین گوئی کے مطابق مرزا 26، مئی 1908ء دوپہر اپنے عبرت ناک انجام سے دوچار ہوا۔

۲۔ "ردّ مرزائیت" مرزا کی موت سے تحریکِ ختم نبوت تک

(جون 1908ء تا 1953ء تک)

ذیل میں ہم اہلسنّت و جماعت کے اُن علماء و مشائخ کی علمی کوششوں اور کاوشوں کا مختصراً تذکرہ کر رہے جنھوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کی موت کے بعد ردّ مرزائیت کے حوالے سے علمی محاذ پر کام سرانجام دیا، جہاں اِن علماء و مشائخ کی گراں قدر کاوشوں کی بدولت لاکھوں مسلمانوں کے عقائ[redacted]ظ رہے اور ہزاروں افراد کو قادیانیت سے تائب ہو کر توبہ کی توفیق نصیب ہوئی، وہاں انھوں نے قادیانیت کے خلاف تحریک تحفظ ختم نبوت کو اپنے منطقی انجام تک پہنچانے کی بنیاد بھی رکھی۔

۱۔ کتاب: "معیار المسیح" (اردو)

مصنف: مولانا خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ

صفحات: سن اشاعت:۱۳۲۹ھ بمطابق فروری 1911ء

مولانا خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کتاب اپنے موضوع پر بہترین کتاب ہے۔

۲۔ کتاب: ''معیار عقائد قادیانی'' (اردو)

مصنف: مولانا بابو پیر بخش رحمۃ اللہ علیہ

صفحات:104 سن اشاعت:۱۳۳۱ھ بمطابق فروری 1912ء

اس کتاب میں مرزائی عقائد کا تجزیہ کیا گیا ہے۔

۳۔ کتاب: ''جمعیت خاطر'' (اردو)

مصنف: قاضی فضل احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

صفحات:120 سن اشاعت:۱۳۳۳ھ بمطابق 1914ء

قاضی فضل احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ انسپکٹر پولیس لدھیانہ اور غلام رسول قادیانی پولیس انسپکٹر فیروز والا کے درمیان خط و کتابت ہوئی، صفائی پیش نہ کرنے کی صورت میں قاضی فضل احمد لدھیانوی نے مرزا کو ملزم قرار دے کر عوام کی عدالت میں لا کھڑا کیا، یہ کتاب اس استغاثہ کی کہانی ہے (مراۃ التصانیف میں مولف حافظ عبد الستار سعیدی نے سن اشاعت 1914ء لکھا ہے جبکہ جناب صادق علی زاہد صاحب نے اس کتاب کا سن اشاعت اپنی کتاب علمائے حق اور رد مرزائیت میں 1915ء لکھا ہے۔)

۴۔ کتاب: ''بشارت محمدی فی ابطال رسالت غلام احمدی'' (اردو)

مصنف: مولانا بابو پیر بخش رحمۃ اللہ علیہ

صفحات: 104 سن اشاعت: ۱۳۳۷ھ بمطابق 1918ء

مولانا بابو پیر بخش رحمۃ اللہ علیہ نے مرزائی نبوت کو اس کتاب میں چاروں خانے چت کیا ہے۔

۵۔ کتاب: ''کیا مرزا قادیانی مسلمان تھا'' (غیر مطبوعہ)

مصنف: مولانا قاضی فضل احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

صفحات: سن اشاعت: ۱۳۳۷ھ بمطابق 1918ء

مولانا قاضی فضل احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ غیر مطبوعہ تصنیف 1918ء میں لکھی گئی ہے، جو کہ کفریات مرزا پر مشتمل ہے۔

(مراۃ التصانیف مولف، حافظ محمد عبدالستار سعیدی)

۶۔ کتاب: ''اسلام کی فتح اور مرزائیت کی شکست'' (اردو)

مصنف: مولانا بابو پیر بخش رحمۃ اللہ علیہ

صفحات: 40 سن اشاعت: ۱۳۳۸ھ بمطابق 1919ء

حکیم محمد حسین لاہوری مرزائی نے بابو پیر بخش کو خط لکھا کہ آپ ایک ضعیف حدیث سے بھی ثابت کر دیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمانوں پر اٹھالیا گیا ہے تو میں مان لوں گا، چنانچہ بابو پیر بخش نے قرآن وحدیث اور آئمہ مفسرین کے اقوال سے ثابت کر دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمانوں پر اٹھالیا گیا ہے اور قرب قیامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ نزول ہوگا۔

۷۔ کتاب: ''کرشن قادیانی'' (اردو)

مصنف: مولانا بابو پیر بخش رحمۃ اللہ علیہ

صفحات: 32 سن اشاعت: ۱۳۳۹ھ بمطابق 1920ء

مرزا کے دعویٰ کرشن کے رد میں یہ کتاب ہے۔

۸۔ کتاب: ''الجراز الدیانی علی مرتد القادیانی'' (اردو)

مصنف: اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

صفحات: 25 سن اشاعت: ۱۳۴۰ھ بمطابق 1921ء

حیات عیسیٰ علیہ السلام پر قادیانی اعتراضات کا ایمان افروز جواب ہے، یہ آپ کی آخری تصنیف ہے۔

۹۔ کتاب: ''تردید نبوت قادیانیت فی جواب النبوۃ فی خیر الامت'' (اردو)

مصنف: مولانا بابو پیر بخش رحمۃ اللہ علیہ

صفحات:224 سن اشاعت:۱۳۴۱ھ بمطابق 1922ء

مولانا بابو پیر بخش رحمتہ اللہ علیہ کی یہ کتاب ایک مرزائی کی کتاب النبوۃ فی خیر الامہ کا جواب ہے، جس نے اسے لاجواب کردیا۔

۱۰۔ کتاب: ''مباحثہ حقانی فی ابطال رسالت قادیانی'' (اردو)

مصنف: مولانا بابو پیر بخش رحمتہ اللہ علیہ

صفحات:175 سن اشاعت:۱۳۴۱ھ بمطابق 1922ء

مرزائی مولوی غلام رسول اور بابو پیر بخش کے درمیان مناظرے کی اصل روداد اس کتاب میں تحریر کی گئی ہے۔

۱۱۔ کتاب: ''تائید الاسلام ماہانہ رسالہ'' (اردو)

مصنف: مولانا بابو پیر بخش رحمتہ اللہ علیہ

صفحات:16 سن اشاعت: نومبر 1922ء

صفحات:8 سن اشاعت: اپریل 1923ء

صفحات:24 سن اشاعت: جون 1932ء

بابو پیر بخش ریٹائرڈ پوسٹ ماسٹر نے یہ رسالہ لاہور سے نکالا اور اس رسالہ کے ذریعے مرزائیت کی تردید کرتے رہے۔

۱۲۔ کتاب: ''تردید فتویٰ ابوالکلام آزاد و مولوی محمد علی مرزائی'' (اردو)

مصنف: حضرت مولانا قاضی فضل احمد لدھیانوی رحمتہ اللہ علیہ

صفحات: سن اشاعت:۱۳۴۲ھ بمطابق 1923ء

حضرت مولانا قاضی فضل احمد لدھیانوی رحمتہ اللہ علیہ کی یہ کتاب ابوالکلام آزاد کے فتویٰ کی تردید اور مرزائی مولوی محمد علی کا رد میں ہے۔

۱۳۔ کتاب: ''الظفر الرحمانی فی کسف القادیانی'' (اردو)

مصنف: مولانا غلام مرتضیٰ میانوی رحمتہ اللہ علیہ

صفحات:222 سن اشاعت: ۱۳۴۳ھ بمطابق 1924ء

اس کتاب میں مرزائی مناظر جلال الدین شمس اور آپ کے درمیان مناظرہ کی تفصیل ہے، اس مناظرے میں آپ کے ہاتھوں مرزائی مناظر کو ذلت انگیز شکست سے دوچار ہونا پڑا، آپ نے اس کتاب میں مرزا محمود کو مناظرہ کا چیلنج کیا، جسے اس نے مرتے دم تک قبول نہیں کیا۔

۱۴۔ کتاب: ''الاستدلال الصحیح فی حیات المسیح'' (اردو)

مصنف: مولانا بابو پیر بخش رحمۃ اللہ علیہ

صفحات:352 سن اشاعت: ۱۳۴۳ھ بمطابق 1924ء

حیات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مسئلہ پر بڑی مفصل بحث ہے، اس کتاب میں مرزائیوں کی جانب سے پیدا کردہ تمام تر شبہات کا جواب موجود ہے (مراۃ التصانیف میں مولف حافظ عبدالستار سعیدی کی روایت کے مطابق یہ کتاب 1924ء میں انجمن تائید اسلام لاہور سے شائع ہوئی ہے، لیکن کتاب ''قادیانیت کے خلاف عملی محاسبہ'' میں اللہ وسایا نے بابو پیر بخش کی اِس کتاب کا سن تصنیف 1931ء درج کیا ہے۔)

۱۵۔ کتاب: ''حافظ ایمان من فتنۃ القادیان'' (عربی)

مصنف: مولانا بابو پیر بخش رحمۃ اللہ علیہ

صفحات:44 سن اشاعت: ۱۳۴۴ھ بمطابق 1925ء

مولانا بابو پیر بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب میں عربی میں قادیانی عقائد پر بحث کی اور اس کا رد کیا ہے۔

۱۶۔ کتاب: ''حافظ ایمان از فتنہ قادیان'' (فارسی)

مصنف: مولانا بابو پیر بخش رحمۃ اللہ علیہ

صفحات:48 سن اشاعت: ۱۳۴۴ھ بمطابق 1925ء

مصنف نے فارسی زبان میں مرزائی عقائد اور دعوے کی قلعی کھولی ہے اور علمائے مکہ،

مدینہ، عراق، اور ہند کے فتاویٰ بھی شامل کیے ہیں۔

۱۷۔ کتاب: ''مخزن رحمت بر قادیانی دعوت'' (اردو)

مصنف: حضرت مولانا قاضی فضل احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

صفحات: سن اشاعت: ۱۳۴۵ھ بمطابق 1926ء

حضرت مولانا قاضی فضل احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کتاب لدھیانہ سے قادیانیت کے ردّ میں شائع ہوئی۔

۱۸۔ کتاب: ''اتفاق وانفاق بین المسلمین کا موجب کون'' (اردو)

مصنف: حضرت مولانا قاضی فضل احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

صفحات: سن اشاعت: ۱۳۴۵ھ بمطابق 1926ء

حضرت مولانا قاضی فضل احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کتاب اپنے نام سے مضمون کو واضح کر رہی ہے۔

۱۹۔ کتاب: ''تفریق درمیان اولیائے اُمت'' (اردو)

مصنف: مولانا بابو پیر بخش رحمۃ اللہ علیہ

صفحات: 68 سن اشاعت: ۱۳۴۵ھ بمطابق 1926ء

مرزا قادیانی کے ایک مرید کے لکھے گئے رسالے کے ردّ میں آپ نے یہ رسالہ لکھا۔

۲۰۔ کتاب: ''مرزائی حقیقت کا اظہار'' (اردو)

مصنف: مبلغ اسلام حضرت علامہ عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ

صفحات: 88 سن اشاعت: ۱۳۴۸ھ بمطابق 1929ء

مبلغ اسلام عبدالعلیم صدیقی نے دوران سفر ایک پمفلٹ (جو ایک مرزائی مبلغ حافظ جمال احمد نے ماریشس میں ''حقیقت کا اظہار'' کے نام سے شائع کیا تھا) کے جواب میں مبلغ اسلام نے یہ کتاب لکھی، اس رسالے کا عربی زبان میں ترجمہ'' مراۃ ''اور انگلش میں ''THE MIRROR'' کے نام سے شائع ہوئے۔

۲۱۔کتاب:''فتاویٰ اجتناب الحنفیہ عن اختلاط الرفضۃ والمیر زاہیۃ'' (اردو)
مصنف: مولانا ظہور احمد بگوی رحمۃ اللہ علیہ
صفحات:82 سن اشاعت:۱۳۵۰ھ بمطابق 1931ء
ماہنامہ شمس الاسلام بھیرہ کا فتویٰ نمبر جس میں علماء کرام نے مرزائیوں سے اجتناب اور ان سے اختلاط کو حرام قرار دیا ہے۔

۲۲۔کتاب:''برق آسمانی برخرمن قادیانی'' (اردو)
مصنف: مولانا ظہور احمد بگوی رحمۃ اللہ علیہ
صفحات:216 سن اشاعت:۱۳۵۱ھ بمطابق 1932ء
مرزائیوں کے ساتھ مختلف مناظروں کی مفصل تفصیل اس کتاب میں بیان کی گئی ہے۔

۲۳۔کتاب:''تازیانہ عبرت'' (اردو)
مصنف: مولانا کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ علیہ
صفحات: سن اشاعت:۱۳۵۱ھ بمطابق 1932ء
مولانا کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ علیہ اور مرزا قادیانی کے درمیان ان مقدمات کی تفصیل ہے جو مولانا نے جہلم اور گورداسپور میں لڑے۔

۲۴۔کتاب:(QADIANI MOVEMENT (EANGLISH
مصنف: ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ
صفحات:47 سن اشاعت:۱۳۵۲ھ بمطابق 1933ء
علامہ اقبال کا انگلش میں ردّ قادیانیت پر گراں قدر علمی مقالہ ہے۔

۲۵۔کتاب:ISLAM AND AHMADISM(EANGLISH)
مصنف: ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ
صفحات:50 سن اشاعت:۱۳۵۲ھ بمطابق 1933ء
ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ کی یہ کتاب ''اسلام اور احمدیت'' کے نام سے اردو میں بھی ہے۔

۲۶۔ کتاب: ''ماہنامہ الفرید'' (اردو)
مصنف: خواجہ نور احمد ناز کی
صفحات: 6 سن اشاعت: جنوری 1933ء

مرزائیوں کی جانب سے حضرت خواجہ غلام فرید آف چاچڑاں شریف کی جانب غلط بہتان منسوب کیا گیا، جس کے جواب میں خواجہ نور احمد ناز کی نے یہ رسالہ لکھا اور اصل صورتحال کی وضاحت کی۔

۲۷۔ کتاب: ''مرزائیت کی حقیقت'' (اردو)
مصنف: مولانا ظہور احمد بگوی رحمۃ اللہ علیہ
صفحات: سن اشاعت: مارچ 1933ء

اس رسالے کو حزب الانصار کلکتہ نے مفت طبع کرا کر تقسیم کیا۔

۲۸۔ کتاب: ''تحریک قادیان'' (حصہ اول اردو)
مصنف: سیّد حبیب شاہ رحمۃ اللہ علیہ (مدیر روزنامہ سیاست)
صفحات: 219 سن اشاعت: 1933ء

یہ کتاب آپ کے قادیانیت کے ردّ اور تجزیے پر مشتمل ان مضامین کا مجموعہ ہے جو کہ آپ نے اپنے اخبار روزنامہ سیاست کیلئے تحریر کئے تھے۔

۲۹۔ کتاب: ''ماہنامہ شمس اسلام بھیرہ کا قادیان نمبر'' (اردو)
مصنف: مولانا ظہور احمد بگوی رحمۃ اللہ علیہ
صفحات: 56 سن اشاعت: دسمبر 1933ء

اس رسالے میں مختلف احباب کے علمی مضامین جمع کئے گئے ہیں۔

۳۰۔ کتاب: ''قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ'' (اردو)
مصنف: پروفیسر محمد الیاس برنی
صفحات: 1000 سن اشاعت: ۱۳۵۲ھ بمطابق 1933ء

پروفیسر محمد الیاس برنی جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن میں معاشیات کے پروفیسر تھے، آپ کی یہ کتاب ردّ قادیانیت پر انسائیکلو پیڈیا قرار دی جاسکتی ہے۔ پون صدی گزرنے کے باوجود آج تک قادیانیوں کی جانب سے جواب نہیں دیا جاسکا۔

۳۱۔کتاب: "الکاویہ علی الغاویہ" (اردو)

مصنف: مولانا محمد عالم آسی رحمۃ اللہ علیہ

صفحات:416 سن اشاعت: ۱۳۵۲ھ بمطابق 1933ء جلد اوّل

صفحات:650 سن اشاعت: ۱۳۵۳ھ بمطابق 1934ء جلد دوم

مرزائی تعلیمات اور اسکی تحریفات کو زیر بحث لاکر مضبوط دلائل سے اس کا ردّ کیا گیا ہے۔

۳۲۔کتاب: "السیوف الکلامیہ لقطع الدعویٰ الغلامیہ" (اردو)

مصنف: مولانا محمد حفیظ قادری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

صفحات: 118 سن اشاعت: ۱۳۵۳ھ بمطابق 1934ء

مولانا محمد حفیظ قادری تبلیغ احناف امرتسر کے صدر تھے، ردّ قادیانیت پر یہ آپکی اچھی کتاب ہے۔

۳۳۔کتاب: "فضل الوحید" (اردو)

مصنف: قاضی فضل احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

سن اشاعت: ۱۳۵۴ھ بمطابق 1935ء

۳۴۔کتاب: "الحق المبین" (اردو)

مصنف: مولانا عبدالغنی ناظم سن اشاعت: ۱۳۵۴ھ بمطابق 1935ء

۳۵۔کتاب: "مرزائی نامہ" (اردو)

مصنف: مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش

صفحات:246 سن اشاعت: ۱۳۵۷ھ بمطابق 1938ء

مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش کے اُن مستقل مضامین کا مجموعہ ہے، جو اخبار زمیندار اور احسان میں شائع ہوئے۔

۳۶۔کتاب: ''مقدمہ قادیانی مذہب'' (اردو)

مصنف: پروفیسر محمد الیاس برنی

صفحات: 272 سن اشاعت: ۱۳۶۹ھ بمطابق 1949ء

پروفیسر صاحب کی یہ کتاب دراصل ''قادیانی مذہب'' کا مقدمہ ہے جسے علیحدہ شائع کیا گیا ہے اور جو کچھ اصل کتاب میں رہ گیا تھا، وہ اس اشاعت میں شامل کر دیا گیا۔

۳۷۔کتاب: ''خاتم النبیین'' (اردو)

مصنف: مولانا عبدالسلام قادری باندوی رحمۃ اللہ علیہ

صفحات: 10 سن اشاعت: ۱۳۶۹ھ بمطابق 1949ء

۳۸۔کتاب: ''پاکستان میں مرزائیت'' (اردو)

مصنف: مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش

صفحات: 80 سن اشاعت: ۱۳۷۰ھ بمطابق 1950ء

آپ کی یہ کتاب مرزائیوں کی ہوس اقتدار کی ذہنی تربیت، اس کے اندرونی خدوخال ،اور مرزائیت کے سیاسی عزائم کو واضح کرتی ہے۔

۳۹۔کتاب: ''قادیانی سیاست'' (اردو)

مصنف: مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش

صفحات: 8 سن اشاعت: ۱۳۷۱ھ بمطابق 1951ء

اس رسالے میں قادیانی سیاست کی منافقانہ کشتی کو بھنور میں پھنسے ہوئے دکھایا گیا ہے۔

۴۰۔کتاب: ''تحفظ ختم نبوت کانفرنس کا خطبہ صدارت'' (اردو)

مصنف: صاحبزادہ سیّد فیض الحسن شاہ

صفحات:8   سن اشاعت: 6 دسمبر 1951ء

ریاست بھاولپور میں ختم نبوت کانفرنس میں خطبہ صدارت پیش کرتے ہوئے آپ نے ریاست بھاولپور کے حکام سے مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کیا۔

۴۱۔ کتاب: ''ہفتہ وار رضوان لاہور کا ختم نبوت نمبر'' (اردو)

مصنف: علامہ سیّد محمود احمد رضوی

صفحات:64   سن اشاعت: 7 اگست 1952ء

مرزائیوں کے کفر وارتداد کو اس رسالے کے ذریعے واضح کیا گیا ہے۔

۴۲۔ کتاب: ''کرم الٰہی بجواب انعام الٰہی'' (اردو)

مصنف: علامہ مفتی عزیز احمد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ

صفحات:24   سن اشاعت: ۱۳۷۲ھ بمطابق 1952ء

علامہ مفتی عزیز احمد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ رسالہ مرزا محمود کے ایک خطبہ کے جواب میں ہے، جس میں مسلمانوں کو مرزائیوں کے عقائد سے آگاہ کیا ہے۔

۴۳۔ کتاب: ''قادیانی کذّاب'' (اردو)

مصنف: مولانا مفتی رفاقت حسین بریلوی

صفحات:96   سن اشاعت: ۱۳۷۳ھ بمطابق 1953ء

مرزا غلام احمد قادیانی کے کذّب کو بیان کر کے مسلمانوں کو اس سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔

۴۴۔ کتاب: ''القول الصحیح فی اثبات حیات المسیح'' (اردو)

مصنف: مولانا مفتی امید علی خان (ملتان انوار العلوم)

صفحات:96   سن اشاعت: ۱۳۷۳ھ بمطابق 1953ء

اس کتاب میں عقیدہ حیات مسیح علیہ السلام پر گرانقدر دلائل اور ردّ مرزائیت کا بیان ہے

۴۵۔ کتاب: ''اکرام الحق کی چٹھی کا جواب'' (اردو)

مصنف: حضرت مولانا ابوالحسنات دیدار علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ

صفحات: 32　　　سن اشاعت: ۱۳۷۳ھ بمطابق 1953ء

۴۶۔ کتاب: ''کرشن قادیان کے بیان'' (تبصرہ اردو)

مصنف: حضرت مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ

صفحات: 54　　　سن اشاعت: ۱۳۷۳ھ بمطابق 1953ء

۴۷۔ کتاب: ''ختم النبوۃ'' (عربی)

مصنف: محمد ایوب دہلوی

صفحات: 70　　　سن اشاعت:

عقیدہ ختم نبوت پر یہ عربی تصنیف ہے۔

ذیل میں ان کتابوں کی فہرست درج ہے جن کے سن اشاعت دستیاب نہیں ہو سکے ہیں۔ لیکن یہ کتابیں مرزا غلام احمد قادیانی کی زندگی سے لے کر تحریک ختم نبوت 1953ء تک مختلف وقتوں میں شائع ہوئیں۔

۱۔ کتاب: ''تحقیق صحیح فی تردید قبر مسیح'' (اردو) مصنف: بابو پیر بخش رحمۃ اللہ علیہ

۲۔ کتاب: ''مجدد کون ہو سکتا ہے'' (اردو) مصنف: بابو پیر بخش رحمۃ اللہ علیہ

۳۔ کتاب: ''قادیانی قول و فعل'' (اردو) مصنف: پروفیسر الیاس برنی صاحب

۴۔ کتاب: ''فوائد فریدیہ'' (ملفوظات) (اردو) مصنف: پیر خواجہ غلام فرید چاچڑاں علیہ الرحمہ

۵۔ کتاب: ''حیات عیسیٰ علیہ السلام'' مصنف: مولانا مہر الدین جماعتی

۶۔ کتاب: ''الصارم الربانی علیٰ کرشن قادیانی'' مصنف: مولانا مفتی صاحب داد خان

۷۔ کتاب: ''ظہور صداقت ردّ مرزائیت'' مصنف: مولانا پیر ظہور احمد جلال پوری

۸۔ کتاب: ''قہر یزدانی بر سر دجال قادیانی'' مصنف: مولانا پیر ظہور احمد جلال پوری

۹۔ کتاب: ''غضب آسمانی بر مرزائے قادیانی'' مصنف: مولانا نور الحسن سیالکوٹی

(مرزا غلام احمد قادیانی کی موت کے بارے میں پیر جماعت علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ

علیہ کی پیشین گوئی)

۱۰۔کتاب:''قہر یزدانی بر قلعہ قادیانی'' مصنف: مولانا نظام الدین ملتانی

۱۱۔کتاب:''ختم المرسلین'' مصنف: مولانا مظہر الدین رمداسی

۱۲۔کتاب:''تکذیب مرزا بر زبان مرزا'' مصنف: مولانا سیّد محمد ولی اللہ

۱۳۔کتاب:''سیف درگاہی بر گردن مرزائی'' مصنف: مولانا احمد دین درگاہی

۱۴۔کتاب:''ختم نبوت'' (غیر مطبوعہ) مصنف: مولانا مفتی غلام مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ

۱۵۔کتاب:''ردّ مرزا قادیانی'' (غیر مطبوعہ) مصنف: مولانا خواجہ محمد ابراہیم مجددی

۱۶۔کتاب:''قادیانی فتنے کا ارتداد'' (غیر مطبوعہ) مصنف: مولانا قاری احمد پیلی بھیتی

۱۷۔کتاب:''سیف رحمانی علی راس القادیانی'' (غیر مطبوعہ) مصنف: مولانا غلام جان ہزاروی

مرزا قادیانی کی موت کے بعد علماء و مشائخ کی دیگر علمی اور عملی مساعی

(فتاوے، مناظرے، مباہلے، اور مقدمات)

ذیل میں علماء و مشائخ کے دیگر علمی و عملی کوششوں اور کاوشوں کا مختصراً تذکرہ ہے، جنھوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کی موت کے بعد ردّ مرزائیت کے حوالے سے مناظرے، مباہلے، اور مقدمات کی صورت میں انجام دیں۔

☆ مولانا نواب الدین سنکوہی رمداسی نے قادیانیوں سے تنسیخ نکاح کا سب سے پہلا مقدمہ جیتا۔

☆15-14 جولائی 1908ء کو مفتی غلام مرتضیٰ میانی ضلع شاہ پور کا حکیم نور الدین قادیانی سے مناظرہ ہوا۔ جس میں حکیم نور الدین قادیانی لاجواب رہا۔

☆19-18 اکتوبر 1924ء کو مفتی غلام مرتضیٰ کا جلال الدین شمس قادیانی سے ہریا، ضلع گجرات میں ایک تاریخی مناظرہ ہوا جس میں مفتی غلام مرتضیٰ کو فتح حاصل ہوئی۔

☆ 5، نومبر 1926ء عدالت منصفی احمد پور شرقیہ نے ایک قادیانی کے خلاف سنی مدعی

کے حق میں فیصلہ دیا کہ مدعا علیہ مرزائی ہونے کی وجہ سے مرتد ہو چکا ہے اس لیے مرتد کا نکاح سنی عورت سے باقی نہیں رہا۔

☆ 7 فروری 1935ء ڈسٹرکٹ جج بہاولپور نے سنی مدعیہ کے حق میں فیصلہ دیتے ہوئے قرار دیا کہ مدعیٰ علیہ قادیانی ہونے کی وجہ سے مرتد ہو چکا ہے لہذا یہ نکاح باقی نہیں رہا۔

☆ قیام پاکستان سے قبل مولانا محمد سردار احمد اور مولانا عبدالرشید رضوی نے مختلف اوقات میں قادیانی مناظروں سے کئی مناظروں میں کامیابی حاصل کی۔

☆ 1952ء کو مسلم لیگ صوبائی کونسل کے اجلاس میں غزالی زماں علامہ سیّد احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے قادیانیت کے خلاف قرارداد پیش کی، جس میں مسلم لیگ کے قائدین سے مطالبہ کیا گیا کہ قادیانیوں کی سازشوں اور مضمرات کو سمجھتے ہوئے اس فتنے کے استیصال کیلئے تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لایا جائے۔

مرزا کے دعاوی باطلہ کی علمی، عملی، اور قلمی تردید کرنے والے علماء ومشائخ

ذیل میں اُن اکابرین اہلسنت کی فہرست درج ہے جنھوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کی زندگی میں اسکے دعاوی باطلہ کی علمی، عملی، اور قلمی تردید فرما کر علمائے حق ہونے کا فرض ادا کیا۔

١۔ حضرت علامہ مولانا غلام دستگیر ہاشمی قصوری رحمۃ اللہ علیہ

٢۔ حضرت علامہ مولانا غلام رسول امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

٣۔ حضرت علامہ مولانا قاضی فضل احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

٤۔ حضرت علامہ مولانا پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

٥۔ حضرت علامہ پیر جماعت علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

٦۔ حضرت علامہ مولانا محمد حسن فیضی رحمۃ اللہ علیہ

٧۔ حضرت علامہ مولانا کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ علیہ

٨۔ حضرت علامہ مولانا پیر ضیاالدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ

۹۔ حضرت علامہ مولانا محمد عالم آسی رحمۃ اللہ علیہ

۱۰۔ حضرت علامہ مولانا مفتی غلام قادر بھیروی رحمۃ اللہ علیہ

۱۱۔ حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

۱۲۔ امام اہلسنّت الشاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۔ حضرت علامہ مولانا اصغر علی روحی رحمۃ اللہ علیہ

۱۴۔ حضرت علامہ مولانا غلام اللہ قصوری رحمۃ اللہ علیہ

۱۵۔ حضرت علامہ مولانا محمد عبداللہ گجراتی رحمۃ اللہ علیہ

۱۶۔ حضرت علامہ مولانا دیدار علی شاہ الوری رحمۃ اللہ علیہ

۱۷۔ حضرت علامہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ

۱۸۔ حضرت علامہ مولانا مفتی عبداللہ ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ

۱۹۔ حضرت علامہ مولانا مفتی عبدالغفار گوالیار رحمۃ اللہ علیہ

۲۰۔ مولانا عبداللہ چشتی افغانان راولپنڈی رحمۃ اللہ علیہ

۲۱۔ حضرت علامہ مولانا پیر خلیل الرحمٰن ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ

۲۲۔ حضرت علامہ مولانا پیر عبدالرحمٰن چھوہروی رحمۃ اللہ علیہ

۲۳۔ حضرت علامہ مولانا پیر سراج الحق کرنالوی رحمۃ اللہ علیہ

۲۴۔ حضرت مولانا پیر سیّد عبدالغفار باجہ خیلاں رحمۃ اللہ علیہ

۲۵۔ حضرت مولانا پیر عبدالعزیز چاچڑاں رحمۃ اللہ علیہ

۲۶۔ حضرت علامہ مولانا پیر احمد علی بٹالوی رحمۃ اللہ علیہ

۲۷۔ حضرت علامہ مولانا محمد نور الحق شاہ پور رحمۃ اللہ علیہ

۲۸۔ حضرت علامہ مولانا غلام مصطفی لاہور رحمۃ اللہ علیہ

۲۹۔ حضرت علامہ مولانا عبداللطیف افغانی رحمۃ اللہ علیہ

۳۰۔ حضرت علامہ مولانا محمود الدین ڈیرہ غازی خان رحمتہ اللہ علیہ

۳۱۔ حضرت علامہ مولانا عبدالرحیم واعظ لاہور رحمتہ اللہ علیہ

۳۲۔ حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی رحمتہ اللہ علیہ

۳۳۔ حضرت علامہ مولانا فقیر محمد جہلمی رحمتہ اللہ علیہ

۳۴۔ حضرت علامہ مولانا پیر محمد حسین مرادآبادی رحمتہ اللہ علیہ

۳۵۔ حضرت علامہ مولانا لطف اللہ حیدرآبادی رحمتہ اللہ علیہ

۳۶۔ حضرت علامہ مولانا کلیم اللہ گجرات رحمتہ اللہ علیہ

۳۷۔ حضرت علامہ مولانا ابوالخیر مجددی دہلوی رحمتہ اللہ علیہ

۳۸۔ حضرت علامہ مولانا غلام محمد بگوی رحمتہ اللہ علیہ

۳۹۔ حضرت علامہ مولانا پیر عبدالخالق جہاں خیلاں رحمتہ اللہ علیہ

۴۰۔ حضرت علامہ مولانا شیخ نظام الدین بریلوی رحمتہ اللہ علیہ

۴۱۔ حضرت علامہ مولانا نواب الدین سنکوہی رحمتہ اللہ علیہ

۴۲۔ حضرت پیر محمد چراغ چکوڑی گجرات رحمتہ اللہ علیہ

۴۳۔ حضرت علامہ مولانا نور احمد ملتانی رحمتہ اللہ علیہ

۴۴۔ حضرت علامہ مولانا سراج الدین گولڑہ رحمتہ اللہ علیہ

۴۵۔ حضرت علامہ مولانا محکم الدین لاہور رحمتہ اللہ علیہ

۴۶۔ حضرت علامہ مولانا جمال الدین راولپنڈی رحمتہ اللہ علیہ

۴۷۔ حضرت علامہ مولانا غلام احمد لاہوری رحمتہ اللہ علیہ

۴۸۔ حضرت علامہ مولانا شہاب الدین مرولہ رحمتہ اللہ علیہ

۴۹۔ حضرت علامہ مولانا فتح محمد جموں رحمتہ اللہ علیہ

۵۰۔ حضرت علامہ مولانا محمد غازی رحمتہ اللہ علیہ و دیگر علماء و مشائخ

باب:۔ نہم

تحریک ختم نبوت 1953ء

میں

علماء ومشائخِ اہلسنّت

اور

علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی

☆برصغیر پاک و ہند کی تاریخ میں عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کیلئے کی جانے والی جدو جہد میں تحریک ختم نبوت 1953ء کو جو اہمیت اور مقام حاصل ہے۔آج اس سے کون واقف نہیں ہے۔

☆تحریک ختم نبوت 1953ء بلاشبہ ایک عظیم تحریک ہے۔اس تحریک کے قائدین و رہنما اور تمام شرکاء وہ مردان خدا مست ہیں۔جن کی زندگی جہد مسلسل اور قربانیوں سے عبارت ہے۔انہوں نے فتنہ قادیانیت کے خلاف بے سرو سامانی کے باوجود ایسی کاری ضرب لگائی۔جس نے اس تحریک کو 7،ستمبر 1974ء کے تاریخ ساز دن تک پہنچنے کی راہ آسان کردی۔آج پوری ملت اسلامیہ اہل سنّت و جماعت کے ان اکابر علماء و مشائخ اور عوام کی شکر گزار ہے۔جن کی لازوال جدو جہد نے دنیا کو یہ دن دکھایا۔

☆اس باب میں ہم اِن اکابرین تحریک کے کردار اور کارناموں کا مختصراً جائزہ لے کر انہیں خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں۔

تحریک کے اسباب و محرکات

چوہدری ظفر اللہ خان قادیانی کا پاکستانی وزارت خارجہ کا قلمدان سنبھالتے ہی قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا محمود قادیانی اور اُس کے حواریوں نے پاکستانی سیاست اور اہم انتظامی اداروں میں بڑی سرگرمی سے دخل اندازی شروع کردی۔ اِن واقعات کی تفصیل پچھلے باب میں گزر چکی ہے۔ مرزا محمود قادیانی نے ستمبر **1947**ء سے لیکر جنوری **1948**ء تک قادیانی اخبار الفضل میں پاکستان کے معاشی اور خود انحصاری کے حوالے سے مضامین لکھے۔ ان مضامین میں اُس نے ہندوستان کے ساتھ ہر ممکن تعاون کے نظریئے پر زور دیا۔ اُس کی خواہش تھی کہ ہندوستان اور پاکستان کو اپنی دفاعی حکمت عملی کیلئے ایک مشترکہ مقصد پروان چڑھانا چاہیے۔ دراصل یہ اُن کی وہی پرانی خواہش ناتمام تھی، جس کے تانے بانے اُن کے "اکھنڈ بھارت" اپنی اقلیتی جماعت کی بالادستی اور قادیان کی مرکزیت کے خود ساختہ تصور سے جا ملتے تھے۔

11 ستمبر **1948**ء کا دن پاکستانی قوم کیلئے انتہائی دکھ اور تکلیف کا باعث تھا۔ بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کی وفات کے سانحے نے پوری قوم کی کمر توڑ کر رکھدی تھی۔ ابھی لوگ اپنے عظیم قائد اور محبوب رہنما کی وفات کے سانحے سے سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ انہیں ایک اور دھچکا پاکستان کے قادیانی وزیر خارجہ چوہدری ظفر اللہ نے قائد اعظم محمد علی جناح کو غیر مسلم قرار دے کر اُن کی نماز جنازہ پڑھنے سے انکار کر کے پہنچایا۔ کیونکہ قادیانی کھلے عام دنیا بھر کے مسلمانوں کو کافر قرار دیتے تھے۔ اس لیے اُن کے نزدیک قائد اعظم کیلئے بھی کوئی استثنیٰ نہیں تھا۔ قادیانی وزیر خارجہ چوہدری ظفر اللہ کی قائد اعظم کی نماز جنازہ نہ پڑھنے کے عمل نے پورے پاکستان میں قادیانیوں کیلئے نفرت کے جذبات کو اور تیز اور اُن کی تشویش میں اضافہ کردیا اور

پاکستان کے مسلمان محسوس کرنے لگے کہ قادیانی مسئلہ انگریزی دور سے بھی بڑھ کراب اُن کیلئے زیادہ خطرناک بنتا جارہا ہے۔

اس موقع پر پاکستان کے معروضی اور غیر مستحکم سیاسی حالات سے مرزا محمود قادیانی نے بھرپور فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا۔اس نے اپنے آپ کو سیاسی حلقوں میں متعارف کرانے کیلئے ملک کا دورہ شروع کیا۔مرزا محمود قادیانی نے سیالکوٹ،جہلم،کراچی،پشاور،راولپنڈی اور کوئٹہ میں اجتماعات سے خطاب کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی جماعت کے ایسے اجتماعات منعقد کروائے جن میں اس کی جماعت کے علاوہ اہم سول وفوجی افسران اور سیاسی قائدین نے شرکت کی،ان اجتماعات میں مرزا محمود قادیانی نے ان کے سامنے دفاعی حکمت عملی سمیت پاکستان کے مستقبل کے حوالے سے اپنا نقطہ نظر پیش کیا۔مرزا محمود قادیانی کی ان تمام کوششوں کا اصل مقصد روزنامہ''دی مسلم''اسلام آبادیوں واضح کرتا ہے

> ''اپنے نظریئے کے ایک حصے کے طور پر قادیانیوں نے مسلمانوں کی صفوں میں انسانی کمزوریوں کا فائدہ اٹھایا۔معصوم اذہان کو انتشار کا شکار کیا اور انہیں (مرزا غلام احمد قادیانی کی) جعلی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت دی........جب آزادی کے ابتدائی ایام میں پاکستان اپنی بقاء کیلئے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا،تو سامراج کا یہ نیا ایڈیشن (قادیانی) افسر شاہی،مسلح افواج اور دوسرے سرکاری ونیم سرکاری اداروں کی جڑوں میں بیٹھنے کی تیاری کررہا تھا۔(اوراُن کی جماعت کے افراد)اِن(اہم)اداروں کی کلیدی اسامیوں پر قبضے کے بعد اپنے ماتحتوں کو احمدی بنانے کی کوششوں میں لگے رہے۔یہ خالصتاً خدا اور انسان کے درمیان مذہبی معاملہ نہ تھا اور نہ ہی قائداعظم کی پالیسی کے مطابق تھا۔یہ''شدھی''کی طرح کی ایک منظم اور اجتماعی تحریک تھی،یہ ایک طرح کا(دینی) استحصال،جارحیت اور مذہبی ارتداد تھا۔سیکولرازم کے پرچارک یا روشن خیال جمہوری سلطنتیں

نہ تو ایسے جارحانہ عزائم رکھتی ہیں اور نہ اِن پر دھیان دیتی ہیں۔نتیجتاً قادیانیوں کو عوامی اذہان کے ساتھ مکمل کر کھیلنے کا بلا روک ٹوک موقع مل گیا۔انہیں خوب سیاسی اثر و نفوذ حاصل ہو گیا۔جس سے وہ ہر ایسے شخص یا تنظیم کو شکست دینے کے قابل ہو گئے، جو ان کے منصوبوں یا خواہشات کے خلاف کام کرے۔"

(روزنامہ "دی مسلم" اسلام آباد۔27مئی1984ء)

قادیانی خلیفہ مرزا محمود نے پشاور میں ڈاکٹر خان صاحب اور خدائی خدمتگار خان عبدالغفار خان سے بھی ملاقات کی۔پشاور سے واپسی پر راولپنڈی میں ایک مجمع سے خطاب کرتے ہوئے اُس نے مسئلہ کشمیر پر اہم کردار ادا کرنے کی خواہش کا بھی اظہار کیا۔مرزا محمود کی ان تمام کوششوں اور کاوشوں کا اوّلین مقصد اپنے اور اپنی قادیانی جماعت کیلئے لوگوں کے دلوں میں نرم گوشے کے حصول کے ساتھ کرسی اقتدار تک پہنچنا بھی تھا۔اُس نے اپنے مریدین کو ہدایت جاری کی کہ "اقتدار حاصل کرو، اگر پُر امن ذرائع سے حاصل نہ ہو سکے تو قوت سے حاصل کرو" ساتھ ہی مرزا محمود نے قادیانیوں کو یہ ہدایت بھی جاری کی کہ وہ لوگوں کو مرزائی بنانے کیلئے بھر پور ارتدادی مہم شروع کر دیں۔اُس نے اپنے سیاسی دوروں کے دوران یہ ہدایت بھی جاری کی کہ "وہ کم آبادی والے وسیع و عریض بلوچستان کی آبادی کو قادیانی بنانے پر توجہ دیں، تا کہ احمدی (قادیانی) اِس قابل ہو سکیں کہ کم از کم ایک صوبے کو تو اپنا کہہ سکیں" جسٹس منیر انکوائری رپورٹ میں مذکور ہے

"1951ء کے کرسمس کے موقع پر صدر انجمن احمدیہ کے سالانہ اجلاس میں اُن کے خطاب پر جو 16،جنوری 1952ء میں قادیانی اخبار الفضل میں چھپا، اکتفا کیا جاتا ہے جس میں اُس نے اپنے پیروں کاروں کو بے صبری سے کہا کہ وہ اپنی ارتدادی کاروائیوں کو تیز اور شدید کر دیں، تا کہ جو لوگ اب تک کافر ہیں وہ "احمدیت" (قادیانیت) کے دائرے

میں 1952ء کے اواخر تک آجائیں۔"

مرزا محمود قادیانی نے بار بار علی الاعلان اِس بات کا بھی اظہار کیا کہ باقاعدہ ایک منظم کوشش کے ساتھ مختلف سرکاری محکموں میں قادیانیوں کو داخل کیا جائے اور پھر سرکاری عہدوں پر قبضہ کر کے حکومت کی مشینری کو قادیانی جماعت کے مفاد میں استعمال کیا جائے۔قادیانی خلیفہ مرزا محمود قیام پاکستان کے بعد سے مسلسل اپنے پیروؤں کو"دشمن" کے مقابلہ پر اکساتے اور بھڑکاتے رہے اور اُن کے اندر جنگجویانہ ذہنیت پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہے۔جیسے

"لوگ (قادیانی) گھبراتے ہیں کہ اُن کی مخالفت کیوں کی جاتی ہے۔لوگ جھنجلا اٹھتے ہیں کہ اُن کی عداوت کیوں جاتی ہے۔لوگ چڑتے ہیں کہ انہیں دکھ کیوں دیا جاتا ہے۔لیکن اگر گالیاں دینے اور دکھ دینے کی یہی وجہ ہے کہ وہ ہمارا شکار ہیں،تو پھر ہمیں گھبرانا نہیں چاہیے اور نہ کسی قسم کی فکر کرنا چاہیے۔بلکہ ہمیں خوش ہونا چاہیے کہ دشمن (مسلمان) یہ محسوس کرتا ہے کہ اگر ہم میں کوئی نئی حرکت پیدا ہوئی تو ہم اُس کے مذہب کو کھا جائیں گے۔"

(الفضل۔16،جولائی 1949ئ)

مرزا بشیر الدین محمود اور اُس کی جماعت کے دوسرے لوگوں نے اشتعال انگیز انداز میں کھلم کھلا مسلمانوں کو دھمکیاں دیں

"ہم فتحیاب ہونگے ضرور تم مجرموں کی طرح ہمارے سامنے پیش ہو گے، اس وقت تمہارا حشر بھی وہی ہوگا،جو فتح مکہ کے دن ابو جہل اور اُس کی پارٹی کا ہوا تھا"

(الفضل۔3،جنوری 1952ئ)

"1952ء کو گزرنے نہ دیجیے جب تک کہ احمدیت (قادیانیت) کا رعب دشمن اِس رنگ میں محسوس نہ کرے کہ اب احمدیت (قادیانیت) مٹائی نہیں

جاسکتی اور وہ مجبور ہو کر احمدیت (قادیانیت) کی آغوش میں آگرے"

(الفضل۔16، جنوری1952ئ)

مرزا محمود قادیانی کے اِن بیانات اور خوفناک عزائم نے عوام اور محب وطن علماء میں شدید بے چینی کی فضا پیدا کردی۔ جس کا فطری ردِّ عمل عوام اور علماء کی طرف سے قادیانیت کے ردّ اور محاسبے کی شکل میں سامنے آیا اور 11، اگست 1948ء میں مرزا محمود قادیانی کے دورہ کوئٹہ کے دوران کوئٹہ کے غیور مسلمانوں نے ایک قادیانی فوجی افسر میجر محمود کو قتل کردیا۔ یہ قادیانی فوجی افسر مسلم ریلوے ایمپلائیز ایسوسی ایشن کے زیر انتظام ختم نبوت کے عنوان سے منعقدہ جلسہ عام کے پاس مشکوک حالت میں گھومتا ہوا پایا گیا تھا۔

پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد خواجہ ناظم الدین نے پاکستان کی وزارت عظمیٰ کا قلمدان سنبھالا اور ایک سابق بیورو کریٹ غلام محمد پاکستان کا گورنر جنرل بن گیا۔ اپریل 1951ء میں مسلم لیگ کے برسر اقتدار آنے کے بعد پنجاب میں ممتاز دولتانہ وزیر اعلیٰ بنے۔ نوزائیدہ مملکت ابھی تک اپنے آئین کی تشکیل سے محروم تھی اور آئین ساز ادارہ اسمبلی علاقائی دھڑے بندی کا شکار تھی۔ مرکز صوبوں سے اور صوبائی حکومتیں آپس میں دست و گریباں تھیں۔ پنجاب خاص طور پر سیاستدانوں کی سازشوں کا مرکز تھا۔ مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان کشیدگی بڑھ رہی تھی۔ جس کی وجہ سے ہر طرف بے یقینی اور بے چینی کے اثرات نمایاں تھے۔

1952ء میں گورنر جنرل خواجہ ناظم الدین نے ملک کے آئین کے بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی ایک رپورٹ تیار کروائی۔ جو بی، پی، سی رپورٹ "Basic Principles Committee Report" کے نام سے موسوم ہوئی۔ اس بنیادی اصولوں کی رپورٹ میں نظریہ پاکستان کے تحفظ کے تقاضے کے مطابق ملک کیلئے جداگانہ انتخاب تجویز کیا گیا تھا۔ جداگانہ انتخاب کی صورت میں اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کیلئے اقلیتوں کے واسطے صوبائی اور مرکزی حکومت میں نشستیں مخصوص کی گئیں، چنانچہ

اِس بی، پی، سی رپورٹ میں اقلیتوں کا ایک چارٹ بھی شائع کیا گیا، جس میں ہندو، سکھ، عیسائی، پارسی اور اچھوت بطور اقلیت درج تھے۔ لیکن قادیانیوں کا جو کہ پورے عالم اسلام کے فیصلوں اور فتوؤں کی روشنی میں خارج از اسلام اور ایک نئی ذرّیت تھے۔ انہیں اقلیتوں کے چارٹ میں نہیں دکھایا گیا تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ خواجہ ناظم الدین کی حکومت نے انہیں مسلمانوں میں شامل کر دیا تھا تا کہ وہ مارِ آستین بن کر مسلمانوں کے حقوق پر ڈاکہ زنی کرتے رہیں۔ اونچے درجے کی ملازمتیں اُن کے نوجوانوں کو ملتی رہیں اور وہ اپنی اور اپنی جماعت کی خدمت کرتے رہیں۔

(تحریک ختم نبوت 1953ئ۔ص 104)

مرزا محمود قادیانی مسلسل اپنے خطبوں میں قادیانیوں کو اشتعال دلاتا رہا۔ اُس نے اپنے ایک خطبے میں قادیانیوں کو مشتعل کرتے ہوئے یہاں تک کہا کہ

''ایسی صورتحال اختیار کرلو کہ تمہارے مخالفین 1952ء گزرنے سے پہلے پہلے تمہارے قدموں میں گرنے پر مجبور ہو جائیں۔''

15، جولائی 1952ء کو قادیانی اخبار الفضل میں مرزا محمود قادیانی نے ''خونی ملا کے آخری دن'' کے عنوان سے علماء کرام کو دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ

''ہاں آخری وقت آپہنچا ہے، اِن تمام علمائے حق کے خون کا بدلہ لینے کا جن کو شروع سے لے کر آج تک یہ ''خونی ملا'' قتل کرواتے آئے ہیں۔ اِن سب کے خون کا بدلہ لیا جائے گا۔ ملا بدایونی سے، ملا محمد شفیع سے، عطاء اللہ شاہ بخاری سے، ملا احتشام الحق سے اور ملا مودودی (پانچویں سوار) سے۔''

قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا محمود کی اشتعال انگیزی، ہر آنے والے دن کے ساتھ اس کا اور قادیانی جماعت کا بڑھتا ہوا سیاسی اثر ورسوخ اور کردار، محب وطن عوام اور علماء کے لیے تشویشناک صورتحال اختیار کرتا جا رہا تھا۔ عوام محسوس کرنے لگے تھے کہ ریاست کی جڑیں کھوکھلی

کرنے کیلئے قادیانی سامراجیوں کا کھیل کھیل رہے ہیں۔اسلیئے اب ضروری ہوگیا ہے کہ ان کی حدود مقرر کی جائیں۔قادیانیوں کی کشمیر اور بلوچستان کے بارے میں سازشیں، لیاقت علی خان کا قتل اور پنڈی سازش کیس میں ملوث ہونے سے پہلے ہی انکے مستقبل کے خطرناک عزائم اور حکمت عملی کا واضح تعین ہوگیا تھا۔

کراچی میں قادیانیوں کا احتجاجی جلسہ اور ظفر اللہ قادیانی کی شرانگیز تقریر

17، اور 18، مئی 1952ء کو قادیانی جماعت ''انجمن احمدیہ'' کراچی نے جہانگیر پارک میں ایک عوامی احتجاجی جلسہ منعقد کرنے کا اعلان کیا۔اس جلسے کے اہم مقررین میں پاکستان کے قادیانی وزیر خارجہ ظفر اللہ کا نام بھی شامل تھا۔'' اس جلسے کے انعقاد سے چند دن قبل پاکستان کے وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین نے اس اَمر کے خلاف اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا کہ چوہدری ظفر اللہ خاں نے ایک فرقہ وارنہ جلسہ عام میں شرکت کا ارادہ کیا ہے۔لیکن چوہدری ظفر اللہ خاں نے خواجہ ناظم الدین سے کہا کہ میں انجمن سے وعدہ کر چکا ہوں۔اگر چند روز پہلے مجھے یہ مشورہ دیا جاتا تو میں جلسے میں شریک نہ ہوتا۔لیکن وعدہ کر لینے کے بعد میں اس جلسے میں تقریر کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں اور اگر اس کے باوجود بھی وزیر اعظم اِس بات پر مصر ہوں کہ مجھے جلسے میں شامل نہ ہونا چاہیے تو میں اپنے عہدے سے مستعفی ہونے کو تیار ہوں۔

اس جلسے کے پہلے روز عوام کی طرف سے ناراضگی کا مظاہرہ کیا گیا اور اجلاس کی کاروائی میں مداخلت کرنے کی بھی کوششیں کیں۔لیکن 18، مئی کو جلسے کے انعقاد کیلئے خاص انتظامات کئے گئے۔چوہدری ظفر اللہ نے اس جلسے میں تقریر کرتے ہوئے قادیانیت کو زندہ اور اسلام کو مردہ قرار دیا۔اُس نے کہا کہ

> ''احمدیت ایک ایسا پودا ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ہاتھوں سے لگایا ہے اور یہ پودا اس قدر جڑیں پکڑ چکا ہے، جس سے اسلام کے تحفظ کی وہ ضمانت مہیا ہوگئی ہے، جس کا وعدہ قرآن میں ہے کہ اگر اس پودے کو ختم کر دیا گیا تو اسلام زندہ نہ رہ سکے گا، بلکہ اس سوکھے ہوئے درخت کی

طرح ہو جائے گا، جس کی دوسرے مذاہب پر کوئی قابل ذکر بالادستی نہیں ہوگی۔"

(منیر انکوائری رپورٹ۔ ص 76 اور 77)

"آل پاکستان مسلم پارٹیز کانفرنس کراچی" کا انعقاد تحریک کا نقطہ آغاز

کراچی ان دنوں پاکستان کا دارالخلافہ ہونے کے ساتھ ساتھ ملک کا بھی اہم ترین شہر تھا۔ کراچی جیسے حساس شہر میں اسلام کے خلاف چوہدری ظفر اللہ قادیانی کی اس زہریلی تقریر پر عوام نے شدید غم و غصے کا اظہار کیا اور کراچی سمیت ملک بھر میں قادیانیوں کے خلاف زبردست مظاہرے شروع ہو گئے۔ مسلمانوں کی ناراضگی اور برہمی نے پورے ملک میں ایک تحریک کی شکل اختیار کر لی۔ اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے 2، جون 1952ء کو تھیوسوفیکل ہال کراچی میں علما و کرام کی ایک "آل پاکستان مسلم پارٹیز کانفرنس" منعقد ہوئی۔ کانفرنس کے دعوت نامے پر مجاہد تحریک پاکستان، فاتح سرحد علامہ عبدالحامد بدایونی کے علاوہ مولانا احتشام الحق تھانوی (دیوبندی) مولانا جعفر حسین مجتہد (اہل تشیع)، مولانا محمد یوسف (اہلحدیث) اور مولانا لال حسین اختر (مجلس احرار) کے دستخط بھی تھے۔

شرکاء کانفرنس کے حکومت سے متفقہ مطالبات

علامہ سید سلیمان ندوی کی زیر صدارت اس کانفرنس میں علماء کرام نے پہلی مرتبہ تین مطالبات متعین کر کے متفقہ طور پر حکومت کے سامنے رکھے۔ جن کی تفصیل یوں تھی۔

(1) حکومت احمدیوں (قادیانیوں) کو غیر مسلم اقلیت قرار دے۔

(2) چوہدری ظفر اللہ خاں کو وزیر خارجہ کے عہدے سے برطرف کیا جائے۔

(3) احمدیوں (قادیانیوں) کو تمام کلیدی آسامیوں سے برطرف کیا جائے۔

"علماء بورڈ" کا قیام

اس اجلاس میں یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ مندرجہ بالا مقاصد کے حصول کی خاطر ایک آل

پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن طلب کیا جائے گا۔حکومت کے مرزائیت نواز رجحانات کے باعث آئینی ذرائع سے پرامن جدوجہد کا راستہ اختیار کرنے کیلئے اس کانفرنس میں اہم رہنماؤں پر مشتمل ایک ''علماء بورڈ'' بھی تشکیل دیا گیا۔جس کے ذمہ آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن کے اگلے اجلاس کے جملہ انتظامات تھے۔اس علماء بورڈ میں

(1) علامہ سیّد سلیمان ندوی صاحب (صدر)

(2) علامہ عبدالحامد بدایونی صاحب (7) علامہ محمد یوسف کلکتوی صاحب

(3) علامہ مفتی صاحبداد صاحب (8) مولانا لال حسین اختر صاحب

(4) مولانا شاہ احمد نورانی صاحب (9) الحاج ہاشم گزدر صاحب

(5) مفتی محمد شفیع صاحب (10) مولانا جعفر حسین مجتہد صاحب

(6) علامہ سلطان احمد صاحب (11) مولانا احتشام الحق تھانوی (کنونیز)

شامل تھے۔گیارہ رکنی اس بورڈ میں فاتح سرحد علامہ عبدالحامد بدایونی، مفتی صاحبداد خان اور حضرت علامہ شاہ احمد نورانی کا تعلق اہلسنت وجماعت کی مذہبی سیاسی تنظیم جمعیت علماء پاکستان سے تھا۔

(جسٹس منیر انکوائری رپورٹ۔ص80 تحریک ختم نبوت 1953۔ص 114،115)

''آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن کراچی'' کی تیاری

13، جولائی 1952ء کو کراچی میں الحاج ہاشم گزدر کے مکان پر مندرجہ بالا علماء بورڈ کے اراکین کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔جس میں ''آل پاکستان پارٹیز کنونشن'' میں شرکت کیلئے جن چودہ مذہبی جماعتوں کو دعوت نامے جاری کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔اُن میں اہلسنّت وجماعت کی نمائندہ جماعتوں ''جمعیت علماء پاکستان، جمعیت اہل سنّت اور پیر صاحب سرسینہ ابوصالح محمد جعفر صاحب کی جماعت ''حزب اللہ (مشرقی پاکستان)'' کے علاوہ دیگر مکتبہ فکر کی جماعتوں میں تنظیم اہلسنّت والجماعت، جمعیت علماء اسلام، مجلس تحفظ ختم نبوت، مجلس احرار اسلام، جمعیت اہلحدیث، جماعت اسلامی، جمعیت الفلاح، موتمر اہل حدیث پنجاب، سفینۃ المسلمین، جمعیت العربیہ

، ادارہ تحفظ حقوق شیعہ بھی شامل تھیں۔

5، اگست 1952ء کو کراچی میں علماء بورڈ کا اجلاس ہوا۔ جس میں مولانا ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری، مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش، شیخ حسام الدین، اور ماسٹر تاج الدین انصاری خصوصی طور پر شریک ہوئے۔ اس اجلاس میں بورڈ نے فیصلہ کیا کہ "کل پاکستان آل پارٹیز کنونشن" 15، تا 17، ستمبر 1952ء کو منعقد کیا جائے گا۔

"لیکن ستمبر میں کنونشن کا انعقاد نہ ہوسکا اور 15، دسمبر 1952ء کو علماء بورڈ کے اجلاس میں 16، تا 18، جنوری 1953ء کو کراچی میں "کل پاکستان آل پارٹیز کنونشن" بلانے کا فیصلہ کیا گیا۔"

(منیر انکوائری رپورٹ۔ ص 132-131)

آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن اور مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کا قیام

اسی دوران "آل پاکستان مسلم پارٹیز" کا ایک ہنگامی اجلاس "13، جولائی 1952ء کو لاہور کے برکت علی محمڈن ہال میں منعقد ہوا جس میں تمام مکاتب فکر سمیت کم وبیش سات سو (700) علماء و مشائخ اہلسنّت نے بھی شرکت کی۔ اس اجلاس میں شرکت کرنے والے چند علماء و مشائخ اہلسنّت کے نام یہ ہیں، حضرت پیر صاحب گولڑہ شریف، دیوان صاحب اجمیر شریف، صاحبزادہ سیّد فیض الحسن شاہ صاحب آلومہاروی، علامہ عبد الحامد بدایونی صاحب، مولانا غلام محمد ترنم، مولانا غلام دین (حزب الاحناف) وغیرہ"

(منیر انکوائری رپورٹ۔ ص 81 تحریک ختم نبوت 1953۔ ص 178)

اس اجلاس میں تمام مکاتب فکر کے علماء نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور اجلاس میں پیش کئے گئے چار مطالبات کی متفقہ طور پر حمایت کی۔ ان چار مطالبات میں سے تین مطالبات (حکومت احمدیوں (قادیانیوں) کو غیر مسلم اقلیت قرار دے، چوہدری ظفر اللہ خاں کو وزیر خارجہ کے عہدے سے برطرف کیا جائے اور احمدیوں (قادیانیوں) کو تمام کلیدی آسامیوں

سے ہٹایا جائے) وہی تھے، جو اس سے قبل 2، جون 1952ء کو تھیوسوفیکل ہال کراچی کے اجلاس میں منظور کئے جاچکے تھے۔ جبکہ چوتھا مطالبہ ایک نیا مطالبہ تھا جس میں کہا گیا تھا کہ "ربوہ کی اراضی پر مہاجرین کو آباد کرتے ہوئے کھلا شہر قرار دیا جائے۔"

کنونشن کا دوسرا اجلاس بعد از دوپہر حضرت مولانا ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری صاحب کی زیر صدارت منعقد ہوا۔

> "اس اجلاس میں وہی تین مطالبات متفقہ منظور کئے گئے، جو اس سے قبل 2، جون 1952ء کو تھیوسوفیکل ہال کراچی کے اجلاس میں منظور کئے جاچکے تھے۔ اس اجلاس میں علماء کرام (ومشائخ) اور پیران عظام نے قادیانیوں اور حکومت کے قادیانیت نواز رویئے کے خلاف زیادہ سخت رویہ اختیار کیا اور لگی لپٹی رکھے بغیر حکومت کو واضح الفاظ میں سمجھا دیا کہ یہ مطالبات ساری قوم کے مطالبات ہیں۔ اگر ان مطالبات کو تسلیم نہ کیا گیا تو حکومت کو رائے عامہ سے ٹکر لینا ہوگی۔"

(تحریک ختم نبوت 1953۔ ص 182)

منظم جدوجہد کیلئے "مجلس عمل تحفظ ختم نبوت" کا قیام

اس اجلاس میں پیش کردہ تجاویز کی روشنی میں قادیانیوں کے خلاف آئینی اور قانونی جدوجہد کیلئے "مجلس عمل تحفظ ختم نبوت" کا قیام عمل میں لایا گیا اور حضرت مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری (اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے خلیفہ) کو مجلس عمل کا صدر منتخب کیا گیا۔ باقی عہدیداران میں مولانا امین احسن اصلاحی صاحب، مولانا محمد داؤد غزنوی، سیّد مظفر علی شمسی شامل تھے۔ ان عہدیداران کے علاوہ تمام جماعتوں سے دو دو نمائندے لیے گئے۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے، جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

"(۱) جمعیت علماء پاکستان سے مولانا ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری اور مولانا محمد بخش مسلم صاحب
(۲) انجمن سجادہ نشینان پنجاب سے صاحبزادہ سیّد فیض الحسن شاہ اور مولانا عبدالغفور ہزاروی صاحب

(۳) انجمن حزب الاحناف سے مولانا غلام دین اور مولانا غلام محمد ترنم صاحب

(۴) جمعیت العلمائے اسلام سے مولانا محمد طفیل اور مولانا عبدالحلیم صاحب

(۵) جمعیت اہلحدیث سے مولانا محمد داؤد غزنوی اور مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب

(۶) ادارہ تحفظ حقوق شیعہ سے مظفر علی شمسی اور حافظ کفایت حسین صاحب

(۷) جماعت اسلامی سے مولانا نصر اللہ عزیز اور امین احسن اصلاحی صاحب

(۸) تنظیم اہل سنت والجماعت سے مولانا نور الحسن شاہ بخاری صاحب

(۹) مجلس احرار سے ماسٹر تاج الدین انصاری اور شیخ حسام الدین صاحب

مندرجہ بالا حضرات کے علاوہ اخبارات کی جانب سے مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش اور مولانا اختر علی خان کے علاوہ علامہ علاؤالدین صدیقی (نامزد) بھی شامل تھے۔"

(منیر انکوائری رپورٹ ص۔81)

کنونشن میں پیش کردہ قراردادیں

اس کنونشن میں پیش کردہ چھ قراردادوں میں سے چار سنّی علماء حضرت مولانا غلام محمد ترنم، مولانا محمد بخش مسلم، مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش، اور مولانا محمد ذاکر صاحب نے پیش کیں۔ان حضرات کے علاوہ ایک قرارداد مولانا بہاالحق قاسمی (والدنامور ادیب وشاعر عطاء الحق قاسمی) نے اور ایک قرارداد مولانا یوسف سیالکوٹی نے بھی پیش کی۔جس کی تائید حضرت مولانا عبدالستار نیازی صاحب (جواس وقت کے ممبر صوبائی اسمبلی تھے) نے کی۔اس قرارداد میں کہا گیا کہ تمام مطالبات اور تجاویز جو کہ منظور کی گئی ہیں۔ان کی تائید میں 18، جولائی 1952ء کو یوم مطالبات منایا جائے اور تمام مساجد میں علماء کرام کنونشن کی منظور شدہ قراردادوں کی تائید عوام سے حاصل کر کے اپنے فیصلوں کی اطلاع ضلعی اور صوبائی حکام کے علاوہ وزیر اعظم کو بھیج دیں اور سر سے کفن باندھ کر اپنے آپ کو اس قربانی کیلئے پیش کریں کہ اگر جیلوں میں جانے کا سوال پیدا ہو تو ہم جیل بھرنے کیلئے تیار ہیں۔

یہ اجلاس اپنی نوعیت کے اعتبار سے نہایت ہی نتیجہ خیز تھا اور اس اجلاس نے حکومت

کے علماء کے بارے اِس تذبذب کو بھی ختم کر دیا کہ مختلف مکتبہ فکر کے علماء ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے اور وہ کوئی فیصلہ کن تحریک نہیں چلا سکتے۔ اس اجلاس کے بعد مسئلہ ختم نبوت اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ مسلمانوں کا ایسا متفقہ بنیادی، قومی اور مذہبی مسئلہ قرار پایا۔ جس کیلئے مختلف مکاتب فکر (سنّی، شیعہ، دیوبندی و اہلحدیث) کے علماء یکجا و ہم آواز ہو کر میدان میں نکل آئے۔

تحریک ختم نبوت اور علماء اہلسنّت و جماعت

چنانچہ علماء اہلسنّت و جماعت سمیت تمام مکاتب فکر کے علماء نے قادیانیوں کے خلاف مربوط اور منظم تحریک شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس مقصد کیلئے انہوں نے اپنے خطبات میں قادیانیوں کے عقیدہ ختم نبوت ﷺ سے انحراف، سامراج نوازی، مملکت پاکستان کے وجود اور استحکام کے خلاف ان کی سازشیں اور قادیانی وزیر خارجہ چوہدری ظفر اللہ قادیانی کے شرمناک کردار کے حوالے سے اُس کی برطرفی کو موضوع بحث بنایا۔ جس سے عوام میں قادیانیوں کے خلاف شدید نفرت آمیز جذبات کا مظاہرہ دیکھنے میں آیا۔ گوجرانوالہ میں عوام نے قادیانی وزیر خارجہ چوہدری ظفر اللہ کے علامتی جنازے نکالے۔ ملک کے دیگر حصوں میں عوام نے قادیانی مبلغین کے چہروں پر کالک ملی اور ان کو گدھوں پر سوار کرایا۔ قادیانیوں کے تبلیغی (ارتدادی) جلسوں کو درہم برہم کر دیا۔ مختلف مواقعوں پر قادیانی افراد عوام کے غیض و غضب کا نشانہ بنے۔ اِن واقعات کے خلاف قادیانی جماعت احمدیہ نے شدید صدائے احتجاج بلند کی اور اُس نے مرکزی حکومت کے پاس عرضداشتیں بھی بھیجیں۔ "مرزا بشیر الدین محمود قادیانی نے اپنے پیروکاروں کو ہدایت کی کہ ہمارے جان و مال سخت خطرے میں ہیں۔ افراد جماعت کو چاہیے کہ اگر ضرورت پڑے تو اپنے دفاع کیلئے نہایت چست و مستعد رہیں۔"

(منیر انکوائری رپورٹ۔ ص15)

علماء اہلسنّت نے مختلف شہروں میں تحریک ختم نبوت کے کام کو منظم و فعال بنانے میں نہایت سرگرمی سے حصہ لیا۔ لائل پور (فیصل آباد) میں خطیب اہلسنّت صاحبزادہ افتخار الحسن شاہ صاحب، صاحبزادہ ظہور الحق صاحب سجادہ نشین دربار سراجیہ اور مولانا محمد یعقوب نورانی نے دیگر

مکتبہ فکر کے علماء کے ساتھ مل کر ہر سطح پر تحریک کو منظم و فعال کیا اور ہزاروں مسلمانوں کے ساتھ گرفتاریاں پیش کیں۔

''میانوالی میں حضرت صوفی ایاز خان نیازی (صدر مجلس ختم نبوت میانوالی) نے حافظ شیر محمد خان نیازی، مولانا محمد رمضان، وغیرہ کے ساتھ مل کر تحریک ختم نبوت کے کام کو منظم و فعال کیا اور میانوالی میں تحریک کے حق میں رائے عامہ ہموار کی۔ صوفی صاحب بوری خیل پٹھان تھے (واضح رہے کہ صوفی ایاز خان نیازی کا بوری خیل علاقے سے تعلق تھا اور آپ شاہجہاں خیل قبیلے سے تعلق رکھتے تھے) آپ پہلے اسکول ٹیچر رہے اور آپ نے میانوالی میں کپڑے کی دکان کر رکھی تھی۔ مجاہد تحریک ختم نبوت صوفی ایاز خان نیازی اِس تحریک کی قیادت کرتے ہوئے دیگر احباب کے ساتھ گرفتار بھی ہوئے۔''

(تحریک ختم نبوت 1953ء۔ص 456~454)

جہلم میں مولانا عبدالطیف جہلمی، مولانا صادق حسین جہلمی نے دیگر علماء جن میں حکیم سیّد علی شاہ، مولانا غلام حبیب شامل تھے، کے ساتھ مل کر تحریک کو منظم کیا اور گرفتاریاں دیں۔

ملتان میں علامہ سیّد احمد سعید کاظمی صاحب اور دیگر علماء اہلسنّت نے دیگر مسالک کے اکابرین کے ساتھ اِس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور گرفتار ہوئے۔

حکومت نے ''مولانا محمد ذاکر (مہتمم جامع محمدی جو بعد میں جمعیت علماء پاکستان کے ٹکٹ پر ممبر قومی اسمبلی منتخب ہوئے) کو گرفتار کر کے سرسری سماعت کی عدالت میں پیش کیا جس نے انہیں چھ ماہ قید کی سزا سنائی اور جھنگ جیل میں ڈال دیا گیا۔''

(تحریک ختم نبوت 1953ء۔ص،874)

''لاہور میں مولانا ابراہیم علی چشتی نے 1953ء کی تحریک میں پر جوش

حصہ لیا، منیر انکوائری رپورٹ کے مطابق "آپ کے مقدمے کی رپورٹ سے آپ کے عزم واستقلال کا پتہ چلتا ہے"۔خانوادہ اعلیٰ حضرت کے چشم چراغ مفتی اعجاز ولی خاں بریلوی قدس سرہ تحریک ختم نبوت 1953ء میں حصہ لینے کی بناء پر سیفٹی ایکٹ کے تحت ایک سوایک دن تک نظر بند رہے۔ مولانا سید فتح علی شاہ قادری نے سیالکوٹ میں تحریک ختم نبوت کو کامیابی سے چلایا۔مولانا فرید الدین کیمبلپوری نے بڑی تندہی سے اس تحریک میں حصہ لیا،تقریریں کیں، جلسے جلوسوں میں شریک ہوئے اور راولپنڈی میں گرفتار ہو کر سنٹرل جیل بھیجے گئے۔ممتاز خطیب و عالم دین قاری احمد حسین فیروز پوری نے تحریک ختم نبوت 1953ء میں پر جوش حصہ لیا۔"

(تذکرہ اکابر اہل سنت۔ص 377_368_64_33_40)

"راولپنڈی میں پیر آف گولڑہ شریف کے ساتھ مولانا سیّد عارف اللہ شاہ میرٹھی نے اِس تحریک کی قیادت کی اور تحریک میں بھر پور حصہ لیا۔راولپنڈی میں مولانا سیّد عارف اللہ شاہ نے نہایت ہی فعال کردار ادا کیا اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔"

(اکابر تحریک پاکستان۔ص 158)

مولانا سیّد عارف اللہ شاہ کے ساتھ مولانا محمد مسکین سمیت کئی علماء دوران تحریک گرفتار ہوئے۔گوجرانوالہ میں صاحبزادہ فیض الحسن شاہ آلومہاروی ،مولانا عبدالغفور ہزاروی، مولانا عبداللطیف صاحب چشتی اور مولانا ابو داؤد محمد صادق صاحب نے تحریک کے ہراوّل دستے کا کردار ادا کیا۔

"شیخ القرآن علامہ عبدالغفور ہزاروی نے کفن بردوش مجاہد علماء کے ساتھ اس تحریک میں بھر پور حصہ لیا اور جگہ جگہ تحریک کی کامیابی اور لوگوں کو متحرک رکھنے کیلئے تقریریں کیں۔جس کی پاداش میں آپ کو داخل زنداں

کیا گیا اور آپ نے چھ سات ماہ کا عرصہ راولپنڈی جیل میں بڑے صبر و استقلال کے ساتھ گزارا۔"

(اکابر تحریک پاکستان۔ص204)

صاحبزادہ فیض الحسن شاہ آلومہاروی نے تحریکی ہدایت کے مطابق گوجرانوالہ میں رضا کاروں کی تعلیم و تربیت کیلئے فوجی ٹریننگ کیمپ بھی قائم کیا اور اس ٹریننگ کیمپ کے ذریعے بے مثال خدمات انجام دیں۔آپ خاکی وردی میں ملبوس ایک فوجی جنرل معلوم ہوتے تھے۔جب لاہور میں مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے الیکشن لڑنے والے قادیانی امیدواروں کی ناکامی پر مسلمانوں کی جانب سے 25،اور 26،مئی 1951ء کو یوم تشکر منایا گیا تو

"پہلے دن جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے صاحبزادہ فیض الحسن شاہ آلومہاروی نے اپنی تقریر میں مطالبہ کیا کہ احمدیوں (قادیانیوں) کو اقلیت قرار دیا جائے یا انہیں مجبور کیا جائے کہ اس ملک کو چھوڑ دیں اور بھارت میں آباد ہو جائیں۔"

(منیر انکوائری رپورٹ،ص30-29)

شیخوپورہ میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے صاحبزادہ فیض الحسن شاہ آلومہاروی نے حکومت کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا

"ایک آدمی جو منصب ختم نبوت کا تحفظ نہیں کر سکتا،وہ اپنی ماں،بہن کی عزت کا بھی تحفظ نہیں کر سکتا۔پھر اُس سے کیسے یہ اُمید رکھی جا سکتی ہے کہ وہ اسلامی مملکت کا تحفظ کر سکے گا۔"

(ناموس رسالت کے پاسبان۔ص111)

جسٹس منیر انکوائری رپورٹ میں لکھتا ہے کہ"جو لوگ احمدیوں (قادیانیوں) کے خلاف برابر زہریلی تقریریں کرتے رہے،اُن میں محمد علی جالندھری، احسان احمد شجاع آبادی،اور صاحبزادہ فیض الحسن شاہ ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔"

(منیر انکوائری رپورٹ ص۔56)

منیر انکوائری رپورٹ کے مطابق "مولانا ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری اور مولانا محمد بخش مسلم نے احمدیوں (قادیانیوں) کے خلاف تحریک میں نمایاں حصہ لیا۔14، مئی 1951ء میں قائم کردہ محکمہ اسلامیات کے تحت مولانا ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری، مولانا محمد بخش مسلم، صاحبزادہ فیض الحسن شاہ، مولانا غلام محمد ترنم، مولانا ابراہیم علی چشتی سمیت گیارہ علماء نے اخبارات میں مضامین لکھے اور اسکولوں، کالجوں، اور جیلوں میں دینیات پر لیکچر دیے اور مولانا ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری، اور مولانا غلام محمد ترنم اپنی سرگرمیوں کی وجہ سے گرفتار بھی ہوئے۔"

(منیر انکوائری رپورٹ ص۔88)

یہ بات بھی ریکارڈ پر ہے کہ "جناب پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب کو تحریک ختم نبوت 1953ء میں حصہ لینے اور قابل اعتراض تقریر کرنے کے جرم میں محکمہ جاتی کاروائی کی وجہ سے "خطرناک" قرار دے کر کوئٹہ ٹرانسفر کر دیا گیا اور وہاں کے پولیٹیکل ایجنٹ کو آپ کی خفیہ نگرانی پر مامور کیا گیا کیونکہ آپ ان دنوں محکمہ دفاع کے ملازم تھے۔"

(ماہنامہ "لا نبی بعدی" لاہور مجاہدین ختم نبوت نمبر 2003ء۔ص196)

"کراچی میں تاج العلماء حضرت مولانا مفتی محمد عمر نعیمی صاحب نے جامع مسجد آرام باغ مسجد میں تحریک کا مرکز قائم کیا اور فعال کردار ادا کرتے ہوئے گرفتار ہوئے۔ (حضرت علامہ مفتی جمیل احمد نعیمی ضیائی مدظلہ العالی اپنی سوانح عمری "حیات جمیل" جلد دوم میں لکھتے ہیں کہ پاکستان کے صوبہ سندھ کراچی میں اہلسنّت کی دینی خدمات کی وجہ سے دو پارک بہت مشہور و معروف ہیں (1) نشتر پارک (2) آرام باغ۔ نشتر پارک بارہ

ربیع الاوّل کی شریف، عید میلاد النبیا کے جلسے وجلوس کی وجہ سے اور آرام باغ علماء ومشائخ اہلسنت کے سرخیل تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی صاحب اشرفی محدث مرادآبادی علیہ الرحمہ کی دینی خدمات بالخصوص جامع مسجد آرام باغ کی تعمیر میں تعاون و مشورہ اور درس و خطابت جمعہ کی وجہ سے، یہی وہ آرام باغ ہے کہ جس کے وسیع وعریض میدان میں عاشقان مصطفی اور جانثاران مجتبیٰ ختمی مرتبت محمد رسول ﷺ کی عظمت و ناموس پر 1953ء میں پورے صوبہ سندھ سے آکر قربانیاں پیش کیں)، بہاول نگر میں مولانا سیّد فیض الحسن تنویر دیگر علماء کے ساتھ تحریک کے جانباز رہنما اور مجاہد تھے۔ حافظ محمد عالم سیالکوٹی نے تحریک کے دوران فعال کردار ادا کیا ۔جس کی پاداش میں انہیں گرفتار کر کے فوجی عدالت میں پیش کیا گیا۔ بعد میں آپ کو شاہی قلعہ لاہور میں قید رکھا گیا اور تحریک کے خاتمے پر رہا کیا گیا۔ علامہ سیّد محمود شاہ گجراتی فرزند حضرت پیر سیّد ولایت علی شاہ گجراتی نے تحریک میں بھر پور حصہ لیا اور گرفتار ہو کر کئی ماہ گجرات و میانوالی جیل میں گزارے۔"

(اکابر تحریک پاکستان۔ص304)

"پیر محمد فضل شاہ جلال پوری (امیر جماعت حزب اللہ نے اپنی جماعت کے ساتھ) جہلم میں تحریک کو منظم وفعال کیا اور اپنے آپ کو کئی بار گرفتاری کیلئے پیش کیا لیکن ہر بار حکومت نے آپ کو گرفتار کرنے سے گریز کیا۔"

(اکابر تحریک پاکستان۔ص319)

"سیّد بشیر احمد سوہدروی تحریک میں بھرپور حصہ لیتے ہوئے قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کیلئے عوامی سطح پر جلسوں میں قراردادیں منظور کروائیں اور ختم نبوت کے مسئلے پر نہایت جرأت سے کام لیتے ہوئے ایمان افروز

تقاریر کیں۔"

(اکابر تحریک پاکستان۔ص380)

"حضرت مولانا فقیر اللہ نیازی نے سیالکوٹ میں تحریک کو منظم کیا اور تحریک میں حصہ لینے کے جرم میں چھ ماہ سے زائد عرصہ ڈسٹرکٹ جیل سیالکوٹ میں گزارا۔"

(اکابر تحریک پاکستان۔ص514)

پیر سیّد غلام محی الدین گولڑوی، شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین سیالوی،، پیر سیّد انور حسین شاہ، علامہ سیّد ابوالبرکات قادری، پیر غلام مجدد سرہندی، مفتی صاحبداد صاحب، علامہ مفتی مظہر احمد نقشبندی، مولانا مفتی سیّد مسعود علی قادری، مفتی غلام قادر کشمیری، صاحبزادہ سیّد فیض الحسن تنویر، مولانا ابراہیم علی چشتی، مولانا مفتی محمد حسین نعیمی، سیّد محمود احمد رضوی، مولانا محمد عمر اچھروی، مولانا معین الدین نعیمی، علامہ غلام علی اشرفی، مولانا مفتی محمد امین بدایونی، مولانا محمد سردار احمد لائلپوری، مولانا مفتی مظفر احمد دہلوی، مولانا غلام علی اوکاڑوی، مولانا سیّد جلال الدین نقشبندی، صاحبزادہ افتخار الحسن شاہ صاحب، صاحبزادہ ظہور الحق سجادہ نشین خانقاہ صابریہ سراجیہ لائل پور، صاحبزادگان امیر ملت پیر سیّد جماعت علی شاہ صاحب، جناب پیر سیّد حافظ محمد حسین شاہ اور پیر سیّد اختر حسین جیسے ہزاروں جید علماء و مشائخ اہلسنّت و جماعت نے اِس تحریک میں ہراول دستے کا کردار ادا کیا۔

غرض کہ شہروں، قصبوں، گاؤں اور دیہاتوں ہر جگہ علماء اہلسنّت و جماعت نے تحریک ختم نبوت کو منظم و فعال بنانے میں ہر ممکن کردار ادا کیا اور اس تحریک کے دوران علماء کرام نے قادیانیوں کے خلاف اور اپنے مطالبات کے حق میں وسیع پیمانے پر جلسے، جلوس اور کانفرنسوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ جس سے قادیانی مخالف تحریک پورے ملک میں زور پکڑ گئی اور قادیانیوں کے خلاف علماء کے مطالبات نے عوامی مطالبات کی شکل اختیار کر لی۔

مساجد میں دفعہ 144 کا نفاذ حکومت کی بوکھلاہٹ

حکومت نے قادیانیوں کے خلاف احتجاجی جلسوں کو ناکام بنانے کیلئے کئی شہروں میں

دفعہ 144 نافذ کردی۔ قارئین کی دلچسپی کیلئے یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ دفعہ 144 کا نفاذ انگریز دور میں بھی ہوتا رہا۔ لیکن اُس دور میں بھی اِس دفعہ کا اطلاق اور دائرہ اثر ہمیشہ مسجد سے باہر ہی رہا۔ لیکن پاکستان بننے کے بعد مسلمان کہلانے والے حکمرانوں کے دورِ حکومت میں یہ پہلا موقع تھا۔ جس میں دفعہ 144 کا نفاذ مسجد کی حدود کے اندر بھی کیا گیا۔ پولیس نے کئی مقتدر علماء کرام جن میں بالخصوص صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ آلومہاروی صاحب کو اِس دفعہ کے تحت مسجد کے اندر سے گرفتار کیا۔ حضرت مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری صاحب نے حکومت کے اس اقدام پر سخت برہمی کا اظہار کیا اور اسے مداخلت فی الدین قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ

> "ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ تحفظ ختم نبوت کے سلسلے میں حتی المقدور کوشاں رہے۔ یہ اسلام کا بنیادی مسئلہ ہے اس میں کوئی اختلاف کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ آپ نے مزید ارشاد فرمایا مسجد خدا کا گھر ہے۔ خدا کے گھر میں خدا کا قانون رائج ہوتا ہے۔ کوئی دنیاوی قانون مسجد میں نافذ نہیں ہوسکتا، دفعہ 144 کو مسجد کے اندر نافذ کرنا قطعاً غیر اسلامی فعل ہے۔ حکومت اس قانون کو مساجد پر نافذ نہیں کرسکتی اور اگر وہ ایسا کرے گی تو وہ بلاوجہ ہم سے اُلجھے گی۔ ہم حکومت کی اس دھمکی سے مرعوب نہیں ہونگے۔ آپ نے تقریر جاری رکھتے ہوئے اسلامی تاریخ کا اہم واقعہ بیان فرمایا کہ خلیفہ ہارون رشید اپنی بیوی سے خفا ہو کر جذبات میں بہہ گیا اور اُس سے کہا کہ آفتاب غروب ہونے سے قبل تم میری سلطنت کی حدود سے باہر چلی جاؤ۔ ورنہ تم پر طلاق عائد ہوگی۔ جب ہارون رشید کا غصہ فرو ہوا، تو اُس کو افسوس ہوا اور دست تاسف ملنے لگا۔ کیونکہ وہ اپنی بیوی کو طلاق نہیں دینا چاہتا تھا۔ فوری طور پر بیوی کا سلطنت کی حدود سے باہر جانا بھی ممکن نہیں تھا۔ اسے سخت پریشانی لاحق ہوئی اور علماء کو دربار میں طلب کر کے اُن سے رائے طلب کی گئی۔ سب نے بے بسی کا اظہار کیا۔

یہ امام ابو یوسف رحمتہ اللہ کا زمانہ تھا۔آپ نے فرمایا خلیفہ کو پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔سب ٹھیک ہو جائے گا۔لوگ حیران ہوئے کہ سب علماء مایوس ہو چکے ہیں۔طلاق سے بچنے کی کوئی راہ نظر نہیں آتی۔امام صاحب کس طرح بیگم ہارون رشید کو سلطنت کی حدود سے باہر بھیج سکیں گے۔آپ نے بیگم ہارون رشید سے کہا فکر نہ کرو غروب آفتاب سے پہلے ڈولی میں بیٹھ کر تیار رہنا، تمہیں ہارون الرشید کی سلطنت سے باہر پہنچا دیا جائے گا۔سب حیران تھے کہ یہ فقیر منش عالم طلاق سے بچنے کی کونسی راہ نکالتا ہے۔جب مغرب کا وقت آیا۔ہارون رشید کی بیوی ڈولی میں بیٹھ کر امام صاحب کے پاس پہنچ گئی۔آپ نے اُس کو اپنے ساتھ لیا اور مسجد میں لے گئے اور اُس سے کہا کہ اب تو ہارون رشید کی سلطنت سے باہر آ گئی ہے۔اللہ کے گھر میں اللہ کی حکومت ہے۔یہاں ہارون رشید کے احکامات کا کوئی دخل نہیں ہے۔"

اس واقعے کو بیان کر کے علامہ ابوالحسنات نے حکومت کو متنبہ کرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو بھی صحیح صورتحال سے آگاہ کیا۔جس کے بعد علماء کرام نے بے خوف ہو کر قادیانیت اور حکومت کی قادیانیت نواز پالیسیوں کے خلاف کھل کر بولنے لگے۔مولانا ابوالحسنات نے حزب الاحناف کے سالانہ جلسے میں حکومت سے مطالبہ کیا کہ

"وہ مرزائیت کی بے جا حمایت اور اسلام دشمنی سے باز آ جائے۔ہم اس صورتحال کو زیادہ دیر برداشت نہیں کر سکتے۔" چنانچہ حکومت نے آپ کے مطالبے اور بگڑتی ہوئی صورتحال کو دیکھتے ہوئے ایک بیان جاری کیا کہ مساجد پر کوئی پابندی نہیں۔"

(تحریک ختم نبوت 1953ئ۔ص 123~121)

مشائخِ اہلسنّت کی حمایت تحریک کی کامیابی کا نیا موڑ

علامہ ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری، صاحبزادہ سیّد فیض الحسن شاہ صاحب اور حضرت مولانا عبدالغفور ہزاروی جیسے اکابرین اہلسنّت کی کوششوں کی بدولت پنجاب کے نامور مشائخ اہلسنّت نے تحریک کی حمایت میں ہر ممکن تعاون کیا۔ اِن مشائخ عظام نے تحریک کی حمایت میں مرزائیوں کے خلاف مضامین لکھے۔ اپنے دستخطوں سے مرزائیت کے خلاف تحریک ختم نبوت کی حمایت میں اشتہارات شائع کئے اور ساتھ ہی اپنے مریدین کو یہ ہدایات بھی جاری کیں کہ وہ اس تحریک میں بھر پور حصہ لیں اور تحفظ ختم نبوت کیلئے کسی قربانی سے دریغ نہ کریں۔ ان مشائخ عظام میں حضرت دیوان سیّد آل رسول علی خاں، (سجادہ نشین اجمیر شریف)، حضرت سیّد غلام محی الدین شاہ صاحب (سجادہ نشین گولڑہ شریف)، حضرت شیخ المشائخ خواجہ قمرالدین سیالوی صاحب (سجادہ نشین سیال شریف) حضرت شیخ طریقت ابولبرکات سیّد فضل شاہ صاحب (سجادہ نشین جلال پور شریف امیر حزب اللہ)، حضرت شیخ طریقت سیّد علی حسین شاہ صاحب (سجادہ نشین ثانی صاحب علی پور سیداں شریف)، حضرت شیخ طریقت سیّد مخدوم سیّد شوکت حسین صاحب الحسنی الگیلانی (سجادہ نشین حضرت موسیٰ پاک شہید ملتان) شامل ہیں۔

اِن مشائخ کی حمایت سے "ماہ ستمبر میں تحریک نے نئی کروٹ لی۔ مجلس عمل نے پیران عظام کے دستخط حاصل کئے اور اِن کو پوسٹر کی شکل میں شائع کر کے پاکستان بھر میں مشتہر کیا، ان پوسٹروں کا (تحریک کی حمایت میں) خاطر خواہ اثر ہوا اور حکومت منہ دیکھتی رہ گئی۔ حضرت دیوان آل رسول علی خاں اجمیر شریف سجادہ نشین سلطان الہند خواجہ غریب نواز نے ختم نبوت کے عنوان پر ولولہ انگیز مضمون تحریر فرمایا۔ جس میں آپ نے حضرت مولانا ابوالحسنات کی قیادت پر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے تحریک کی کامیابی کیلئے دعا فرمائی۔ اسی طرح حضرت شیخ طریقت سیّد مخدوم سیّد شوکت حسین صاحب الحسنی الگیلانی (سجادہ نشین حضرت موسیٰ

پاک شہید ملتان) نے بھی مفصل مضمون تحریر فرمایا اور حضرت مولانا ابو الحسنات کی قیادت پر اظہار اطمینان کرتے ہوئے جملہ مریدین اور عام مسلمانوں کو اس تحریک کا بھرپور ساتھ دینے کی ہدایت کی۔ حضرات سجادہ نشینوں کے حمایت کے اعلان سے تحریک ختم نبوت اپنے پورے شباب پر آ گئی۔"

(تحریک ختم نبوت 1953ئ۔ص 178-174)

شہداء تحفظ ختم نبوت "ملتان"

تحفظ عقیدہ ختم نبوت کی یہ تحریک پورے ملک میں پھیل چکی تھی۔ حکومت اس تحریک کو کچلنے کیلئے تمام ریاستی حربے آزما رہی تھی۔ علماء ومشائخ کو گرفتار کر کے دور دراز کی جیلوں میں منتقل کر دیا گیا۔ لیکن عوامی جوش وجذبوں کا سیل رواں جاری تھا۔ ان ہی دنوں ملتان میں 19، جولائی 1952ء کو مرزائیوں کی زیادتیوں کے خلاف ایک بہت بڑا جلوس نکالا گیا۔ جب یہ پرامن جلوس "کپ" تھانہ پہنچا۔ تو وہاں رش کی وجہ سے تھانے کا جنگلا ٹوٹ گیا۔ جس پر وہاں موجود پولیس اہلکاروں نے جلوس کے شرکاء پر فائرنگ شروع کر دی۔ اس فائرنگ کے نتیجے میں چھ (6) مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا اور بہت سے افراد زخمی ہوئے۔ ان شہادتوں نے پورے ملک میں کہرام مچا دیا۔ مسلمانوں میں غم وغصہ کا پیدا ہونا ایک فطری عمل تھا۔ ملتان میں ہڑتال کی گئی اور ان شہداء کی نماز جنازہ میں ایک لاکھ افراد نے شرکت کی۔ ملتان کے مسلمانوں کا مطالبہ تھا کہ اس واقعے کی ہائی کورٹ کے ججوں کی نگرانی میں تحقیقات کرائی جائے۔ شہیدوں کے ورثاء کو خون بہا دیا جائے اور تھانہ "کپ" کے انچارج کو معطل کیا جائے۔ ان مطالبات کی منظوری کیلئے جلسے، جلوس، مظاہروں اور ہڑتالوں نے طول پکڑا تو علامہ ابو الحسنات سیّد محمد احمد قادری کی سرکردگی میں ایک وفد مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش، صاحبزادہ فیض الحسن شاہ صاحب آلو مہاروی، اور مولانا محمد علی جالندھری کے ہمراہ ملتان پہنچا۔ انتظامیہ کے طرز عمل کی وجہ سے ملتان کے لوگ بہت ناراض تھے اور ان میں شدید غم وغصہ پایا جاتا تھا۔ علامہ ابو الحسنات سیّد محمد احمد

قادری اور صاحبزادہ فیض الحسن شاہ صاحب آلومہاروی، اور مولانا مرتضیٰ احمد میکش نے حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے لوگوں کو اس واقعے کا معقول اور قابل قبول حل نکالنے پر آمادہ کیا۔ حکومت پنجاب نے ہائی کورٹ کے جج جسٹس ایم، آر کیانی کو اس حادثے کی آزادانہ تحقیقات پر معمور کیا۔ لیکن بد قسمتی سے جسٹس ایم، آر کیانی نے رپورٹ میں جانب دارانہ رویئے کا مظاہرہ کرتے ہوئے اِس سانحہ کا ذمہ دار حکومت اور پولیس کے بجائے شمع رسالت کے پروانوں کو قرار دیا۔

ان دنوں ممتاز دولتانہ کی حکومت کے مرکز سے تعلقات اچھے نہیں تھے۔ پنجاب اور مرکز کے درمیان پہلے ہی سخت کشیدگی موجود تھی۔ پنجاب حکومت کا تحریک کو کچلنے کیلئے ریاستی مشینری کا بے دریغ استعمال اور اِس میں ناکامی اور صوبائی کابینہ کے رکن ملتان کے علی حسین گردیزی (جنھوں نے اِس المناک سانحے سے متاثر ہوکر سب سے پہلے ممتاز دولتانہ کی کابینہ سے علیحدگی اختیار کی) کا وزارت سے مستعفی ہونے کے اعلان نے دولتانہ حکومت کی بنیادیں ہلا دیں تھیں۔ چنانچہ دولتانہ حکومت نے اپنے اقدامات سے پسپائی اختیار کرنے ہی میں عافیت جانی اور اُس نے 15، جولائی 1952ء کو باعزت پسپائی کا راستہ اختیار کیا۔ عوام کی مخالفت اور تحریک کا زور توڑنے کیلئے حکومت نے 17، جولائی 1953ء کو علامہ صاحبزادہ سیّد فیض الحسن شاہ آلومہاروی سمیت دیگر گرفتار شدگان کو رہا کر دیا گیا۔

ہم یہاں ظفر اللہ کے بندے سے ملاقات کرنے نہیں آئے تھے

ملتان میں فائرنگ کے واقعے نے مسلمانوں میں تحفظ ختم نبوت کا جذبہ اور تیز کر دیا۔ حضرت شیخ طریقت سیّد مخدوم سیّد شوکت حسین صاحب الحسنی الگیلانی (سجادہ نشین حضرت پیر پیراں موسیٰ پاک شہید ملتان) کی زیر صدارت ایک فقید المثال جلسہ عام منعقد کیا گیا۔ جس میں ہزاروں کی تعداد میں مسلمانوں نے شرکت کی۔ حضرت ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری صاحب کی قیادت میں مجلس عمل کی عظیم الشان کانفرنسیں منعقد ہونے لگیں۔ جس میں خاص طور سنی علماء حضرت صاحبزادہ فیض الحسن قادری، مولانا غلام نبی ترنم، مولانا محمد بخش مسلم، مولانا ابراہیم چشتی وغیرہ کی شرکت قابل ذکر ہیں۔ مسلمانوں کا ایک ہی مطالبہ تھا کہ حکومت مسلمانوں کے اس متفقہ

مطالبے کو تسلیم کرے۔

''اسی دوران خواجہ ناظم الدین نے صدر مجلس عمل ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری صاحب کو ملاقات کیلئے بلایا۔ یہ ملاقات کراچی میں ہوئی، جس میں ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری کے ساتھ مولانا عبدالحامد بدایونی بھی موجود تھے۔ اِس ملاقات میں دونوں علماء کرام نے خواجہ ناظم الدین سے پُرزور مطالبہ کیا کہ وہ ظفراللہ خان کو حکومت سے علیحدہ کریں۔ جس پر خواجہ صاحب نے کہا کہ آپ مطالبہ تو کر رہے ہیں کہ ظفراللہ خان کو علیحدہ کر دیا جائے۔ مگر آپ اِس مشکل کا اندازہ نہیں لگا سکتے کہ اگر ہم ظفراللہ خان کو علیحدہ کر دیتے ہیں، تو ہمارے کتنے کام بگڑ جائیں گے۔ اُن کے بغیر ہم کن کن مشکلات میں گرفتار ہونگے، آپ کو اِس کا اندازہ نہیں ہے۔ خواجہ ناظم الدین کی اِس بات پر حضرت مولانا ابوالحسنات نے فرمایا کہ خواجہ صاحب ہم تو اللہ کے نیک بندے سے ملنے آئے تھے اور اپنا مطالبہ منوانے آئے تھے۔ ہمیں معلوم نہ تھا کہ ہم یہاں ظفراللہ کے بندے سے ملاقات کر رہے ہیں۔ حضرت مولانا ابوالحسنات نے بگڑ کر مولانا عبدالحامد بدایونی سے فرمایا، چلیئے یہاں ظفراللہ خان ہیں، تو سب ٹھیک ہے ورنہ سب کام چوپٹ ہو جائیں۔''

(تحریک ختم نبوت 1953ئ۔ص155)

13، اگست تا 16، اگست 1952ء تک خواجہ ناظم الدین نے مجلس عمل کے صدر ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری کے ہمراہ مولانا مرتضیٰ احمد میکش، مولانا عبدالحامد بدایونی، ماسٹر تاج الدین انصاری، اور شیخ حسام الدین سے ملاقاتیں کیں۔ اِن ملاقاتوں میں علماء کے وفد نے تحریری طور پر اپنے مطالبات وزیر اعظم کو پیش کئے۔ لیکن اِن تمام ملاقاتوں میں حکومت کی جانب سے کوئی خاص پیش رفت دیکھنے میں نہیں آئی۔ بلکہ خواجہ ناظم الدین نے مطالبات ماننے

سے معذوری کا اظہار کیا۔ اِس کے باوجود علماء کو اُمید تھی کہ یوم آزادی 14، اگست 1952ء کے موقع پر خواجہ ناظم الدین صاحب دینی غیرت وحمیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے قادیانیوں کے خلاف مسلمانوں کا مطالبہ منظور کرنے کا اعلان کریں گے۔ جس کا انہوں نے پہلے مجلس عمل کے علماء سے وعدہ کیا تھا۔

"اور کہا تھا کہ 14، اگست کو ختم نبوت کے مسئلہ کا خاتمہ کر دیا جائے گا اور وہ فیصلہ ایسا ہوگا، جو مسلمانوں کی اُمنگوں اور انصاف کے مطابق ہوگا اور حکومت مرزائیوں سے متعلق اپنی واضح پالیسی کا اعلان کردے گی اور ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ اِس فیصلے سے مسلمان مطمئن ہو جائیں گے۔ لیکن خلاف توقع اُن کی جانب سے قادیانیوں کے خلاف کوئی اعلان نہیں ہوا۔ بلکہ وزیر اعظم نے اپنی تقریر میں مجلس عمل کے علماء پر تنقید کی اور تحریک کو شر و فساد سے تعبیر کرتے ہوئے کہا کہ "جلسے اور مظاہرے اِس بات کو ظاہر نہیں کرتے کہ اُن کے مطالبہ کے ساتھ عوام کی اکثریت بھی شامل ہے۔ ساتھ ہی خواجہ صاحب نے قادیانیوں کے خلاف اِس تحریک کی مذمت بھی کی اور کہا اِن چیزوں سے ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔"

(تحریک ختم نبوت 1953ء۔ ص 146)

15، اگست 1952ء کو حکومت نے گورنمنٹ سروس رولز (قواعد کردار ملازمین) میں ترمیم کا اعلان جاری کیا۔ جس کے مطابق تمام مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے افسران پر پابندی عائد کردی گئی کہ وہ فرقہ وارانہ عقائد کی تبلیغ کیلئے اپنی سرکاری حیثیت کا استعمال نہ کریں اور اِس ضابطے کی سختی سے پابندی کریں۔ اس اعلان کا مقصد مسلمانوں کے جذبات کو ٹھنڈا کرنا اور مجلس عمل کو کچھ تسلی و تشفی دینا تھا۔ 16، اگست کی شام خواجہ ناظم الدین کی دعوت پر مجلس عمل کا وفد ایک بار پھر اُن سے ملا۔ اس ملاقات میں سردار عبدالرب نشتر بھی موجود تھے۔ وفد کو ایک بار پھر اُسی

مایوس کن صورتحال کا سامنا کرنا پڑا۔ خواجہ صاحب نے کہا کہ یہ مسئلہ میری ذات کے دائرہ اختیار میں نہیں، بلکہ دستور ساز اسمبلی کے دائرہ اختیار میں آتا ہے۔ اس لیے میں اکیلا کچھ نہیں کرسکتا اور میں چوہدری ظفر اللہ کو بھی وزارت سے علیحدہ نہیں کرسکتا۔ کیونکہ اُسے قائداعظم محمد علی جناح نے وزیر خارجہ بنایا تھا۔ باقی رہا "ربوہ" کی زمین کا مسئلہ تو یہ صوبائی حکومت سے تعلق رکھتا ہے۔ آپ لوگ اس سلسلے میں صوبائی حکومت سے رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔ وزیر اعظم کا یہ رویہ مجلس عمل اور پاکستان کے مسلمانوں کیلئے بہت بڑا سانحہ تھا۔ پہلے ہی 14، اگست کو قادیانیوں کے خلاف متوقع اعلان نہ ہونے نے عوام اور علماء کو شدید مایوسی میں مبتلا کیا ہوا تھا۔ جسٹس کیانی رپورٹ نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ عوام پہلے ہی شدید ناراض تھے۔ حکومت کے اس رویئے نے انہیں اور بھی زیادہ مایوس کر دیا اور بعد میں سامنے آنے والے واقعات اس سانحہ کے ردِ عمل میں ہوتے چلے گئے اور یوں وہ تحریک جو اس سے قبل قادیانیوں کے خلاف چل رہی تھی اور جس کا مرکز و محور صرف قادیانی ذرّیت تھی۔ لیکن حکومتی طرزِ عمل کی وجہ سے اب اُس کے مقاصد میں حکومت وقت کی مخالفت بھی شامل ہو چکی تھی۔

23، اگست 1952ء کو آل مسلم پارٹیز کے زیر انتظام حضرت مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری صاحب کی زیر صدارت بیرون دہلی دروازہ لاہور میں ایک عظیم الشان جلسۂ عام منعقد کیا گیا، جس میں ایک لاکھ سے زائد شمع رسالت کے پروانوں نے شرکت کی۔ حضرت ابو الحسنات نے قرآن مجید کی آیت "ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولا کن رسول اللہ و خاتم النبیین" کے حوالے سے تقریر کرتے ہوئے فرمایا "آج سے کچھ ماہ پیشتر اس خطہ ارضی پر ختم نبوت کا نام لینا جرم قرار دیا گیا تھا اور اِس جرم کی پاداش میں بہت سارے فرزندان توحید اور شمع رسالت کے پروانوں کو جیل کی کوٹھڑیوں میں بند کیا گیا۔ میں نے آج اس آیت کو پڑھ کر پھر اسی جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ میں یہ سمجھ رہا ہوں کہ آپ حضرات ہمارے کراچی جانے اور واپس آنے کے حالات سننے کیلئے بے تاب ہیں۔ مسلمان فخر انبیاء خاتم النبیین ﷺ کی عزت و ناموس کی خاطر جان قربان کرنا اپنے لیے باعث سعادت سمجھتے ہیں۔ اس معاملے میں مولوی ہی پیش پیش

نہیں بلکہ میرے نزدیک تو جنہیں پنجابی اصطلاح میں ماجھے اور گاے کہا جاتا ہے، وہ شاید محمد عربی ﷺ کی عزت وناموس کی خاطر سب سے زیادہ قربانی دے جائیں۔ اس معاملے میں پڑھے لکھے آدمی کی طرح اگر مگر کی پالیسی ٹھیک نہیں۔ جب تاج وتخت ختم نبوت پر کوئی گستاخانہ حملہ ہو تو عشق ومحبت کا بھی تقاضہ ہوتا ہے کہ بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق .... اگر آج یہاں انگریز کی حکمرانی ہوتی تو اس سلسلہ میں ہمارا قدم جو اٹھتا وہ اس سے بالکل مختلف ہوتا۔ مگر آج حکومت کے عہدیدار ہمارے اپنے ہیں۔ آج مسند اقتدار پر وہ لوگ براجمان ہیں، جو گنبد خضریٰ کے مکین کے نام لیوا ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو محمد عربی ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اسلیئے ان کے مقابلے میں ہمیں سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا ہے۔ ہم بے چینی، اضطراب اور ہیجان پھیلا کر ان کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کرنا نہیں چاہتے۔ لیکن ہم یہ بھی برداشت نہیں کر سکتے کہ ایک اسلامی ملک کے خارجہ معاملات ایک ایسے آدمی کے سپرد کر دیئے جائیں جو محمد عربی ﷺ کا باغی اور ملک وملت کا دشمن ہو اور جس کی وفاداریاں پاکستان کے بجائے ہندوستان سے وابستہ ہوں۔ جو قادیان کی رسالت سے ہندوستان کے ساتھ اپنے تعلقات استوار کر کے مسلمانان پاکستان کے ساتھ غداری کر رہا ہے۔ ہم چاہتے ہیں ہمارے ارباب اقتدار سوچیں، سمجھیں اور خطرہ محسوس کریں۔ یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ مرزائیت کے خلاف تحریک میں صرف لاہور، ملتان اور لائل پور (فیصل آباد) کے لوگ ہیں۔ ارباب اقتدار کان کھول کر سن لیں کہ مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے اور ظفر اللہ خان قادیانی کی علیحدگی کا مطالبہ پورے پاکستان کا مطالبہ ہے۔ ہم نے وزیر اعظم سے کہہ دیا ہے کہ اب مسلمان زیادہ دیر صبر نہیں کریں گے۔ پانچ سال انہی پریشانیوں میں گزر گئے۔ اب وقت آگیا ہے کہ آپ لوگ منظم ہو کر مجلس عمل کی ہدایات پر عمل کریں تو بہت جلد ہماری تحریک کامیاب ہو جائے گی۔ کانفرنس سے مجلس عمل کے وکیل حضرت مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش نے بھی خطاب کرتے ہوئے اجتماع سے کراچی میں مجلس عمل کے وفد اور وزیر اعظم کی ملاقات کی تفصیل بیان کی۔

اس صورتحال کے بعد مجلس عمل نے مناسب سمجھا کہ صوبہ پنجاب کے وزیر اعلیٰ میاں

ممتاز دولتانہ سے ملاقات کی جائے۔

"چنانچہ ایک وفد نے حضرت مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری صاحب کی قیادت میں اپنے مطالبات کی فہرست کے ساتھ وزیر اعلیٰ سے ملاقات کی۔ جس میں آپ نے اِس مسئلے کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ ان مطالبات میں ترمیم و تنسیخ کی کوئی گنجائش نہیں ہے، قرار داد مقاصد کی روشنی میں حکومت کا فرض ہے کہ وہ اِن مطالبات کو تسلیم کرے۔ ماسٹر تاج الدین انصاری کا بیان ہے کہ اِس ملاقات میں حضرت مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری صاحب، مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش، اور مولانا داؤد غزنوی نے قادیانیوں کے بارے میں مجلس عمل اور مسلمانوں کے موقف کی بھرپور ترجمانی کی۔"

(تحریک ختم نبوت 1953ئ۔ ص 166-165)

مسئلہ ختم نبوت پر اراکین مسلم لیگ کا موقف

مجلس عمل کے علماء کی جہد مسلسل اور رابطے کے نتیجے میں مسئلہ ختم نبوت اب پاکستان کے عوام کا ہی مطالبہ نہیں تھا بلکہ اب اس مطالبے کی حمایت حکمران جماعت مسلم لیگ کے اراکین بھی علی اعلان کرنے لگے تھے۔ مسلم لیگ کے اراکین کے دستخط سے پوسٹر اور اشتہارات جاری ہونے لگے۔ ختم نبوت کے جلسوں کی صدارت مسلم لیگیوں نے شروع کر دی۔ اِس صورتحال کو دیکھ کر پنجاب مسلم لیگ کے صدر نے تمام مسلم لیگ کے اراکین پر دوسری جماعت کے جلسے، جلوس میں شرکت کرنے اور صدارت کرنے کی پابندی لگا دی۔ جسٹس منیر کے مطابق "اس ہدایت کے باوجود اضلاع اور شہروں میں مسلم لیگ کی شاخیں اِس تحریک کی معاون بننے لگیں۔ جو نہایت سرعت سے پھیل رہی تھی۔

"17، جولائی 1952ء کو سٹی مسلم لیگ گوجرانوالہ اور 20، جولائی 1952ء کو سٹی مسلم لیگ سرگودھا نے مسلم لیگ کے جلسوں میں مسئلہ ختم نبوت کی حمایت اور قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے حق میں کئی

قراردادیں منظور کیں اور حکومت کو مشورہ دیا کہ وہ ملک وملت کو مزید انتشار سے بچانے کی خاطر اس نازک مسئلے کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے عملی اقدام کرے۔ سٹی مسلم لیگ کا مونکی نے اپنی ایک منظور شدہ قرار داد میں صوبائی حکومت سے مطالبہ کیا کہ چونکہ پنجاب کے علماء نے اتفاق رائے سے قادیانیوں کو خارج از اسلام قرار دے دیا ہے، اِس لیے اب قادیانی مسلم لیگ کے ممبر نہیں بن سکتے، لہٰذا مسلم لیگ سے قادیانی ممبروں کو خارج کردیا جائے اور آئندہ کوئی قادیانی مسلم لیگ کی ممبری کا مستحق نہ سمجھا جائے۔"

(منیر انکوائری رپورٹ۔ ص 95-93)

صوبائی مسلم لیگ اور لیڈروں نے مجلس عمل کے مطالبات کی تائید میں ایک ریزولیشن منظور کیا۔ صورتحال کی سنگینی کو محسوس کو کرتے ہوئے ممتاز دولتانہ صدر مسلم لیگ پنجاب نے ممبران سے اِس مسئلہ پر لیگ کی مجلس عاملہ اور کونسل کے اجلاس میں غور کرنے کا وعدہ کرتے ہوئے انہیں صبر وسکون سے رہنے کی اپیل کی۔ 26، اور 27، جولائی کے منعقدہ اجلاس کیلئے مسلم لیگ نے ممبران سے کہا کہ وہ 15، جولائی تک قراردادیں پیش کردیں۔ چنانچہ مرزائیوں کو علیحدہ غیر مسلم اقلیت قرار دینے، چوہدری ظفر اللہ قادیانی کی برطرفی، اور قادیانیوں کے حوالے سے حکومت سے واضح، ٹھوس اور عملی اقدامات اختیار کرنے کیلئے قراردادیں پیش کی گئیں۔ یہ قراردادیں ممبر صوبائی مسلم لیگ کونسل ملتان غزالی زماں علامہ سیّد احمد سعید کاظمی، کونسلر پنجاب مسلم لیگ صاحبزادہ سیّد محمود شاہ گجراتی، قاضی مرید احمد کونسلر پنجاب مسلم لیگ اور محمد ابراہیم قریشی جنرل سیکرٹری سٹی مسلم لیگ جھنگ نے پیش کیں۔ علامہ

"سیّد احمد سعید شاہ کاظمی نے 12 جون 1952ء کو قرارداد پیش کرتے ہوئے حکومت سے مطالبہ کیا۔

(ا) کہ چونکہ قادیانی بالاتفاق خارج از اسلام سمجھے جاتے ہیں اس لیے اُن

کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے اور حکومت کو اس اعلان میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔

(۲) کہ چونکہ چوہدری ظفر اللہ خان قادیانی ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے نمائندے نہیں ہیں اس لیے صوبہ پنجاب کی مسلم لیگ کونسل کو حکومت پاکستان سے یہ مطالبہ کرنا چاہیے کہ وہ اپنے عہدے سے برطرف کر دیئے جائیں اور اُن کی جگہ کوئی قابل اعتبار مسلمان مقرر کیا جائے۔"

(منیر انکوائری رپورٹ۔ ص 152، نیا ایڈیشن نیاز مانہ پبلیکیشنز)

26، اور 27، جولائی 1952ء کے منعقدہ اجلاس میں لیگی ممبران کی طرف سے پیش کی جانے والی قراردادوں کی روشنی میں مشہور مسلم لیگی رہنما سیّد مصطفی شاہ خالد گیلانی کی مسئلہ ختم نبوت کی تائید وحمایت میں پیش کردہ قرارداد 8، کے مقابلے میں 284 ووٹوں کی بھاری اکثریت سے منظور کی گئی۔

علامہ سیّد احمد سعید احمد شاہ کاظمی صاحب کی پیش کردہ قرارداد کے حوالے سے پندرہ روزہ "ندائے اہلسنت" لاہور یکم تا 15، اپریل 1992ء کے شمارے میں لکھتا ہے

"اگر یہ قرارداد اُس وقت منظور کر لی جاتی تو قادیانیت کا مسئلہ اُسی وقت حل ہو جاتا، قادیانی عناصر نے بعد کے ادوار میں جس طرح قوت پکڑ کر اِس مملکت کو جن عظیم نقصانات سے دوچار کیا وہ پیش نہ آتے، مگر افسوس کہ آپ کی پیش کردہ قرارداد کو مسلم لیگی زعماء نے خاطر خواہ پذیرائی نہ بخشی۔ اِس سے آپ کو اندازہ ہو گیا کہ یہ مسلم لیگ وہ نہیں رہی جو حضرت قائد اعظم محمد علی جناح کی قیادت میں اسلامی نظام کے نفاذ کا پروگرام لے کر چلی تھی۔ چنانچہ یہی دل برداشتگی آپ کی مسلم لیگ سے علیحدگی کا باعث بنی۔ عظمت وشان رسول ﷺ کے تحفظ کیلئے آپ نے قادیانیوں کا تعاقب جاری رکھا۔ جمعیت علماء پاکستان، جماعت اہلسنت پاکستان، تنظیم

المدارس اور دوسری متحدہ تنظیموں کی وساطت سے آپ نے ختم نبوت کے مسئلے کی عظمت واہمیت کو واضح کیا۔ تا آنکہ حکومت نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔"

(علمائے حق اور رد فتنہ مرزائیت۔ص40)

تحریک ختم نبوت کا فیصلہ کن مرحلہ

7، ستمبر 1952ء کے آخری ہفتے میں یہ افواہ پھیل گئی کہ قادیانی وزیر خارجہ چوہدری ظفر اللہ کو وزارت خارجہ سے علیحدہ کر کے حکومت اِسے مرکزی وزیر صنعت وحرفت بنا رہی ہے۔ مسلمانوں کو یہ بات قطعی گوارہ نہیں تھی کہ چوہدری ظفر اللہ قادیانی کو ایک جگہ سے ہٹا کر کسی اور وزارت پر مقرر کر دیا جائے۔ چنانچہ ایک بار پھر ملک بھر میں احتجاج اور ہنگاموں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ حکومت کے اِس متوقع اقدام کے خلاف مجلس عمل نے 3، اکتوبر 1952ء کو ملک بھر میں یوم احتجاج منانے کا فیصلہ کیا۔ اِس روز پاکستان کے طول وعرض میں حکومت اور چوہدری ظفر اللہ قادیانی کے خلاف بھرپور یوم احتجاج منایا گیا۔ جلسے جلوسوں اور مظاہروں کا اہتمام کیا گیا اور مذمتی قراردادیں منظور کی گئیں اور حکومت کے اِس مجوزہ اقدام کے خلاف بھرپور عدم اطمینان کا اظہار کیا۔

دوسری طرف وزیر اعظم سے مایوس کن ملاقات کے بعد مجلس عمل کے رہنماؤں نے تحریک کو اپنے منطقی انجام تک پہنچانے کیلئے تحریک کو مزید منظم اور فعال بنانے کا فیصلہ کیا۔ اِس دوران ان رہنماؤں کی یہ کوشش بھی رہی کہ ہر قسم کے تصادم اور ہنگامہ آرائی سے گریز کرتے ہوئے تحریک کو جاری رکھا جائے اور تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کیا جائے۔ خواہ اِس راہ میں جانوں کا نذرانہ ہی کیوں نہ پیش کرنا پڑے۔ چنانچہ 11، دسمبر 1952ء کو مجلس عمل کے تمام علماء کرام اور دینی جماعتوں کو کنونشن کے دعوت نامے جاری کر دیئے گئے اور کراچی میں آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن کا اجلاس 16، 17 اور 18، جنوری 1953ء کو طلب کر لیا گیا۔

آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن کا انعقاد حکومت سے آخری معرکے کی تیاری

5، اگست 1952ء کو کراچی میں علماء بورڈ کے مشترکہ اجلاس کے طے شدہ پروگرام کے مطابق ''آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن'' کے اجلاس 17،16 اور 18 جنوری 1953ء کو کراچی میں منعقد ہوئے۔اس کنونشن میں مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان سے کثیر تعداد میں کم بیش ایک سو پچھتر (175) سے زائد علماء ومشائخ نے شرکت کی۔اہلسنّت کے جن اکابرین نے اِن اجلاسوں میں شرکت کی۔اُن میں مولانا ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری (صدر جمعیت علماء پاکستان وصدر مجلس عمل)، حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی صاحب، مولانا مفتی صاحبداد صاحب، پیر سرسینہ ابوصالح محمد جعفر صاحب امیر حزب اللہ (مشرقی پاکستان) کے علاوہ مسلم لیگی رہنماء جناب الحاج ہاشم گزدر کے نام نمایاں تھے۔اِن کے علاوہ دیگر علماء کرام میں جناب عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا مودودی، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا محمد یوسف بنوری، سید سلیمان ندوی، مفتی محمد شفیع، مولانا احتشام الحق تھانوی، مولانا سلطان احمد، حاجی محمد امین وغیرہ شامل ہیں۔18، جنوری کے آخری اجلاس میں حکومت پاکستان کے قادیانیت نوازرویئے کے پیش نظر شرکاء اجلاس نے تین متفقہ قراردادیں بھی منظور کیں۔

''(۱) چونکہ خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم پاکستان کے رویئے کے پیش نظر اِس اَمر کی کوئی امید نہیں (چنانچہ) مرزائیوں کے متعلق مطالبات کو تسلیم کرانے کی غرض سے ''راست اقدام'' ناگزیر ہوگیا ہے۔

(۲) چونکہ حکومت قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے پر آمادہ نہیں ہے، اِس لیے ایسی تدابیر اختیار کرنا ضروری ہوگیا ہے کہ فرقہ مرزائیہ کو ملت اسلامیہ سے خارج کردیا جائے۔اِن تدابیر میں سے ایک یہ ہے کہ اس فرقہ کا کامل مقاطعہ کیا جائے۔

(۳) چونکہ مرزائی وزیر خارجہ چوہدری ظفر اللہ کی برطرفی کا مطالبہ اب تک منظور نہیں کیا گیا۔اِس لیے کنونشن خواجہ ناظم الدین سے استعفیٰ کا

مطالبہ کرتی ہے تا کہ مسلمانان پاکستان اپنے دینی عقائد پر عمل کرنے اور اسلامی روایات کی حفاظت کرنے کے قابل ہو جائیں۔"

(منیر انکوائری رپورٹ۔ص 133)

ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری تحریک کے پہلے (ڈکٹیٹر) قائد مقرر

مندرجہ بالا مطالبات کو عملی شکل دینے کیلئے کونشن نے مختلف مذہبی جماعتوں کے سربراہوں پر مشتمل ایک کونسل آف ایکشن "مجلس عمل" قائم کی۔ جس کے ممبران کی تعداد آٹھ تھی، حضرت مولانا ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری کو کونسل آف ایکشن "مجلس عمل" کا سربراہ (صدر) منتخب کیا گیا۔ اہلسنت و جماعت کے اکابرین علامہ عبدالحامد بدایونی اور ابو صالح محمد جعفر پیر صاحب سرسینہ شریف (ڈھاکہ بنگال) کے علاوہ دیگر ممبران میں، سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، حافظ کفایت حسین، مولانا احتشام الحق تھانوی، مولانا محمد یوسف کلکتوی شامل تھے۔

خیال رہے کہ مولانا احتشام الحق تھانوی جن کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ دن میں مجلس عمل کے اجلاسوں میں شرکت کیا کرتے تھے اور رات میں خفیہ ایجنسیوں اور حکومتی اہلکاروں کو مجلس عمل اور علماء کی دن بھر کی سرگرمیوں کے بارے میں مخبری کیا کرتے تھے۔ اسی طرح مولانا اختر علی خاں جو مولانا ظفر علی خاں جیسے نامور فرد کے بیٹے تھے کو مولانا غلام محمد ترنم، حافظ خادم حسین کے ساتھ گرفتار ہونے کے چند گھنٹوں بعد تحریک سے لاتعلقی کے اعلان اور معافی نامہ لکھنے کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا تھا۔ "تحریک ختم نبوت 1953ء، ص 344 کے مطابق" مولانا اختر علی خان کے متعلق ماسٹر تاج الدین انصاری خود تسلیم کرتے ہیں کہ "ان کا قصہ عجیب ہوا وہ اب مرحوم ہو گئے ہیں۔ ان کے متعلق کیا کہا جائے۔ بس عجیب طبیعت کے رہنماء تھے۔ اگرچہ مولانا ظفر علی خاں جیسے بہادر اور مجاہد لیڈر کے بیٹے تھے لیکن بڑی ہی جذباتی اور غیر مستقل قسم کی طبیعت پائی تھی۔"

کونسل آف ایکشن ''مجلس عمل'' کے نو منتخب آٹھ ارکان نے 18، جنوری شام کے اجلاس میں ممبران کی تعداد میں مزید سات افراد کا اضافہ کیا اور اپنی پندرہ رکنی جنرل کونسل مکمل کی ۔جن سات نئے ممبران کو جنرل کونسل میں شامل کیا گیا۔ اُن میں پیر غلام مجدد سرہندی، صاحبزادہ فیض الحسن شاہ آلومہاروی صاحب، مولانا سیّد نور الحسن شاہ، مولانا تاج الدین انصاری، مولانا اختر علی خاں مولانا محمد اسماعیل گوجرانوالوی، اور حاجی محمد امین سرحدی شامل تھے۔ واضح رہے کہ اوّل الذکر دونوں علماء کرام کا تعلق اہلسنت و جماعت سے تھا۔ ساتھ ہی کونسل آف ایکشن کو یہ اختیار بھی دیا گیا کہ وہ حسب ضرورت تحریک کا صدر مقام اور مطالبات تسلیم کروانے کیلئے مناسب لائحہ عمل منتخب کر سکتی ہے۔

مجلس عمل نے اپنے پروگرام کو عملی شکل دینے سے پیشتر یہ بھی طے کیا کہ منتخب نمائندوں پر مشتمل علماء کا ایک وفد مرکزی حکومت سے ملاقات کر کے انہیں اپنے آخری فیصلے سے آگاہ کرے گا۔ اِس وفد کو یہ اختیار بھی دیا گیا کہ وہ کابینہ کو آخری جواب دینے کیلئے مزید وقت دے سکتا ہے۔ چنانچہ فاتح سرحد علامہ عبدالحامد بدایونی صاحب کی قیادت میں ایک چار رکنی وفد تشکیل دیا گیا۔ جس میں علامہ عبدالحامد بدایونی کے علاوہ پیر صاحب سر سینہ شریف ابو صالح محمد جعفر صاحب (ڈھاکہ، بنگال)، ماسٹر تاج الدین انصاری (مجلس احرار) اور سیّد مظفر علی شمسی (تحفظ حقوق شیعہ) شامل تھے۔ اس وفد نے 22، جنوری 1953ء کو وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین سے ملاقات کر کے انہیں مجلس عمل کے مطالبات سے آگاہ کیا۔

''خواجہ ناظم الدین نے وفد سے ہمدردی کا اظہار کیا، لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ میں اِن مطالبات کو تسلیم کرنے سے قاصر ہوں۔''

(منیر انکوائری رپورٹ۔ ص135)

مطالبات کی منظوری کیلئے حکومت کو ایک ماہ کا نوٹس

22، جنوری 1953ء کو اتمام حجت کے طور پر مجلس عمل کا ایک وفد پیر صاحب سر سینہ

شریف ابو صالح محمد جعفر صاحب (ڈھاکہ بنگال) کی سرکردگی میں وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین سے ملا اور آل پاکستان پارٹیز مسلم کنونشن کا ریزولیشن اور مطالبات کی منظوری کیلئے مجلس عمل کی جانب سے حکومت کو ایک ماہ کا نوٹس دیا اور ساتھ ہی خواجہ ناظم الدین کو سمجھایا کہ یہ آخری موقع ہے کہ وہ مسلمانوں کے مطالبات مان لیں۔ بصورت دیگر آنے والے حالات کی ذمہ دار حکومت ہو گی۔ اس موقع پر بھی خواجہ ناظم الدین نے اپنے پرانے موقف کا اعادہ کیا اور پیر صاحب سے کہا کہ اگر میں آپ کا مطالبہ مان لوں تو امریکہ ہمیں ایک دانہ گندم کا نہیں دے گا اور وہ کشمیر کے مسئلے میں ہماری کوئی مدد نہیں کرے گا۔ خواجہ ناظم الدین نے مطالبات کی منظوری سے معذوری کا اظہار کر کے عوام کے غیض و غضب میں اضافہ کر دیا۔ عوام اچھی طرح سمجھتے تھے کہ پُر امن رہتے ہوئے حکومت آسانی سے یہ مطالبات تسلیم نہیں کرے گی۔ لہٰذا اب ضروری ہو گیا ہے کہ پُر امن جدوجہد کا راستہ ترک کر کے براہ راست تصادم کا راستہ اپنایا جائے۔ جبکہ مجلس عمل کے رہنماؤں کی خواہش تھی کہ پُر امن طور پر اس مسئلے کو حل کر لیا جائے۔

ہزاروں کروڑوں پاکستان نبی پاک ﷺ کی ناموس پر قربان

5، فروری 1953ء کو لاہور کے بیرون موچی دروازہ میں حضرت مولانا ابو الحسنات سید محمد احمد قادری صاحب کی زیر صدارت عظیم الشان جلسہ عام منعقد کیا گیا۔ جس میں مشہور سنّی علماء مولانا غلام محمد ترنم، مولانا عبد الغفور ہزاروی، مولانا غلام دین محمد، مولانا محمد بخش مسلم سمیت متعدد حضرات نے شرکت کی۔ مولانا عبد الغفور ہزاروی نے اپنی تقریر میں کہا کہ

> ''ایسا دستور، جس میں نبوت ﷺ نہیں اور جس میں ناموس ختم رسالت ﷺ کے تحفظ کا بندوبست نہیں کیا گیا، اسے دستور کہنا دستور کی توہین ہے۔ مسلمان اس دستور میں صرف ایک بات مانگتے ہیں۔ محمد عربی ﷺ کی شخصیت، اُن کے مقام و منصب کی عزت و ناموس کا تحفظ کیا جائے اور منصب ختم نبوت پر ڈاکہ نہ پڑنے دیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ کے جوتوں کے طفیل پاکستان ملا ہے اور ایسے

ہزاروں کروڑوں پاکستان نبی پاک ﷺ کے نعلین مبارک کے صدقے میں مل سکتے ہیں۔ بشرطیکہ اُن کے اُمتی کہلانے والے ناموس رسالت ﷺ پر دنیا کا مال ومتاع حتیٰ کہ سلطنتیں تک قربان کرنے کو تیار ہوں۔ حکومت نے کراچی میں طلباء پر فیس میں کمی کے مطالبے پر فائرنگ کر کے انہیں گولیوں کا نشانہ بنایا ہے۔ اِن طلباء نے ہمیں یہ درس دیا ہے کہ جب وہ فیس میں کمی کے مطالبے پر جام شہادت نوش کر سکتے ہیں تو کیا ہم ناموس رسالت ﷺ کے تحفظ کی خاطر قربانی نہیں دے سکتے۔ حکومت کو عوام کی طاقت کے آگے جھکنا ہی پڑے گا۔ ہم ملک میں بدامنی نہیں چاہتے، لیکن 22، فروری کے بعد صورتحال کی ذمہ داری ارباب اقتدار پر ہوگی۔ سول نافرمانی ہو یا بغاوت، نتائج کی ذمہ داری خواجہ ناظم الدین اور اُن کی کابینہ پر ہوگی۔ اِس موقعے پر آپ نے عوام سے ہاتھ اٹھا کر عہد لیا کہ ناموس مصطفی ﷺ کے تحفظ کیلئے خون کا آخری قطرہ تک بہادیں گے۔"

(تحریک ختم نبوت 1953ئ۔ص 264-262)

اس جلسہ عام کے آخر میں مشہور خانقاہوں کے سجادہ گان سیال شریف، گولڑہ شریف، دیوان شریف، علی پور شریف کی طرف سے تحریری طور پر تحفظ ختم نبوت کیلئے ہر قسم کی قربانی پیش کرنے کا حلف اٹھایا گیا اور مرزائیوں کے سوشل بائیکاٹ کا اعلان کیا گیا۔ اس جلسہ عام میں واضح اعلان کیا گیا کہ اگر حکومت نے مسلمانوں کے مطالبات تسلیم نہیں کئے تو ارباب اقتدار کو کرسیاں خالی کرنا ہوں گی۔

فدایانِ ختم نبوت "رضا کاروں" کی بھرتی

مجلس عمل نے صاحبزادہ فیض الحسن آلومہاروی صاحب کی سربراہی میں سول نافرمانی کی تحریک میں گرفتاریاں پیش کرنے کیلئے رضا کاروں کی بھرتی کا سلسلہ شروع کردیا۔ صاحبزادہ

فیض الحسن آلو مہاروی صاحب نے گوجرانوالہ میں رضاکاروں کی تربیت کیلئے ایک ٹریننگ کیمپ قائم کیا اور رضاکاروں کی تربیت میں مصروف ہو گئے۔ پورے ملک سے ہزاروں کی تعداد میں فدایان ختم نبوت نے تحریک میں حصہ لینے کیلئے اپنے اپنے ناموں کا اندراج کرایا۔ تحریک ختم نبوت میں اپنا حصہ ڈالنے کیلئے اِن فدایان ختم نبوت کے جوش اور جذبوں کا یہ عالم تھا کہ وہ بھرتی کے مراکز پر حلف ناموں پر اپنے خون سے دستخط یا انگوٹھا ثبت کرتے تھے۔ مجلس عمل کے رہنماء ملک کے کونے کونے میں مطالبات کے حق میں تقریریں کر رہے تھے۔ حکومت کو دیئے گئے نوٹس کی معیاد تیزی سے ختم ہو رہی تھی۔ صورتحال اِس قدر کشیدہ تھی کہ نہ تو حکومت ہی مطالبات ماننے پر تیار تھی اور نہ ہی مجلس عمل پیچھے ہٹنے پر آمادہ تھی۔ لیکن اِس قدر سخت موقف اپنانے کے باوجود مجلس عمل کے رہنماء اتمام حجت کیلئے کوئی بھی ایسا پہلو خالی چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ جس سے مفاہمت کی کوئی ایسی راہ نکل سکے جس سے تحریک پُر تشدد راستے پر جانے سے بچ جائے۔ چنانچہ اس مقصد کیلئے مجلس عمل نے آخر وقت تک حتی الامکان اپنی کوششیں جاری رکھیں۔

علماء اپنا اٹھایا ہوا قدم واپس ہرگز نہیں لیں گے

6، فروری 1953ء کو مولانا ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری صاحب نے مسجد وزیر خان میں جمعے کی تقریر کرتے ہوئے فرمایا

> "ہمارا پروگرام تخریبی نہیں، اگر خواجہ ناظم الدین وقت کی نزاکت کے پیش نظر ملت کے مطالبات تسلیم کرلیں تو ہم سے زیادہ اِس حکومت کا خیر اندیش اور بہی خواہ اور کون ہوسکتا ہے۔ آپ نے فرمایا، میں پوچھتا ہوں کہ خواجہ ناظم الدین صرف ظفر اللہ کو وزارت سے نکالنے میں اتنے خوفزدہ کیوں ہیں۔ آخر انہیں کھوڑو کو وزارت سے علیحدہ کرنے کی جرأت کیسے ہوئی۔ انہیں بنگال کے لیڈر فضل الرحمٰن کو نکالنے کا حوصلہ کہاں سے مل گیا۔ خواجہ صاحب ظفر اللہ کو نکالنے سے پہلے ملت سے قربانیاں کیوں

مانگ رہے ہیں۔ میں ایک مرتبہ پھر خواجہ ناظم الدین کو دعوت فکر دیتا ہوں کہ وہ اپنے ضمیر سے پوچھیں کہ کیا ملت اسلامیہ ختم نبوت کے مسئلے کیلئے ہر قربانی کیلئے تیار نہیں ہے۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ علماء کرام اپنا اٹھایا ہوا قدم ہرگز واپس نہیں لیں گے جب تک کہ مطالبات کو تسلیم نہیں کرلیا جاتا۔"

(روزنامہ زمیندار 8، فروری 1953ئ تحریک ختم نبوت 1953، ص 287)

16، فروری 1953ء کو وزیر اعظم کی لاہور آمد کے موقع پر لاہور میں زبردست ہڑتال کی گئی اور دہلی دروازے کے باہر مجلس عمل کا عظیم الشان احتجاجی جلسہ ہوا۔ جلسے کے اختتام پر شام میں مجلس عمل کا ایک وفد حضرت مولانا ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری صاحب کی سربراہی میں گورنر ہاؤس میں خواجہ ناظم الدین سے ملنے گیا، لیکن حسب سابق خواجہ صاحب کی طرف سے وہی معذرت اور معذوری کا اظہار پایا گیا۔ اِس ملاقات کے نتائج سے صاف ظاہر ہورہا تھا کہ آنے والے دنوں میں تصادم ناگزیر ہوگیا ہے۔ جوں جوں دن گزرتے جارہے تھے، مسلمانوں کے اضطراب اور بے چینی میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔

کراچی پاکستان کا مرکز اور دارالخلافہ ہونے کی وجہ سے اپنی علیحدہ شناخت رکھتا تھا۔ مجلس عمل نے طے کیا کہ الٹی میٹم کے خاتمے کے قریب تین دن کیلئے آرام باغ کراچی میں جلسۂ عام کیا جائے۔ چنانچہ حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی نے جلسہ عام کی اجازت حاصل کی۔ اللہ وسایا صاحب تحریک ختم نبوت 1953ء کے صفحہ (260) پر لکھتے ہیں

"مولانا بدایونی کراچی میں بریلوی حضرات کے صف اوّل کے رہنما مانے جاتے تھے۔ وہ عوام میں کام کرنا جانتے تھے اور بہت ہی باہمت بزرگ تھے اور بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ تحریک ختم نبوت میں مولانا بدایونی پیش پیش تھے۔"

21، فروری 1953ء کو مجلس عمل کے ایک وفد جس میں مولانا عبدالحامد بدایونی، سید سلیمان ندوی، مولانا اختر علی خاں وغیرہ شامل تھے، کراچی میں خواجہ ناظم الدین سے ملا اور انہیں

یاد دلایا کہ آج 21، فروری ہے۔ دیئے گئے نوٹس کو ایک ماہ گزر چکا ہے۔ لہٰذا مطالبات کے متعلق کوئی دوٹوک فیصلہ کریں۔ خواجہ صاحب نے وہی پرانی باتیں دہرائیں اور وفد سے ایک بار پھر معذرت چاہی۔

ادھر لاہور میں مجلس عمل کے صدر مولانا ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری صاحب نے کراچی روانگی سے قبل تحریک کے رضا کاروں اور کارکنوں کو آخری ہدایات دیں اور کہا کہ وہ تمام حلف نامے پُر کرنے والے رضا کار سربکف تیار رہیں۔ قافلے میں ہر ضلع سے شریک ہونے والے رضا کاروں کی تعداد پانچ اور ہر قصبے سے دو ہو گی۔ عہدیداران اِن رضا کاروں کیلئے زاد راہ کا انتظام کریں گے۔ ہنگامہ آرائی اور اشتعال انگیزی سے پرہیز کریں گے اور مقدس تحریک کو کامیاب بنانے کیلئے نظم وضبط سے کام لیں گے۔

22، فروری کو حکومت کو دیئے گئے نوٹس کی میعاد ختم ہو گئی۔ اِسی دن مجلس عمل کے صدر مولانا ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری صاحب کی سربراہی میں ایک وفد نے خواجہ صاحب سے ملاقات کی لیکن افسوس کہ اس ملاقات کا بھی کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوا اور وفد ایک مرتبہ پھر ناکام واپس آ گیا۔ چنانچہ صورتحال پر غور کرنے کیلئے مجلس عمل کے اراکین نے 26، فروری 1953ء کو اپنا آخری اجلاس مجلس عمل کے صدر مولانا ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری صاحب کی زیر صدارت کراچی میں منعقد کیا۔ اس اجلاس میں مولانا عبدالحامد بدایونی، صاحبزادہ سیّد فیض الحسن صاحب، مولانا احتشام الحق تھانوی، سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا محمد یوسف کلکتوی، مولانا سلطان احمد، سیّد نور الحسن شاہ بخاری، ماسٹر تاج الدین انصاری اور سیّد مظفر علی شمسی شامل تھے۔ اس اجلاس میں مولانا ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری صاحب نے شرکاء اجلاس کو بتایا کہ گذشتہ اجلاس منعقدہ 18، جنوری کو ہم نے حکومت کو آخری نوٹس دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ جسے مجلس عمل کے وفد نے باضابطہ طور پر حکومت کو پہنچایا۔ اِس نوٹس کی آخری تاریخ 23، فروری کو ختم ہو چکی ہے اور آج اس نوٹس کی میعاد گزرے تین دن ہو چکے ہیں۔ آج ہمیں آخری فیصلہ کرنا ہے کہ راست اقدام کی تحریک کو پُر امن کس طرح رکھا جائے۔ اراکین کے باہمی صلاح ومشورے

سے طے پایا کہ تحریک کو پُر امن رکھنے کیلئے پانچ رضا کار ایسے پلے کارڈ لے کر جن پر مطالبات درج ہوں۔ وزیر اعظم اور گورنر جنرل کی کوٹھی پر جا کر مظاہرہ کریں گے اور وزیر اعظم سے مطالبات ماننے کا مطالبہ کریں گے، اگر یہ رضا کار گرفتار کر لیے جائیں تو کونسل آف ایکشن روزانہ پانچ پانچ رضا کاروں کا دستہ اُس وقت تک بھیجتی رہے گی، جب تک کہ حکومت ہماری بات مان نہیں لیتی۔ اجلاس کے اراکین نے باہمی مشورے سے حضرت مولانا ابو الحسنات سیّد محمد احمد قادری صاحب کو اس تحریک کا نگران اعلیٰ مقرر کیا اور اُن کو اس بات کا بھی اختیار دیا کہ اپنی گرفتاری پر وہ جس رفیق کو مناسب سمجھیں تحریک کا نگران اعلیٰ مقرر کر سکتے ہیں۔ اِسی اجلاس میں یہ بھی طے کیا گیا کہ رات میں ہونے والے آرام باغ کے جلسے میں شرکت کرنے والی عوام سے دوران تحریک پُر امن رہنے اور اِس دوران اپنے کاروبار جاری رکھنے کی اپیل بھی کی جائے گی۔ ایک طرف مجلس عمل عوام کو پُر امن رکھنے کے منصوبے بنا رہی تھی تو دوسری طرف حکومت نے اسی رات کابینہ کے اجلاس میں مجلس عمل کی پُر امن تحریک کو تشدد اور طاقت کی بنیاد پر کچلنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

24، فروری تا 26، فروری 1953ء کو آرام باغ کراچی میں تین روزہ عظیم الشان جلسے مجلس عمل کے صدر مولانا ابو الحسنات سیّد محمد احمد قادری صاحب کی زیر صدارت منعقد ہوئے۔ جس میں تحریک سے وابستہ صاحبزادہ سیّد فیض الحسن آلو مہاروی، مولانا عبد الحامد بدایونی، مولانا عبد الرحیم جوہر جہلمی، سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا احتشام الحق تھانوی، ماسٹر تاج الدین، مولانا لال حسین اختر نے شرکت کی۔ اِن تمام جلسوں میں مقررین نے اپنے مطالبات پر روشنی ڈالی اور حکومت کے مایوس کن کردار اور رویئے کا ذکر کیا۔ اِن جلسوں میں ہزاروں کی تعداد میں فدایانِ ختم نبوت نے شرکت کی۔

تحریک ختم نبوت کے مرکزی رہنماؤں کی گرفتاری

26، 27، فروری کی رات کو کراچی میں حکومت نے مجلس عمل کے صدر حضرت علامہ ابو

الحسنات سیّد محمد احمد قادری سمیت تمام رہنماؤں کو جن میں صاحبزادہ سیّد فیض الحسن آلومہاروی، مولانا عبد الحامد بدایونی، مولانا عبدالرحیم جوہر جہلمی، عطاء اللہ شاہ بخاری، لال حسین اختر، وغیرہ شامل تھے گرفتار کرلیا اور تحریک کو مرکزی قائدین سے محروم کردیا۔ ان حضرات کے علاوہ کراچی میں مولانا مہر الٰہی، میاں محمد سجادہ نشین داتا گنج بخش اور مولانا عبد الرحمن کو بھی گرفتار کرلیا۔ ان گرفتاریوں کے خلاف کراچی میں ہڑتال کی گئی اور پہلے ہی دن چار ہزار فدایان ختم نبوت نے خود کو گرفتاریوں کیلئے پیش کیا۔ ہزاروں کی تعداد میں کارکنان گرفتار ہوئے اور بے شمار نوجوانوں کو انتظامیہ نے شہر سے باہر دور دراز جنگل اور بیابان علاقوں میں لے جا کر چھوڑ دیا۔ یہ صورتحال دس پندرہ دن تک جاری رہی اِس کے بعد انتظامیہ نے کراچی کے حالات پر قابو پالیا۔ گرفتاری کے بعد مجلس عمل کے صدر اور نگران اعلیٰ حضرت علامہ ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری نے جیل میں نہایت صبر استقامت کا مظاہرہ کیا۔

مولانا تاج محمود "قائد تحریک ختم نبوت 1953ء علامہ ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری" کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

> "بعض بلند پایہ شخصیتیں ایسی ہیں جو خود کو شہرت سے دور رکھتی ہیں، دنیا اُن کی خوبیوں سے کماحقہ واقفیت نہیں رکھتی۔ زیادہ تر قریب رہنے والے لوگ اِن بزرگوں کی عظمت کو جانتے ہیں، مگر عوام بے خبر ہوتے ہیں، آپ کو انہی بلند پایہ حضرات میں حضرت مولانا ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری خطیب جامع مسجد وزیر خان کا نام نامی سرفہرست نظر آئے گا۔"

(تحریک ختم نبوت 1953ء۔ ص،121-120)

مولانا سیّد خلیل احمد قادری تحریک کے کنوینر نامزد

مجلس عمل کے مرکزی رہنماؤں کی گرفتاری کی خبر نے سارے ملک میں حکومت کے خلاف تحریک کا آغاز کردیا۔ پنجاب میں بھی ہڑتالیں شروع ہوگئیں۔ لاہور، راولپنڈی،

سیالکوٹ، ملتان سرگودھا، گوجرانوالہ، گجرات، جہلم، فیصل آباد سے قائدین جن میں مولانا غلام محمد ترنم، حافظ خادم حسین، مولانا غلام دین محمد سمیت ہزاروں کارکنوں کو حکومت نے گرفتار کرلیا۔ روزانہ ہزاروں کی تعداد میں رضا کاروں کے دستے کراچی کیلئے روانہ ہوتے، جنہیں حکومت راستے ہی میں گرفتار کرلیتی ہے۔ چنانچہ باہمی مشورے سے مرکز کے اراکین کی موجودگی میں مولانا عبد الستار خاں نیازی، مولانا سیّد خلیل احمد قادری، مولانا بہاالحق قاسمی، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا محمد طفیل پر مشتمل ایک کمیٹی بنادی گئی۔ جسے مناسب اقدامات کرنے کا اختیار بھی دیا گیا۔ اِس کمیٹی کا کنوینر مولانا سیّد خلیل احمد قادری کو نامزد کیا گیا۔ حضرت مولانا ابوالحسنات سیّد محمد احمد صاحب کے صاحبزادے مولانا سیّد خلیل احمد قادری اُس وقت طبیہ کالج میں زیر تعلیم تھے۔ اراکین کے فیصلے کے مطابق آپ نے تحریک کی قیادت سنبھال لی اور مسجد وزیر خان کو تحریک کا مرکز بنالیا۔ جس میں ہر وقت ہزاروں کی تعداد میں رضا کار موجود ہوتے تھے۔ یہ رضا کار پہلے روزانہ پچاس پچاس کی ٹولیوں میں اور بعد میں سو سو کی ٹکڑیوں میں گرفتاریاں پیش کرتے رہے۔ اسی دوران مولانا عبد الغفور ہزاروی بھی لاہور پہنچ کر دیگر علماء کرام کے ساتھ تحریک ختم نبوت میں شامل ہوگئے۔

قائد تحریک ختم نبوت مولانا ابوالحسنات کا صبر و استقامت

تحریک ختم نبوت 1953ء کے مرکزی قائد حضرت ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری کی گرفتاری کے بعد تحریک کی قیادت آپ کے اکلوتے بیٹے مولانا سیّد خلیل احمد قادری اور مجاہد ملت مولانا عبد الستار خان نیازی نے سنبھالی۔ اسی دوران جیل میں مولانا ابوالحسنات کو یہ اطلاع ملی کہ مولانا سیّد خلیل احمد کو گرفتار کرلیا گیا ہے اور فوجی عدالت نے انہیں پھانسی کی سزا دے دی ہے۔ مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے مرکزی رہنما سیّد مظفر علی شمسی لکھتے ہیں

> ”آپ کو ایک روز اچانک یہ اطلاع ملی کہ مولانا سیّد خلیل احمد قادری خطیب مسجد وزیر خان لاہور کو مارشل لاء حکومت نے پھانسی کی سزا دے دی ہے۔ اپنے اکلوتے فرزند کے بارے میں یہ روح فرسا خبر سن کر سجدے میں گر

گئے اور عرض کی الٰہی........! میرے بچے کی قربانی منظور فرما۔"

(روزنامہ مشرق لاہور 5 نومبر 1967ء ص 3)

مولانا سیّد خلیل احمد قادری کی پھانسی اور شہادت کی خبر پر اللہ وسایا اپنی کتاب "تحریک ختم نبوت 1953ئ" میں مولانا تاج محمود اور ماسٹر تاج الدین انصاری کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

"ہم سب کو حیرت ہوئی کہ مولانا کی پیشانی پر بل تک نہیں آیا۔ مولانا نے کبھی ذکر تک نہیں کیا۔ گھر سے بھی کوئی اطلاع نہیں آئی۔ کچھ معلوم نہیں کہ خلیل پر کیا گزری۔ خلیل زندہ بھی ہے یا نہیں، مگر مولانا ابوالحسنات نہ گھبراتے ہیں نہ الگ بیٹھ کر آنسو بہاتے ہیں اور نہ اُن کی زبان پر خلیل صاحب کا تذکرہ آتا ہے۔ ہم سب اس صورتحال کو دیکھ کر حیران تھے۔ حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری نے بارہا فرمایا کہ اگر میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آتا تو خدا جانے میرا کیا حال ہوتا، مگر بھئی مولانا ابوالحسنات صاحب تو بڑی کوہ وقار شخصیت ثابت ہوئے، مولانا ہم میں بیٹھ کر خوش گپیاں اڑاتے یا الگ بیٹھ کر تسبیح و ظائف میں مصروف رہتے۔ اللہ جسے حوصلہ دے اور صبر عطا کرے جیل خانہ فخر و غرور کا مقام نہیں یہاں بڑے بڑوں کے پاؤں ڈگمگا جاتے ہیں۔ مولانا اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جس کے نام پر آج تک روٹیاں توڑتے رہے، اُس کے نام کی لاج رکھنے کا وقت آیا تو گھبرانا کیا۔ نمک حرامی تو نہیں ہونا چاہیے۔ ہم نے حضرت مولانا کو صبر و استقامت کا پہاڑ اور شرافت و خلق کا بہترین نمونہ پایا........ حضرت مولانا ابوالحسنات فرماتے ہیں، بھئی بات تو ٹھیک ہے، خلیل میرا اکلوتا بیٹا ہے۔ مجھے اُس سے بے پناہ محبت ہے، اس لیے کہ میں ہی اُس کا باپ ہوں اور میں ہی اُس کی ماں بھی۔ یوں بھی اولاد سے کسے

محبت نہیں ہوتی۔ مگر اِس مقام پر صبر کے سوا ہو بھی کیا سکتا ہے۔ پھر اس نیک کام میں خلیل قربان بھی ہوتا ہے۔ تو سعادت دارین ہے۔ وہ بھی تو ماؤں کے لخت جگر تھے۔ جو سرکار مدینہ ﷺ کی آبرو پر شہید ہوئے اُن میں خلیل بھی ہے، تو میرے لیے فخر کی بات ہے، اللہ ہماری حقیر قربانی کو قبول فرمائے۔

سر عشق از عالم ارحام نیست

اوز سام وحام روم وشام نیست

مولانا کا صبر اور بے نظیر حوصلہ دیکھ کر ہمارے حوصلے بھی دگنے ہو گئے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اُس روز کے بعد ہم سب آپ کی اور بھی زیادہ عزت کرنے لگے۔ مولانا نے نہایت صبر واستقامت سے جیل کاٹی۔ آپ کے دل میں دوہرا جذبہ موجزن تھا۔ آپ عالم دین بھی تھے اور سیّد زادے بھی، آپ آخر دم تک صحیح مقام پر ڈٹے رہے اور آپ کے پاؤں میں لغزش نہیں آئی۔ اللہ جسے توفیق دے۔"

(تحریک ختم نبوت 1953ء۔ص 295-293)

جناب پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب اِس واقعہ پر مولانا سیّد ابوالحسنات محمد احمد قادری کو یوں خراج تحسین پیش کرتے ہیں

"مولانا ابوالحسنات کو جیل میں یہ خبر دی گئی کہ اُن کے اکلوتے جواں سال صاحبزادے خلیل احمد کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا ہے۔ جیل میں بوڑھے باپ پر کیا گزری ہوگی، یہ کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی ہم لکھ سکتے ہیں۔ اِس کیفیت کو وہ محسوس کر سکتے ہیں جو اِن حالات میں کسی اصول کی خاطر نبرد آزما ہوتے ہیں۔ علامہ مرحوم نے سیّدنا یعقوب علیہ السلام کی سنت میں صبر جمیل کا مظاہرہ کر کے اپنے کردار کو ہمارے لیے مشعل راہ بنا دیا۔"

(تذکرہ علماء اہلسنت وجماعت لاہور۔ص335)

مولانا سیّد خلیل احمد قادری فرماتے ہیں "ایک دن میں نے والد محترم کو سکھر جیل کے پتے پر اپنی خیریت سے متعلق خط لکھا۔ پندرہ دن کے بعد والد صاحب کی طرف سے جواب موصول ہوگیا، جس میں آپ نے لکھا تھا، مجھے یہ جان کر بے حد افسوس ہوا کہ تم رتبہ شہادت حاصل نہ کر سکے، لیکن یہ جان کر بحر حال دل کو اطمینان ہوا کہ تم ناموس مصطفی ﷺ کے خاطر لڑ رہے ہو۔"

(جنھیں ختم نبوت سے عشق تھا۔ص113۔علماء حق اور فتنہ ردمرزائیت۔ص301)

ڈی ایس پی کا قتل اور قرآن مجید کی المناک شہادت

4، مارچ 1953ء کو رضا کاروں کے پرُ امن جلوس پر پولیس نے سٹی مجسٹریٹ سیّد حسنات احمد، ڈی ایس پی سیّد فردوس شاہ اور سپر نٹنڈنٹ پولیس ملک خان بہادر کی سرکردگی میں پرُ امن جلوس پر سخت لاٹھی چارج کیا اور انہیں زدوکوب کر کے گرفتار کیا۔ پولیس کے تشدد سے ایک بچہ ہلاک ہوگیا جس کی لاش پولیس نے غائب کرادی۔ اس تمام کاروائی کے دوران ایک بوڑھے رضا کار کے گلے میں حمائل شریف میں پڑا قرآن مجید نکل کر زمین پر گر گیا اور شہید ہوگیا اور اُس کے کچھ اوراق بازار میں بہنے والی گندی نالی میں بھی چلے گئے۔ بعض عینی گواہوں کے مطابق ڈی ایس پی فردوس شاہ کی ٹھوکر سے قرآن مجید پارہ پارہ ہوکر گندی نالی میں گر گیا تھا۔ قرآن مجید کی بے حرمتی اور معصوم بچے کے قتل کی خبر آناً فاناً پورے شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور اس واقعے کے خلاف عوام میں شدید غم وغصہ پایا جاتا تھا۔ لوگ بے قابو تھے اور مسجد وزیر خان کے باہر لوگوں کا ایک بہت بڑا ہجوم موجود تھا۔ اسی دوران ڈی ایس پی فردوس شاہ وہاں آگیا۔ لوگوں نے اُس کو پہچان لیا۔ پھر کیا تھا سارے کا سارا ہجوم فردوس شاہ پر پل پڑا اور فردوس شاہ مارا گیا۔ فردوس شاہ کے قتل کے بعد حکومت نے تحریک کو تشدد کے ساتھ کچلنے کا فیصلہ کیا اور جگہ جگہ پرُ امن مظاہرین پر فائرنگ کی۔ جس کے نتیجے میں ہزاروں مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا۔

حکومت کی جانب سے 4، اور 5، مارچ کو فدایان ختم نبوت پر ہونے والے ظلم وتشدد کے ردعمل میں سرکاری ملازمین نے ہڑتال کردی۔ تمام حکومتی دفاتر سمیت ریلوے ورکشاپس، کارخانے اور تعلیمی ادارے بند ہوگئے اور حکومتی دفاتر اور سرکاری اداروں کے ملازمین بھی فدایان ختم نبوت کے ساتھ احتجاجی مظاہروں میں شامل ہوگئے۔ اُن سب کا مطالبہ تھا کہ بے گناہ مسلمانوں کے قاتل سرکاری افسروں کو گرفتار کرکے اُن کے خلاف کارروائی کی جائے اور تحریک کے مطالبات کو تسلیم کیا جائے۔ اس ہڑتال میں بجلی کے محکمے کے ملازمین بھی شامل ہوگئے اور انہوں نے گورنمنٹ ہاؤس کی بجلی منقطع کردی۔ فون ناکارہ بنادیئے گئے۔ صورتحال اس قدر بے قابو ہوگئی کہ پولیس کے سربراہ نے ہتھیار ڈال دیئے اور مظاہرین پر مزید ظلم وتشدد کرنے سے انکار کردیا۔ چنانچہ ہڑتال میں حکومتی اداروں کے ملازمین کی شمولیت نے ممتاز دولتانہ کو مجبور کردیا کہ وہ فوری طور پر اپنے اقدامات واپس لے لیں۔ چنانچہ انہوں نے مظاہرین پر فائرنگ بند کردینے اور حکومت پنجاب کی جانب سے مطالبات کی تائید کرنے کا بیان جاری کردیا۔ جس سے عوام کے اشتعال میں خاطر خواہ کمی واقع ہوئی۔

تحریک ختم نبوت 1953ء کے دوران ایک محتاط اندازے کے مطابق کئی سو مسلمان شہید، ہزاروں گرفتار اور لاتعداد مسلمان اس تحریک سے متاثر ہوئے۔ لاہور شہر میں کرفیو نافذ ہونے کے باوجود ہڑتال، مظاہرے اور رضا کاروں کی گرفتاریاں جاری تھیں۔ حالات دن بدن قابو سے باہر ہوتے جارہے تھے۔ بگڑتے ہوئے حالات کو دیکھ کر حکومت نے لاہور میں 6، مارچ 1953ء کو صبح ساڑھے دس بجے ملک میں پہلا مارشل لاء نافذ کردیا۔ یہ مارشل لاء جزوی تھا۔ جو صرف لاہور تک محدود تھا اور اِس کے نفاذ کا مقصد تحریک ختم نبوت کو کچلنا تھا۔ لیکن قابل توجہ اَمر یہ ہے کہ یہ مارشل لاء لگانے کا حکم کابینہ کے مشورے اور وزیر اعظم کی اجازت کے بغیر اُس وقت کے سیکرٹری دفاع میجر جنرل سکندر مرزا نے دیا تھا۔ یہ مارشل لاء مئی 1953ء تک نافذ رہا۔ لاہور شہر کو فوج کے حوالے کردیا گیا اور لاہور کے ایریا کمانڈر اور چیف مارشل لاء منتظم جنرل اعظم خان جس کے منہ کو خون لگ چکا تھا نے 6، مارچ کو مارشل لاء لگادیا اور اُس کے ضابطوں کی خلاف

ورزی پر سزاؤں کیلئے فوجی عدالتیں قائم کر دیں۔ مارشل لاء کے نفاذ اور شہر میں فوج کی موجودگی کے باوجود مولانا سیّد خلیل احمد قادری، مجاہد ملت مولانا عبدالستار خان نیازی، اور مولانا بہاء الحق قاسمی کی جرأت اور ولولہ میں کوئی فرق نہیں آیا۔ تحریک کے مرکز مسجد وزیر خان میں ہزاروں مسلمان موجود ہوتے اور وہاں صبح و شام ولولہ انگیز تقریریں ہوتیں اور گرفتاری کیلئے قافلے روانہ کئے جاتے۔

7، اور 8، مارچ کو مولانا عبدالستار نیازی نے مارشل لائی، دفعہ 144 اور کرفیو کے باوجود گرفتاریاں دینے کیلئے چار، چار افراد کی ٹولیاں روانہ کیں۔ 8، مارچ کو فوج نے مسجد کو گھیرے میں لے لیا۔ اُس وقت مسجد میں مولانا سیّد خلیل احمد قادری اور مولانا بہاء الحق قاسمی موجود تھے۔ جنہیں فوج نے مسجد میں موجود رضا کاروں کے ساتھ گرفتار کرلیا۔ دوران قید پیش آنے والے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے مولانا سیّد خلیل احمد قادری فرماتے ہیں کہ

"اندھیری کوٹھڑی میں میرے سامنے سانپ چھوڑا گیا۔ نماز پڑھنے سے روکا گیا۔ سارا سارا دن کھڑا رکھا گیا۔ دوران تفتیش گالیوں سے نوازا گیا، ایک دفعہ جب بھوک و پیاس کی شدت سے میرے سینے میں درد اٹھا تو اُسی لمحے خیال آیا کہ میں بھوکا مر رہا ہوں، گھر میں ہوتا تو اپنی پسند کے کھانے کھاتا، لیکن دوسرے ہی لمحے ضمیر نے ملامت کی اور صحابہ کرام کی قربانیوں کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آگیا۔ میں نے سر بسجود ہو کر توبہ کی لیکن خدا کی قدرت دیکھئے کہ اندھیرے میں ایک ہاتھ آگے بڑھا اور آواز آئی "شاہ جی یہ لے لو"......... ایک لفافہ مجھے دیا گیا جس میں کچھ پھل اور مٹھائی تھی۔ میں حیران رہ گیا کہ اتنے سخت پہرے کے باوجود یہ سب کچھ مجھ تک کیسے پہنچ گیا۔ لیکن میرے دل کو یقین ہوگیا کہ یہ غیبی دعوت جناب خاتم النبیین ﷺ کے صدقے میں ملی ہے۔ میں وہ پھل اور مٹھائی تین روز تک استعمال کرتا رہا۔"

(ناموس رسالت کے پاسبان۔ص 189)

تحریک کے آخری قائد مولانا نیازی بھی گرفتار

مولانا سید خلیل احمد قادری اور مولانا بہاالحق قاسمی کے گرفتار ہونے کے بعد مولانا عبدالستار خان نیازی نے تحریک کی قیادت سنبھال لی۔

"اب حکومت کو نیازی صاحب کی تلاش تھی۔فوج نے سارے شہر کی ناکہ بندی کردی، جگہ جگہ پر چوکیاں قائم کردی گئیں۔لیکن اِن تمام اقدامات کے باوجود فوج مولانا عبدالستار خان نیازی کو گرفتار نہ کرسکی۔ادھر مولانا عبدالستار خان نیازی چاہتے تھے کہ کسی طریقے سے 9، مارچ کو شروع ہونے والے پنجاب اسمبلی کے سیشن میں "ختم نبوت ریزولیشن" پیش کرکے ارکان اسمبلی کو قائل کرنے کی کوشش کریں۔لیکن بدقسمتی سے پنجاب اسمبلی کا 9، مارچ کو ہونے والا اجلاس 22، مارچ تک کیلئے ملتوی کردیا گیا۔اِس دوران مولانا عبدالستار خاں نیازی کے خلاف ڈی ایس پی فردوس شاہ کے قتل اور حکومت کے خلاف بغاوت کا مقدمہ درج کرلیا گیا۔چنانچہ مولانا مختلف مقامات سے ہوتے ہوئے قصور میں اپنے دوست شیخ فضل الدین کے یہاں پہنچ کر قیام پذیر ہوئے۔آپ کا پروگرام تھا کہ 22، مارچ کی صبح بذریعہ بس اسمبلی ہال پہنچیں اور اجلاس میں شرکت کرکے اپنے پروگرام کو عملی جامہ پہنائیں، لیکن شیخ فضل الدین کے لڑکے محمد اسلم نے پولیس کو آپ کی موجودگی کی اطلاع دے دی۔22، مارچ کی صبح اس سے قبل کہ مولانا اسمبلی ہال کیلئے روانہ ہوتے پولیس نے آپ کو آپ کے ساتھی بشیر احمد مجاہد کے ہمراہ شیخ فضل الدین کے مکان سے گرفتار کرلیا۔"

(مجاہد ملت مولانا عبدالستار خاں نیازی۔ص 96-94)

باغیٔ مملکت مولانا عبدالستار خاں نیازی کیلئے سزائے موت

مولانا عبدالستار خاں نیازی کی گرفتاری سے تحریک نے دم توڑ دیا اور حکومت نے حالات پر قابو پالیا۔ 16، اپریل 1953ء کو مولانا عبدالستار خاں نیازی کے خلاف فوجی عدالت میں ڈی ایس پی فردوس شاہ کے قتل اور حکومت کے خلاف بغاوت کے مقدمے کا آغاز ہوا۔ جس کی کاروائی 25، اپریل 1953ء کو صرف دس دن میں مکمل کی گئی۔ اس مقدمے میں مولانا پر دو الزامات عائد کئے گئے ایک یہ کہ آپ نے مجمع کو پولیس کے خلاف یہ کہہ کر اکسایا کہ "پولیس کے کتے آگئے ہیں، اب جانے نہ پائیں" جس کی وجہ سے مجمع نے مشتعل ہو کر ڈی ایس پی فردوس شاہ کو قتل کر دیا۔ آپ پر دوسرا الزام یہ تھا کہ آپ کی باغیانہ اور اشتعال انگیز تقاریر کی وجہ سے عوام مشتعل ہوئے اور انہوں نے تشدد اور تخریب کاری کے ذریعے ملکی سا لمیت کو نقصان پہنچایا۔ اس لیے حکومت آپ کو مملکت کا باغی قرار دے کر آپ کے خلاف مقدمہ بغاوت قائم کرتی ہے۔ اس خود ساختہ مقدمے میں آپ کے خلاف ایک بھی الزام ثابت نہ ہونے کے باوجود فوجی عدالت نے جانب داری کا مظاہرہ کیا۔ اور 7، مئی 1953ء کو آپ کو ڈی ایس پی فردوس شاہ کے قتل کے الزام سے باعزت بری کرتے ہوئے حکومت کیخلاف بغاوت کے الزام میں پھانسی کی سزا سناتے ہوئے کہا۔

"You will be hanged by neck till you are dead"

"تمہاری گردن پھانسی کے پھندے میں اُس وقت تک لٹکائی جائے جب تک تمہاری موت نہ واقع ہو جائے۔" سزا سن کر آپ نے سزا سنانے والے اہلکار سے کہا۔

It that? I was prepared to take more that, if i would have got one hundred thousand lives, I would have laid down those for the cause of holy Prophet Muhammad May peace & glory of God

be upon him.

"یہی کچھ سزا لائے ہو۔اے کاش میری لاکھ جانیں ہوتیں تو میں اُن سب کو محمد مصطفی ﷺ کی ذات پر قربان کردیتا۔" آپ نے بے خوف ڈیتھ وارنٹ پر دستخط کردیئے۔اُس کے بعد آپ کو پھانسی کی کوٹھڑی میں منتقل کردیا گیا۔مولانا عبدالستار خاں نیازی 7،مئی سے 14،مئی 1953ء تک اس کال کوٹھڑی میں رہے۔اس دوران آپ کا حوصلہ قابل دید تھا۔ آپ کو ذرّہ برابر بھی سزا کا خوف نہیں تھا۔فوجی حکام آپ کی بے خوفی پر حیران تھے۔14،مئی 1953ء کو آپ کی سزائے موت کو عمر قید میں تبدیل کردیا گیا اور ایک حکومتی آرڈر کے ذریعے آپ کو سزا کے خلاف اپیل کرنے کا حق دیا گیا،لیکن آپ نے اپیل نہ کی۔چنانچہ جسٹس محمد شریف نے ازخود سارا کیس دیکھا اور آپکی سزا کم کر کے تین سال کردی اور 29اپریل1955ء کو آپ دوسال سے زائد عرصہ جیل کاٹنے کے بعد ضمانت پر رہا ہو گئے۔"

(مجاہد ملت مولانا عبدالستار خاں نیازی۔ص103-98)

مولانا عبدالستار نیازی صاحب کی سزا کے حوالے سے"دی نیشن" لاہور لکھتا ہے کہ

"مولانا نیازی اور دیگر افراد کو فوجی عدالت سے سزائے موت کا حکم مارشل لاء کی حدود سے سراسر تجاوز تھا۔یہ ایک مزموم فعل تھا جسے کوئی قانونی جواز حاصل نہ تھا اور اس سے قوم دہشت زدہ اور وزیراعظم سخت برہم ہوا تھا۔ فوج کو پہلی دفعہ سول انتظامیہ کی"مٹھاس" کا مزہ چکھنے کا موقع ملا۔اسے قومی بحران میں اپنی اہمیت کا اندازہ ہوا اور بعد میں بھی قومی سیاست و معاملات میں اپنا کردار ادا کرنے کا شوق پیدا ہوا۔"

(دی نیشن،لاہور۔23ستمبر1987ء بحوالہ تحریک احمدیت،ص571)

مولانا نیازی نے سات دن اور آٹھ راتیں پھانسی کی کوٹھری میں گزاریں۔ رہائی کے بعد پریس والوں نے جب آپ کی عمر پوچھی تو آپ نے فرمایا

"میری عمر وہ سات دن اور آٹھ راتیں ہیں جو میں نے ناموس مصطفی ﷺ کے تحفظ کی خاطر پھانسی کی کوٹھری میں گزاری ہیں۔ کیونکہ یہی میری زندگی ہے اور باقی سب شرمندگی۔ مجھے اپنی اس زندگی پر ناز ہے۔"

(تحریک ختم نبوت 1953۔ص،550-549)

ہر حال میں حق بات کا اظہار کریں گے
منبر نہیں ہوگا تو سر دار کریں گے
جب تک بھی دہن میں ہے زبان سینے میں دل ہے
کاذب کی نبوت کا ہم انکار کریں گے

یوں تمام مرکزی قائدین کی گرفتاری سے تحریک نے دم توڑ دیا اور وقتی طور پر یہ تحریک ختم ہوگئی، بعد میں حکومت نے تحریک کے مرکزی قائدین مولانا ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری، صاحبزادہ سیّد فیض الحسن شاہ صاحب، سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری، سیّد مظفر علی شمسی، ماسٹر تاج الدین انصاری، مولانا لال حسین اختر وغیرہ کو ہائیکورٹ کے حکم پر فروری 1954ء میں رہا کردیا۔

آفتاب عالم مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی

یہ مسلمہ اصول ہے کہ دنیا میں عظمت کی منزلیں عزیمت کی راہ سے گزرنے کے بعد ہی نصیب ہوتی ہیں۔ حق کے راستے میں مصائب و آلام اور مخالفت و مزاحمت کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کا نام عزیمت ہے۔ تاریخ دعوت و عزیمت کا ایک ایک ورق ہمارے اسلاف کے کارناموں سے بھرا پڑا ہے۔ جنھوں نے نیکی اور بدی کی معرکے میں اپنے عہد کی یزیدی اور طاغوتی قوتوں کے خلاف جنگ جاری رکھی اور وہ اس راہ میں جان کی بازی لگا کر قیامت تک کیلئے امر ہوگئے۔ رخصت کے بجائے عزیمت کے دشوار گزار راستوں کا انتخاب کرنے والے یہ لوگ ہواؤں کے رخ کے ساتھ نہیں چلتے۔ بلکہ ان کے عزم، حوصلے اور قوت ارادی کو دیکھ کے طوفان

بھی اپنا رخ بدلنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ یہ دین اسلام کی تعلیمات ہی ہیں کہ جس کی وجہ سے ہمیشہ تاریخ انسانی میں اہل حق، کفر و منافقت اور باطل قوتوں کے خلاف نہ صرف سینہ سپر رہے۔ بلکہ انھوں نے اِن طاغوتی قوتوں کا ڈٹ کر مردانہ وار مقابلہ کیا اور اسلام کے پرچم کو کبھی بھی کسی یزیدی دربار میں سرنگوں نہیں ہونے دیا۔ اُن کی نظریں ہمیشہ منزل مقصود پر ہوتی ہیں۔ کارواں میں کون شامل ہوا اور کون چلا گیا۔ کس نے کس موڑ پر مجبوریوں کا بہانہ بنایا، مصائب و آلام سے گھبرا کر یا خار دار راہوں میں تھک کر ساتھ چھوڑ دیا۔ نادان دوستوں کی مخالفت، دانا دشمنوں کی تباہ کن سازشیں یا جماعت کی آستینوں میں بت۔ وہ اِن تمام باتوں اور اندیشوں سے مستغنی ہوتے ہیں۔ وہ الزامات کے خارزاروں، مخالفت کی پر خطر گھاٹیوں اور بغض اور حسد کے کانٹوں کی پرواہ کیئے بغیر عازم سفر رہتے ہیں۔ انھیں وقت کی کوئی بھی رکاوٹ، اذیت ناک ماحول، حوادث اور ناخوشگوار واقعات لمحے بھر کیلئے بھی بے چین نہیں کرتے، وہ خنداں پیشانی کے ساتھ مسکراہٹیں تقسیم کرتے ہوئے دلوں کو فتح کرتے ہیں اور دنیا کے نقشے بدلتے چلے جاتے ہیں۔ ایسے مردان حق روز روز پیدا نہیں ہوتے بلکہ بقول علامہ اقبالؒ

تجھے معلوم بھی ہے کچھ کہ صدیوں کے تفکر سے
کلیجہ پھونک کر کرتی ہے فطرت اک بشر پیدا

صدیوں کے الٹ پھیر اور افلاک کی ہزاروں گردشوں کے بطن سے ایک ایسا دانائے راز پیدا ہوتا ہے جس کی جہد مسلسل سے ریگستانوں کو سیراب کرنے والے ہزاروں چشمے پھوٹتے ہیں۔ اُس کے نفس شعلۂ بار سے سحر نو کا پیغام لے کر لاکھوں آفتاب طلوع ہوتے ہیں۔

بیسویں صدی کا آغاز اُمت مسلمہ کیلئے جن بدترین حالات میں ہوا۔ اُس کا آج تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اِس تاریک دور میں اللہ ربّ العزت نے اپنے خصوصی فضل و کرم سے ایسے منتخب افراد سے اُمت کو نوازا جنھوں نے ہر میدان میں جو کھمی لڑائی لڑی اور ظلم و استحصالی نظام کا سینہ چیر کر شمعِ رسالت ﷺ کی روشنی کو اِس طرح سے پھیلایا کہ غفلت، غلامی اور نا امیدی کے سائے چھٹ گئے اور احیائے اسلام اور اُمت مسلمہ کی اجتماعی وحدت و عالمگیر قوت کی

حیثیت سے ابھرنے کے آثار نو پیدا ہونے لگے۔ موجودہ صدی میں جن نفوسِ قدسیہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ کام لیا۔ اُن میں حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کو ایک ممتاز حیثیت اور منفرد مقام حاصل ہے۔

علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کی ذات مبارکہ صرف پاکستان ہی کیلئے نہیں بلکہ اُمت مسلمہ اور پوری دنیا کے مسلمانوں کیلئے سرمایہ افتخار ہے۔ آپ ایک نادر روزگار مفکر، بے باک قائد، زمانہ ساز مدبر، ایک حیات آفریں شخصیت کے مالک، انقلاب نظام مصطفیٰ کے نقیب اور سب سے بڑھ کر تسلیم و رضا کے پیکر اور سچے عاشق رسول ﷺ تھے۔ آپکی کم وبیش اٹھتر (78) سالہ زندگی دین اسلام کے عملی نفاذ، دینی قوتوں اور جمہوری اداروں کی فروغ اور بقاء، پاکستان کے استحکام وسا لمیت اور مسلم وحدت کی مسلسل جدوجہد، احیائے اسلام اور کفر کے خلاف عالم اسلام کی بیداری سے عبارت ہے۔

علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی ایسے ہی منتخب مجاہدین میں سے ہیں، جنھوں نے عصر حاضر میں علمی فکری اور روحانی و مذہبی محاذ پر بھر پور جہاد کیا۔ آپ زوال آشنا ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کی علامت اور عصرِ حاضر میں قوت و اقتدار کے بدلتے ہوئے معیاروں کو سامنے رکھتے ہوئے زندگی بھر اسلام کے عادلانہ سیاسی، سماجی، ثقافتی اور اقتصادی نظام کے قیام کیلئے مصروف جہاد رہے۔ آپ کی تکبیرِ مسلسل دشت وصحرا، شہر اور بیابانوں میں زندگی بھر صدائے حق بلند کرتی رہی۔ آپ کی ساری زندگی طاغوتی نظام کے علمبرداروں کے خلاف ایک چیلنج، بھٹکے ہوئے کارواں کی نقیب، بھولے ہوئے نغموں کی ایک صدا، ملت کے درد کا درماں، بے قرار دلوں کی دھڑکن اور صدیوں کی حرماں نصیبی کے بعد ایک اُمید کی کرن کی مانند رہی۔ آپ نے تشکیک و اضطراب کے اِس پر فتن دور میں لاکھوں قلوب و اذہان کو ایمان اور یقین کی لازوال دولت سے سرفراز کیا۔ عہد حاضر میں آپ نظامِ مصطفیٰ ﷺ کی اصطلاح کے نہ صرف خالق بلکہ قافلۂ انقلابِ نظامِ مصطفیٰ ﷺ کے میر کارواں بھی رہے، آپ اُمت کو ماسکو اور واشنگٹن کے بجائے گنبدِ خضراء کا راستہ دکھانے والے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے "ہماری منزل اسلام آباد نہیں بلکہ اسلام ہے۔ ہمارے سفر کی منتہائے معراج لندن، پیرس، اور واشنگٹن نہیں بلکہ

مکرمہ اور مدینہ منورہ ہے" اس لیے آپ نے اقتدار کے بجائے ہمیشہ حزبِ اختلاف کی سیاست کی۔ تحریک ختم نبوت 1953ء سے لیکر 11، دسمبر 2003ء تک حزبِ اختلاف کی سیاست کا اتنا طویل، حوصلہ شکن، اور صبر آزما سفر کوئی مرد قلندر صاحب عزیمت واستقامت ہی کر سکتا ہے۔ جہاں تاریخ نے لیلائے اقتدار کی بھول بھلیوں میں وقت کے نامی گرامی افراد کو گم ہوتے، اسلام کو اپنی منزل قرار دینے والوں کو اسلام سے جفا کر کے اسلام آباد کے اسٹیشن پر اُترتے، اور فوجی آمروں کی آغوش میں وزارتوں کے مزے لوٹتے دیکھا ہے۔ وہیں تاریخ اِس بات کی بھی گواہ ہے کہ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی وہ واحد دیدہ ور، حق پسند وحق آگاہ اور صاحب بصیرت رہنما تھے۔ جنہوں نے جنرل ایوب خان، جنرل آغا محمد یحییٰ خان، ذوالفقار علی بھٹو جنرل محمد ضیاء الحق، نواز شریف اور جنرل پرویز مشرف تک ہر آمر وقت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کلمۂ حق بلند کیا۔ آپ قومی اسمبلی، سینٹ اور عوامی فلور ہر مقام پر بہادر نڈر، بیباک، حق وصداقت اور نہ جھکنے اور نہ بکنے والی قیادت کی علامت تھے۔ زندگی بھر آپ اپنے ہدف اور مشن پر ڈٹے رہے۔ پائے استقامت میں معمولی سی لغزش بھی آپ کو گوارہ نہ تھی۔ لیلائے اقتدار کی غلام گردشیں، بھول بھلیاں اور کشش اِس غلامِ مصطفی ﷺ کو اپنے دامِ فریب میں نہ الجھا سکیں اور وہ دیوانہ مصطفی ﷺ اسوۂ شبیری کی پیروی کرتا ہوا وقت کے ہر آمر کے سامنے کلمہ حق بلند کرتا دکھائی دیتا ہے۔ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی ایک دیدہ ور، صاحبِ نظر وبصیرت، زہد وتقویٰ، مظہر صدق وصفا، مردِ حق آگاہ، نابغہ روزگار، عالم باعمل، قائدِ بے مثال، عالمی مبلغ وداعی، اور امام اُمت تھے۔ آپ نے فکر وعمل کے وہ چراغ روشن کیے ہیں جو آئندہ صدیوں تک تاریک راہوں پر مسافرانِ حق کیلئے روشنی بکھیرتے رہیں گے۔ آپکی کثیر الجہات شخصیت اور خدمات کا دائرہ اِس قدر وسیع ہے کہ دل بے اختیار پکار اٹھتا ہے کہ

عجب تماشہ ہے حسن جاناں
شروع کروں میں کہاں سے پہلے
کہ ہر اک جلوہ پکارتا ہے

یہاں سے پہلے، یہاں سے پہلے

تحریک ختم نبوت 1953ء کا ایک نوجوان سپاہی مولانا شاہ احمد نورانی

یکم اپریل 1926ء میں مبلغ اسلام "سفیر پاکستان" حضرت علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی صاحب کے گھر پیدا ہونے والے اس فرزند ارجمند نے اپنے ایمان، ضمیر اور نسبی تقاضوں کو سامنے رکھ کر احقاق حق اور ابطال باطل کی جو شمع روشن کی وہ احیائے اُمت کی عالمی تحریک بن کے مشرق و مغرب کے دور دراز گوشوں تک پھیل چکی ہے۔

علامہ شاہ احمد نورانی کا خاندان قومی اور ملی حوالوں سے نمایاں خدمات کی شاندار روایات کا امین ہے۔آپ کے آباؤ اجداد عرب سے آکر میرٹھ میں آباد ہوئے۔ یہ وہی میرٹھ شہر ہے۔ جہاں کے حریت پسند غیور مسلمانوں نے انگریز کے خلاف 1857ء میں جنگ آزادی کا آغاز کر کے تحریک پاکستان کی بنیاد رکھی۔علامہ شاہ احمد نورانی کے خاندان کا شمار میرٹھ کے مشہور علمی اور صوفی گھرانوں میں ہوتا تھا۔آپ کے دادا شاہ عبدالحکیم میرٹھ کی شاہی مسجد کے خطیب، مبلغ اسلام اور مشہور صوفی شاعر تھے۔برصغیر کے مشہور ادیب و شاعر مولانا اسمٰعیل میرٹھی جن کی کتب یوپی بورڈ میں پڑھائی جاتی ہیں آپکے دادا کے سگے بھائی تھے۔مشہور عالم دین مولانا مختار احمد صدیقی، مولانا بشیر احمد صدیقی، اور مولانا نذیر احمد خجندی ،مولانا عبدالعلیم صدیقی کے سگے بھائی تھے۔مولانا نورانی کے تایا مولانا نذیر احمد خجندی صدیقی بمبئی کی جامع مسجد کے خطیب تھے۔آپ نے تحریک خلافت میں فعال کردار ادا کیا اور گرفتار ہوئے۔آپ کے والد علامہ عبدالعلیم صدیقی نامور عالم دین اور مبلغ اسلام تھے۔مولانا عبدالعلیم صدیقی صاحب کی تبلیغ مساعی سے ساٹھ ہزار (اور دوسری روایت کے مطابق ایک لاکھ) سے زائد غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا۔آپ کی تدفین جنت البقیع میں اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قدموں میں ہوئی۔

علامہ شاہ احمد نورانی نے ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی اور آٹھ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔حفظ کے بعد ایک سال تک مدینہ منورہ میں تجوید و قرأت کی تعلیم مشہور قاری الشیخ حسن الشاعر سے حاصل کی۔1944ء میں اٹھارہ سال کی عمر میں درس نظامی کی تکمیل

کی۔آپ کی دستار بندی مفتی اعظم ہند فرزند اعلیٰ حضرت مولانا شاہ مصطفی رضا خاں ، صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی ، والد گرامی مبلغ اسلام مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی اورآپ کے استادمحترم مولانا غلام جیلانی میرٹھی علیہم الرحمہ نے کی۔ 1945ء میں انیس سال کی عمر میں آپ نے الہٰ آباد یونیورسٹی سے گریجویشن کی تعلیم مکمل کی اور سیاست میں عملاً حصہ لینا شروع کردیا۔ 1946ء میں آپ نے مسلم نوجوانوں کی تنظیم "نیشنل گارڈ" کی بنیاد رکھی اور انتخابات میں مسلمانوں کی نمائندہ جماعت مسلم لیگ کی کامیابی کیلئے بھرپور جدو جہد کا آغاز کیا۔ 1947ء میں پہلی مرتبہ سیاست میں حصہ لینے پر ڈیفنس انڈیا رولز کے تحت گرفتار ہوئے اور دو ہفتے کیلئے جیل گئے۔ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی 1948ء میں والد ماجد کے ہمراہ پاکستان تشریف لائے۔آپ نے ابتدا میں جیکب لائن میں رہائش اختیار کی اور بعد میں (وصال سے ایک سال قبل 2002ء تک) کچھی میمن مسجد صدر کے برابر کرائے کے فلیٹ میں منتقل ہوئے۔ 1952ء میں آپ نے فرانسیسی زبان کا چھ ماہ کا کورس مکمل کیا۔ 1953ء میں آپ "ورلڈ مسلم آرگنائزیشن" کے جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے اور مسلسل گیارہ سال تک اس کے جنرل سیکرٹری رہے۔ اس تنظیم کے صدر مفتی اعظم فلسطین مفتی امین الحسینی تھے۔ علامہ شاہ احمد نورانی نے دوران طالبعلمی ہی سے قادیانیوں کی اسلام دشمن سازشوں کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ چنانچہ اسی سال آپ نے پاکستان میں قادیانیوں کے خلاف تحریک ختم نبوت میں بھرپور حصہ لے کر پاکستان میں اپنی مذہبی وسیاسی زندگی کا آغاز کیا۔

مولانا شاہ احمد نورانی کے دیرینہ ساتھی اور مجاہد ختم نبوت حضرت صوفی ایاز خاں نیازی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے۔ کہ "پُر کشش و باکمال شخصیت کے مالک، بزرگوں اور اسلاف کے کمالات سے مزین ،نجابت و شرافت کا نمونہ، وقار و تمکنت کا خزینہ، ظاہری و باطنی لطافت ونظافت کا مجسمہ، حسن و جمال وفضل وکمال کے عظیم پیکر، عاجزی وانکساری کی اعلیٰ مثال اور با عزت وباوقار زندگی خالی ہاتھ گزارنے والے مولانا شاہ احمد نورانی اپنی ذات کے بارے میں انتہائی کم گو اور منکسرالمزاج ہیں"۔ مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی کی ساری زندگی اعلائے کلمتہ الحق

کی جدوجہد سے عبارت ہے۔ اتحادِ اُمت کی تڑپ اور بلادِ کفر میں اشاعت اسلام اور عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ آپ کی زندگی کے بنیادی نصب العین رہے۔ بارہ (12) اور ایک روایت کے مطابق سترہ (17) زبانوں پر عبور رکھنے، اور اپنی پوری زندگی دین اسلام اور پاکستان کی خدمت کرتے ہوئے بے شمار کارنامے سرانجام دینے والے قائد ملت اسلامیہ مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی کی زندگی کے متعدد پہلو آج بھی ایسے ہیں جن پر آپ کی عاجزی، انکساری اور اخلاص کی وجہ سے پردہ پڑا ہوا ہے اور آپ کی زندگی کے صرف چند گوشے ہی ہمارے سامنے آسکے ہیں۔

گو کہ مولانا نورانی ذاتی زندگی میں نمود و نمائش کے قائل نہ تھے اور اپنی نیکیوں اور کارناموں کو منظر عام پر لانا مناسب خیال نہیں کرتے تھے۔ لیکن آپ کی حیرت انگیز جامع الصفات شخصیت اور آپ کی زندگی کے پوشیدہ گوشوں اور کارناموں کو سامنے لانا صاحبان علم و دانش اور آپ کے رفقاء و مصاحبان پر ایک ایسا قرض ہے۔ جس کی ادائیگی کی صورت میں ہی دنیا آپ کی شخصیت اور کارناموں سے صحیح طور پر آگاہ ہو سکتی ہے۔ راقم الحروف اس بات کا عینی گواہ ہے کہ حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نے ناظم اعلیٰ "فدایان ختم نبوت پاکستان" برادرم السیّد عقیل انجم قادری کی موجودگی میں جناب خالد محمود قادری مدیر "احوال و آثار" اور مصنف "سچی قیادت" کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا۔ "آپ نے ہماری تعریف میں بہت زیادہ لکھ دیا ہے، اتنا بھی نہیں لکھنا چاہیے تھا۔"

علامہ شاہ احمد نورانی تحریک ختم نبوت 1953ء میں بھرپور کردار ادا کرنے کے باوجود اِس تحریک میں آپ کا کام اور خدمات زیادہ نمایاں طور پر سامنے نہیں آسکیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ مولانا شاہ احمد نورانی اِن دنوں نوجوان تھے اور تحریک کی قیادت حضرت علامہ ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری، علامہ عبدالحامد بدایونی، صاحبزادہ فیض الحسن آلو مہاروی، مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش، علامہ سیّد احمد سعید شاہ کاظمی، خواجہ قمرالدین سیالوی، علامہ عبدالستار خان نیازی، مفتی صاحبداد خان، مولانا عبدالغفور ہزاروی، مولانا غلام محمد ترنم، مولانا غلام دین محمد، مولانا محمد بخش مسلم جیسے جید حضرات علماء کے پاس تھی۔ اس لیے تاریخ اور مورخ کی یادداشت ایک

ستائیس (27) سالہ نوجوان کی تمام خدمات ظ نہ رکھ سکی اور تحریک ختم نبوت 1953ء میں آپ کی خدمات اور کارناموں کا بہت سا حصہ گوشہ گمنامی میں چلا گیا۔

ذیل میں ہم نے جسٹس منیر انکوائری رپورٹ، علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کے انٹرویوز اور معاصرین کی یاداشتوں کی مدد سے کچھ مواد اکھٹا کر کے علامہ شاہ احمد نورانی کی زندگی کے کچھ گمنام گوشوں کو سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔

جسٹس منیر انکوائری رپورٹ کے مطابق 2، جون 1952ء کو تھیوسوفیکل ہال کراچی میں علماء کرام کی منعقدہ آل پاکستان مسلم پارٹیز کانفرنس کے اجلاس میں حکومت کے مرزائیت نواز رجحانات کے باعث آئینی ذرائع سے پر امن جدوجہد کا راستہ اختیار کرنے کیلئے ''اس کانفرنس میں اہم رہنماؤں پر مشتمل ایک گیارہ رکنی ''علماء بورڈ'' تشکیل دیا گیا۔ جس کے ذمہ آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن کے اگلے اجلاس کے جملہ انتظامات تھے۔ علامہ شاہ احمد نورانی اس نو تشکیل شدہ علماء بورڈ میں ایک رکن کی حیثیت سے شامل تھے۔'' اُس وقت آپ کی عمر تقریباً ستائیس (27) سال تھی۔ اِس کم عمری میں علامہ عبد الحامد بدایونی، علامہ مفتی صاحبداد صاحب، سیّد سلیمان ندوی، مفتی محمد شفیع دیوبندی، مولانا احتشام الحق تھانوی، علامہ محمد یوسف کلکتوی، مولانا لال حسین اختر، مولانا سلطان احمد، الحاج ہاشم گزدر، اور مولانا جعفر حسین مجتہد جیسے مختلف مکتبہ فکر کے اکابر علماء کے ساتھ آپ کا انتخاب آپ پر علماء کے اعتماد کا مظہر ہے۔

(منیر انکوائری رپورٹ۔ص 80)

مولانا نورانی کم عمری اور نوجوانی کے باوجود غیر معمولی شخصیت اور قائدانہ صلاحیت کے حامل تھے۔ جس کا اظہار اکابر علماء نے آپ کو علماء بورڈ کا ممبر بنا کر کیا۔ تحریک ختم نبوت 1953ء میں جید علماء و مشائخ اہلسنت کے ساتھ بحیثیت کارکن و ممبر آپ کی موجودگی جہاں آپ کیلئے ایک اعزاز کا درجہ رکھتی ہے۔ وہاں وہ مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی کی شکل میں تحریک تحفظ ختم نبوت 1974ء کو قادیانیوں کے خلاف برصغیر کے مسلمانوں کی نوے (90) سالہ تحریک کو منطقی انجام تک پہنچانے والا ''عظیم قائد'' بھی فراہم کرتی ہے۔

علامہ شاہ احمد نورانی نے تحریک ختم نبوت 1953ء میں علماء بورڈ کے ممبر اور تحریک کے کارکن کی حیثیت سے اپنے فرائض منصبی احسن طریقے سے انجام دیئے۔ دوران تحریک آپ کا تذکرہ کئی مقامات پر ملتا ہے۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ نے اس تحریک میں بھرپور کلیدی کردار ادا کرتے ہوئے کراچی میں تحریک کو منظم اور فعال کیا۔

علامہ شاہ احمد نورانی نے علماء بورڈ کے رکن کی حیثیت سے ''13، جولائی 1952ء کو کراچی میں جناب الحاج محمد ہاشم گزدر کے گھر پر منعقدہ اجلاس میں شرکت کر کے ''آل پاکستان پارٹیز کنونشن'' کے انعقاد کے پروگرام کو حتمی شکل دینے میں دیگر علماء کرام کی معاونت فرمائی۔ اس اجلاس میں پاکستان کی چودہ مذہبی جماعتوں جمعیت علماء پاکستان، جمعیت اہل سنت، حزب اللہ (مشرقی پاکستان)، تنظیم اہلسنت والجماعت، جمعیت علماء اسلام، مجلس تحفظ ختم نبوت، مجلس احرار اسلام، جمعیت اہلحدیث، جماعت اسلامی، جمعیت الفلاح، موتمر اہل حدیث پنجاب، سفینۃ المسلمین، جمعیت العربیہ، ادارہ تحفظ حقوق شیعہ کو دعوت نامے جاری کرنے کا فیصلہ بھی کیا گیا۔''

(منیر انکوائری رپورٹ۔ ص 132-131)

مولانا شاہ احمد نورانی 5، اگست 1952ء کو کراچی میں علماء بورڈ کے اہم اجلاس میں بھی شامل تھے۔ ''جس میں خصوصی طور پر لاہور سے مجلس عمل کے صدر مولانا ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری کے علاوہ مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش، شیخ حسام الدین اور ماسٹر تاج الدین انصاری بھی تشریف لائے تھے۔ اس اجلاس میں علماء بورڈ نے یہ فیصلہ بھی کیا کہ ''کل پاکستان آل پارٹیز کنونشن'' 15، تا 17، ستمبر 1952ء کو منعقد کیا جائے گا۔ منیر انکوئری رپورٹ کے مطابق یہ اجلاس اپنے پروگرام کے مطابق نہ ہو سکا۔ چنانچہ ملتوی شدہ اجلاس کے آئندہ انعقاد کیلئے 15، دسمبر 1952ء کو علماء بورڈ کے اجلاس میں 16، تا 18، جنوری 1953ء کو کراچی میں ''کل پاکستان آل پارٹیز کنونشن'' بلانے کا فیصلہ کیا گیا'' علماء بورڈ کے رکن ہونے کی حیثیت سے مولانا شاہ احمد نورانی بھی اس اجلاس میں موجود تھے۔

(منیر انکوائری رپورٹ۔ ص 132-131)

ماسٹر تاج الدین انصاری اپنی یاداشت میں مولانا شاہ احمد نورانی کی موجودگی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"جولائی 1952ء میں کراچی میں مجلس تحفظ ختم نبوت کی جانب سے روزنامہ زمیندار لاہور کے ایڈیٹر مولانا اختر علی خاں کے اعزاز میں نگار ہوٹل میں ایک عصرانہ دیا گیا۔جس میں مقامی مدیران جرائد کے علاوہ مولانا عبد الحامد بدایونی، مولانا شاہ احمد نورانی، مفتی شفیع دیوبندی، مولانا احتشام الحق، مولانا لال حسین اختر، عبدالمجید سالک، اور الحاج ہاشم گزدر نے بھی شرکت کی۔"

(تحریک ختم نبوت 1953ء۔ص 199)

مولانا شاہ احمد نورانی اُس زمانے میں علامہ عبد الحامد بدایونی کے نائب کے فرائض انجام دینے کے ساتھ ساتھ جمعیت علماء پاکستان سندھ کے سیکرٹری نشرواشاعت بھی تھے۔ 1953ء کی تحریک ختم نبوت میں علامہ شاہ احمد نورانی علماء بورڈ کے ممبر ہونے کے علاوہ مجلس عمل تحفظ ختم نبوت سندھ کے جنرل سیکرٹری بھی تھے۔آپ فرماتے ہیں

"مولانا ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری، مولانا عبد الحامد بدایونی، مولانا سیّد محمد داود غزنوی، سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری، کفایت حسین، سیّد مظفر علی شمسی اور تمام مکاتب فکر کے دیگر علماء اس میں شامل تھے۔یہ فقیر بھی سندھ کی مجلس عمل کا جنرل سیکرٹری تھا۔بالآخر اس تحریک کا مرکز مسجد وزیر خان اندرون دہلی دروازہ لاہور بنی۔جہاں علامہ ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری خطیب تھے اور کراچی میں جامع مسجد آرام باغ جہاں کے خطیب تاج العلماء مفتی عمر نعیمی تھے۔تحریک ختم نبوت کے جانثاروں اور جانبازوں کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ لاہور میں پہلا مارشل لاء لگا۔سینکڑوں عاشقان مصطفی ﷺ نے سینے پر گولیاں کھائیں اور جام شہادت نوش کیا۔بیسیوں علماء کو پابند سلاسل کیا گیا۔تین علماء

کو سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔ جن میں اہلسنت کے دو مقتدر علماء سید خلیل احمد قادری اور مجاہد ختم نبوت علامہ عبدالستار خان نیازی تھے۔ الحمدللہ نہ کسی نے معافی نامے داخل کئے۔ نہ جان بخشی کی اپیل کی۔ سب نے عزیمت و استقامت کا مظاہرہ کیا۔ اور پرچم نبوت وناموس مصطفی ﷺ کو بلند رکھا۔"

(انٹرویو مولانا شاہ احمد نورانی، ماہنامہ النعیم کراچی ستمبر 2003)

اس تحریک کے دوران آپ کراچی میں حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی صاحب اور دیگر جید علماء اکرام کے ساتھ شریک رہے اور گرفتاری دینے کیلئے رضا کاروں کے دستوں کی تیاری اور دیگر انتظامی امور میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

"آپ روزانہ گرفتاری دینے والے رضا کاروں کو تیار کراتے اور انہیں مخصوص مقامات پر لے جاتے جہاں وہ ختم نبوت کی حمایت اور حکومت کی مخالفت میں مظاہرہ کرتے ہوئے گرفتاری دیتے تھے۔"

(عہد رواں کی عبقری شخصیت۔ ص155)

تحریک ختم نبوت 1953ء میں اپنی موجودگی کے حوالے سے آپ فرماتے ہیں" میں اُس زمانے میں پاکستان میں تھا اور کراچی میں اِس تحریک کے دوران میں مولانا عبدالحامد بدایونی مرحوم اور دیگر علماء کے ساتھ شریک رہا۔ آرام باغ میں جمعہ کے دن اِس مہم کا آغاز کیا گیا اور میں اس میں پیش پیش تھا۔ رضا کاروں کو گرفتاری کیلئے تیار کرنا اور دیگر انتظامی امور میری ذمہ داریوں میں شامل تھے۔"

(عہد رواں کی عبقری شخصیت۔ ص87)

قادیانیت پچھلی صدی کا منحوس فتنہ

مولانا شاہ احمد نورانی سے ایک انٹرویو میں جب یہ سوال پوچھا گیا کہ آپ کو قادیانیت

کے رڈ میں کام کرنے کا احساس کیسے پیدا ہوا اور اِس سلسلے میں آپ نے کیا جدوجہد کی تو آپ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا۔

''قادیانیت پچھلی صدی کا منحوس فتنہ ہے۔جس نے اسلام کے نام پر مسلمانوں کو کافر بنانے کا کام سنبھال رکھا ہے۔مرزا قادیانی 1908ء میں مرا اور پچھلی صدی کا وہ سب سے بڑا فتنہ پرور شخص تھا۔اُس نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بے ادبیاں اور گستاخیاں کیں۔اللہ تعالیٰ کے بارے میں اُس کا عقیدہ وہ نہیں جو ایک مسلمان کا ہونا چاہیے۔اُس نے خدا کا وجود اِس انداز میں بیان کیا، جیسے ہندوؤں وغیرہ کا تصور ہے۔عقیدہ ختم نبوت کا انکار بارہا کیا۔اُس نے درجنوں دعوے کیے۔وہ ایک مخبوط الحواس اور فاتر العقل شخص تھا۔وہ کہتا تھا کہ میں ہی ''محمد اور احمد'' ہوں۔اُس کو بے وقوف، احمق، جاہل اور بے عقل لوگوں نے اپنا سب کچھ مان لیا۔ بلکہ جو کچھ وہ بکتا گیا وہ مانتے گئے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ فتنہ ہندوستان میں انگریزوں نے برپا کیا۔ان کا پیسہ اور پلاننگ تھی۔یہ انگریز کا خود کاشتہ پودا ہے اور مرزا خود ملکہ برطانیہ کے گن گاتا تھا۔میرے والد ماجد خلیفہ اعلیٰ حضرت سفیر اسلام مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی چونکہ ایک مبلغ و مصلح تھے ۔ انہوں نے ساری زندگی خدمت دین میں گزاری۔جنوبی امریکہ میں انہوں نے مرزائیت کے خلاف جہاد کیا۔تبلیغ دین کیلئے سب سے پہلے 1935ء میں وہ سرینام، جنوبی امریکہ گئے۔اُن کے ہاتھ پر الحمدللہ ایک لاکھ افراد نے اسلام قبول کیا۔

عقیدہ ختم نبوت مسلمانوں کے درمیان ایک متفقہ اور اجماعی عقیدہ ہے اور سب کا متفقہ فیصلہ ہے کہ ختم نبوت کا منکر کافر اور مرتد ہے۔اِس اُمت میں فتنہ ارتداد اور فتنہ انکار ختم نبوت کو جڑ سے اکھاڑنے والے سب سے پہلے

سچے عاشق رسول حضور ختمی مرتبت ﷺ کے پہلے خلیفہ راشد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے ہر مصلحت کو بالائے طاق رکھ کر فتنہ انکار ختم نبوت کی سرکوبی کی۔ مسیلمہ کذّاب کے خلاف جنگ یمامہ میں ہزاروں صحابہ کرام شریک ہوئے۔ جن میں سینکڑوں حفاظ قرآن بھی تھے اور بالآخر مسیلمہ کذّاب کو کیفر کردار تک پہنچایا۔ برصغیر میں متنبی قادیان کے خلاف علماء حق نے کفر و ارتداد کے فتوے جاری کئے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی، حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی، مولانا لطف اللہ علی گڑھی، اور دیگر تمام مکاتب کے اکابر علماء نے مرزا غلام احمد قادیانی کی تکفیر کی۔ علماء حق نے مناظرے اور مباہلے کے چیلنج دیئے اور قبول کئے۔ یہی وجہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی محض ایک چھوٹی سی تعداد کو اپنا ہمنوا بنانے میں کامیاب ہو سکا اور اُمت مسلمہ کا سواد اعظم اِس عظیم فتنے میں مبتلا ہونے سے [redacted] رہا۔

چونکہ میرے والد کا موضوع ردّ قادیانیت و مرزائیت تھا۔ اِس حوالے سے تو یہ موضوع مجھے ورثے میں ملا اور پھر اِس موضوع کا مطالعہ انسان کے ضمیر کو جھنجھوڑتا ہے۔ انسان سوتے سے جاگتا ہے۔ اُسے احساس ہوتا ہے، کہ اے مصطفی ﷺ کے غلام، اٹھ اور جاگ، تیرے ہوتے ہوئے تیرے نبی ﷺ کے گستاخ کیسے جرأت و جسارت کے ساتھ دندنا رہے ہیں۔ یہ قادیانی سیاہ بخت اللہ کے پیارے محبوب ﷺ کی محبت ختم کر کے ہندوستان کے جھوٹے نبی کی محبت لوگوں کے دلوں میں پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے میں ہر صاحب ایمان کا فرض ہے کہ وہ اٹھ کھڑا ہو اور میدان میں کود پڑے اِس فتنہ کی سرکوبی ہر بڑے فریضے سے اہم فریضہ ہے۔ یہ ایسا زہر ہے جو گڑ کی شکل میں کھلانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ایسے

حالات میں بہت ضروری ہے کہ فتنہ قادیانیت کی سرکوبی کیلئے موثر اقدام اٹھائے جائیں۔اِس فتنے کی سرکوبی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی، حضرت اقدس پیر مہر علی شاہ گولڑوی، امیر ملت پیر جماعت علی شاہ صاحب جیسے ہمارے بزرگوں نے کی اور اس کا محاسبہ کیا۔بعد میں اور لوگ بھی اِس قافلہ میں شامل ہوتے چلے گئے۔میرے والد ماجد نے سرینام جنوبی امریکہ میں اس فتنے کے خلاف جہاد کیا۔میں بھی کچھ عرصہ وہاں رہ کر خدمت کرتا رہا۔قادیانی پاکستان میں ربوہ کو"منی اسرائیل" بنانا چاہتے تھے۔اس سلسلہ میں ہم نے بھی پلاننگ کی اور ہر موڑ پر اِس فتنے کا تدارک کیا۔"

(افکارنورانی۔ص50-49)

''تحریک تحفظ ختم نبوت1953ء میں میری کوشش حقیر سانذرانہ ہے''

آپ فرماتے ہیں کہ"میری سیاسی سرگرمیوں کا آغاز سنی عوام کی تنظیم اور مسلم لیگ کی جماعت سے ہوا۔کیونکہ وہ دور میرا طالبعلمی کا بھی تھا۔اس زمانے میں کوئی واضح شکل میری ذاتی سوچ کی بھی نہیں بن سکتی تھی۔اسلیئے اپنے بزرگوں کی بتائی اور دکھائی ہوئی راہ پر چلنا کافی تھا۔قیام پاکستان کے بعد بھی کچھ عرصے تک میں حصول تعلیم میں مصروف رہا۔پھر والد گرامی کے ساتھ بیرونی ممالک کے تبلیغی اور مطالعاتی دورے کئے۔والد محترم نے میری تربیت جن خطوط پر کی اُن کا لازمی اور منطقی نتیجہ یہی تھا کہ میں بھی باقاعدہ عملی سیاست میں آؤں۔ادھر ہمارے بزرگوں نے وطن عزیز میں نفاذ اسلام کی جدو جہد شروع کر رکھی تھی۔آپ جانتے ہیں کہ 1953ء میں قادیانی فرقے کے خلاف ہم نے آواز اٹھائی تھی۔تو اُس میں سب سے توانا آواز ہمارے ہی بزرگوں کی تھی اور اِس تحریک میں نوجوانوں کا

خون سب سے زیادہ کام آیا۔ اِس تحریک کی قیادت ہمارے بزرگ مولانا ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری نے کی۔ اس سے قبل حضرت غزالی زماں سیّد احمد سعید کاظمی صاحب نے مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے اجلاس میں ایک باقاعدہ قرارداد پیش کی تھی کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ اِس تحریک نے مجھے بھی اپنی طرف متوجہ کیا اور میں نے بھی جان دو عالم ﷺ کے منصب خاتم الانبیاء کے تحفظ کیلئے اپنی حقیر سی کوششوں کا نذرانہ پیش کیا۔"

(افکارِ نورانی۔ ص 232-231)

قادیانیت کے خلاف آہنی چٹان

جناب شاکر حسین خان (ریسرچ اسکالر، علوم اسلامی، جامعہ کراچی) اپنے تحقیقی مقالے میں لکھتے ہیں۔

"قیام پاکستان کے بعد علماء و مشائخ نے 1953ء میں قادیانیوں کے خلاف تحریک چلائی لیکن وہ کامیاب نہ ہوسکی۔ اِس کے باوجود علمائے حق نئی حکمت عملی سے اپنی ذمہ داریاں احسن طریقے سے سرانجام دیتے رہے اور ہر محاذ پر قادیانیوں کے سامنے سینہ سپر رہے۔ وہ علماء جنہوں نے حق کی آواز کو تحریک ختم نبوت 1953ء کی ناکامی کے بعد دوبارہ بلند کیا۔ اُن میں روشن و تابندہ نام مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی کا ہے۔ جنہوں نے عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کیلئے بھرپور طریقے سے عملی جدوجہد جاری رکھی۔ قادیانیوں کے خلاف تحریک چلائی اور اُن کی ہر موڑ پر مخالفت کرتے رہے۔ مولانا کو قادیانیوں کی مخالفت کرنا ورثے میں ملی تھی۔ اُن کے والد مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی قادیانیوں کے اہم مخالفین میں سے تھے۔ انہوں (مولانا نورانی) نے افریقہ، یورپ، سیلون، انڈونیشیا، ملائیشیا، برما اور عرب

ریاستوں میں قادیانیت کے خلاف مہم چلائی۔ اور اُن کے رد میں انگریزی زبان میں کتاب لکھی۔ جس کا نام "The Mirror" ہے۔ اِس کتاب کا عربی زبان میں ترجمہ "المراۃ" کے نام سے ہوا۔ اس کتاب کے علاوہ انہوں نے ایک کتاب اردو میں بھی تحریر کی۔ جس کا نام "مرزائی حقیقت کا اظہار" ہے۔ اس کتاب کا ملائیشیا کی زبان میں ترجمہ شائع ہوا تو وہاں قادیانیوں کے خلاف زبردست تحریک چلی۔ جس کے بعد ملائیشیا میں قادیانیوں کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا گیا۔ چنانچہ مولانا نورانی نے اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے قادیانیوں کی مخالفت کی اور ہمیشہ اُن کے آگے آہنی چٹان کی مانند کھڑے رہے۔"

(ماہنامہ پیام حرم کراچی۔ نومبر 2005ء ص23)

تحریک ختم نبوت میں اکابرین اہلسنّت کیلئے پھانسی کی سزا کا اعزاز

تحریک ختم نبوت 1953ء کے دوران مارشل لاء کے تحت قائم فوجی عدالتوں نے جن چار حضرات کو پھانسی کی سزا سنائی۔ اُن میں حضرت مولانا سیّد خلیل احمد قادری اور حضرت مولانا مجاہد ملت عبدالستار خاں نیازی کا تعلق اہلسنّت وجماعت کے اکابر اور جید علماء سے تھا، ان دونوں حضرات کو فوجی عدالتوں نے تحریک ختم نبوت 1953ء میں متحرک وفعال کردار ادا کرنے اور حکومت کے خلاف بغاوت کے جرم میں پھانسی کی سزا سنائی تھی۔ جبکہ اس تحریک کے دوران پھانسی کی سزا پانے والے تیسرے فرد جناب صوفی محمد نذیر احمد صاحب کا تعلق بھی اہلسنّت وجماعت سے تھا۔ لیکن صوفی نذیر احمد صاحب کو فوجی عدالت نے تحریک کے دوران ایک مرزائی اسکول ٹیچر کو قتل کرنے کے الزام میں سزائے موت کا حکم سنایا تھا، اخبارات میں شائع شدہ خبر کے مطابق

"محمد نذیر نے دوران مارشل لاء کے دوران ایک مرزائی اسکول ٹیچر کو قتل کر دیا تھا کو 4 جنوری 1955ء کو پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا، اس خبر کی اشاعت نے مسلمانان پاکستان میں شدید غم و غصے کی لہر دوڑا دی اور

گورنر جنرل اور حسین شہید سہروردی کو لوگوں نے محمد نذیر کی سزا کو ختم کرنے کیلئے لاتعداد تار اور رحم کی اپیلیں کیں۔ سخت عوامی دباؤ اور کشیدہ صورتحال کے پیش نظر بعد میں صوفی محمد نذیر کی سزا کو عمر قید میں تبدیل کر دیا گیا۔"

(تحریک ختم نبوت 1974ئ۔ص،17~15)

جبکہ اس تحریک کے دوران پھانسی کی سزا سننے والے چوتھے فرد جماعت اسلامی کے سربراہ سیّد مودودی تھے، واضح رہے کہ سیّد مودودی نے تحریک ختم نبوت 1953ء میں نہ تو خود کوئی حصہ لیا اور نہ ہی انہوں نے جماعت اسلامی کے کارکنان کو اس بات کی اجازت دی کہ وہ اس تحریک میں حصہ لیں اور حکومت کے خلاف راست اقدام کی تحریک میں متحرک اور فعال کردار ادا کریں، بلکہ یہ بات بھی ریکارڈ پر موجود ہے کہ سیّد مودودی نے جماعت اسلامی کے اُن دو افراد کو بھی جنھوں نے حکومت کے خلاف راست اقدام کی تحریک میں حصہ لیا تھا کو اپنے حکم کی خلاف ورزی کی بناء پر جماعت کی بنیادی رکنیت سے خارج کر دیا تھا۔ ایسی صورت میں جبکہ سیّد مودودی عملاً اس تحریک سے نہ صرف خود لاتعلق رہے بلکہ انہوں نے اپنی جماعت کو بھی اس تحریک سے دور رکھا اور اکابر علماء اہلسنّت مولانا سیّد خلیل احمد قادری اور مجاہد ملت مولانا عبدالستار خاں نیازی کی طرح نہ تو کوئی قابل فخر قائدانہ کردار ادا کیا اور نہ ہی صوفی نذیر احمد کی طرح کسی قادیانی مرتد کو جہنم واصل کیا، پھر بھی انہیں فوجی عدالت کی طرف سے سزائے موت کا حقدار قرار دیا جانا، عدالت کا ایک ایسا عجیب و غریب فیصلہ ہے جس کا فائدہ اٹھا کر جماعت اسلامی اور اُس کے ارکان آج بھی سیّد مودودی کو زیرو سے ہیرو بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور انہیں تحریک ختم نبوت 1953ء کا مجاہد قرار دیتے ہیں، جبکہ اِس ہیرو اور نام نہاد مجاہد کی اصل حقیقت، اُس کی اپنی تحریروں، جسٹس منیر رپورٹ، تحریکی وابستگان کے بیانات اور مورخ کے بیان کردہ تاریخی حقائق سے عیاں ہے، جس کی تفصیل آگے بیان ہونے جارہی ہے۔

تحفظ ختم نبوت کے ''جرم'' میں سزا پانے والے کس مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے تھے؟

تحفظ کا دعویٰ اور ڈھنڈورا پیٹنے والوں سے ایک اہم سوال

دنیا میں عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کا ڈھنڈورا پیٹنے اور اپنے اکابرین کو تحاریک ختم نبوت کو کامیابی سے چلانے اور اس راہ میں قربانیاں دینے کا دعویٰ کرنے والے ایک مخصوص مکتبہ فکر کے دعوؤں اور کردار کا جائزہ لیتے ہوئے رویت ہلال کمیٹی کے چیئرمین جناب مفتی منیب الرحمن صاحب فرماتے ہیں کہ پاکستان میں

> ''ایک مخصوص مکتبہ فکر نے تحریک تحفظ ختم نبوت کو بظاہر اپنا مشن بنایا اور اس عنوان پر انہوں نے ایک عالمی مجلس ختم نبوت بھی بنا رکھی ہے اور اس مقدس مشن کے نام پر ہر سال زکوٰۃ، فطرہ اور عطیات کی شکل میں بے شمار چندہ بھی جمع کیا جاتا ہے، برطانیہ میں کانفرنسیں بھی منعقد کی جاتی ہیں اور اُن کا مکمل زور بیان وقلم اِس بات پر ہوتا ہے کہ ختم نبوت کے عنوان پر چلنے والی تمام تحریکیں اُن کے علماء واکابر نے چلائیں اِس راہ میں انہوں نے قربانیاں دیں اور دیگر مسالک کے علماء کا اِن تحاریک میں کردار محض ثانوی رہا ہے۔ لیکن حیرت واستعجاب کی بات یہ ہے کہ 1953ء کی تحریک ختم نبوت میں تحفظ ختم نبوت کے ''جرم'' میں جن علماء کو سزائے موت سنائی گئی، ان میں ایک بھی ان کے مکتبہ فکر کا نہیں تھا بلکہ ان میں سے دو مقتدر علماء اہلسنت مجاہد ملت علامہ محمد عبدالستار خان نیازی اور مولانا سیّد خلیل احمد قادری رحمہما اللہ تعالیٰ تھے، جبکہ تیسرے جماعت اسلامی کے امیر سیّد مودودی صاحب تھے۔'' تحریک ختم نبوت 1953ء میں اس مخصوص مکتبہ فکر اکابر علماء کے کردار اور تحریک کی ناکامی کے حوالے جناب مفتی منیب الرحمن صاحب مزید فرماتے ہیں کہ ''ایک روایت یہ بھی ہے کہ اِن میں سے بعض لوگ دن

میں تحریک ختم نبوت کی مجالس میں شریک ہوتے اور رات کو گورنر ہاؤس میں جاکر مخبری کیا کرتے تھے، جس کے باعث یہ تحریک نتیجہ خیز نہ بن سکی۔"

تحریک ختم نبوت 1953ء میں سیّد مودودی اور جماعت اسلامی کا کردار

حقیقت یہ ہے کہ سیّد مودودی نے تحریک ختم نبوت 1953ء میں عملاً کوئی حصہ نہیں لیا تھا اور وہ خود اپنی جماعت سمیت مجلس عمل کا حصہ ہونے اور اسکے تمام اہم فیصلوں میں شامل ہونے کے باوجود اِس تحریک سے لاتعلق رہے۔ سیّد مودودی اور جماعت اسلامی نے اپنے دورخی اور منافقانہ طرزِ عمل سے اِس عظیم تحریک کے مقاصد اور نصب العین کو کس طرح سبوتاژ کیا اور کس طرح شہدائے ختم نبوت کے خون سے بے وفائی کی۔ آیئے دیکھتے ہیں

کراچی میں تحریک کے تمام مرکزی قائدین کی گرفتاری کے بعد حکومت پنجاب نے 27، اور 28، فروری کی درمیانی شب مولانا غلام محمد ترنم، حافظ خادم حسین کو گرفتار کرلیا اور رضا کاروں کے کیمپ پر چھاپہ مار کر تمام سامان قبضے میں لے لیا۔ اِس صورتحال میں جب کہ تحریک اپنے مرکزی قائدین سے محروم ہوچکی تھی اور حکومت نے طاقت کے ذریعے تحریک کو کچلنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

"27، فروری کی شام مولانا سیّد خلیل احمد قادری اور حافظ خادم حسین رضوی نے مولانا مودودی سے اُن کے گھر پر ملاقات کی اور کہا کہ اِس وقت تحریک کے تمام بڑے بڑے لیڈر گرفتار ہوچکے ہیں۔ اب صرف آپ باقی ہیں لہٰذا آپ ہماری رہنمائی کریں۔ جس پر مولانا مودودی نے کہا آپ مجلس عمل کے جو لیڈر لاہور میں ہیں اُن کے ساتھ کل صبح میرے ہاں آجائیں پھر مشورے کے بعد کچھ فیصلہ کیا جاسکے گا۔"

(قادیانی مسئلہ اوراس کے مذہبی سیاسی اور معاشرتی پہلو۔ ص200)

چنانچہ دوسرے دن صبح مولانا سیّد خلیل احمد قادری، مولانا ابراہیم چشتی، مولانا عبدالستار خاں نیازی، مولانا داؤد غزنوی، مولانا محمد اسماعیل گوجرانوالہ، مولانا مودودی سے مل کر آئندہ کا

لائحہ عمل طے کرنے کیلئے اُن کے مکان پر جمع ہوئے۔ مشاورت کے دوران مولانا مودودی نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ

''ڈائریکٹ ایکشن'' کنونشن کی بعض شریک جماعتوں نے بالکل من مانے طریقے پر شروع کیا ہے اور آپ لوگ جانتے ہیں کہ میں اِس کا ہرگز مؤید نہ تھا........ جماعت اسلامی کی حد تک میں صاف کہے دیتا ہوں کہ ہم اِس میں کوئی حصہ نہ لیں گے اور اپنے ایک آدمی کو بھی اس میں شریک ہونے کی اجازت نہ دیں گے۔''

(قادیانی مسئلہ اوراس کے مذہبی، سیاسی اور معاشرتی پہلو۔ ص 200)

''میں سر دست تحریک (کی قیادت) سے اِس لیے معذرت چاہتا ہوں کہ عوام میں تا حال تحریک کیلئے پوری ہمدردی کے جذبات نہیں ہیں، اِس لیے میں تحریک میں اِس وقت حصہ نہیں لینا چاہتا۔ مولانا مودودی کی مایوس کن گفتگو سن کر مولانا سیّد خلیل احمد قادری نے اُن سے کہا کہ مولانا ذرا باہر تشریف لے چلیں اور عوام کے جذبات کا اندازہ لگالیں تا کہ آپ کی غلط فہمی دور ہو جائے۔ عوام دل وجان سے تحریک کے ہمدرد اور ہر ممکن قربانی کیلئے تیار ہیں۔ مولانا سیّد خلیل احمد قادری کی بات سن کر مولانا مودودی نے کہا۔ مجھے تحریک سے ہمدردی ہے۔ مگر میں شامل ہونا نہیں چاہتا۔ یہ سن کر مولانا سیّد خلیل احمد قادری نے اُن سے کہا یہ فیصلہ تو آپ کو ایکشن کمیٹی میں شامل ہونے سے قبل کرنا چاہیے تھا۔ اب اِس نازک وقت میں آپ کنارہ کشی کر رہے ہیں........ بڑی ردّ و کد کے بعد مولانا مودودی زچ ہو گئے تو فرمایا اچھا یوں کیجئے کہ جمعیت علماء اسلام، جمعیت اہلحدیث اور جماعت اسلامی پیچھے رہ کر کام کریں۔ لٹریچر وغیرہ شائع کریں اور جمعیت علماء پاکستان، مجلس احرار اور ادارہ تحفظ حقوق شیعہ چونکہ اقدام کر چکے ہیں

اِس لیے وہ محاذ پر لڑتے رہیں۔ہم اُن کیلئے پراپیگنڈہ کریں گے۔اِس پر مولانا محمد اسماعیل نے کہا جمعیت اہلحدیث تو اقدام کر چکی ہے اور اِس کے علماء فیصل آباد میں گرفتاریاں بھی دے چکے ہیں جبکہ جمعیت علماء اسلام کے صدر مولانا احمد علی لاہوری جلسۂ عام میں تقریر کر کے محاذ کھول چکے ہیں۔اب پیچھے نہیں رہ سکتے۔اِس پر مولانا مودودی نے کھسیانے ہو کر فرمایا کہ بہت اچھا جناب یہ سب کچھ درست ہے۔مگر جماعت اسلامی تو آگے آنے کیلئے تیار نہیں ہے۔اِسے پیچھے رہ کر اپنے ڈھب سے کام کرنا ہے۔جماعت لٹریچر وغیرہ چھاپے گی۔غرضیکہ مولانا مودودی نے جماعت اسلامی کو منشی گلاب سنگھ کا چھاپہ خانہ ثابت کر دیا۔"

(تحریک ختم نبوت 1953ء۔ص 347-346)

سیّد مودودی نے جب دیکھا کہ تحریک کی تمام قیادت گرفتار کر لی گئی ہے اور حکومت نے طاقت کے بل پر تحریک کو کچلنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو انہوں نے اِس تحریک سے علیحدہ رہنے میں نہ صرف اپنی عافیت جانی بلکہ جماعت کے وہ دو اراکین جنھوں نے اِس تحریک میں عملاً حصہ لیا اور راست اقدام کیلئے رضا کاروں کے بھرتی فارم پُر کیے۔اُن کو جماعت کی پالیسی کا مخالف قرار دے کر جماعت اسلامی کی بنیادی رکنیت سے بھی خارج قرار دے دیا۔جماعت اسلامی نے اپنے اِس عمل کے ذریعے حکومت وقت کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ جماعت اسلامی کا اِس تحریک سے کوئی تعلق نہیں ہے۔اِس بات کی تصدیق جسٹس منیر رپورٹ سے بھی ہوتی ہے۔

"جماعت اسلامی من حیث الجماعت اِس نئی کمیٹی یا کسی راست اقدام کمیٹی کی ممبر نہ تھی، نہ جماعت کے کسی فرد کو یہ اجازت دی گئی کہ وہ راست اقدام کے ورکر کی حیثیت سے بھرتی ہو۔مولانا مودودی نے اپنے احکام سے اور اپنے عمل سے کہ انہوں نے جماعت کے دو ممبروں کو اِس حکم کی خلاف ورزی کی پاداش میں خارج کر دیا اور یہ حقیقت ہر شخص پر روشن کر دی کہ جماعت

کسی اعتبار سے نہ راست اقدام پر یقین رکھتی ہے، نہ اُس کی حمایت کرتی ہے اور اپنے آپ کو ایسی تمام سرگرمیوں سے کاملاً منقطع کر چکی ہے۔"

(منیر انکوائری رپورٹ۔ص136)

سیّد مودودی نے عدالت میں دیئے گئے تحریری بیان میں خود اس بات کو تسلیم کیا کہ جماعت اسلامی کا اس تحریک سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ سیّد مودودی کہتے ہیں

"4، اور 5، مارچ کو جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ کا اجلاس لاہور میں منعقد ہوا اور اِس میں ڈائریکٹ ایکشن سے جماعت اسلامی نے قطعی بے تعلقی کا فیصلہ کیا۔ اِس موقع پر میں نے پنجاب کے تمام اضلاع سے جماعت کے ذمہ دار کارکنوں کو لاہور بلا کر ہدایات دیں کہ وہ جماعت کے ارکان کو اِس تحریک سے بالکل علیحدہ رکھیں۔ اِس کے بعد دو مقامات سے مجھے اطلاع ملی کہ جماعت کے دو ارکان نے ڈائریکٹ ایکشن میں حصہ لیا ہے اور میں نے فوراً اُن دونوں کو جماعت سے خارج کر دیا۔ اِس پوری مدت میں میرے یا جماعت کے کسی فعل سے یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ ان اضطرابات کی ذمہ داری میں ہمارا کوئی ادنیٰ سا بھی حصہ ہے۔ اِس کے باوجود جس طرح مجھے اور جماعت کے بہت سے ارکان کو خواہ مخواہ اِس کی ذمہ داری میں گھسیٹا گیا ہے، اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے ایک شخص سڑک سے ہٹ کر کھیتوں میں جا کھڑا ہوا اور دوسرا وہاں موٹر لے جا کر اُس کو ٹکرا دے۔"

(تحریک ختم نبوت 1953ء۔ص621)

دیکھا آپ نے سیّد مودودی نے کس خوبصورتی سے ایک مثال کے ذریعے اپنے آپ کو دور کھیتوں میں کھڑا قرار دے کر تحریک سے لاتعلقی اور بیزاری کا اظہار کیا ہے۔ سیّد مودودی اور جماعت اسلامی کا تحریک سے اظہار لاتعلقی، عملاً تحریک کے تمام اقدامات سے دور رہنا اور

تحریک میں کسی بھی قسم کی قربانی دیئے بغیر حکومت کی جانب سے سزاوار قرار دینا نا قابل فہم ہے ،سوال یہ ہے کہ سید مودودی نے ایسا کون سا جرم کیا جس کی پاداش میں عدالت نے انہیں پھانسی کی سزا سنا کر مجرموں کی قطار سے نکال کر مجاہدین کی صف اوّل میں کھڑا ہونے کا موقع فراہم کیا اور جس کی بنیاد پر آج مودودی اور جماعت اسلامی اپنے آپ کو تحریک ختم نبوت 1953ء کے مجاہدین میں ظاہر کر کے سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتی ہے۔قبل اِس کے کہ ہم اس وجہ کو جانیں سید مودودی کا تحقیقاتی عدالت کو دیا گیا ایک بیان نہایت ہی قابل توجہ ہے۔سیّد مودودی کے اِس بیان میں آپ مسلمانوں کے مقابلے میں قادیانیوں سے اظہار ہمدردی کی واضح جھلک محسوس کر سکتے ہیں۔سیّد مودودی کہتے ہیں

''گزشتہ ماہ جولائی میں شیخ بشیر احمد صاحب ایڈوکیٹ لاہور ،مولوی ابوالعطاء جالندھری اور جناب جلال الدین شمس صاحب (واضح رہے کہ یہ تینوں افراد قادیانی ہیں) کو میں نے سمجھایا تھا کہ جو باتیں انگریزی دور میں نبھ گئیں وہ اب اِس آزادی کے دور میں، جب کہ جمہوری حکومت کے اختیارات مسلم اکثریت کے ہاتھ میں ہیں زیادہ دیر تک نہ نبھ سکیں گی۔لہٰذا بجائے اِس کے کہ آپ کی جماعت اور مسلمانوں کے تعلقات کی تلخی میں مزید اضافہ ہو۔آپ لوگ معاملہ فہمی اور تدبر سے کام لیتے ہوئے دو صورتوں میں سے کسی ایک صورت کو اختیار کر لیں۔یا اپنے عقائد اور طرز عمل میں ایسی ترمیم کیجئے کہ جس سے مسلمان آپ کو اپنے اندر شامل رکھنے پر راضی ہو سکیں یا پھر خود ہی مسلمانوں سے الگ ہو کر ایک مستقل اقلیت کی حیثیت سے اپنے لیے وہی حقوق حاصل کر لیجئے جو پاکستان میں دوسری اقلیتوں کو حاصل ہیں''۔اِس بیان میں آگے چل کر مولانا مودودی خواجہ نذیر احمد ایڈوکیٹ (قادیانی) سے تین تجاویز بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ اِن تجاویز کو مرزا بشیر الدین محمود سے خود جا کر بیان کریں اور

انہیں مشورہ دیں کہ وہ واقعی مسلمانوں سے الگ ہونا پسند نہیں کرتے اور چاہتے ہیں کہ ان کی جماعت اسی ملت کا ایک جزو بن کر رہے تو صاف الفاظ میں حسب ذیل اعلان کر دیں۔

(۱) یہ کہ وہ نبی ﷺ کو اس معنی میں خاتم النبیین مانتے ہیں کہ حضور کے بعد کوئی اور نبی مبعوث ہونے والا نہیں ہے۔

(۲) یہ کہ وہ مرزا غلام احمد صاحب کیلئے نبوت یا کسی ایسے منصب کے قائل نہیں ہیں جسے نہ ماننے کی وجہ سے کوئی شخص کافر ہو۔

(۳) یہ کہ تمام غیر احمدی مسلمانوں کو مسلمان مانتے ہیں اور احمدیوں کیلئے ان کی نماز جنازہ پڑھنا، انکے امام کی اقتداء میں نمازیں ادا کرنا، ان کو بیٹیاں دینا جائز سمجھتے ہیں۔"

(تحریک ختم نبوت 1953ء۔ ص 624-621)

"ماسٹر تاج الدین انصاری کے مطابق سیّد مودودی صاحب کا یہ کہنا کہ کسی ایسی تجویز کہ مرزا کو ماننے کے باوجود مرزائی مسلمانوں کا حصہ شمار ہو سکیں۔ وہ ایسے ممکن ہے کہ مرزا صاحب کیلئے نبوت یا کسی ایسے منصب کے قائل نہیں جسے نہ ماننے کی وجہ سے کوئی شخص کافر ہو۔ یعنی مرزا کو ماننے نہ ماننے والے دونوں برابر ہو جائیں (یہاں یہ امر بھی واضح رہے کہ سیّد مودودی کی جانب سے دی گئی تجاویز کی رُو سے لاہوری گروپ مسلمان ٹھہرتا تھا)۔ غور فرمایئے مودودی صاحب کی یہ تجویز اُس مدعی نبوت کے متعلق ہے جس کا دعویٰ ہے کہ میں نبی ہوں۔ ایسے مدعی نبوت کو کافر نہ کہنے والا بھی کافر ہو جاتا ہے۔ چہ جائیکہ اسے نبی کے علاوہ کوئی اور منصب مان کر مسلمانوں کو دھوکہ دے کر تحریک کو ناکام بنا دیا جائے۔ اِس تجویز کے خالق صرف مودودی صاحب ہی ہو سکتے ہیں، کوئی دوسرا مسلمان تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

(تحریک ختم نبوت 1953ئ۔ ص625)

اب آیئے اِس سوال کے جواب کی طرف کہ مودودی صاحب اور ان کی جماعت اسلامی جب تحریک ختم نبوت میں شامل ہی نہ تھی تو وہ گرفتار کیوں کیے گئے اور اُن کو کس خود ساختہ جرم میں موت کی سزا سنائی گئی تو اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ مودودی صاحب نے تحریک کے شباب کے دنوں میں "قادیانی مسئلہ" نامی ایک کتابچہ لکھا تھا۔

"چالیس صفحوں کا یہ کتابچہ قادیانی مسئلہ 5، مارچ 1953ء کو شائع کیا گیا"

(منیرانکوئری رپورٹ ص۔268)

خود سیّد مودودی نے اِس بات کا اعتراف اپنے اُس بیان میں کیا جو انہوں نے فوجی عدالت میں دیا۔ اِس بیان میں سیّد مودودی کہتے ہیں کہ

"استغاثہ کے گواہ محمد صدیق کاتب کی بھی یہ شہادت موجود ہے کہ اُن کو فروری کے آخری ہفتے میں یہ پمفلٹ کتابت کیلئے ملا ہے۔ اِس کے ساتھ میں یہ بات بھی معزز عدالت کے نوٹس میں لانا چاہتا ہوں کہ اِس کا پہلا ایڈیشن 5، مارچ کو پریس سے نکلا۔"

(قادیانی مسئلہ اور اس کے مذہبی سیاسی اور معاشرتی پہلو۔ ص81-80)

"اِس کتابچے کی تاریخ اشاعت سے یہ بات صاف عیاں ہے کہ یہ کتابچہ تحریک شروع ہونے اور تحریک کے تمام مرکزی قائدین کی 27، فروری 1953ء کو گرفتاری کے بعد 6 مارچ کو لاہور میں مارشل لاء نافذ ہونے سے ایک دن قبل شائع ہوا۔ اِن اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ مارشل لاء نافذ ہونے کے بائیس (22) دن کے بعد اور تحریک ختم نبوت کے مرکزی قائدین کی گرفتاری کے ٹھیک ایک ماہ بعد اِس کتابچے کی اشاعت کی بنیاد پر مولانا مودودی کی گرفتاری 28، مارچ 1953ء کو عمل میں آئی۔"

(تحریک ختم نبوت۔ ص148)

جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ سیّد مودودی نے قادیانیوں کی مخالفت میں یہ کتابچہ اُس وقت لکھا جب تحریک اپنے پورے شباب پر پہنچ چکی تھی۔ تمام مرکزی قائدین گرفتار کیے جا چکے تھے اور پاکستان کے مسلمانوں میں قادیانیوں کے خلاف نفرت اور ان کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ پوری قوم کی آواز بن چکا تھا۔ ایسے وقت میں سیّد مودودی نے اپنی سابقہ سرشت کے مطابق ''قادیانی مسئلہ نامی'' کتابچہ لکھ کر یہ ظاہر کرنے اور پاکستان کے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کی کہ وہ اور اُن کی جماعت بھی اس مطالبے کے حق میں ہیں۔ بقول شخصے اِسے بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے کے مترادف قرار دے سکتے ہیں۔ ماسٹر تاج الدین انصاری کہتے ہیں کہ

> ''18، جنوری تک جماعت اسلامی تحریک ختم نبوت کو نواں نقطہ بنا کر ہضم کر جانے کی ترکیبیں سوچتی رہی۔ مگر جب ملک کے نمائندوں نے جو پاکستان کے کونے کونے سے سرورِ عالم ﷺ کی محبت اور عقیدت سے سرشار ہو کر کراچی میں جمع ہوئے تھے۔ مولانا سیّد ابو اعلیٰ مودودی کے نیک ارادوں کو ناکام بنا دیا تو جماعت اسلامی دو ذہنی کرب میں مبتلا ہو گئی۔ تحریک کا شباب دیکھ کر جماعت اسلامی اِس سے الگ ہونا نہیں چاہتی تھی۔ بدیں خیال کہ تحریک کامیاب ہو تو آگے بڑھ کر اعلان کر دیا جائے ہم نے میدان مار لیا اور اگر کسی صورت جماعت اسلامی اِس مقدس تحریک کو سبوتاژ کر سکے تو پھر یہ اعلان کر دیا جائے کہ اِس تحریک میں شامل ہونے والے بیوقوف تھے اور چلانے والے خود غرض اور غدار تھے۔ اِس دو ذہنی نے جماعت اسلامی اور اُس کے امیر (سیّد مودودی) کو دین اور دنیا دونوں میں کہیں کا نہ رکھا۔''

(تحریک ختم نبوت 1953ء۔ ص 638)

مندرجہ بالا تحریر اور خود سیّد مودودی کے بیان کو سامنے رکھ کر دیکھئے جس میں انہوں نے تحریک سے بیزاری، لاتعلقی اور سڑک سے ہٹ کر دور کھیتوں میں کھڑے ہو کر گوشہ عافیت تلاش

کرنے کی کوشش کا اظہار کیا ہے۔ یہ دونوں بیانات تحریک ختم نبوت 1953ء سے سیّد مودودی اور جماعت اسلامی کی بے وفائی، دورخی اور منافقانہ کردار کے ناقابل تردید ثبوت فراہم کرتے ہیں۔

اب آیئے جسٹس منیر رپورٹ کے مندرجہ ذیل اقتباس پر بھی ایک نظر ڈالتے ہیں۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سیّد مودودی نے کس قدر دروغ گوئی سے کام لیتے ہوئے اِس مقدس تحریک کے اعلیٰ مقاصد کو نقصان پہنچانے کی کوشش کے ساتھ ساتھ پاکستان کی مرکزی حکومت کو ناکام کر کے کرسیٔ اقتدار تک پہنچنے کی بھی سازش کی۔

''اِس امر کی کوئی شہادت موجود نہیں کہ جماعت اسلامی نے ڈائریکٹ ایکشن سے اپنی بے تعلقی کا اعلان کیا ہو۔ اس کی نامنظوری ظاہر کی ہو یا اِس کی مذمت کی ہو.........اِس کے برعکس مولانا (مودودی) نے سرکشانہ رویہ اختیار کیا۔ تمام واقعات کا الزام حکومت پر عائد کیا اور فسادی عناصر کو تشدد کا شکار کہہ کر اُس سے عام ہمدردی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ گورنمنٹ ہاؤس میں انہوں نے جو رویہ اختیار کیا۔ اُس کے متعلق جو شہادت پیش ہوئی ہے۔ اُس سے ہم یہی اثر قبول کر سکتے ہیں کہ وہ پورے نظام حکومت کی متوقع پریشانی اور حواس باختگی پر بغلیں بجا رہے تھے اور اگر اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھ لی جائے کہ جماعت اسلامی کا مقصد اقتدار حاصل کرنا ہے۔ کیونکہ اس کے خیال کے مطابق اللہ کی حاکمیت کے ماتحت مذہبی حکومت کے قیام کا مقصد حاصل کرنے کا موثر ذریعہ یہی ہے۔ تو اس اَمر میں ذرا بھی شبہ باقی نہیں رہتا کہ جو کچھ ہو رہا تھا۔ اُسے جماعت اسلامی کی پوری تائید و حمایت حاصل تھی۔ لہٰذا ڈائریکٹ ایکشن کی منظوری کے اِس پروگرام سے جو مجلس عمل نے کراچی میں 26، فروری کو طے کیا تھا کہ گورنر جنرل اور وزیر اعظم پاکستان کی کوٹھیوں پر رضا کاروں کے دستے بھیجے جائیں اور مولانا ابوالحسنات کو تحریک کا پہلا قائد (ڈکٹیٹر) مقرر کیا

جائے۔ جو طبعی نتائج پیدا ہوئے۔ اُن کی ذمہ داری جماعت پر بھی عائد ہوتی ہے"۔ رپورٹ میں جسٹس منیر آگے چل کر سیّد فردوس شاہ کے قتل کے حوالے سے لکھتا ہے کہ "اِس حادثے کے بعد بھی جماعت اسلامی نے نہ اظہار تاسف کیا، نہ اِس وحشیانہ قتل کی مذمت میں ایک لفظ کہا۔ بلکہ اِس کے برعکس جماعت کے بانی نے آگ اور خون کے اِس ہولناک ہنگامے کے درمیان "قادیانی مسئلہ" کا بم پھینک دیا۔"

(منیر انکوائری رپورٹ ص۔271)

سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری نے جماعت اسلامی کے قائد سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کے تحقیقاتی عدالت میں دیئے گئے بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا

"کہ یہ ستم نہیں کہ ایک طرف مولانا مودودی تحریک ختم نبوت میں دوسرے علماء کے ساتھ رہے اور راست اقدام کی قرارداد کی تدوین میں شریک رہے، دوسری طرف تحقیقاتی عدالت میں اِس تحریک میں شرکت سے صاف مکر گئے اور کہا کہ اِس تحریک کی ذمہ داری مرزائیوں، مرکزی حکومت اور اُن جماعتوں پر ہے جو اِس تحریک سے اپنے مقاصد حاصل کرنے کے خواہاں تھے۔ انہوں نے یہ بھی مطالبہ کیا کہ ان پر مقدمہ چلایا جائے۔ شاہ صاحب نے کہا میں بھی چاہتا ہوں مقدمہ چلایا جائے۔ تا کہ پتہ چل جائے کہ آج دستور اسلامی کے داعیٔ کتنے جھوٹے ہیں اور اِن کے پروپیگنڈے اور تحریک کی پوری بنیاد کس قدر کذب و افترا پر ہے۔"

(تحریک ختم نبوت 1974ئ۔ص54)

فیصل آباد میں ایک اجتماع سے خطاب میں سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری نے مولانا مودودی کو مباہلے کی دعوت دیتے ہوئے کہا

"مولانا مودودی کراچی کنونشن میں میرے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ اُن کی

موجودگی میں راست اقدام کا ریزولیشن پاس ہوا۔مودودی صاحب
تحریک میں شامل تھے اگر وہ کہتے ہیں کہ تحریک میں شامل نہیں تھا تو میں
انہیں دعوت مباہلہ دیتا ہوں۔"

(تحریک ختم نبوت 1953ئ۔ص626)

فیصلہ آپ کیجئے

جماعت اسلامی کی ذیلی تنظیم اسلامی جمعیت طلبہ کا مجلہ "ہم قدم" جولائی 1980ء کی اشاعت میں "نوشتہ دیوار" کے تحت لکھتا ہے

"تحفظ ناموس رسالت کیلئے دو تحریکیں چلیں۔ایک اپنوں کی ریشہ دوانیوں
اور غلط حکمت عملی کے نتیجہ میں چند روز کے اندر المناک حادثات وواقعات
کو جنم دے کر دم توڑ گئی۔"

مجلے کی تحریر میں بیان کردہ "اپنوں کی ریشہ دوانیوں اور غلط حکمت عملی" کا اشارہ کس جانب ہے؟ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے، اِس کا فیصلہ ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں۔

اعلان مجاہد "ہزار خوف ہوں لیکن زباں ہو دل کی رفیق"

سیّد مودودی کے طرز عمل کے برخلاف تحریک ختم نبوت کے قائد اوّل اور مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے صدر حضرت علامہ ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری صاحب نے انکوائری کورٹ میں بلا کسی ڈر وخوف ببانگ دہل اعلان کرتے ہوئے فرمایا کہ "ہم تحریک ختم نبوت کے ذمہ دار ہیں۔"

(تحریک ختم نبوت 1953ئ۔ص636)

مرزا محمود قادیانی کا عبرت ناک انجام

تحریک ختم نبوت 1953ء کی بظاہر ناکامی قادیانیوں کے حوصلے میں اضافے کا سبب بنی اور وہ پہلے سے بھی زیادہ تندہی سے اپنے اہداف کی تکمیل میں مصروف ہو گئے، ابھی ان کی سرگرمیاں جاری تھیں کہ 8،نومبر 1965ء کو قادیانی خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود قادیانی طویل

بیماری کے بعد اذیت ناک انجام سے دوچار ہو گیا۔

"ابھی مرزا محمود کے (مامور من اللہ اور مصلح موعود) کے دعوے کو یعنی موکد بعذاب حلف پر گیارہ برس (1954ء سے 1965ئ) بھی گزرنے نہ پائے تھے کہ میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان و ربوہ کو عذاب الٰہی نے آن پکڑا۔ اِس کا آغاز فالج کے حملے سے ہوا۔ جیسا کہ متعدد ڈاکٹروں کی رائے تھی اور اس اَمر کی طرف اشارہ میاں محمود احمد نے خود اپنی بعض تحریروں میں کیا۔ جو اُس نے 1955ء اور 1965ء میں لکھیں اور فالج کے مرض کو حضرت مسیح موعود (مرزا غلام احمد) نے دکھ کی مار (انجام آتھم ص۔ 61) کہا ہے اور اپنے دشمنوں کیلئے مفلوج ہونے کی بددعا بھی کی ہے۔ اب میاں محمود احمد کئی سال سے ہوش وحواس کھو بیٹھے ہیں۔ ماہی بے آب کی طرح تڑپتے ہیں اور تکلیف اور کرب سے چلّاتے ہیں۔ تختے کی مانند کبھی کبھی سٹیج پر لائے جاتے ہیں۔ یعنی خاص خاص جلسوں کے موقع پر کبھی الٹی سیدھی باتیں کرتے ہیں اور اکثر رونے لگ جاتے ہیں۔ خود میاں محمود احمد کے بیٹے ڈاکٹر منور احمد نے اپنے باپ کی صحت کے متعلق جو رپورٹ اخبار الفضل مورخہ 19، اگست 1961ء کے دوسرے صفحے پر دی ہے۔ اس سے اِن تمام علامات کی تصدیق ہوتی ہے۔

چونکہ قادیانی جماعت کا عقیدہ ہے کہ خلیفہ کبھی بھی معزول نہیں ہوسکتا اِس لیے وہ اب ایک مریض اور از کار رفتہ انسان کو خلیفہ بنائے ہوئے ہیں۔ حالانکہ خدا نے اپنے ہاتھوں سے اُسے معزول کر دیا ہے۔ کچھ سال ہوئے کسی شخص نے میاں محمود احمد پر قاتلانہ حملہ کیا تھا اور گردن پر گہرا زخم آیا تھا۔ یہ بھی عذاب الٰہی کا نشان تھا۔ ویسے بھی جماعت ربوہ ایک کونسل کے سپرد ہے۔ جس کے پریذیڈنٹ مرزا ناصر احمد (خلف میاں محمود احمد)

ہیں۔اس لیے مقام عبرت ہے کیونکہ خدا کے فرستادہ لیڈر کبھی مجنون اور مفلوج ہوکر نکمے نہیں ہوجاتے"

(تلاش حق۔ص،39)

8نومبر 1965ءکومرزاناصراحمد قادیانی نے قادیانی جماعت کے تیسرے جانشین کی حیثیت سے مسند اقتدار سنبھالا۔جسے وراثت میں ایک مالی طور پر مستحکم سلطنت اور پیروکاروں کی پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ایک منظم تنظیم ملی۔آج یہ دنیا کا مالدار ترین فرقہ ہے۔جس کے دو مرکزی دفاتر ایک بھارت کے شہر قادیان اور دوسرا پاکستان میں ربوہ میں واقع ہے۔یہ دونوں مراکز اپنے عالمی مشنریوں کو منظم رکھتے ہیں،ہدایات دیتے ہیں اور ان کے بجٹ کا حساب و کتاب رکھتے ہیں۔مالی فراہمی سے بے نیاز قادیانی داعی دنیا بھر میں قادیانیت کی تبلیغ میں مصروف رہتے ہیں۔

یورپ میں کینیڈا، انگلینڈ،ہالینڈ،سوئزرلینڈ،جرمنی،ڈنمارک،سویڈن،بیلجیم،اسپین اوراٹلی میں قادیانیوں کے چوبیس(24)مشن،ایک سوتیس(130)قادیانی عبادت گاہیں، دو(2)مدرسے،اورنو(9)سے زائد اخبارات ورسائل کام کررہے ہیں۔مشرق وسطی میں فلسطین شام،لبنان،عدن،مصر،کویت، بحرین، مسقط،دوبئی اوراردن میں دس(10)مشن، چار(4) سے زائد قادیانی عبادت گاہیں،ایک(1)مدرسہ کام کررہے ہیں۔عربی زبان میں ایک رسالہ "البشریٰ" کے نام سے نکالا جارہاہے۔مشرقی افریقہ میں کینیا،تنزانیہ،یوگنڈا،زمبیا،میں چھبیس(26)قادیانی مشن،اکہتر(71)قادیانی عبادت گاہیں،پانچ(5)مدرسے کام کررہے ہیں اور پانچ(5)سے زائد اخبارات ورسائل نکل رہے ہیں۔

قادیانیوں کو سب سے زیادہ کامیابی مغربی افریقہ میں ملی جہاں اُن کے نائجیریا، گھانا،سیرالیون،گیمبیا،آئیوری کوسٹ،لائبیریا،صومالیہ اور دیگر افریقی ممالک میں دوسو سینتیس(237)قادیانی مشن، چار سوانہتر(469)قادیانی عبادت گاہیں،ایک سو چوّن (154)مدارس،پچیس(25)ہسپتال قادیانیت کی تبلیغ میں مصروف ہیں،بحرہند کے ممالک

میں ماریشس، سری لنکا، برما، وغیرہ میں سات (7) قادیانی مشن، تیرہ (13) قادیانی عبادت گاہیں، اور ایک (1) مدرسہ کام کررہا ہے۔ مشرق بعید میں انڈونیشیا، فجی، جاپان، جنوبی افریقہ کے ممالک میں تہتر (73) قادیانی مشن، ایک سو ستائیس (127) قادیانی عبادت گاہیں چھ (6)

مدرسے کام کررہے ہیں اور سولہ (16) سے زائد اخبارات و رسائل قادیانیت کی تبلیغ و اشاعت میں مصروف ہیں۔ انڈونیشیا جیسے اسلامی ملک میں تیس (30) سے زائد قادیانی مشن اور ایک سو پندرہ (115) عبادت گاہیں مختلف شہروں میں قادیانیت کی اشاعت میں مصروف کار ہیں۔ اِس وقت دنیا میں امریکہ، برطانیہ، بھارت اور اسرائیل قادیانیت کے سب بڑے معاون و حمایتی ممالک ہیں۔

تحریک ختم نبوت 1953ء کے بعد حالات اور اثرات و نتائج

تحریک ختم نبوت 1953ء کو اُس وقت کے سیاستدانوں نے پیشک مارشل لاء لگا کر سنگینوں اور گولیوں کے بل پر کچل ڈالنے کی ناپاک کوشش کی۔ اور حکومت کے وحشیانہ تشدد کی بدولت یہ تحریک وقتی طور پر اس اعتبار سے ناکام ہوگئی کہ مجلس عمل کا ایک بھی مطالبہ بظاہر تسلیم نہیں کیا گیا۔ لیکن یہ تحریک پاکستان کی سیاسی تاریخ پر اپنے اثرات چھوڑ گئی اور اس تحریک نے ملک اور قوم کو ہلا کررکھ دیا۔ تحریک کی ناکامی سے مسلمانوں کے دل و دماغ مجروح تھے اور عوام کے جذبات پر اِس کا مایوس کن اثر پڑا۔ حکمرانوں کے منافقانہ طرز عمل کی وجہ سے عوام کو شدت سے اس بات کا احساس ہوا کہ اُن کے ساتھ دھوکہ کیا گیا ہے، اس کے ساتھ ساتھ اُن کے ذہنوں میں پاکستانی فوج کا کردار بری طرح متاثر ہوا۔ سیاستدان بیورو کریسی کے محتاج ہو کر رہ گئے اور پاکستان نوکرشاہی کے تصرفات کا شکار ہو کر رہ گیا۔ مرکزیت ہر آنے والے دن کے ساتھ کمزور تر ہوتی گئی اور علاقائی فتنے سر اٹھانے لگے۔ فوج نے اقتدار کا ایسا مزا چکھا کہ ملک پر فوجی اقتدار کا عرصہ سول حکمرانی سے زیادہ رہا۔

قادیانیوں کے نزدیک اس تحریک کی ناکامی نے اُن کی پوزیشن کو مزید مضبوط

کر دیا تھا اور وہ اِس تحریک کے نتائج سے قدرے مطمئن اور اپنے آپ کو نا قابل تسخیر سمجھنے لگے تھے۔ جہاں ایک طرف آنے والے سالوں میں قادیانیوں نے اپنی سیاسی ترجیحات تبدیل کر لیں اور قادیانیوں نے اپنے خلاف عوام کا شدید ردِ عمل دیکھ کر عوامی محاذ کو ترک کر دیا اور عام مسلمانوں سے براہ راست کھلے تصادم کے بجائے فوج اور نوکر شاہی سے اپنے تعلقات استوار کرنا شروع کر دیئے۔ وہ بزنس ،نوکر شاہی ،اور فوج میں اعلیٰ عہدوں پر قابض ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ وہیں دوسری طرف امریکی سی، آئی، اے اور سامراجی تنظیموں نے انہیں مشرق وسطیٰ اور نو آزاد افریقی ریاستوں میں پھلنے پھولنے کیلئے بھر پور امداد مہیا کی۔ مسلم لیگ کو اِس تحریک کے نتائج سے سب زیادہ دھچکہ اُس وقت لگا جب اسے آئندہ انتخابات میں ذلت آمیز شکست سے دو چار ہونا پڑا اور خواجہ ناظم الدین کو وزارت عظمیٰ اور ممتاز دولتانہ کو وزارت اعلیٰ پنجاب کے عہدوں سے ہاتھ دھونا پڑے۔

تحریک ختم نبوت 1953ء کے بعد قادیانیوں نے پاکستان کی سیاست میں اہم کردار ادا کرنا شروع کر دیا۔انہوں نے سول اور فوجی افسران سے مل کر مرکز میں اپنے معاشی و سیاسی مفادات کا تحفظ کیا اور اپنی کوششوں کا رخ ملک میں آئینی عمل کو تہہ و بالا کرنے کی جانب موڑ دیا۔قادیانیوں نے اپنے صیہونی و سامراجی آقاؤں کی ہدایت پر پاکستان کی سیاست میں دخل اندازی جاری رکھی۔ 1957ء میں قادیانی پاکستانی سیاست میں نوکر شاہی اور مغرب نواز حلقوں کے ذریعے کافی سرگرم رہے۔وہ پاکستانی سیاست میں اتنے زیادہ ملوث تھے کہ حکومت کو اِس تجویز پر غور کرنا پڑا کہ انہیں ایک سیاسی تنظیم قرار دے دیا جائے۔اخبار وی مسلم اسلام آباد کے مطابق

> ''پنجاب سی آئی ڈی نے ایک تجویز تیار کی کہ جماعت احمدیہ کو سیاسی تنظیم قرار دے دیا جائے۔کیونکہ یہ اِس وقت کی پنجاب حکومت کی نظروں میں مشکوک قرار پا چکی تھی۔ اِس جماعت کے ذیلی اراکین کی ایک تنظیم کو حکومت نے غیر قانونی قرار دیا اور سرکاری ملازمین کو سختی سے منع کر دیا کہ وہ اِس کے ساتھ تعلق نہ رکھیں ۔یہ ذیلی تنظیم ''احمدیہ انٹیلی جنس سٹاف''

کہلاتی تھی اور اس نے حکومت کے مختلف محکموں میں اپنے حلقے قائم کئے ہوئے تھے۔اس کے نتیجے میں مسلح افواج میں قادیانی افسران کی ایک فہرست لاہور اور دیگر بڑے شہروں میں تیار کی گئی۔حکومت کے نوٹس میں یہ بات بھی آئی کہ قادیانی افسران خفیہ اجلاس بھی منعقد کرتے تھے۔"

(اخبار" دی مسلم" اسلام آباد 24 مئی 1984ء)

قادیانیوں کی اِن خفیہ کارستانیوں نے 1954ء تا 1970ء تک کئی نئی جہتیں اختیار کیں۔ایوب خان کے اقتدار پر قبضہ سے قبل ساڑھے پانچ سال کے عرصے کے دوران ملک میں پانچ وزیراعظم تبدیل کئے گئے۔ایوب خان کے دور میں قادیانیوں کی نشوونما میں خصوصی سرپرستی کی گئی اور انہیں مستحکم ہونے کا پورا پورا موقع دیا گیا۔

مرزا غلام احمد قادیانی کا پوتا مرزا مظفر احمد (ایم۔ایم۔احمد) پہلے فنانس سیکرٹری اور بعد میں پاکستان کے منصوبہ بندی کمیشن کا ڈپٹی چیئرمین بنایا گیا۔جس نے پاکستانی معیشت میں علاقائی عدم تعاون اور ناہمواریوں کے بیج بو کر مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے اسباب پیدا کئے۔ ڈاکٹر عبدالسلام (قادیانی) پاکستان ایٹمی توانائی کمیشن کے چیئرمین اور صدر کا مشیر برائے سائنس و ٹیکنالوجی، بشیر احمد چیئرمین Picic اور وائس ایئر مارشل ایم اختر پی،آئی۔اے کے چیف بنائے گئے۔انہیں ایوب حکومت کی اعانت کے باعث یہ موقع بھی مل گیا کہ وہ مشرقی و مغربی پاکستان کی مذہبی وسیاسی تحریکوں کے خلاف سرگرمیاں جاری رکھیں۔اس دوران دفتر خارجہ میں قادیانی اہلکاروں نے کمال ہوشیاری سے پاکستان کے عرب ممالک کے ساتھ تعلقات کو فروغ نہ پانے دیا۔نوکر شاہی میں ان عناصر نے سرمایہ داریت کو پروان چڑھانے کی حکمت عملی اختیار کی اور پہلے سے طے شدہ حکمت عملی کے مطابق قادیانیوں کیلئے پاکستان کی مسلح افواج کی صفوں میں گھسنے کا سنہری موقع دیا گیا۔اسی طرح دیگر اداروں کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔کراچی ٹیلی ویژن سنٹر میں ایک دینی پروگرام "بصیرت" کے پروڈیوسر کے عہدے پر ایک قادیانی عبیداللہ علیم کی تقرری نے مسلمانوں کو شدید رنج والم میں مبتلا کر دیا اور تمام مکاتب فکر کے علماء نے اس

تقرری پر شدید احتجاج کیا۔ اس تقرری کو مسلمانوں کے ساتھ شرمناک مذاق سے تعبیر کیا گیا۔ راجہ غالب احمد قادیانی کو سرگودھا تعلیمی بورڈ کا چیئرمین بنایا گیا۔ جس نے بورڈ کو قادیانی عملے سے بھر دیا۔ کنٹرولر امتحانات شفیق الرحمٰن اور ڈپٹی کنٹرولر قادیانی مقرر کئے گئے۔ راجہ غالب احمد کو بعد میں چیئرمین ٹیکسٹ بورڈ پنجاب بنایا لیکن حکومت کو شدید عوامی احتجاج کی وجہ سے اُسے اُس کے عہدے سے علیحدہ کرنا پڑا۔ عبدالقادر ڈاہری قادیانی سچل سرمست کالج نواب شاہ کا پرنسپل تھا۔ جو طلباء کو قادیانی جلسوں میں جانے اور قادیانی لٹریچر پڑھنے پر مجبور کرتا تھا۔ گورنمنٹ ٹریننگ کالج لائل پور کا پرنسپل میاں محمد افضل قادیانی تھا۔ جو اپنی حیثیت کا فائدہ اٹھا کر طلباء میں اپنے قادیانی مذہب کی تبلیغ کرتا تھا۔ حکومت نے ادارہ تحقیقات اسلامی کا ڈائریکٹر ایک رسوائے زمانہ افسر شیخ محمود کو مقرر کیا جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ یہ شخص مرزائی ہے۔ ادارہ تحقیقات اسلامی کی سربراہی پر شیخ محمود جیسے شخص کی تقرری کا پس منظر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ مرزائیوں نے اپنے خاص اثر ورسوخ کو استعمال کر کے اس ادارے میں ایسا آدمی مقرر کروایا جو اسلامی قوانین اور اقدار کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی مہارت رکھتا ہو۔ واضح رہے کہ شیخ محمود وہی شخص ہے جس نے پہلے آزاد کشمیر میں ڈائریکٹر تعلیمات ہوتے ہوئے زکوٰۃ کی شرح میں ترمیم کی تجویز پیش کی تھی اور اس کے خلاف سارے ملک میں احتجاج کی وجہ سے اسے وہاں سے نکالا گیا تھا۔ سندھ کا ہوم سیکرٹری کنور ادریس قادیانی کو مقرر کیا گیا۔ غرض کہ قادیانی اس قدر اثر ورسوخ حاصل کر چکے تھے۔ کہ انہوں نے اپنے خلاف عوامی ردِ عمل اور تنقید کو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ یہ تو ملا کی روایتی تنگ نظری اور تعصب ہے۔

قادیانیوں کے بڑھتے ہوئے اثر ورسوخ کو دیکھ کر علماء اکرام اور مذہبی جماعتوں کو جہاں ایک طرف سخت مشکل کا سامنا تھا۔ تو دوسری طرف علماء کی مخالفت کے مقابلے میں بے رحم مارشل لاء آرڈیننس اور ڈیفنس رولز نے انہیں کافی تحفظ فراہم کیا ہوا تھا۔ اس صورتحال میں ضروری ہو گیا تھا کہ وہ وقت وحالات کو دیکھتے ہوئے اب اپنے طریقہ کار اور حکمت عملی میں تبدیلی پیدا کریں۔ چنانچہ علماء کرام اور پاکستان کی مذہبی جماعتوں نے 1953ء کے تحریکی نتائج کو

سامنے رکھ کر ایک مربوط اور منظم حکمت عملی اختیار کرتے ہوئے ایک بار پھر قادیانیوں کی خلاف اپنی صف بندی کی اور نئے سرے سے مختلف محاذوں پر تحریک ختم نبوت کے کام کو جاری رکھا۔

علماء کی تحریک اور جدوجہد کی بدولت پاکستان کے مسلمانوں کے سامنے قادیانیت کا اصل چہرہ اور کردار نمایاں ہو کر سامنے آچکا تھا اور پاکستان کے گوشے گوشے میں یہ احساس شدت سے ابھر رہا تھا کہ برصغیر میں اسلام کی سب سے بڑی دشمن تحریک قادیانیت ہے جو حقیقت میں نبوت محمدی ﷺ کے خلاف انگریز کی بدترین سازش اور اسلام کی ابدیت اور اُمت کی وحدت کیلئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ تحریک پاکستان کی سالمیت اور استحکام کے بھی درپے ہے۔ قادیانی جو ابتدا میں اور قیام پاکستان کے کافی عرصے بعد تک اپنے آپ کو ایک مذہبی فرقہ ظاہر کر کے اپنے پاؤں جماتے رہے اور سیاسی پناہ گاہیں تلاش کر کے اپنے قدم مضبوط کرتے رہے۔ یہاں تک کہ پاکستان کی فوج، سول کے تمام شعبوں اور خصوصیات کے ساتھ وزارت خارجہ میں جب اُن کے قدم مکمل طور پر جم گئے تو وہ بیرونی اشاروں پر پاکستان کی سیاست میں غلط فہمیاں پھیلانے، امن وسکون کو برباد کرنے اور پاکستان کی سالمیت کے خلاف سازشیں کرنے میں مصروف ہو گئے۔ قادیانیوں نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ عالم اسلام میں استعماری طاقتوں کے مہرے کی حیثیت سے اُمت کے اتحاد اور روح جہاد کو مٹانے کی بھی مذموم کوشش بھی کی۔

شورش کاشمیری اپنی کتاب تحریک ختم نبوت میں لکھتے ہیں کہ

> ''مولانا عبدالستار نیازی جو بریلوی مکتبہ فکر کے جید و تبحر نوجوان تھے۔ انہوں نے اپنی رہائی کے بعد ختم نبوت کے تقریری محاذ کو ٹھنڈا نہ ہونے دیا اور اس سلسلہ میں تحریک و مسئلہ سے متعلق دو یا تین کتابچے لکھے۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا عبدالستار نیازی عشق رسالت میں قرون اوّل کے مسلمانوں کا مزاج رکھتے ہیں۔ انہوں نے باہر آتے ہی مرزائیوں کو للکارنا شروع کر دیا اور ایوب خان کے دور میں اُس کی حکومت کو آڑے ہاتھوں

لیا۔ ان مسلمانوں کو اینگلو مسلمان کا لقب دیا جو قادیانی امت کو مسلمانوں میں شمار کرتے اور عقیدۂ ختم نبوت کی اساس سے ناواقف تھے۔ مولانا اس دوران کئی بار گرفتار ہوئے۔ اسی طرح مولانا سیّد خلیل احمد قادری جس دن سے رہا ہوئے اُس دن سے قادیانیت کا احتساب اپنے بیان و قلم میں شامل کر لیا۔ مولانا ابو الحسنات سیّد محمد احمد قادری کے بھتیجے علامہ محمود احمد رضوی نے بھی قادیانیت کے خلاف اپنے قلم کی روانی و جولانی قائم رکھی۔ آپ اس سلسلے کی آخری تحریک میں مجلس عمل کے جنرل سیکرٹری رہے۔ ایک ادیب و خطیب ہی نہیں بلکہ عالم و محدث بھی ہیں۔"

(تحریک ختم نبوت۔ ص 170-166)

ان حضرات علماء کے علاوہ بے شمار علماء و مشائخ اہلسنت و جماعت نے اِس تحریک کو جاری رکھا۔ بقول شورش کاشمیری

"مولانا ابوالحسنات قادری کی بدولت بریلوی علماء کا طبقہ قادیانیت کے محاذ پر ڈٹ گیا اور انہوں نے اپنے مسلسل وعظوں میں عامۃ المسلمین کے ذہنی احتساب کو مستحکم کیا۔" (اور اس تحریک کو جاری رکھا)۔

(تحریک ختم نبوت۔ ص 170)

علماء و مشائخ اہلسنت کے اِس طرزِ عمل کی وجہ سے حکومت نے بہت سے علماء کرام کو جنہوں نے قادیانیت کی مخالفت کی فرقہ وارانہ جذبات کو ہوا دینے کا الزام لگا کر گرفتار کیا۔ قادیانی مخالف پریس کو دبایا گیا۔ کئی اخبارات کے مدیروں اور ناشران کو گرفتار کیا گیا۔ ڈیکلریشن منسوخ کیے گئے۔ لیکن ان سب کے باوجود علماء کرام نے نہایت پامردی اور بہادری سے ختم نبوت کے اعلیٰ وارفع مقصد کیلئے لڑتے ہوئے تحریک ختم نبوت جاری رکھی۔

قادیانیوں کے خلاف عدالتوں کے چند تاریخ ساز فیصلے

اِسی دوران پاکستان کی بعض اعلیٰ عدالتوں نے قادیانیت کے خلاف تاریخ ساز مدلل

فیصلے دے کر مستقبل میں عوام اور حکومت کیلئے فیصلہ کن راہ عمل متعین کرنے کے ساتھ ساتھ قادیانیت کو اسلام کے دینی حصار میں پناہ لینے کے قابل بھی نہ چھوڑا۔ جذبہ ایمانی سے مزین چند تاریخ ساز فیصلے درج ذیل ہیں۔

25، مارچ 1954ء کو سینئر سول جج راولپنڈی میاں محمد سلیم صاحب کی عدالت میں قادیانی خاتون مسماۃ امۃ الکریم کا اپنے سابقہ شوہر مسلمان لیفٹننٹ نذیر الدین ملک کے خلاف مبلغ دو ہزار روپیہ مہر کی وصولیابی اور 2403/= روپے مالیت کا سامان جہیز جو اسے شادی کے موقع پر باپ سے ملا تھا اور جو اس کے سابقہ شوہر نے اپنے قبضہ میں رکھ لیا تھا کیلئے مقدمہ دائر کیا۔ مقدمے کے اختتام پر میاں محمد سلیم صاحب نے اپنے فاضلانہ فیصلے میں لکھا کہ

(الف) قادیانیوں کو اہل کتاب تصور نہیں کیا جاسکتا۔

(ب) مدعا علیہ کے ساتھ شادی کے وقت مدعیہ مسماۃ امۃ الکریم قادیانی ہونے کے سبب غیر مسلم تھی۔

(ج) فریقین کا نکاح مطلقاً ناجائز اور باطل تھا۔ اور ازدواجی تعلقات کے بعد بھی اسے جائز نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔

(د) مہر قانوناً ناقابل بازیابی ہے۔

اوپر دیئے گئے نتائج اور معلومات کی بناء پر فاضل جج میاں محمد سلیم صاحب نے مسماۃ امۃ الکریم کے حق میں اس کے سابق شوہر سے مبلغ 2403/= روپے بابت مالیت سامان جہیز کے حصول کی جو اس کے قبضہ میں تھا ڈگری دے دی۔ مگر اس کا دعویٰ حق مہر کو خارج کر دیا۔ اس فیصلے اور ڈگری کے خلاف دو اپیلیں داخل کی گئیں۔ پہلی قادیانی خاتون امۃ الکریم نے اپنے مہر مبلغ دو ہزار روپے کی وصولی کی اپیل کی اور دوسری لیفٹیننٹ نذیر الدین ملک نے سامان جہیز کی مالیت سے متعلق ڈگری سے چھٹکارا پانے کیلئے اپیل داخل کی۔ ان اپیلوں پر ایڈیشنل سیشن جج راولپنڈی شیخ محمد اکبر صاحب نے 3، جون 1955ء کو فیصلہ دیتے ہوئے کہا کہ "میں سمجھتا ہوں کہ اس بحث اور اس سے اخذ کردہ نتائج کی بناء پر یہ بات بڑی آسانی کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ

عدالت سماعت نے جو نتائج اخذ کئے ہیں وہ درست ہیں۔ چنانچہ میں ان سب کی توثیق کرتا ہوں ،مسماۃ امۃ الکریم کی اپیل میں کوئی جان نہیں ہے۔لہٰذا میں اسے خارج کرتا ہوں۔اور لیفٹیننٹ نذیر الدین ملک کی اپیل میں بھی کوئی وزن نہیں۔ میں ان کی اپیل بھی خارج کرتا ہوں۔''

13، جولائی 1970ء کو جیمس آباد کی فیملی کورٹ کے جج جناب محمد رفیق گوریجہ نے مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیتے ہوئے ایک مسلمان عورت سے قادیانی کا نکاح فسخ کر دیا۔ پاکستان اور بیرون ملک تمام اخبارات نے اس فیصلے کو جلی سرخیوں میں شائع کیا۔ پاکستان کے تمام حلقوں میں اس فیصلے کا زبردست خیر مقدم کیا اور اسے ایک نیک فال سے تعبیر کیا۔ مسلمان خاتون کی طرف سے اس مقدمے کی پیروی جناب محمد عثمان ایڈوکیٹ نے کی۔

26، فروری 1972ء کو ایڈمنسٹریٹو سول جج چوہدری محمد نسیم نے ایک دعویٰ کا فیصلہ سناتے ہوئے محلہ قاضیاں کے قادیانیوں کو مسجد تعمیر کرنے ،اذان دینے اور وہاں تبلیغی مرکز قائم کرنے کی ممانعت کردی۔ عدالت نے یہ حکم امتناعی دوامی مولوی عبدالرشید کی درخواست پر جاری کیا۔ اس حکم میں کہا گیا کہ فریقین کے عقائد میں شدید اختلاف ہے۔ دونوں فریق ایک دوسرے کو کافر قرار دیتے ہیں۔ ان حالات میں اس محلہ میں قادیانیوں کو مسجد تعمیر کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ اصل معاملہ یہ تھا کہ قادیانی ایک مکان میں احمدیوں کی مسجد تعمیر کرنا چاہتے تھے۔ جب کہ اس علاقے میں قادیانیوں کا ایک بھی خاندان آباد نہیں تھا۔ جس پر درخواست گزار نے شیخ عبدالعزیز ایڈوکیٹ کے توسط سے پہلے ہی عدالت سے اس تعمیر کے خلاف عارضی حکم امتناعی حاصل کرلیا تھا۔ جس کو بعد میں عدالت نے مستقل قرار دیتے ہوئے قادیانی جواب دعویٰ خارج کر دیا۔

14، دسمبر 1972ء کو بہاولپور کے ڈویژنل کمشنر ملک احمد خاں نے نمبرداری کے ایک مقدمے کا فیصلہ سناتے ہوئے قرار دیا کہ کسی قادیانی کو مسلمان تمیدداروں کی نمبرداری نہیں سونپی جاسکتی۔ کیونکہ قادیانی فرقہ کے اعتبار سے مسلمانوں سے بالکل الگ ہیں۔ اور ان کے مذہبی، سماجی اور معاشرتی معاملات ایک دوسرے سے بالکل جدا ہیں۔ اس لیے فاضل عدالت نے اپنے فیصلے میں احمدی عقائد کے حامل ایک امیدوار کو مسلمان تمیداروں کی نمبرداری کیلئے نااہل قرار دے دیا۔

قائدِ عالی شان تھا وہ اور رہبر ذی شان تھا
ملتِ بیضا کی وہ اک واقعیٔ برھان تھا

اللہ اللہ چہرہ پُر نور پر رنگِ جمالﷺ
پیکرِ خاکی تھا لیکن آیہ رحمان تھا

سیّدی صدیقِ اکبر کا وہ فرزندِ جلیل
عظمت و ناموس نبوی کیلئے قربان تھا

اُس لہجے میں مجدد الفِ ثانی کی گرج
وہ امام فضلِ حق کا واقعیٔ عنوان تھا

ہوس وزر کے موسموں میں وہ بہارِ پُرخلوص
خارزارِ وقت میں وہ سنبل و ریحان تھا

کتنے طوفانوں کا رخ بدلا تھا اُس کی سوچ نے
کتنی راتوں کیلئے وہ فجر کی اذان تھا

شعر آصف کیا بتائے اُس کی قدر و منزلت
وہ سراپا سرورِ کونینﷺ کا فیضان تھا

باب:۔دہم

تحریک ختم نبوت 1974ء

کے

سپہ سالار اعلیٰ فاتح قادیانیت

علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی

☆علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی، بطل حریت علامہ فضل حق خیرآبادی، مجاہد اعظم مولانا سیّد کفایت علی کافی مرادآبادی، مفتی صدرالدین آزردہ، مفتی عنایت احمد کاکوری، مولانا فضل رسول بدایونی، مفتی لطف اللہ علی گڑھی، محدث اعظم ہند سیّد محمد کچھوچھوی، مولانا شاہ احمد اللہ مدراسی، مولانا عبدالجلیل شہید گڑھی، مولانا فیض احمد بدایونی، امام بخش صہبائی، منشی رسول بخش کاکوروی، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی، آپ کے خلفاء صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی، شیر بیشۂ اہلسنّت مولانا حشمت علی خان، حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان، مبلغ اسلام ''سفیر پاکستان'' علامہ عبدالعلیم صدیقی اور امیر ملت پیر جماعت علی شاہ صاحب، قاطع مرزائیت حضرت پیر سیّد مہر علی شاہ، مفتی سرحد مفتی شائستہ گل، مجاہد ملت علامہ عبدالحامد بدایونی، غازیٔ کشمیر قائد تحریک ختم نبوت 1953ء علامہ ابو الحسنات سیّد محمد احمد قادری، پیر حافظ عبدالرحیم آف بھرچونڈی شریف، پیر آف مانکی شریف کی جرأتوں کے وارث اور اکابرین تحریک ختم نبوت کی عظمتوں کے امین تھے۔

☆نورانی چہرے پر حکمت، علم وعمل میں سرفراز، دین مصطفی ﷺ کے سپاہی، شاہین ختم نبوت، خوددار و باحیا، قائد ملت اسلامیہ حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی تحریک ختم نبوت کے سرگرم اور پرجوش قافلہ سالار تھے۔ آپ زندگی بھر پوری دنیا میں تحفظِ ناموس رسالت ﷺ کیلئے بدمذاہب اور قادیانیت کے خلاف برسرپیکار رہے اور تحفظ عقیدہ ختم نبوت کی جدوجہد ہی آپ کی زندگی کا مقصد ومحور رہی۔

آپ نے اپنی جدوجہد کے ذریعے ہر خاص وعام میں تحفظ عقیدہ ختم نبوت کا وہ شعور پیدا کیا جس کی ضیاء پاشیوں سے ان کے قلب ونظر علمی اور عملی طور پر آج بھی منور ہیں۔ تاریخ کے سینے میں وہ روشن لمحات آج بھی [redacted] ہیں۔ جب حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کی باطل شکن یلغار سے قصر قادیانیت میں لرزہ طاری تھا اور قادیانی خلیفہ مرزا ناصر اپنی تمام ذرّیت کے ساتھ اس ضرب مومنانہ کی تاب نہ لاتے ہوئے مملکت پاکستان میں ہمیشہ کیلئے غیر مسلم اقلیت قرار پایا۔

اکیسویں صدی میں قرون اولیٰ کا مسلم رہنماء

برصغیر پاک و ہند کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بے پناہ فضل و کرم سے نوازا ہے اور یہ خطہ ہمیشہ سے ہی قدرتی وسائل اور مردم خیزی کی دولت سے مالا مال رہا۔ اوائل اسلام سے لے کر آج تک یہ خطہ زمین جری و بہادر اور اہل علم و فضل کا مرکز رہا۔ تاریخ کے ہر موڑ پر اُمت مسلمہ کی رہبری ورہنمائی کیلئے یہاں کے علماء و مشائخ باطل کے ناپاک عزائم کو بے نقاب کرتے اور اُس کے سامنے بند باندھتے نظر آتے ہیں۔ اِس راہ میں کہیں حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ، سلطان الہند خواجہ معین الدین اجمیریؒ، حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ، شاہ رکن عالمؒ، خواجہ شمس الدین سیالوی، اور حضرت سیّد پیر مہر علی شاہ صاحب جیسے صوفی بزرگ برصغیر کے مسلمانوں میں توحید اور عشق رسالت کی شمع جلاتے ہیں تو دوسری جانب شاہ عبدالحق محدث دہلوی، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی بطل حریت علامہ فضل حق خیر آبادی، مجاہد اعظم مولانا سیّد کفایت علی کافی مراد آبادی، مفتی صدر الدین آزردہ، مفتی عنایت احمد کاکوروی، مولانا فضل رسول بدایونی، مفتی لطف اللہ علی گڑھی، محدث اعظم ہند سیّد محمد کچھوچھوی، مولانا شاہ احمد اللہ مدراسی، مولانا عبدالجلیل شہید گڑھی، مولانا فیض احمد بدایونی، منشی رسول بخش کاکوری، اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی اور آپ کے خلفاء صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی، شیر بیشۂ اہلسنّت مولانا حشمت علی خان، حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان، مبلغ اسلام ''سفیر پاکستان'' علامہ عبدالعلیم صدیقی اور امیر ملت پیر جماعت علی شاہ صاحب، مفتی سرحد مفتی شائستہ گل، فاتح سرحد اور علامہ عبدالحامد بدایونی، غازیٔ کشمیر قائد تحریک ختم نبوت 1953ء علامہ ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری، پیر عبدالرحیم پیر آف بھرچونڈی شریف، پیر آف مانکی شریف، قال اللہ وقال

الرسول کا میدان سنبھالتے نظر آتے ہیں۔

کیونکہ یہی اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ بنی نوع انسان کی ہدایت کیلئے ایسی مقتدر ہستیاں پیدا فرماتا ہے جو حالات اور وقت کے تقاضوں کے مطابق اُمت کی سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرتی ہیں اور اُسے کفر و گمراہی سے بچاتی ہیں چنانچہ اِن افرادِ اُمت نے دین متین کی خدمت کا بیڑا اٹھایا اور ہر فتنے کا پامردی سے مقابلہ کیا۔

قیام پاکستان کے بعد جب بھی ملک و ملت پر نازک وقت آیا۔ علماء و مشائخ اہلسنت نے میدان عمل میں نکل کر اپنے فرائض منصبی کے مطابق نمایاں کارنامے انجام دیتے ہوئے اہل ہوس و اقتدار اور باطل کے ظلم و استبداد اور کفر و گمراہی کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اُن کے فرار کی تمام راہیں مسدود کر دیں، اِس راہ میں انہوں نے کسی نفع و نقصان کی پرواہ نہیں کی بلکہ اپنے کردار و عمل سے اہل پاکستان کو سیاسی، معاشی اور اخلاقی منصوبہ بندی کی راہیں دکھاتے رہے۔

اِن اکابرین اہلسنت و جماعت میں مبلغ اسلام، فاتح قادیانیت، سپہ سالارِ اعلیٰ تحریک ختم نبوت **1974**ء قائد ملت اسلامیہ حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کا نام سرفہرست ہے۔ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کی زندگی کا مشن ملک خداداد پاکستان میں نظام مصطفی ﷺ کا نفاذ اور مقام مصطفی ﷺ کا تحفظ تھا۔ آپ آغاز جدوجہد (**1945**ئ) سے لے کر زندگی کی آخری سانسوں (**2003**ئ) تک اِس مقصد کے حصول میں مصروفِ عمل رہے۔ آپ کی ساری زندگی جہدِ مسلسل سے عبارت ہے۔ آپ کی اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور تحفظ کی جدوجہد پاکستان سمیت ساری دنیا پر محیط ہے۔ آپ دعوت ارشاد، تزکیہ نفس کی تعلیم دینے والے پیر کامل، میدان سیاست میں حسینی سیاست و کردار کے علمبردار سیاستداں، بین الاقوامی اسلامی دانشور و مبلغ اسلام اور ایک لیجنڈ

(**Legend**) عالمی رہنما تھے۔

آج ہمیں زندگی کے ہر میدان میں علامہ شاہ احمد نورانی کی ذات نمایاں نظر آتی ہے۔ آپ نے زندگی بھر کسی موقع پر بھی ظلم و استبداد، کفر و گمراہی، جہالت اور بے انصافی سے

مصالحت نہیں کی۔آپ دین اسلام کی سچائیوں کے سچے علمبردار، بلند فکر اور بلند کردار انسان تھے۔بقول اقبالؒ آپ

نگہ بلند سخن دلنواز جاں پر سوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کیلئے

کے مصداق تھے۔آپ نے اپنے اسلاف سے ورثہ میں پائی ہوئی خوبیوں کی بدولت کسی بھی مرحلہ پر اپنی تگ ودو میں کمی نہیں آنے دی اور اپنے آپ کو اکیسویں صدی کے جدید ترقی یافتہ دور میں قرونِ اولیٰ کے مسلم رہنماء کی سیرت وکردار کا عملی نمونہ کے طور پر پیش کیا۔

نسل در نسل خدمت دین وملت کا سفر

علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کشادہ پیشانی، نورانی چہرہ، روشن وپر عزم آنکھیں، بارعب وبے ریا اجلی آواز، تصنع و بناوٹ سے عاری، شرافت ووضع داری کا پیکر، تہمت والزامات سے پاک وجود کی شخصیت کے مالک تھے۔سچ کہا کسی نے کہ "ثمر بار ہونے والے شجراُن زرخیز زمینوں اور موزوں موسموں میں پیدا ہوتے ہیں۔جہاں آسمان بھی اَبر رحمت کیلئے فیاض ہوتا ہے۔"

مبلغ اسلام علامہ عبدالعلیم صدیقی کے گھر میرٹھ میں پیدا ہونے والے علامہ شاہ احمد نورانی کا سلسلہ نسب والد کی طرف سے (39) ویں اور والدہ کی طرف سے (35) ویں پشت میں تحریک ختم نبوت کے قائد اوّل حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ سے جا ملتا ہے۔آپ نجیب الطرفین صدیقی النسل تھے اور آپ کے سیدھے پیر کے انگوٹھے میں صدیقیت کی نشانی ایک "تل" کی شکل میں موجود تھی۔

خیال وفکر کی سچائیاں بھی شامل ہیں
مرے لہو میں مرے شجرۂ نسب کی طرح

"علامہ شاہ احمد نورانی کا شمار پاکستان کی اُن چند نامور شخصیات میں ہوتا ہے۔جن کا خاندان نسل در نسل لوگوں کو دین کا شعور دیتا چلا آرہا ہے۔

برصغیر کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو ہمیں چند ہی ایسے خاندان دکھائی دیتے ہیں۔ جن کا اوڑھنا بچھونا صرف اسلام تھا۔ وہ ہر وقت دین میں مکمل مغلوب دکھائی دیتے ہیں۔ وہ جس مقام پر بھی رہے شب و روز دین کی خدمت کو اپنا شعار بنائے رکھا۔ مولانا شاہ احمد نورانی کے والد (ماجد) حضرت مولانا عبدالعلیم صدیقی نے "سفیر اسلام" بن کر دنیا میں پھیلے ہوئے جہالت اور گمراہی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں دین حق کی شمع فروزاں کی۔ عیسائیت کی رہبانیت سے تنگ شراب اور جنسی آلائش میں ڈوبے ہوئے مادر پدر آزاد معاشرے میں سکون کے متلاشی لوگوں کو اسلام کا عالمگیر پیغام امن و سکون پہنچایا۔ جس کی پناہ میں آنے سے رنگ و نسل اور بے راہ روی کے بت پاش پاش ہو جاتے ہیں۔

مولانا نورانی کے خاندان کی تاریخ کا مطالعہ کریں، تو برصغیر کی تاریخ کا سچا مورخ اِس حقیقت کا برملا اعتراف کرتا دکھائی دیتا ہے۔ کہ شاہی مسجد میرٹھ کے خطیب حضرت مولانا عبدالحکیم جوش میرٹھی (مولانا نورانی کے دادا) کی اسلام کیلئے وسیع خدمات تھیں۔ اِسی طرح اُن کے حقیقی بھائی مولانا اسماعیل میرٹھی نے اردو ادب میں اتنا گراں قدر کام کیا کہ اُن کی کاوشیں پرائمری سے ایم اے تک کی نصابی کتب میں عام ملتی ہیں۔"

(ایک عالم ایک سیاستداں مولانا شاہ احمد نورانی۔ ص3)

"مولانا عبدالحکیم جوش کے سب سے بڑے صاحبزادے اور علامہ عبدالعلیم صدیقی کے بڑے بھائی مولانا مختار احمد صدیقی (خلیفہ اعلیٰ حضرت) نے برما کے شہر مانڈلے میں اعلیٰ تعلیم کیلئے ایک درس گاہ کی بنیاد رکھی۔ ڈربن، افریقہ میں (مسلم کمیونٹی کی) عورتوں کو تعلیم کی طرف متوجہ کیا۔ 1908ء میں افریقہ سے "الاسلام" نامی اخبار جاری کیا۔ 1920ء

میں آپ نے تحریک خلافت میں حصہ لیا۔ سعودیوں (حکمرانوں) نے حجاز مقدس میں برسر اقتدار آنے کے بعد مقابر متبرکہ (مقامات مقدسہ کی بے حرمتی) کی توڑ پھوڑ کا سلسلہ شروع کیا۔ نجدیوں کے اِس اقدام کے خلاف عالم اسلامی میں ہلچل مچ گئی۔ 1924ء میں مسلمانان بمبئی نے سلطان سعود کو اِس حرکت سے باز رکھنے کیلئے آپ کی قیادت میں ایک وفد بھیجا۔ جناب سید حبیب صاحب ایڈیٹر سیاست لاہور اور مولانا فضل اللہ خاں مالک علیمیہ بک ڈپو بمبئی آپ کے رفقاء وفد تھے۔ آپ کے ہاتھوں کافی تعداد میں ہندؤں اور عیسائیوں نے اسلام قبول کیا۔

(تذکرہ علماء اہلسنت۔ ص 32، مبلغ اسلام علامہ شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی)

مولانا مختار احمد صدیقی کے چھوٹے بھائی مولانا نذیر احمد خجندی صدیقی جامع مسجد بمبئی کے خلیب تھے۔ قائداعظم دینی معاملات میں اکثر آپ سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ آپ کی امامت میں قائداعظمؒ نے متعدد مواقع پر نماز عید ادا فرمائی۔ قائداعظم نے جب رتن بائی سے شادی کا فیصلہ کیا تو مولانا نذیر احمد میرٹھی کے ہاتھوں انہیں اسلام قبول کروایا اور آپ ہی نے قائد اعظمؒ سے رتن بائی کا نکاح پڑھایا۔ مولانا نذیر احمد میرٹھی صدیقی کا دوران حج مدینہ منورہ میں انتقال ہوا۔ آپ کو جنت البقیع میں اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قدموں میں تدفین کی جگہ ملی۔ مولانا عبدالحکیم جوش رحمۃ اللہ علیہ کے دیگر صاحبزادوں میں مولانا بشیر احمد صدیقی، مولانا صدیق احمد صدیقی، مولانا خلیل احمد صدیقی اور مولانا حمید احمد صدیقی شامل ہیں، اِن تمام حضرات کا شمار اچھے نعت گو شعراء میں ہوتا ہے۔

مبلغ اسلام علامہ عبدالعلیم صدیقی چودہ بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ آپ کی پیدائش 1892ء میں ہوئی۔ ابھی آپ کی عمر صرف چھ سال تھی کہ والد ماجد علامہ عبدالحکیم جوشؒ کا انتقال ہو گیا۔ آپ نے اپنے وصال سے کچھ عرصہ پہلے مولانا عبدالعلیم صدیقیؒ کی والدہ سے مخاطب ہو کر علامہ عبدالعلیم صدیقیؒ کے بارے میں پیشین گوئی فرمائی تھی کہ

"مشرق سے لیکر مغرب تک اور شمال سے لے کر جنوب تک اس (عبدالعلیم صدیقی) کی عزت وتکریم ہوگی اور اللہ تعالیٰ اِس کو مبلغ اسلام بنائے گا۔" چنانچہ وقت نے آپ کے الفاظ سچ ثابت کردکھائے۔ علامہ عبدالعلیم صدیقی نے دنیا کے تمام براعظموں میں دین کی اشاعت اور اسلام کا علم بلند کرکے عزت و شہرت حاصل کی اور" مبلغ اسلام" کہلائے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم وتربیت اور بیعت وخلافت بڑے بھائی مولانا مختار احمد صدیقیؒ سے حاصل کی۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی نے بھی آپ کو اپنی سندِ خلافت واجازت سے نوازا۔" اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کے ہی حکم پر آپ نے اپنی زندگی تبلیغ دین اور خدمت اسلام کیلئے وقف کردی اور اپنے نجی خرچ پر اسلام کا پیغام دنیا کے کونے کونے میں پہنچایا۔"

(تاریخ تمدن انڈونیشیا جلد اول ص 410 شائع کردہ شعبہ اطلاعات سفارت خانہ انڈونیشیا کراچی)

جناب پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد صاحب مرحوم علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کے والد ماجد مبلغ اسلام علامہ عبدالعلیم صدیقی کوخراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"ان علمائے حق کی پاک سیرتیں اسلام اور ملت اسلامیہ کیلئے باعث افتخار ہیں۔ حضرت مولانا میرٹھی انہی جلیل القدر مبلغین میں نہایت ممتاز نظر آتے ہیں انہوں نے اسلام کی تبلیغ اِس طرح فرمائی کہ تبلیغ کا حق ادا کردیا۔ حضرت مولانا میرٹھی کے شیخ مجاز امام احمد رضا نے مندرجہ ذیل چار چیزوں کی طرف خاص طور پر اپنی توجہ مرکوز کی۔

۱۔ فقہ حنفی کے مطابق فتویٰ نویسی　　　۲۔ تدریس علوم دینیہ

۳۔ گستاخان رسول کی سرکوبی　　　۴۔ تبلیغ دین اسلام

امام احمد رضا کے خلفاء وتلامذہ میں بعض وہ حضرات ہیں جو بحیثیت فقیہہ،

مفتی مشہور ہوئے، بعض وہ ہیں جو بحیثیت معلم و مدرس مشہور ہوئے، بعض وہ ہیں جو بحیثیت مناظر اسلام مشہور ہوئے اور بعض وہ ہیں جو بحیثیت مبلغ اسلام مشہور ہوئے گویا امام احمد رضا کی جامعیت کے مختلف پہلو فرداً فرداً خلفاء و تلامذہ میں نظر آئے۔

مبلغ اسلام علامہ عبدالعلیم صدیقی رحمتہ اللہ علیہ اس صدی کے مبلغین اسلام کے قافلہ سالار ہیں۔ انہوں نے دنیا کے بیسیوں ملکوں کا دورہ کیا اور ہزاروں غیر مسلموں کو مشرف با اسلام کیا۔ جن میں پروفیسر بھی ہیں، دانشور بھی ہیں، عمائدین اور اعیان مملکت بھی ہیں، پھر ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کو مرید کر کے اُن کی روحانی اصلاح بھی فرمائی........ ہزاروں غیر مسلموں کو مشرف با اسلام کیا۔ حضرت مولانا میرٹھی کو دوسری زبانوں کے علاوہ انگریزی زبان پر حیرت انگیز عبور حاصل تھا۔ تبلیغ اسلام کیلئے حضرت مولانا میرٹھی نے تقریباً 35 ملکوں کا دورہ کیا۔ عوام سے لے کر خواص تک اور خواص سے لے کر اعیان حکومت تک رابطے کئے اور اسلام کا پیغام پہنچایا........ مختلف ملکوں میں سینکڑوں تعلیمی، علمی، دینی، اور رفاہی ادارے قائم کئے، مدرسے اور مسجدیں بنوائیں، کتب خانے قائم کئے اور اخبارات و رسائل جاری کرائے۔

علامہ عبدالعلیم صدیقی کا شمار تحریک پاکستان کے صف اوّل کے رہنماؤں میں ہوتا ہے۔ علامہ عبدالعلیم صدیقی نے تحریک ترک موالات اور تحریک خلافت میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی جوہر کے شانہ بشانہ کام کیا اور 1922ء میں چھ (6) ماہ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ قائد اعظم نے مبلغ اسلام مولانا عبدالعلیم صدیقی کو اسلامی ممالک میں پاکستان کے حق میں رائے عامہ ہموار کرنے اور پاکستان کیلئے حمایت حاصل کرنے

کی ذمہ داری پر مامور کیا تھا۔ یہ ذمہ داری احسن طریقے سے ادا کرنے پر قائداعظم نے مولانا عبدالعلیم صدیقی کو" سفیر اسلام" کا خطاب عطا کیا۔ خدمت اسلام کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا میرٹھی علیہ الرحمۃ نے سیاست میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ 1940ء میں قرارداد پاکستان منظور ہونے کے بعد بھی آپ نے قیام پاکستان کیلئے جدو جہد جاری رکھی۔ 1946ء میں آل انڈیا سنّی کانفرنس" بنارس" کے تاریخی اجلاس میں شریک ہوئے۔ پھر بیرون ہند پاکستان کیلئے انتھک کوشش کی۔ 1948ء میں اسلامی مسودہ آئین کی تیاری کے سلسلے میں سعی فرمائی۔ وہ قائداعظم کے قریب تھے اور قائداعظم اُن پر اعتماد فرماتے تھے۔"

(مبلغ اسلام علامہ شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی۔ ص 8-7)

قیام پاکستان کے بعد علامہ عبدالعلیم صدیقی نے علامہ عبد الحامد بدایونی، علامہ ابو الحسنات محمد احمد قادری، مفتی صاحبداد خان، علامہ سید احمد سعید کاظمی، پیر صاحب بھر چونڈی شریف پیر غلام مجدد سرہندی و دیگر علماء و مشائخ عظام کے ساتھ مل کر ایک جامع اسلامی دستور تیار کیا اور اسے علامہ عبدالحامد بدایونی اور مخدوم ناصر جلالی کے ہمراہ قائداعظم کی خدمت میں پیش کیا۔ اسلامی آئین پر قائداعظم سے آپ کی یہ ملاقات تین گھنٹے جاری رہی اور اس ملاقات میں

"قائداعظم نے مبلغ اسلام اور علماء کی کوششوں پر بے انتہا مسرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا، انشاء اللہ قومی اسمبلی کے منظور کرنے پر بہت جلد اِس اسلامی آئین کو نافذ کر دیا جائے گا۔ لیکن اِس کے بعد قائداعظم شدید علیل ہو گئے اور اسی بیماری کے دوران آپ کا انتقال ہو گیا اور اِس طرح بابائے قوم علماء سے کیا ہوا وعدہ پورا نہ کر سکے۔"

(روزنامہ جنگ راولپنڈی 27، جنوری 1971ئ)

قائداعظم محمد علی جناح آپ کی ہمہ جہت شخصیت سے بے انتہا متاثر تھے اور اِسی وجہ

سے قائداعظم نے آپ کو اسلامی دنیا میں پاکستان کیلئے رائے عامہ ہموار کرنے اور پاکستان کی نمائندگی کرنے کا فریضہ سونپا تھا۔ پاکستان بننے کے بعد قائداعظم نے آپ ہی کی اقتداء میں پہلی نماز عید کراچی کے عیدگاہ میدان میں ادا کی تھی۔ یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ تحریک پاکستان کے غیر جانبدارانہ جائزے میں یہ بات طے شدہ ہے کہ اس تحریک میں ابتداء سے لے کر قیام پاکستان تک صرف اور صرف علماء و مشائخ اہلسنّت وجماعت ہی شامل تھے۔ علماء اہلسنّت کی عوام میں مقبولیت اور مطالبہ پاکستان کی شدت کے پیش نظر جب علمائے دیوبند نے یہ محسوس کیا کہ وہ نہ صرف اس تحریک سے کٹتے جا رہے ہیں۔ بلکہ برصغیر کے مسلمان علمائے دیوبند کی مسلم لیگ کے مقابلے میں جمعیت علمائے ہند و کانگریس کی حمایت کی وجہ سے اُن سے دور ہوتے جا رہے ہیں تو اُن کے پاس سوائے مصلحت کوشی کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ لہٰذا مولوی اشرف علی تھانوی نے 1938ء میں پٹنہ میں مسلم لیگ کے منعقدہ اجلاس میں مسلم لیگ کی حمایت کا یقین دلانے کیلئے جو وفد قائداعظم کے پاس بھیجا تھا۔ وہ دیوبند کے صف دوم کے علماء پر مشتمل تھا۔ قائداعظم کے رفیق خاص "مرزا ابوالحسن اصفہانی" لکھتے ہیں کہ

> "1936ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کونسل اور مرکزی پارلیمانی بورڈ کے لاہور میں منعقدہ اجلاس (جس کی صدارت قائداعظم محمد علی جناح نے کی تھی) میں مولانا حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ، اور مولانا احمد سعید دہلوی نے بھی خطاب کیا تھا اور کہا تھا کہ دیوبند کا ادارہ اپنی تمام خدمات لیگ کیلئے پیش کر دے گا۔ بشرطیکہ پروپیگنڈہ کا خرچ لیگ برداشت کرے، اس کام کیلئے پچاس ہزار روپے کی رقم بھی طلب کی گئی، جو لیگ کی استعداد سے باہر تھی۔ اس لیے قائد اعظم محمد علی جناح نے اس مطالبے کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ نہ (تو) اتنا سرمایہ لیگ کے پاس فی الوقت موجود ہے اور نہ ہی اس کا مستقبل میں امکان ہے۔ اس لیے صرف قومی جذبہ کے پیش نظر کام کیا جائے۔ ان علماء کو اس سے مایوسی ہوئی اور وہ رفتہ رفتہ ہندو کانگریس کی طرف ڈھلتے گئے اور کانگریس کیلئے پرچار کرنے

لگے جو ظاہر ہے کہ اُن کے مالی تقاضے پورے کرسکتی تھی۔"

(قائداعظم میری نظر میں۔ص30)

شاہ عبدالعلیم صدیقی کی تبلیغ واشاعت اسلام کے سلسلہ میں خدمات کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ اس کیلئے ایک دفتر درکار ہے۔آپ نے اپنی حیات مبارکہ کے چالیس سال امریکہ، براعظم افریقہ، انگلینڈ، انڈونیشیا، سنگاپور، ملایا، چین، جاپان، کینیڈا، فرانس، ٹرینی ڈاڈ، فلپائن، شام، مڈغاسکر، تھائی لینڈ، تنزانیہ، یوگنڈا، جزائر غرب الہند، لبنان اور فلسطین وغیرہ میں تبلیغ اسلام میں گزارے۔ملایا میں عربی یونیورسٹی کی بنیاد ڈالی، کئی مساجد تعمیر کروائیں۔جن میں کولمبو کی عظیم الشان حنفی جامع مسجد، سنگا پور کی سلطان مسجد، جاپان کی ناگریا جامع مسجد، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔آپ کے ہاتھوں ساٹھ ہزار (دوسری روایت کے مطابق ایک لاکھ) سے زائد غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا۔جن میں قابل ذکر نام بورینو کی شہزادی، ماریشس کے گورنر، ٹرینی ڈاڈ کی خاتون وزیر، اور ڈاکٹر صادق جارج انٹیونوف جیسے ممتاز امریکن سائنسدان شامل ہیں۔

شاہ عبدالعلیم صدیقی لادینیت اور بدمذہبیت کے خلاف ساری زندگی جہاد کرتے رہے۔

مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی قادیانیوں کے اہم مخالفین میں سے تھے۔اورآپ نے ردّ مرزائیت میں بہت ہی اہم کردار ادا کیا۔انہوں نے جنوبی امریکہ، افریقہ، یورپ، سیلون، انڈونیشیا، ملائیشیا، برما، اورعرب ریاستوں میں قادیانیت کے خلاف بھرپور مہم چلائی۔انڈونیشیا کی سب سے بڑی تنظیم "جمعیت المحمدیہ" کے پلیٹ فارم سے عیسائی مشنریوں اور قادیانیت کے حملوں کے خلاف دین اسلام کی تعلیمات کی حفاظت کا اہم سرفریضہ انجام دیا۔ملایا میں مولانا عبدالعلیم صدیقی نے عربی، انگریزی اور اردو میں تقاریر کے ذریعے قادیانی اثرات کو زائل کرکے مسلمانوں کی مذہبی زندگی کو حیات نو بخشی۔

اسی طرح ماریشس میں بھی قادیانیوں کا مقابلہ کیا اوراس کام کیلئے حزب اللہ نامی تنظیم کی بنیاد ڈالی۔شاہ عبدالعلیم صدیقی نے قادیانیت کے ردّ میں انگریزی زبان میں کتاب لکھی۔جس کا نام "The Mirror" ہے۔اِس کتاب کا عربی زبان میں ترجمہ "المرآۃ" کے نام سے ہوا۔اِس کتاب کے علاوہ انہوں نے ایک کتاب اردو میں بھی تحریر کی۔جس کا نام "مرزائی حقیقت کا اظہار" ہے۔جب آپ کی

اِس کتاب کا ملائیشیا کی زبان میں ترجمہ شائع ہوا تو وہاں قادیانیوں کے خلاف زبردست تحریک چلی۔جس کے بعد ملائیشیا میں قادیانیوں کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا گیا۔

عالم اسلام کے اِس بطل جلیل نے 22، اگست 1954ء کو مدینہ منورہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قدموں میں مدفون ہوئے۔آپ کی نماز جنازہ خلیفہ اعلیٰ حضرت قطب مدینہ شیخ الاسلام علامہ ضیاء الدین مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی۔

نامور ادیب "نواب مشتاق احمد خاں" شاہ عبد العلیم صدیقی کو یوں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں

"اسلامی تعلیمات کو عوام میں مقبول بنانے کیلئے انہوں نے ہر وہ اقدام کیا جس کی حالات کے تحت ضرورت محسوس کی گئی۔دنیا کے ہر گوشہ میں مسجدیں اور ادارے قائم کئے۔وہ ہر ملّی تحریک میں پیش پیش رہے۔تحریک خلافت میں کچھ وقت مولانا محمد علی جوہر کے ساتھ کام کیا۔شدھی تحریک کے سامنے بند باندھنے میں بھی حصہ لیا۔تحریک پاکستان میں بھی نمایاں حصہ لیا اور ہندوستان کے چپہ چپہ میں جا کر اس تحریک کو روشناس کرایا۔بیرون ملک پاکستان کے مخالفین سے مناظرے کئے اور الحمد للہ انہیں نیچا دکھایا........مولانا شاہ عبد العلیم صدیقی ایک یگانہ روزگار شخصیت تھے۔انہوں نے اپنی عمر، ذہنی اور جسمانی قوتیں تبلیغ اسلام اور اللہ اور اُس کے رسول کے نام کی سربلندی کیلئے وقف کردیں،وہ مرد مومن تھے اور دین کی خدمت ہی اُن کا اوڑھنا بچھونا تھا۔"

(ماہنامہ ضیائے حرم لاہور شمارہ نومبر دسمبر 1978ئ)

جناب پیر علی محمد راشدی صاحب لکھتے ہیں کہ

"اُن کی تبلیغی کاوشوں اور اسلامی خدمات کا صحیح اندازہ مجھے تب ہوا، جب میں پاکستان کا سفیر بن کر فلپائن پہنچا۔میں جب 1957ء میں سفیر بن کر فلپائن پہنچا تو مجھے جاتے ہی محسوس ہونے لگا،اس شخص نے وہاں کے مسلمانوں کو

بیدار اور منظم کرنے میں اتنا بڑا کام کیا ہوا تھا جو اُن سے پہلے نہ کسی مسلمان ریاست سے نہ کسی باہر کے شیخ یا پیر سے ہو سکا تھا۔ اُن کا خود تو اِس سے پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا، مگر اُن کا نام فلپائن کے اسلامی حلقوں میں ہنوز گونج رہا تھا۔ گویا وہ اب بھی اُن میں موجود ہیں اور روحانی طریقہ سے اُن کی رہنمائی کررہے ہیں۔ خود پاکستان کے سفیر کو وہاں کے مسلم عوام اِس نسبت سے پہچانتے تھے کہ اِس کا تعلق اُس ملک سے ہے جہاں سے مولانا صاحب تشریف لائے تھے۔ ہر شخص اُن کے روحانی فیوضات بلکہ کرامات کا ذکر کرتے نہیں تھکتا تھا۔ مجھ سے براہ راست پوچھتے رہتے تھے کہ کیا میں نے بھی کچھ کرامات دیکھی ہیں؟۔ جس سے پوچھو وہ خود کوئی نہ کوئی عجیب وغریب بات بتاتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی تبلیغ کا کام انہوں نے اِس قدر عقل مندی اور دور اندیشی سے سرانجام دیا تھا۔ کہ ایک طرف تو مقامی مسلمانوں کو وہاں کی سوسائٹی کی دشمنی قبل از وقت مول نہ لینی پڑے اور دوسری طرف اُن میں اپنی جگہ پر یہ احساس بھی پیدا ہوتا جائے کہ بطور مسلمان اُن کی اپنی علیحدہ شخصیت ہے۔ مجموعی طور پر اُن کی کوشش یہ تھی کہ مسلمان پہلے اپنے وجود اور اپنے مقام کو پہچانیں اور منظم ہو کر اسلام کے رشتہ کو پکڑ لیں اور اِس کے بعد جو کچھ قدرت کو منظور ہوگا وہ اُن سے کروالے گی۔ بہر حال اُن کی کوششوں کا نتیجہ جو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا وہ مختصراً یہ تھا۔

1۔ مسلمانوں کو اپنے مذہب پر فخر محسوس ہونے لگا تھا۔

2۔ اُن میں اپنی اندرونی تنظیم آ گئی تھی۔

3۔ غیر مسلموں سے ہمسائیگی کی وجہ سے جو غیر اسلامی رسومات اُن میں پھیلنے لگی تھیں وہ مسدود ہوگئی تھیں۔

4۔ قرآن وحدیث سے اُن کی وابستگی پہلے سے بدرجہا زیادہ بڑھ گئی تھی۔

5۔مساجد تعمیر ہونے لگیں، مدرسے اور مکتب کھولے جارہے تھے۔دینی علوم پڑھانے کیلئے استاد اور کتابیں مصر سے منگوائی جاتی تھیں۔

6۔ارتداد اور شرک کے دروازے بند ہو گئے تھے۔پادریوں کی ساری کوششیں بیکار ثابت ہو رہی تھیں۔اُن کے اِس تعمیری پروگرام میں جو خاص چیزیں میں نے محسوس کیں وہ یہ تھیں۔

(1) یہ سارا پروگرام بغیر شور و غوغا ہوتا رہا اور اس کو بازاری، نمائشی یا سیاسی نہ بنایا جائے تاکہ وہ حقیقی دینی اور روحانی برکتوں سے محروم نہ ہو جائے۔

(2) معاشرتی اور ثقافتی طور پر ذاتی طرز زندگی میں مسلمان ایک غیر مانوس جانور یا بھوت نظر نہ آئیں۔یعنی دیکھنے میں یا عادات و اطوار کے لحاظ سے اِس معاشرہ میں ناقابل ارتباط وحشی نہ لگیں۔

(3) ذاتی یا سیاسی مقاصد کی خاطر بنیادی مذہبی روایات اور رسومات کو اِس قدر نہ بڑھایا جائے یا اِس غلو سے پیش نہ کیا جائے کہ اُس سے دشمنیاں بڑھیں اور دقیانوسیت کا پہلو سب چیزوں پر حاوی نہ ہو جائے اور ہمسائے خود ہمارے دین سے متنفر ہو جائیں۔(یہ بات اب ایران کی انقلابی تحریک کے قائد بھی محسوس کرنے لگے ہیں)

اس پروگرام پر انتہائی انہماک اور خموشی سے تقریباً چالیس سال کام ہوتا رہا۔تاوقتیکہ وہاں کے مسلمانوں کی ایک نئی نسل سامنے نہیں آگئی۔اِس کے بعد وہی ہونے لگا جو مولانا کی تحریک کی حقیقی روح تھی۔یعنی مسلم اقلیت نے اپنے حقوق حاصل کرنے کیلئے ایک ناقابل تسخیر قوت بن کر اسلحہ بند جہاد شروع کر دیا اور اٹھارہ سال سے مقابلہ کر رہے ہیں۔یہ پودا تھا جو ہمارے مولانا عبدالعلیم رحمۃ اللہ علیہ نے آج سے ایک مدت پہلے وہاں لگایا تھا اور جواب پھل پھول رہا تھا۔"

(روزنامہ جنگ لاہور 21، ستمبر 1984ء)

علامہ شاہ احمد نورانی والد محترم کے نقش قدم پر

علامہ شاہ احمد نورانی نے اپنے والد محترم علامہ عبدالعلیم صدیقی کے تبلیغی مشن کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا اور والد صاحب کی زندگی ہی میں اُن کے ساتھ تبلیغی دوروں پر جانے لگے تھے 1954ء میں علامہ عبدالعلیم صدیقی کے انتقال کے بعد آپ نے اپنے والد کے تبلیغی مشن سے باقاعدہ وابستگی اختیار کرلی اور اپنے والد کے مشن کو بہتر طریقے سے سرانجام دینے کا عزم کر کے عملی طور پر اس سے وابستہ ہو گئے۔ 1953ء کی تحریک ختم نبوت کے بعد سے لے کر 1969ء تک آپ نے اپنا زیادہ تر وقت بیرون ملک تبلیغی دوروں میں گزارا اور اس دوران علامہ شاہ احمد نورانی نے اشاعت اسلام کے ساتھ ساتھ قادیانیوں کی سرگرمیوں کا بھی نہایت باریک بینی سے جائزہ لیا۔ آپ پر یہ حقیقت منکشف ہو چکی تھی کہ قادیانیت اسلام کے خلاف یہود و نصاریٰ کی ایک منظم ترین سازش ہے۔ ان تبلیغی دوروں کے دوران قادیانی، اسرائیل گٹھ جوڑ اور مرزائی انگریز تعلقات خصوصی طور پر آپ کے زیر مطالعہ رہے اور آپ بالخصوص بیرون ملک قادیانیوں کی خطرناک سرگرمیوں اور عزائم سے مسلمانوں کو آگاہ کرتے رہے۔ اشاعت اسلام اور قادیانیوں کی اسلام دشمن سرگرمیوں سے دنیا بھر کے مسلمانوں کو آگاہ کرنے کیلئے آپ نے 1955ء سے لیکر 1969ء تک جن مختلف ممالک کے تبلیغی دورے کئے، اُن کی مختصراً تفصیل درج ذیل ہے۔

☆1955ء میں علامہ شاہ احمد نورانی عالم اسلام کی قدیم درسگاہ جامعہ ازہر مصر کے علماء کی دعوت پر قاہرہ تشریف لے گئے۔

☆1956ء اور 1958ء میں مولانا شاہ احمد نورانی نے مفتی اعظم روس حضرت مفتی ضیاء الدین بابا خانوف کی خصوصی دعوت پر روس کا تبلیغی دورہ کیا۔ اور سوشلسٹ معاشرے کا گہری نظر سے مطالعہ کیا۔ اس دورے کے دوران آپ نے ازبکستان، تاشقند، سمرقند، بخارا وغیرہ کے مسلمانوں میں دینی جذبہ پیدا کرنے کیلئے ان علاقوں کا تفصیلی دورہ کیا۔ روس کے اس دورے کے دوران علامہ نورانی

نے سوشلسٹ رہنما لینن کی قبر پر پھول چڑھانے سے بھی انکار کر دیا۔

☆1959ء میں علامہ شاہ احمد نورانی نے مشرقِ وسطیٰ کا خیر سگالی دورہ کیا۔

☆1960ء میں علامہ شاہ احمد نورانی نے مشرقی افریقہ، مڈغاسکر اور ماریشس کا تبلیغی دورہ کیا۔

☆1961ء میں علامہ شاہ احمد نورانی نے سیلون سری لنکا، شمالی افریقہ کا تبلیغی دورہ کیا۔

☆1962ء میں آپ نائجیریا کے وزیر اعظم احمد و بیلو شہید کی دعوت پر وہاں تشریف لے گئے۔ اور اُن کے ذاتی مہمان کی حیثیت سے تین ماہ کا نائجیریا کا تبلیغی دورہ فرمایا۔ اس کے بعد آپ صومالیہ، کینیا، ٹانگانیکا، یوگنڈا، اور ماریشس بھی تشریف لے گئے۔

اِسی سال علامہ شاہ احمد نورانی اپنی بے پناہ تبلیغی مصروفیات کے باوجود قطب مدینہ مولانا ضیاء الدین مدنی کی پوتی اور مولانا فضل الرحمن مدنی کی صاحبزادی سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے، آپ کا نکاح مسجد نبوی میں انجام پایا، استاذ العلماء مفتی جمیل احمد نعیمی اور مفتی غلام قادر کشمیری آپ کے نکاح کے گواہ ہیں۔

☆1963 میں علامہ شاہ احمد نورانی ترکی، فرانس، مغربی جرمنی، برطانیہ، ماریشس، نائجیریا، اور اسکنڈے نیوین ممالک کے تبلیغی دورے پر تشریف لے گئے۔ آپ نے اسی سال چینی مسلمانوں کی دعوت پر چین کا تبلیغی دورہ بھی کیا۔

☆1964ء میں آپ نے امریکہ، جنوبی امریکہ اور کینیڈا کا تبلیغی دورہ کیا۔

☆1965ء میں علامہ شاہ احمد نورانی نے کینیا، تنزانیہ، یوگنڈا، مالاگوی، ماریشس اور سرینام کا تبلیغی دورہ کیا۔ اس دورے سے واپسی پر کراچی میں علامہ عبدالحامد بدایونی کی جانب سے اپنے اعزاز میں دیئے گئے استقبالیہ سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ "افریقی مسلمانوں نے پاکستان کے خلاف بھارتی جارحیت کی شدید مذمت کی ہے۔ اپنے گیارہ ماہ قیام کے دوران جہاں بھی گیا میں نے محسوس کیا کہ افریقی مسلمان اسلام کو اسی طرح پسند کرتے ہیں۔ جس طرح قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے پسند کیا تھا۔ سینگال، تنزانیہ، نائجیریا، مڈغاسکر، کانگو، چاڈ، داہومی، آئیوری کوسٹ کے لوگ اچھی عادات کے حامل ہیں اور اپنی عادات کی وجہ سے وہ روز بروز اسلام کے قریب ہوتے

جارہے ہیں۔"

☆علامہ شاہ احمد نورانی نے اسی سال سُرینام جنوبی افریقہ میں سات ماہ کا قیام کر کے قادیانی فتنہ کو کچلا اور مناظرے میں قادیانیوں کو ایسی عبرت ناک شکست فاش دی کہ اس کے بعد پھر کبھی کسی مرزائی کو کسی سنّی عالم کے مقابلے میں آنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

☆1967ء میں علامہ شاہ احمد نورانی نے جمعیت تبلیغ الاسلام کی دعوت پر شمالی انگلینڈ کا تبلیغی دورہ کیا۔اس کے علاوہ جنوبی امریکہ کا بھی تبلیغی دورہ کیا۔

☆1968ء میں علامہ شاہ احمد نورانی نے اسلامک ریویو لندن کے قادیانی ایڈیٹر سے ٹرینی ڈاڈ میں ساڑھے پانچ گھنٹے طویل مناظرہ کیا۔اس مناظرے میں قادیانی ایڈیٹر اپنی کتابیں چھوڑ کر بھاگ گیا اور نتیجتاً قادیانیوں کو ذلت و ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔جس سے کئی قادیانیوں نے قادیانیت سے تائب ہو کر اسلام قبول کرلیا۔

اہلسنّت کی مذہبی وسیاسی صورتحال اور جمعیت علماء پاکستان کا قیام

1857ء کی جنگ آزادی سے لے کر 14، اگست 1947ء تک عوام اور علماء و مشائخ اہلسنّت کی لازوال قربانیوں کا ثمر پاکستان دنیا کے نقشے پر دو قومی نظریئے کی بنیاد پر وجود میں آیا اور علماء و مشائخ اہلسنّت نے قیام پاکستان کی تحریک میں ہراول دستے کا کردار ادا کرتے ہوئے اس جدوجہد میں آل انڈیا مسلم لیگ کے شانہ بشانہ کام کیا۔آج تاریخ کا کوئی بھی مورخ اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا کہ تحریک پاکستان کے سفر میں کوئی ایک موڑ بھی ایسا نہیں ہے۔جہاں پر یہ حضرات علماء و مشائخ رہبری ورہنمائی کرنے کیلئے موجود نہ رہے ہوں۔

قیام پاکستان کے بعد علماء اہلسنّت نے پاکستان کو دو قومی نظریئے کے سانچے میں ڈھالنے کی توقعات پاکستان کی خالق جماعت مسلم لیگ سے وابستہ رکھیں۔

"قیام پاکستان کے بعد سنّی علماء کو اُمید تھی کہ آل انڈیا مسلم لیگ کی قیادت تحریک پاکستان کے دوران کئے گئے اپنے وعدے کے مطابق نوزائیدہ مملکت میں اسلامی نظام نافذ کرے گی۔لیکن آل انڈیا مسلم لیگ کیلئے اِس کام کو عملی

جامہ پہنانا آسان کام نہیں تھا۔ چنانچہ مذہبی وسیاسی جماعتوں نے اسمبلی سے باہر اپنا کام شروع کر دیا اور رفتہ رفتہ انہوں نے حکومت پر دباؤ بڑھایا کہ وہ پاکستان پینل کوڈ اور دیگر غیر اسلامی قوانین کو فوراً اسلامی قوانین میں تبدیل کرے۔"

(جمعیت علماء پاکستان 1948~1979ئ۔از، پروفیسر مجیب احمد)

پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان کی شہادت اور اُس کے بعد اقتدار کی غلام گردشوں میں کھیلے جانے والے کھیل نے پاکستان کو اُس کے حقیقی نصب العین سے دور کر دیا۔ اس دوران بد قسمتی سے ایک ایسا طبقہ ابھر کر سامنے آ گیا۔ جس کے وابستگان نے تحریک پاکستان میں کہیں بھی کوئی سرگرمی نہیں دکھائی۔ اِن افراد کے نزدیک پاکستان "پلیدستان" تھا۔ برصغیر کے مسلمانوں کے محبوب قائد قائداعظم محمد علی جناح "کافر اعظم" تھے۔ تحریک پاکستان اور قیام پاکستان کی مخالفت میں اِس گروہ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ یہ لوگ تو یہاں تک دعویٰ کرتے رہے کہ "اب تک کسی ماں نے ایسا بچہ نہیں جنا جو پاکستان کی "پ" بھی بنا دے"۔ یہ وہی لوگ تھے، جنہوں نے علی الاعلان تحریک پاکستان اور قیام پاکستان کی مخالفت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں چھوڑا۔ لیکن آج یہ لوگ اقتدار کے مزے لوٹ رہے تھے۔

"سنّی علماء نے پاکستان مسلم لیگ اور جمعیت علماء اسلام کے درمیان بڑھتے ہوئے قریبی تعلق کو اِس وقت شدت سے محسوس کیا جب جمعیت علماء اسلام کے صدر مولانا شبیر احمد عثمانی کو سی، اے، پی Constituent Assembly of Pakistan کا ممبر منتخب کیا گیا۔ جو مسلم لیگ کے حلقے میں شیخ الاسلام کے نام سے جانے جاتے تھے۔ سرکاری توثیق کے بغیر اُن کی تقرری کو بریلوی علماء کیلئے نظر انداز کرنا ممکن نہیں تھا۔ اِس عمل نے سنّی علماء کو نئے سیاسی سیٹ اپ میں اپنے مقام کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنے پر مائل کیا اور 4، مارچ 1948ء کو مولانا سیّد احمد سعید کاظمی نے مولانا

ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری کی توجہ ایک خط کے ذریعے دوسرے فرقوں کے اتحاد اور پاکستان میں اہلسنّت کی تقسیم کی طرف مبذول کرائی۔"

(جمعیت علماء پاکستان 1979~1948ئ۔از، پروفیسر مجیب احمد)

علامہ سیّد احمد سعید کاظمی نے علامہ ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری کو اپنے مکتوب 4، مارچ 1948ء میں اِس صورتحال کی جانب اشارہ کرتے ہوئے لکھا کہ

"دنیا کے گوشے گوشے میں بیداری کی لہر دوڑ گئی ہے۔مگر ہم خواب غفلت میں مدہوش ہیں۔اِس کے برعکس اغیار نے ہمیشہ موقع شناسی سے کام لیا۔حالات کا گہری نظر سے جائزہ لیا اور جو قدم اٹھایا برمحل اور مقتضائے حال کے مطابق اٹھایا۔چنانچہ ان کی مشہور شخصیتیں اور جماعتیں جواب سے قریباً دو سال تک نظریہ پاکستان اور اس کے قیام کی شدید ترین مخالفت کرتی رہیں۔آج قیام پاکستان کے بعد بھی اِن جماعتوں کے بیشتر افراد پاکستان کی مخالفت ہی کیے جاتے ہیں۔اِن کی دورخی اور موقع شناسی برابر کارفرما ہے۔جب انہیں قیام پاکستان کا یقین ہو چلا تو انہوں نے حیرت انگیز طور پر مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کرلی اور کچھ ایسا رسوخ پیدا کیا کہ اُن کا ایک فرد (مولانا شبیر احمد عثمانی) ایک ہی جست میں منصب دستور سازی پر فائز ہو کر پاکستان کی اسمبلی پر چھا گیا۔ادھر یہ حقیقت ہے کہ ہم نے ہمیشہ مسلم لیگ کی حمایت کی اُس کا ساتھ دیا اور قیام پاکستان کے سلسلہ میں اپنی تمام کوششیں صرف کردیں۔جانی ومالی قربانی میں کوئی دریغ نہیں کیا۔اللہ کے کرم سے اپنے اور بیگانوں کی شدید مخالفتوں کے باوجود پاکستان قائم ہوگیا۔مگر ہماری عدم تنظیم نے ہمیں یہ وقت دکھایا کہ آج اِس حکومت پاکستان میں جس کا قیام ہماری قربانیوں کا نتیجہ ہے۔ہمیں کوئی امتیاز و وقار حاصل نہیں۔نہ ہماری خدمات کا کوئی نتیجہ ہے۔ہمارا مستقبل شدید خطرات میں گھرا ہے۔مستقبل قریب میں جو طوفانی انقلاب

رونما ہوتا نظر آ رہا ہے۔ اُس کی تہہ میں ہمارے مخالفین کی طاغوتی طاقتیں ہمیں کچلنے اور حرف غلط کی طرح مٹا دینے کے درپے نظر آتی ہیں۔ ہم اس طرح غیر منظم و منتشر رہے تو اس کا انجام ظاہر ہے۔

ہر جماعت کا وجود اُس کے کارہائے نمایاں کی بنا پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ انفرادی کام کی کوئی وقعت نہیں ہوتی اور نہ انفرادی زندگی و عزت کی، اس لیے اب تک جو ہوا سو ہوا، اس پر افسوس کا وقت نہیں رہا۔ اگر ہم عزت و وقار کے ساتھ رہنے اور اپنے صحیح مذہب و مسلک کی بقاء کے خواہش مند ہیں تو ہمیں فی الفور ایک مرکز پر ایسی وسیع اور مستحکم تنظیم کے ساتھ منظم ہونا پڑے گا کہ ہمارا ایک فرد بھی ہم سے جدا نہ رہے۔ آفتاب اُمید کی شعاعیں چمکتی نظر آتی ہیں۔ خدا کی رحمت ہماری حرکت کی منتظر ہے۔ ہمیں کسی کو گرانا نہیں۔ بلکہ اپنے گرے ہوؤں کو اٹھانا ہے۔ ہمارا مقصد کسی سے برسرپیکار ہونا نہیں۔ نہ ہم چاہتے ہیں کہ کسی مذہبی اور سیاسی جماعت سے متصادم ہوں۔ ہم تو اہلسنّت کی تسبیح کے بکھرے ہوئے دانوں کو وسیع تنظیم کے مضبوط رشتے میں پرونا اور ایک امیر اہلسنّت کی قیادت میں منظم اور مجتمع کر کے یہ چاہتے ہیں کہ مملکت خداداد پاکستان کی ایسی صحیح دینی اور ملی خدمت کریں کہ وہ آئین شریعت کے مکمل نفاذ کے ساتھ صحیح معنوں میں اسلامی سلطنت بن جائے۔"

(مقالات کاظمی حصہ دوم۔ ص، 467-464)

اِس مکتوب میں "مولانا کاظمی نے خاص طور پر شبیر احمد عثمانی کی سی، اے پی میں تقرری کو ظاہر کیا۔ مولانا کاظمی کے خیال میں یہ علمائے (دیوبند) اسلامی آئین کی تشکیل میں مخلص نہیں تھے۔ درحقیقت وہ اہلسنّت کے حقوق کیلئے کام کر رہے تھے۔ (اسلئے) انہوں نے اِس بات کو بھی واضح کیا کہ وہ (علامہ کاظمی) کسی بھی فرقے یا عقیدے کے خلاف نہیں ہے۔ لیکن چونکہ وہ

اکثریت میں ہیں۔ اسلیئے اُن کا حق اور ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ سنّیوں کے حقوق [redacted]ظ کریں اِس سے پہلے کہ دوسرے انہیں کچل دیں۔ وہ چاہتے تھے کہ سنّی متحد ہو کر ایک امیر اہلسنّت کی زیر قیادت پاکستان کو اسلامی مملکت بنانے کیلیئے کام کریں۔"

(جمعیت علماء پاکستان 1979~1948ئ۔ از، پروفیسر مجیب احمد)

علامہ سیّد سعید احمد کاظمی کے مکتوب سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی نگاہِ بصیرت اہلسنّت و جماعت کی موجودہ حالت زار اور انہیں مستقبل میں درپیش چیلنجوں اور اٹھنے والے طوفانوں کو دیکھ رہی تھی۔ جس کی وجہ سے آپ پاکستان میں سنّیوں کے مستقبل کے بارے میں بہت فکر مند تھے۔ چنانچہ آپ نے 28، مارچ 1948ء کو ملتان میں اہلسنّت و جماعت کی نمائندہ تنظیم "جمعیت علماء پاکستان" کی بنیاد رکھی، جمعیت علماء پاکستان کے سب سے پہلے صدر غازیٔ کشمیر علامہ ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری، ناظم اعلیٰ علامہ سیّد احمد سعید کاظمی، نائب ناظم اعلیٰ مولانا غلام محمد ترنم اور ناظم اطلاعات مولانا محمد بخش مسلم قرار پائے۔

ملک میں "جمعیت علماء پاکستان کی پہلی مذہبی سیاسی جماعت تھی جو قیام پاکستان کے بعد قائم کی گئی۔ جون 1970ء تک اِس جماعت نے ایک مذہبی جماعت کا کردار ادا کیا۔ لیکن 1970ء کے الیکشن کے بعد پنجاب (دیہی) اور سندھ (شہری) کی مدد سے یہ ایک اہم سیاسی جماعت کی حیثیت سے ابھر کر سامنے آئی۔ بھٹو حکومت میں اِس جماعت نے قومی اسمبلی اور سندھ اسمبلی میں آئین سازی کیلیئے اہم خدمات انجام دیں۔

1977ء میں جمعیت علماء پاکستان، پاکستان قومی اتحاد کا حصہ تھی اور اِس جماعت نے بھٹو مخالف تحریک کو "تحریکِ نظامِ مصطفیٰ" میں تبدیل کردیا۔ جولائی 1977ء کے فوجی انقلاب کے بعد اِس جماعت "جمعیت علماء پاکستان" کیلیئے مارشل لاء حکام سے تعاون کرنا مشکل تھا۔ جولائی

1978ء میں "جمعیت علماء پاکستان" نے پاکستان قومی اتحاد سے علیحدگی اختیار کر لی اور ایک آزاد سیاسی پارٹی کی حیثیت سے کام شروع کر دیا لیکن اکتوبر 1979ء میں جب حکومت نے تمام سیاسی جماعتوں پر پابندی لگا دی تو جمعیت علماء پاکستان نے "تحریکِ نظامِ مصطفیٰ" کے نام سے اپنا کام جاری رکھا۔"

(جمعیت علماء پاکستان 1979~1948ئی۔از، پروفیسر مجیب احمد)

جمعیت علماء پاکستان نے اپنے ابتدائی منشور میں "پاکستان کو اسلامی مملکت بنانے، معاشرے کو تمام معاشرتی و سماجی برائیوں سے پاک کرنے، مسلمانوں کے درمیان اسلامی طریقہ کار کو پھیلانے، انہیں عملی مسلمان بنانے، اُن کے درمیان روح جہاد بیدار کرنے، اُن کی توجہ مغربی تہذیب کے بجائے اسلامی تہذیب کی جانب مبذول کرانے، حکومت کی رہنمائی کیلئے سنّی علماء کو صوبائی اور قومی اسمبلی میں حق نمائندگی دینے، مساجد اور خانقاہوں کی اعانت، تعلیمی اداروں کی نصابی کتابوں کی نظر ثانی اور طلباء کیلئے تفسیر، حدیث، فقہ اور اسلامی تاریخ کو لازمی قرار دینے، مسلح افواج کو منظم کر کے اُن میں روح جہاد بیدار کرنے، پاکستان کی استحکام اور سلامتی کیلئے کسی قربانی سے دریغ نہ کرنے، پاکستان اور مسلم امّہ اور اسلام کی سربلندی اور امن کے قیام کیلئے کام کرنے، پاکستان بھر میں جمعیت علماء پاکستان کی شاخوں کا قیام اور سیاسی سرگرمیوں سے اجتناب، وغیرہ شامل تھے، اُس وقت جمعیت علماء پاکستان کی رکنیت صرف سنّی علماء، خطیب اور مذہبی ذہن رکھنے والے افراد کیلئے مخصوص تھی۔"

(جمعیت علماء پاکستان 1979~1948ئی۔از، پروفیسر مجیب احمد)

علامہ کاظمی اور علامہ ابوالحسنات نے اہلسنّت کو منظم کرنے کی کوششیں جاری رکھیں۔ لیکن اُس وقت بعض علماء و مشائخ نے آپ کی اِن کوششوں کا حوصلہ افزاء جواب دینے کے بجائے اپنے

خانقاہی نظام میں ہی مصروف رہنا ضروری خیال کیا۔ جبکہ حقیقتاً وقت کا تقاضہ یہ تھا کہ خانقاہوں سے باہر نکل کر رسم شبیری ادا کی جائے۔

جمعیت علماء پاکستان نے مذہبی جماعت کی حیثیت سے ملک میں نظام مصطفی ﷺ کے نفاذ اور مقام مصطفی ﷺ کے تحفظ کیلئے اپنی جدو جہد جاری رکھی۔ جمعیت کے قیام سے قبل مہاجرین کی آباد کاری ایک بہت بڑا مسئلہ تھا، جمعیت علماء پاکستان نے آباد کاری کے ساتھ ساتھ پاکستان کے اصل مقصد کو کبھی بھی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دیا، یہ اعزاز بھی جمعیت کو جاتا ہے کہ اُس نے سب سے پہلے ملک میں نظام مصطفی ﷺ کے نفاذ کا مطالبہ کیا اور 7 مئی 1948ء کو یوم شریعت کے عنوان سے پورے ملک میں تحریک شروع کی، 1948ء میں جمعیت علماء پاکستان نے جہاد کشمیر میں بھرپور حصہ لیتے ہوئے مجاہدین کیلئے عملی تعاون اور مالی امداد فراہم کی۔ جمعیت علماء پاکستان نے 1949ء میں قرارداد مقاصد کی منظوری، 1951ء میں علامہ عبدالحامد بدایونی کی قیادت میں مختلف مکاتب فکر کے علماء کرام کے ساتھ مل کر بائیس (22) نکات کی تیاری، 1953ء کی تحریک ختم نبوت اور 1956ء میں پاکستان کے آئین کی تدوین اور فقہ حنفی کو پبلک لاء بنانے کیلئے تاریخ ساز خدمات انجام دیں اور اس جدو جہد کے دوران جمعیت علماء پاکستان کے رہنماؤں نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر کے دار و رسن کی روایت کو ہمیشہ زندہ رکھا۔

24 تا 26 مارچ، 1952ء میں جمعیت علماء پاکستان نے آرام باغ کراچی میں سنی کانفرنس منعقد کی، جس میں حضرت علامہ شاہ احمد نورانی کی زیر صدارت آپ کی ایماء پر "مولانا ظہور الحسن درس" نے حُروں کے روحانی پیشوا حضرت پیر سید صبغت اللہ شہید پیر آف پگارا (جو نورانی صاحب کے والد محترم علامہ عبدالعلیم صدیقی کے ذاتی دوستوں میں سے تھے) کی گدی کی بحالی اور موجودہ پیر صاحب پگارا سیّد مردان علی شاہ صاحب کی وطن واپسی کا مطالبہ کیا اور مطالبات کی منظوری کیلئے بھرپور احتجاج کیا، عوامی دباؤ اور علماء کے احتجاج کو دیکھتے ہوئے حکومت نے جمعیت کا مطالبہ منظور کر لیا اور پیر صاحب پگارا کی یہ گدی بحال کر کے پیر صاحب پگارا کو وطن واپس آنے کی اجازت دے دی۔ اِسی طرح اگست 1952ء میں علامہ ابوالحسنات نے شمس العارفین پیر سید محمد اسماعیل شاہ بخاری حضرت

کرمانوالہ کی جائیداد کی بحالی کروائی۔ 1954ء تک جمعیت کے زیر انتظام لاہور سے تین اخبار "روزنامہ مغربی پاکستان (ایڈیٹر مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش)، ہفت روزہ سواد اعظم (ایڈیٹر سید غلام معین الدین نعیمی) اور ہفت روزہ الجمعیت (ایڈیٹر مولانا سیّد خلیل احمد قادری)" جاری ہو چکے تھے۔

یہ وہ دور تھا جب جمعیت علماء پاکستان انتخابی سیاست سے دور مذہبی وسماجی میدانوں میں مصروف عمل تھی۔اُس وقت جمعیت کے اکابرین کا خیال تھا کہ بطور پاکستان کی خالق اور سیاسی جماعت ہونے کے، مسلم لیگ کو ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کا کام کرنا چاہیے۔اسلیئے انہوں نے سیاسی سطح پر کئی بار مسلم لیگ کے ہاتھ مضبوط کئے۔لیکن ہر بار اقتدار کی غلام گردشوں اور بھول بھلیوں میں کھو جانے والے حکمرانوں نے نفاذ اسلام کے خواب کو شرمندہ تعبیر نہ ہونے دیا۔

1958ء میں ایوب خان کے مارشل لاء کے دوران جمعیت علماء پاکستان سمیت تمام سیاسی جماعتیں کالعدم قرار دے دی گئیں تو علامہ شاہ احمد نورانی نے اہلسنّت کے حقوق کے تحفظ کیلئے متبادل پلیٹ فارم کے طور پر ایک تنظیم "انجمن تبلیغ اسلام" کی بنیاد ڈالی۔جس میں علامہ عبدالحامد بدایونی ،مولانا محمد حسن حقانی ،علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری اور مفتی سیّد شجاعت علی قادری وغیرہ شامل تھے۔1964ء میں تمام کالعدم جماعتوں کی بحالی کے بعد آپ دوبارہ جمعیت علماء پاکستان کے پلیٹ فارم سے وابستہ ہو گئے۔لیکن ساتھ ہی انجمن تبلیغ اسلام کے کام کو بھی جاری رکھا۔

1968ء میں ایوب خان کے خلاف بحالی جمہوریت کی تحریک میں متحدہ حزب اختلاف کی جماعتوں نے جمہوری مجلس عمل قائم کی۔جس نے ایوب خان کے اقتدار کی چولیں ہلا دیں۔چنانچہ ایوب خان نے جمعیت علماء پاکستان کے سادہ لوح علماء ومشائخ کے دروازے پر حاضریاں دے کر اُن کی ہمدردیاں حاصل کیں اور اُن کے اندر اپنا ایک ہم خیال گروپ بنالیا۔یہ ہم خیال گروپ ایوب خان کی کرسی صدارت کے تحفظ کیلئے کوشاں تھا۔علماء کی ہم خیال گروپ میں شمولیت کی وجہ سے اُس وقت سواد اعظم اہلسنّت کا وجود کہیں دکھائی نہیں دیتا تھا، جمعیت علماء پاکستان 1948ء سے لے کر 1970ء تک کئی نشیب وفراز سے گزر چکی تھی، یہ صورتحال عوام کیلئے سخت پریشانی کا باعث تھی۔

علامہ شاہ احمد نورانی قومی سیاست میں

یہ وہ وقت تھا جب پاکستان میں سنّیوں کی سیاسی اور سماجی حالت بہت ہی خراب تھی۔ اُن کی سیاسی قیادت آپس میں گروہ بندیوں کا شکار تھی۔ کئی صاحبانِ علم و دانش وجبہ و دستار سنّیوں کے رہنما ہونے کے دعوے دار تھے۔ لیکن اُن کی جبین نیاز حکمرانوں کی چوکھٹوں پر جھکتی تھیں اور وہ حکمرانوں کی کرسی اقتدار کو مضبوط کرنے کیلئے کوشاں نظر آتے تھے۔ ملک میں سوادِ اعظم کا وجود اور اُن کی منظم قوت اور متفقہ فعال قیادت کہیں دکھائی نہیں دیتی تھی۔ اِس افتراق و انتشار نے اہلسنّت کی مذہبی و سیاسی حیثیت اور قوت کو بالکل ختم کر دیا تھا۔ اِن حالات میں مخلصین و محبّین اہلسنّت نے سیاسی میدان میں اِس کمی کو شدت سے محسوس کیا۔ وہ کئی گروپوں میں بٹی اہلسنّت کی طاقت کو ایک پلیٹ فارم پر مجتمع کرنا چاہتے تھے اور انہیں اس کام کیلئے ایک ایسی غیر متنازعہ اور پُر وقار شخصیت کی ضرورت تھی جو تسبیح کے اِن بکھرے ہوئے دانوں کو ایک لڑی میں پرو کر اُسے ایک مالا کی شکل دے سکے اور متفرق الخیال افراد کو ایک جگہ جمع کر کے انہیں ایک انقلابی گروہ میں تبدیل کر سکے، چنانچہ اِس مقصد کیلئے اِن مخلصین کی نگاہِ انتخاب علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کی ذات پر ٹھہری۔

علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نے زمانہ طالبعلمی کے دوران ہی آل انڈیا سنّی کانفرنس کے پلیٹ فارم سے قیامِ پاکستان کی جدوجہد میں بھرپور حصہ لیا تھا اور پاکستان آنے کے بعد جمعیت علماء پاکستان سے وابستہ ہو گئے تھے۔ آپ جمعیت میں مختلف انتظامی عہدوں پر فائز رہے۔ 1953ء کی تحریک ختم نبوت کے دوران آپ جمعیت علماء پاکستان سندھ کے سیکرٹری نشر و اشاعت تھے۔ 1954ء میں آپ نے جمعیت علماء پاکستان کے آفس سیکرٹری کے فرائض انجام دیئے۔ حکومت نے جب ملک کو دو انتظامی یونٹوں میں تقسیم کیا گیا تو 10 تا 12 دسمبر 1955ء کو لاہور میں جمعیت علماء پاکستان کے انتخابات میں علامہ شاہ احمد نورانی مغربی پاکستان میں جمعیت علماء پاکستان کے سینئر نائب صدر منتخب ہوئے۔ 1953ء کی تحریک ختم نبوت کے بعد سے لے کر 1969ء تک تقریباً سولہ (16) سال کے عرصے میں آپ نے زیادہ تر وقت بیرون ملک تبلیغی دوروں میں گزارا۔ اِس دوران آپ اسلام کی ترویج و اشاعت اور فتنہ قادیانیت کے رد اور اُس کے خلاف محاسبے کی سرگرمیوں میں مصروف رہے اور ان ہی مصروفیات کے

دوران آپ کی مدینہ منورہ میں شادی ہوگئی۔ جس کی وجہ سے آپ نے مدینہ منورہ میں رہائش اختیار کرلی اور آپ کا پاکستان آنا جانا کم ہوگیا۔ ادھر پاکستان سے جانے والے علماء کرام جب زیارت مدینہ کیلئے مدینہ منورہ حاضر ہوتے تو آپ سے بھی ملاقات کرتے۔ وہ آپ سے پاکستان میں اہلسنّت کی حالت زار اور قیادت کے فقدان کا تذکرہ کرکے اصرار کرتے کہ آپ کی پاکستان میں زیادہ ضرورت ہے" حضرت آپ پاکستان تشریف لے آئیں" یہ اصرار روز بروز بڑھتا جارہا تھا۔ حضرت خواجہ قمرالدین سیالوی اور دیگر علماء اہلسنّت پہلے ہی آپ سے پاکستان آنے کی درخواست کرچکے تھے۔ جب آپ کے قریبی دوستوں میاں جمیل احمد شرقپوری (سجادہ نشین شرقپور شریف) اور پیر سید حامد حسین شاہ نے بھی آپ کے پاکستان واپس آنے پر زیادہ زور دیا تو آپ نے وطن عزیز میں اہلسنّت وجماعت کی مذہبی وسیاسی ناگفتہ بہ حالت کو محسوس کرتے ہوئے قطب مدینہ مولانا ضیاءالدین مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوکر ساری صورتحال بیان کی۔ جس پر حضرت مولانا ضیاءالدین مدنی علیہ الرحمہ نے آپ کو حکم دیا کہ" پاکستان جایئے، وہاں آپ کی اشد ضرورت ہے، وہاں جاکر دین وملت کی خدمت کیجئے۔"

چنانچہ علامہ شاہ احمد نورانی 1969ء میں پاکستان تشریف لے آئے اور آپ نے تبلیغی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ سیاست میں بھی سرگرم حصہ لینا شروع کیا۔ یہ وہ دور تھا جب علماء ومشائخ کے بارے میں اُن کے سابقہ طرزِ عمل کی وجہ سے یہ تاثر عام تھا کہ وہ حکومت کی کاسہ لیسی کے علاوہ کچھ نہیں کرسکتے اور اُن میں حکومت سے اختلاف رائے کی جرأت نہیں ہے۔

قادیانیت کے خلاف سب سے پہلا بیان

پاکستان آنے کے بعد علامہ شاہ احمد نورانی نے اپنا سب سے پہلا بیان قادیانیوں کے خلاف جاری کیا۔ آپ نے پاکستان کے صدر جنرل یحیٰی خاں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ

"تمہارا قادیانی مشیر ایم، ایم، احمد پاکستان کی معیشت کو تباہ کررہا ہے۔ جس کے نتیجے میں مشرقی پاکستان ہمارے ہاتھ سے نکل سکتا ہے۔"

(ماہنامہ ضیائے حرم ختم نبوت نمبر دسمبر 1974ء)

اگر علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کے صرف مندرجہ بالا بیان کو مدنظر رکھ کر آپ کی تمام زندگی پر نظر دوڑائی جائے تو یہ کہنا بالکل بجا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کو وطن واپس ہی اسی مقصد کیلئے بھیجا کہ آپ اہلیان پاکستان کو آنے والے عظیم طوفان "سقوط ڈھاکہ" سے آگاہ کر سکیں اور قادیانیوں کے خلاف اُمت مسلمہ کی نوے (90) سالہ جدوجہد کو اس کے منطقی انجام تک پہنچانے کا فریضہ سرانجام دے سکیں۔

جناب ظہور الحسن بھوپالی مرحوم لکھتے ہیں کہ " یہ غالباً 1968ء کے اواخر یا 1969ء کے اوائل کا ذکر ہے۔ جب میں روزنامہ جنگ میں بحیثیت رپورٹر کام کررہا تھا۔ایک دن دفتر میں مرکزی جماعت اہلسنّت کی جانب سے بعد نماز جمعہ نور مسجد کراچی میں ایک تبلیغی جلسے کا دعوت نامہ موصول ہوا........ جلسہ گاہ پہنچنے پر معلوم ہوا کہ آج کے خصوصی مقرر مبلغ اسلام حضرت شاہ عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی ہیں، جو حال ہی میں بیرونی تبلیغی دورے سے واپس آئے ہیں۔ مولانا کی تقریر آخر میں تھی، جیسے جیسے اُن کی خطابت میں زور خطابت پیدا ہوتا گیا میں نے لکھنا چھوڑ کر حیرت و استعجاب سے اُن کے انکشافات، جو کم از کم میرے لیے انکشافات ہی تھے، سننا شروع کردیئے، مولانا نے کہا "اِس وقت عالم اسلام کا سب سے زیادہ سنگین اور عظیم خطرہ قادیانی ہیں، جو یہودی صیہونیت کے ساتھ مل کر اسلام کو نقصان پہنچا رہے ہیں، میں جہاں جہاں بھی گیا، قادیانیوں کو اپنی بھرپور فتنہ سامانیوں اور بے شمار وسائل کے ساتھ موجود پایا۔ میں نے دنیا کے مختلف علاقوں میں مقدور بھر اِس فتنے کا مقابلہ کیا اور بعض مناظروں میں انھیں عبرتناک شکستیں دیں۔ لیکن یہ فتنہ اُس وقت تک ختم نہیں ہوسکتا جب تک کہ پوری پاکستانی قوم اِس کا مقابلہ نہ کرے اور اسے پاکستان میں غیر مسلم اقلیت قرار نہ دے دیا جائے۔ مولانا نورانی نے فرمایا کہ حکومت پاکستان تبلیغ کے سلسلے

میں جو بیرونی زرمبادلہ دیتی ہے اُس کا %75 فیصد قادیانیوں کو جاتا ہے۔ ان قادیانیوں نے اسرائیل کے شہروں حیفہ اور تل ابیب میں اپنے مراکز بنائے ہیں۔ پاکستان کے اسرائیل سے سفارتی تعلقات نہیں۔ لیکن پاکستانی قادیانی اسرائیل جب چاہیں جاسکتے ہیں........ بعدازاں مولانا نے قادیانیوں کی اُن سرگرمیوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور بتایا کہ کس طرح اسلام کے نام پر یورپ ،افریقہ اور امریکہ میں اپنا جال پھیلا رہے ہیں اور ان کا زیادہ تر نشانہ غیر مسلموں کے بجائے بھولے بھالے مسلمان ہیں۔"

(تحریک ختم نبوت اور مولانا شاہ احمد نورانی۔ ص 6-5)

علامہ شاہ احمد نورانی کے متذکرہ بیانات میں جہاں ایک طرف پاکستان کو درپیش خطرناک صورتحال اور مستقبل میں پیش آنے والے حالات کی نشاندہی موجود تھی۔ وہاں دوسری طرف پوری قوم کیلئے قادیانیت سے نمٹنے کیلئے بھرپور حکمت عملی اور لائحہ عمل ترتیب دینے کی دعوت بھی موجود تھی۔ آپ نے علماء کرام سے ملاقاتوں میں فتنہ قادیانیت اور اسرائیلی گٹھ جوڑ کی تفصیلات سے آگاہ کر کے انہیں اِس فتنے کے سدباب کیلئے ہر ممکن وسائل پیدا کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے اِسے ملک وقوم اور ملت اسلامیہ کیلئے انتہائی ضروری قرار دیا۔

جمعیت علماء پاکستان کا نازک ترین دور

علامہ سیّد احمد سعید کاظمی اور ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری کے بعد جمعیت علماء پاکستان کا کردار زیادہ قابل فخر نہیں رہا اور رہی سہی کسر اُس وقت پوری ہوگئی، جب جمعیت علماء پاکستان کئی دھڑوں میں تقسیم ہوگی، اِن میں ایک دھڑے جس کی قیادت احرار کے ایک سابق اور تھکے ہوئے ناکام بزرگ صاحبزادہ فیض الحسن صاحب کررہے تھے، نے جمعیت کو مصالحت اور مفاہمت کی ایسی راہ اختیار دکھائی، جس کی وجہ سے جمعیت علماء پاکستان کے قابل فخر تشخص کو شدید نقصان پہنچایا اور وہ جمعیت علماء پاکستان جو پاکستان میں علامہ فضل الحق خیر آبادی اور دیگر علمائے حق کی وراثت کی امین

اور دعویدار تھی، اِن افراد کی وجہ سے سرکاری اور درباری جماعتوں میں شمار ہونے لگی۔ باہمی تفریق اور انتشار نے جمعیت علماء پاکستان کو کئی گروپوں میں تقسیم کر دیا تھا اور حال یہ تھا کہ اُس وقت جمعیت علماء پاکستان درج ذیل کئی دھڑوں میں تقسیم اپنی تاریخ کے انتہائی نازک ترین دور سے گزر رہی تھی۔

"(۱) صاحبزادہ فیض الحسن گروپ

(۲) علامہ عبدالحامد بدایونی گروپ

(۳) علامہ عبدالغفور ہزاروی گروپ

(۴) مولانا خلیل احمد قادری گروپ

(۵) مولانا سید محمود شاہ گجراتی گروپ

(۶) علامہ محمود احمد رضوی گروپ"

(عہدراں کی عبقری شخصیت۔ ص158)

(واضح رہے کہ جناب امین نورانی صاحب مولف" عہدرواں کی عبقری شخصیت" ص158 پر "محمود احمد رضوی گروپ" کے نام سے جمعیت کا ایک الگ گروپ ظاہر کیا ہے جو کہ کسی غلط فہمی پر مبنی ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ علامہ محمود احمد رضوی نہ تو کسی گروپ کے قائد تھے اور نہ ہی جمعیت علماء پاکستان میں اس نام کا کبھی کوئی گروپ موجود تھا، اس بات کا ثبوت یہ ہے کہ جمعیت علماء پاکستان کے تمام گروپوں کو آپس میں مدغم کرتے وقت علامہ محمود احمد رضوی کو جمعیت علماء پاکستان کا کنوینر اس لیے نامزد کیا گیا تھا کہ آپ غیر متنازعہ اور تمام گروپوں کیلئے قابل قبول شخصیت تھے۔ اس بات کی تصدیق حضرت علامہ مفتی جمیل احمد نعیمی صاحب بھی کرتے ہیں)

یہ کس قدر افسوس کا مقام تھا کہ ہر گروپ کا سربراہ ایک ممتاز عالم دین تھا۔ جمعیت علماء پاکستان کے اِن گروپوں کے درمیان انتشار و اختلافات کی ایک وسیع خلیج حائل تھی۔ یہ صورتحال مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت علامہ ابوالبرکات سیّد محمد احمد قادری اور حضرت شیخ الاسلام خواجہ قمرالدین سیالوی صاحب کیلئے انتہائی تشویشناک تھی، کیونکہ یہ دونوں اکابر دیگر اہل درد کی طرح اہلسنّت کو متحد و منظم دیکھنے کے خواہاں تھے۔

جمعیت علماء پاکستان کی تنظیم نو اور سیاسی سفر کا آغاز

چنانچہ 4، اپریل 1970ء کو مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ ابوالبرکات سیّد احمد قادری نے دارالعلوم حزب الاحناف لاہور میں تمام گروپوں کے رہنماؤں کا ایک مشترکہ اجلاس طلب کیا۔ اس یادگار تاریخی اجلاس میں سوائے علامہ عبدالحامد بدایونی کے تمام گروپوں کے رہنماؤں نے شرکت کی۔ علامہ عبدالحامد بدایونی اپنی نجی معروفیات کی وجہ سے اس اہم اجلاس میں شریک نہ ہوسکے، لیکن آپ نے حضرت مفتی اعظم پاکستان کو اپنے مکمل تعاون کا یقین دلایا تھا اور ساتھ آپ نے اس اجلاس میں کیئے گئے فیصلوں کو بھی تسلیم کرنے اظہار کیا تھا۔ حضرت مفتی اعظم پاکستان کے حکم پر اس اجلاس کی صدارت قائد ملت اسلامیہ علامہ شاہ احمد نورانی نے کی۔ یہ حضرت مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ ابوالبرکات سیّد احمد قادری کی نگاہ انتخاب تھی یا حضرت مولانا شاہ احمد نورانی کی نورانی شخصیت کا کمال تھا کہ جید علماء ومشائخ کی موجودگی میں آپ نے اس اہم وتاریخی اجلاس کی صدارت کی اور اس حسن خوبی سے اجلاس کی کاروائی چلائی کہ آپس میں ہزاروں اختلافات رکھنے والے رہنماؤں نے آپ کی ذات پر اظہار اعتماد کرتے ہوئے جمعیت علماء پاکستان کے تمام گروپوں کو توڑنے اور باہم مدغم کرنے کا اعلان کرتے ہوئے اپنی اپنی صدارت سے استعفیٰ دے دیا۔ چنانچہ اس اجلاس میں علامہ محمود احمد رضوی کو کنوینر نامزد کیا گیا اور جمعیت کا منشور ودستور مرتب کرنے اور مستقبل کی حکمت عملی وضع کرنے کیلئے کے ایک کمیٹی بھی قائم کی گئی، جس کا چیئرمین علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کو مقرر کیا گیا جبکہ دیگر ممبران میں علامہ غلام علی اوکاڑوی، علامہ محمد حسن حقانی، علامہ غلام مہر علی، اور مفتی سیّد شجاعت علی قادری شامل تھے۔ اس اجلاس میں یہ بھی طے پایا کہ بدلتے ہوئے حالات کے تناظر میں جمعیت علماء پاکستان کو سیاسی سطح پر مضبوط ومنظم کیا جائے گا۔ علامہ شاہ احمد نورانی نے اس اجلاس میں یہ اعلان بھی کیا کہ ملک میں لادینیت اور کمیونسٹ نظام کے علمبرداروں کا راستہ روکنے کیلئے علماء اپنی مربوط ومنظم حکمت عملی کا اعلان 13، اور 14، جون کو ٹوبہ ٹیک سنگھ کی سنّی کانفرنس میں کریں گے۔

13، اور 14، جون 1970ء کو ٹوبہ ٹیک سنگھ کے وسیع وعریض میدان میں آل پاکستان

سنّی کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں خصوصی شرکت کیلئے علامہ شاہ احمد نورانی کے خسر مولانا محمد فضل الرحمن مدنی مدینہ منورہ سے تشریف لائے۔ 13، جون کو ہونے والے نئے انتخابات میں شیخ الاسلام حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی جمعیت علماء پاکستان کے صدر، علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی سینئر نائب صدر، پیر کرم شاہ صاحب الازہری نائب صدر اور علامہ محمود احمد رضوی سیکرٹری جنرل منتخب ہوئے اور اس کانفرنس میں جمعیت علماء پاکستان ایک نئے اور انقلابی روپ میں عوام کے سامنے آئی۔ اس کانفرنس میں جمعیت علماء پاکستان نے دسمبر میں ہونے والے عام انتخابات میں بھرپور حصہ لینے کا اعلان کر کے اِس عہد کا اعادہ کیا کہ وہ اب ملک کی نظریاتی اساس کو تحفظ دینے کیلئے قومی سیاست میں براہ راست اپنا کردار ادا کرے گی۔ درحقیقت یہ مسجدوں اور خانقاہوں سے نکل کر رسم شبیری ادا کرنے کا اعلان تھا۔

اس کانفرنس میں حضرت علامہ شاہ احمد نورانی لاکھوں کے اجتماع میں ہزاروں علماء ومشائخ کی موجودگی میں پاکستان کی اساس وبنیاد دوقومی نظریئے کے محافظ بن کر سامنے آئے۔ آپ نے سرخ انقلاب کا نعرہ لگانے والوں کے سامنے سینہ سپر ہو کر نظام مصطفی ﷺ کا نعرہ بلند کیا اور سوشلزم کے مقابلے میں ایک اسلامی فلاحی ریاست کا تصور پیش کر کے نظام مصطفی ﷺ کے عملی نفاذ کو جمعیت علماء پاکستان کا نصب العین قرار دیا۔ جمعیت علماء پاکستان کی وہ شمع جسے علامہ سید احمد سعید کاظمی نے روشن کیا تھا اور جسے بعد کے سربراہوں نے لیلائے اقتدار کی غلام گردشوں کی زینت بنا دیا تھا۔ علامہ شاہ احمد نورانی نے اُس بجھتی ہوئی شمع کو تھام کر اقتدار کی غلام گردشوں سے نکالا اور نظام مصطفی ﷺ کے عملی نفاذ کیلئے ایک مشکل ،صبر آزما، اور طویل جدوجہد کا آغاز کیا۔

علامہ شاہ احمد نورانی نے اِس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ "اب اِس اصطلاح کو بدل دینا چاہیے کہ کیمونزم اور سوشلزم ہماری لاشوں پر آئے گا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ہم نظام مصطفی ﷺ کو کیمونسٹوں کی لاشوں پر تعمیر کریں گے اور سوشلزم کے نام پر جو فتنہ، بھٹو کی شکل میں نمودار ہے، وہ اپنے عبرتناک انجام سے دوچار ہو گا اور ہم انشاء اللہ نظام مصطفی ﷺ کا آفتاب اپنی آنکھوں سے طلوع ہوتے ہوئے دیکھیں گے"۔ مولانا کا جرأت مندانہ انداز سیاست دیکھ کر سنّی عوام میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور اہلسنّت کے اعلیٰ تعلیم یافتہ وباشعور افراد جمعیت میں شمولیت اختیار کرنے لگے۔

علامہ شاہ احمد نورانی کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ آپ نے تحریک پاکستان میں مسلم لیگ کے شانہ بشانہ شاندار کردار ادا کرنے علماء ومشائخ کی جماعت، جمعیت علماء پاکستان کو حکمرانوں کے حرم سے نکال کر عوامی اور جمہوری جدوجہد کی راہ پر ڈال دیا اور ہر حاکم وقت کو امام ضامن باندھنے اور اُن کے اقتدار کی سلامتی کا وظیفہ پڑھنے والے علماء ومشائخ کو مشائخ کانفرنسوں اور رویت ہلال کمیٹیوں سے نکال کر یحییٰ خان، ذوالفقار علی بھٹو، ضیاء الحق، نواز شریف اور جنرل پرویز مشرف جیسے فوجی اور سول آمروں کے سامنے صف آراء ہونے کی ترغیب دی، تاکہ وہ امام حسین امام اعظم ابوحنیفہ، امام احمد بن حنبل اور حضرت مجدّد الف ثانی کی روایات کو آگے بڑھا سکیں۔ جماعت اسلامی کے ہفت روزہ زندگی نے اِس صورتحال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ

> "مولانا نورانی 1970ء کے عام انتخابات سے پیشتر عملی سیاست میں آئے اور انتخابات کے بعد اپنی جماعت کو یحییٰ اور پھر بھٹو کی کنیز بننے سے بچایا، حالانکہ مشائخ اور صاحبزادگان کی اکثریت کبھی حکومت وقت سے روگردانی کا سوچ بھی نہیں سکتی، مولانا شاہ احمد نورانی نے خاندانی مشائخ اور صاحبزادگان کی روایت سے بغاوت کی، اگر وہ چاہتے تو منتخب نمائندے اور خاندانی حیثیت کے بل پر پیپلز پارٹی کی قیادت سے بہت کچھ حاصل کر سکتے تھے۔"

(ہفت روزہ زندگی لاہور، 24 تا 30 ستمبر 1973ئ)

علامہ شاہ احمد نورانی نے جمعیت علماء پاکستان کو نئے خطوط پر منظم کرنا شروع کیا اور جلد ہی آپ کی حکمت عملی اور پالیسیوں کی بدولت سیاسی میدان میں نووارد جماعت جمعیت علماء پاکستان نے دسمبر 1970ء کے عام انتخابات میں حیرت انگیز کامیابی حاصل کی اور "وہ قومی اسمبلی کی سات، پنجاب اسمبلی کی چار اور سندھ اسمبلی میں سات نشستیں حاصل کر کے ایک بڑی سیاسی جماعت کی حیثیت سے افق سیاست پر نمودار ہوئی۔ الیکشن کمیشن کے اعداد وشمار کے مطابق جمعیت علماء پاکستان نے 13 لاکھ سے زائد ووٹ حاصل کیے۔ سندھ سے قومی اسمبلی کیلئے جمعیت کے تین ممبران مولانا شاہ احمد نورانی، مولانا عبدالمصطفیٰ الازہری (جنھوں نے راولپنڈی سازش کیس کے مرکزی کردار جنرل اکبر خان کو

شکست دی) اور مولانا محمد علی رضوی (علامہ محمود احمد رضوی کے ماموں) حیدرآباد سے منتخب ہوئے تھے، جبکہ پنجاب (چنیوٹ) سے مولانا محمد ذاکر (مہتمم جامعہ محمدی جھنگ)، صاحبزادہ نذیر سلطان، غلام حیدر بھروانہ (نے بیگم عابدہ حسین کے والد کرنل عابد حسین کو ہرادیا) اور ڈاکٹر محمد ابراہیم برق (نے ضلع مظفر گڑھ میں نوابزادہ نصر اللہ خان کو شکست دی) قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ لیکن بعد میں جمعیت علماء پاکستان کے ٹکٹ پر منتخب ہونے والے نذیر سلطان، غلام حیدر بھروانہ اور محمد ابراہیم برق نے اپنی قیادت سے بے وفائی کی اور پیپلز پارٹی کے ہمنوا بن گئے۔

> ”جنوری 1970ء میں سرگودھا اجلاس میں جمعیت علماء پاکستان کی مجلس شوریٰ نے متفقہ طور پر علامہ شاہ احمد نورانی کو قومی اسمبلی میں جمعیت کا پارلیمانی لیڈر منتخب کیا۔ جناب پروفیسر شاہ فرید الحق سندھ اسمبلی کیلئے اور جناب ناصر بلوچ پنجاب اسمبلی میں پارلیمانی لیڈر منتخب کئے گئے۔ اس اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ جمعیت علماء پاکستان حزب اختلاف کی سیٹوں پر بیٹھ کر اپوزیشن کا مثبت کردار ادا کرے گی اور ملک میں سوشلزم اور لادینی نظریات کے خلاف نظام مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ کی جدوجہد جاری رکھے گی۔“

(پمفلٹ، جمعیت علماء پاکستان۔ شعبہ نشر و اشاعت پنجاب)

مولانا شاہ احمد نورانی کی سیاسی پالیسیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے ہفت روزہ ”استقلال“ لاہور لکھتا ہے

> ”جمعیت کی سیاست میں دسمبر 1970ء کے انتخابات کے بعد مولانا شاہ احمد نورانی بہت ابھرے ہیں۔ انہوں نے نامساعد حالات میں کلمہ حق بلند کرنے میں کبھی پس و پیش سے کام نہیں لیا اور اس حقیقت کو نظر انداز کرنا آسان کام نہیں کہ پہلے قومی اسمبلی میں مشترکہ حزب اختلاف اور بعد میں متحدہ جمہوری محاذ کے قیام میں مولانا نے نمایاں اور ٹھوس کردار ادا کیا ہے۔ مولانا بڑی دل آویز شخصیت کے مالک ہیں۔ ایک طرف وہ معرکہ حق و باطل میں چٹان

دکھائی دیتے ہیں۔ تو دوسری طرف اپنوں کے درمیان جان محفل بنے نظر آتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں شاعر مشرق علامہ اقبال کے اِس ارشاد کی عملی تفسیر ہیں۔

مصافِ زندگی میں سیرت فولاد پیدا کر
شبستانِ محبت میں حریر و پرنیاں ہوجا
یا پھر
گزر جا بن کے سیل تند رو کوہ و بیاباں سے
گلستاں راہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں ہوجا"

(ہفت روزہ استقلال لاہور 2، جولائی 1973ئ)

سقوط ڈھاکہ قادیانی اور مولانا نورانی

1970ء کے الیکشن کے نتائج کے نتیجے میں عوامی لیگ نے مشرقی پاکستان کیلئے (169) نشستوں میں سے (167) نشستیں حاصل کیں جو کہ تمام کی تمام مشرقی پاکستان کی تھیں۔ شیخ مجیب الرحمن کا مغربی پاکستان میں کوئی ووٹ نہیں تھا۔ جبکہ دوسری طرف مغربی پاکستان کی (144) نشستوں میں سے پیپلز پارٹی (86) نشستیں حاصل کرکے مغربی پاکستان کی ایک بڑی جماعت بن گئی تھی۔ جس طرح عوامی لیگ کا مغربی پاکستان میں کوئی ووٹ نہیں تھا۔ بالکل اسی طرح پیپلز پارٹی کا مشرقی پاکستان میں کوئی ووٹ اور کوئی سیٹ نہیں تھی۔ قومی اسمبلی کے (313) نشستوں کے ایوان میں عوامی لیگ (167) نشستوں کے ساتھ اکثریتی جماعت بن کر سامنے آئی تھی۔ عوامی لیگ کی اس کامیابی نے مغربی پاکستان کے سیاستدانوں میں کھلبلی مچادی اور ان کیلئے یہ منظر خطرے کی نشاندہی کررہا تھا۔

اکثریتی پارٹی ہونے کی وجہ سے اصولی طور پر اقتدار شیخ مجیب الرحمن کی عوامی لیگ کو منتقل کیا جانا چاہیے تھا۔ لیکن یحییٰ خاں اقتدار مجیب الرحمن کو منتقل کرنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ جان بوجھ کر اقتدار کی منتقلی

میں تاخیری حربے استعمال کررہا تھا۔جس کی وجہ سے مشرقی پاکستان کے حالات جوکہ پہلے ہی حکمرانوں کی متعصبانہ پالیسیوں کی وجہ سے اچھے نہیں تھے مزید خراب سے خراب تر ہورہے تھے اور ہر آنے والے دن کے ساتھ مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان سیاسی اختلافات کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی جارہی تھی۔یہ صورتحال ملک کی سالمیت، وحدت اور قومی یکجہتی کیلئے انتہائی خطرناک تھی۔یوں محسوس ہورہا تھا کہ اقتدار پرست حکمران اپنے غیر ملکی آقاؤں کے اشارے پر اقتدار کی منتقلی میں تاخیری حربے استعمال کر کے مشرقی پاکستان کی علیحدگی اور ملک کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا جواز پیدا کررہے تھے۔

حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی پہلے ہی حکومت کے قادیانی مشیر مالیات ایم،ایم، احمد کی غلط منصوبہ بندی کی وجہ سے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے خطرے کی نشاندہی یہ کہہ کر چکے تھے، کہ"ایم،ایم احمد کی متعصبانہ اقتصادی پالیسیوں کی وجہ سے ملک ٹوٹ جائے گا۔لہٰذا ایم،ایم احمد کو فوری طور پر حکومت سے علیحدہ کیا جائے"۔آپ یہ انکشاف بھی کرچکے تھے کہ"نئی دہلی اور تل ابیب میں پاکستان توڑنے کیلئے ایک خوفناک سازش تیار کی گئی ہے اور ایم،ایم،احمد سامراجیوں کی طرف سے پوری سرگرمی سے اس میں ملوث ہیں۔"لیکن آپ کی جانب سے خطرے کی بروقت نشاندہی اور آگاہی کے باوجود حکومت وقت نے اِس سنگین خطرے کی جانب کوئی توجہ نہیں دی۔

ایم،ایم،احمد(جوکہ مرزا غلام احمد قادیانی کا پوتا تھا)نے اِس مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی سازش میں مرکزی کردار ادا کیا۔اُس نے حکومت پاکستان کے فنانس سیکرٹری،مالی مشیر،اور منصوبہ بندی کمیشن کے ڈپٹی چیئرمین کی حیثیت سے مشرقی پاکستان کو مصیبت زدگان کی سرکاری امداد سے بھی محروم رکھا اور اُس نے بنگالیوں کو معاشی بدحالی،اور مہنگائی کے ہاتھوں اتنا بے بس کردیا کہ انہیں پاکستان سے علیحدگی میں اپنے مسائل کا حل نظر آنے لگا۔دراصل قادیانی مشرقی پاکستان کو پاکستان سے علیحدہ کروانا چاہتے تھے۔کیونکہ جب تک مشرقی پاکستان پاکستان سے علیحدہ نہیں ہوتا۔قادیانیوں کیلئے پاکستان میں اقتدار کا سوال خارج از امکان تھا۔جب کہ دوسری طرف مشرقی پاکستان کے عوام کی اکثریت اور شیخ مجیب الرحمن قادیانیوں کے مذموم عزائم اور حرکات کو بھانپ چکے تھے اور وہ انہیں

نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

دسمبر 1970ء سے جنوری 1971ء کے دوران صوبائی اور قومی اسمبلیوں کے انتخابات کے بعد محب وطن سرکردہ مذہبی و سیاسی رہنماؤں نے پاکستانی سیاست میں قادیانی اور صیہونی دخل اندازی کی بھرپور مذمت کی۔ جمعیت علماء پاکستان کے پارلیمانی لیڈر مولانا شاہ احمد نورانی اس میں سب سے زیادہ پیش پیش تھے۔ مولانا نورانی نے پاکستان کے خلاف قادیانی سازشوں کی بھرپور مذمت کرتے ہوئے قادیانیوں کے حوالے سے یہ انکشاف بھی کیا کہ "وہ (قادیانی) صدر پاکستان کے مشیر اقتصادیات ایم۔ایم۔احمد کے ذریعے اسرائیل سے رقومات حاصل کرتے رہے ہیں۔"

روزنامہ "جسارت" کراچی آپ کے بیان کو نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ

"مولانا نورانی نے کہا کہ اشتراکی، یہودی، فری میسن اور قادیانی پاکستان کی سالمیت اور استحکام کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں۔ پاکستان کے اصل دشمنوں کو بے نقاب کرنے پر وہ اتھاہ گہرائیوں سے شکریے کے مستحق ہیں۔ یہ کوئی راز کی بات نہیں ہے کہ پاکستان کی سیاست میں ایک خفیہ یہودی تنظیم تحریک فری میسنری کے تعاون سے قادیانی گھناؤنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ فری میسنوں نے ایک بین الاقوامی نظام ترتیب دیا ہے۔ تاکہ دولت اکھٹی کی جاسکے۔ انہوں نے بڑے بڑے کاروباری اشخاص، بڑی کاروباری کمپنیوں کے ڈائریکٹروں، مختلف پیشہ ورانہ گروہوں کے سرکردہ لوگوں اور اعلیٰ سطح کے افسران کو مختلف لالچ دے کر اپنے زیر اثر کر لیا ہے۔ انہوں نے قادیانیوں کے ساتھ اُن کے اسرائیلی مشن کے ذریعے مضبوط تعلقات قائم کر لیے ہیں۔ دراصل فری میسنوں نے اپنے خفیہ ہتھکنڈوں سے پاکستان میں ایک متوازی حکومت قائم کر لی ہے۔ (1970ء کے) عمومی انتخابات کے دوران قادیانیوں کے اشتراک کے ساتھ انتخابی نتائج پر اثر انداز ہونے کا مکروہ کھیل کھیلا گیا ہے۔"

(روزنامہ جسارت کراچی، 15 فروری 1971ء)

20 مارچ 1971ء کو آرام باغ کراچی کے جلسہ عام میں علامہ شاہ احمد نورانی نے خطاب کرتے ہوئے واشگاف الفاظ میں کہا کہ

"بھارت اور اسرائیل نے پاکستان کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی خطرناک سازش تیار کی ہے، بدقسمتی کی بات ہے کہ ان طاقتوں کو پاکستان میں اپنی سازش کامیاب بنانے کیلئے ایک میر جعفر ہاتھ آ گیا ہے، ساتھ ہی آپ نے یہ بھی کہا کہ امریکہ ان دونوں کی اس سلسلے میں حمایت کر رہا ہے۔ پاکستان کی تقسیم کا منصوبہ 1965ء میں بھارتی شکست کے بعد واشنگٹن میں تیار کیا گیا، اس منصوبے میں رسوائے زمانہ C.I.A کے نمائندوں اسرائیلی وزیر اعظم گولڈ امیئر اور بھارتی وزیر خارجہ سورن سنگھ شامل تھے۔ بھارت اور اسرائیل کو یہ منصوبہ ترتیب دینے کی ضرورت اسلیئے پیش آئی کہ 1965ء کی جنگ کے بعد یہ اندازہ لگایا گیا تھا کہ اس قوم کو طاقت اور قوت کے ذریعے زیر نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کا شیرازہ انتشار کی سازشوں کے ذریعے ہی بکھیرا جاسکتا ہے۔ بھارت سے تو ہماری دشمنی واضح ہے کہ اس نے ہمارے وجود ہی کو تسلیم نہیں کیا۔ اسرائیل بھی ہمیں اپنا دشمن نمبر ایک اسلیئے سمجھتا ہے کہ مشرق وسطی کے اکثر عرب ملکوں کی فوجی تنظیم نو میں پاکستان کے فوجی ماہرین اہم کردار ادا کر رہے ہیں اور اعلیٰ سطح پر پاکستان نے ڈٹ کر اسرائیل کے خلاف عربوں کے مفاد کی ترجمانی کی ہے۔ آپ نے کہا کہ سازش کا دوسرا مرحلہ یہ تھا کہ ایوب کابینہ کے ایک وزیر کو کابینہ سے علیحدہ کر کے اسٹینڈے فاؤنڈیشن کے وظیفے پر اسے یورپ کا دورہ کرایا گیا اور وطن واپس پہنچنے کے بعد سازش کے تیسرے مرحلے کی تکمیل کرائی گئی۔"

(ماہنامہ ترجمان اہلسنت مئی 1974ء ص 44-43)

آپ نے مزید کہا کہ "اس ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی سازش تیار ہو چکی ہے۔ مشرقی پاکستان کو علیحدہ کرنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں اور ایم ، ایم احمد قادیانی باقاعدہ یہ کہتا پھر رہا ہے کہ مشرقی پاکستان ہمارے لیے بوجھ ہے، اس کا علیحدہ ہونا ہی ہماری ترقی کا ذریعہ ہوگا ورنہ ہم اسی طرح تباہ ہو جائیں گے۔"

(ماہنامہ تنظیم اہلسنت گوجرانوالہ۔ اگست 1972ء، قادیانیت کا سیاسی تجزیہ ص 985)

روزنامہ مشرق لاہور نے 25، مارچ 1971ء کی اشاعت میں لکھا کہ

"مولانا شاہ احمد نورانی نے فرمایا عوام ملک کے اتحاد اور سالمیت کی خاطر مزید قربانیاں دینے کیلئے تیار رہیں اور ملک کو تقسیم کرنے کی تمام سازشوں کو ناکام بنادیں۔ انہوں نے بتایا کہ مشرقی پاکستان کے اخبارات صدر کے اقتصادی مشیر ایم ایم احمد کی ڈھاکہ میں موجودگی پر نکتہ چینی کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مسٹر احمد اقتصادی ماہر ہیں سیاسی امور کے ماہر نہیں۔ اس کے باوجود مذاکرات میں صدر کے مشیر کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔"

(تحریک ختم نبوت 1974ء جلد اول ص 686)

علامہ شاہ احمد نورانی کو حالات کی سنگینی کا شدید احساس تھا اور آپ جمہوری فیصلے کی روشنی میں اقتدار فوری طور پر مجیب الرحمن اور عوامی لیگ کے حوالے کرنے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اپوزیشن کی دیگر جماعتیں جن میں ممتاز دولتانہ کی کونسل مسلم لیگ، قیوم لیگ اور نیپ بھی آپ کے اس مطالبے کی تائید و حمایت کر رہی تھیں۔ لیکن اس کے باوجود حکومت جان بوجھ کر اس منتقلی اقتدار سے پہلو تہی کر رہی تھی، چنانچہ اس مشکل صورتحال میں علامہ شاہ احمد نورانی نے جمعیت علماء پاکستان کے پارلیمانی لیڈر ہونے کی حیثیت سے ملک کو اقتدار پرستوں کی بھینٹ چڑھنے سے بچانے کیلئے قومی سیاستدانوں سے گفت و شنید کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ 30، جنوری 1971ء کو اپنے رفقاء پروفیسر سیّد شاہ فرید الحق اور ظہور الحسن بھوپالی شہید کے ساتھ شیخ مجیب الرحمن سے تبادلہ خیال کیلئے ڈھاکہ تشریف لے گئے۔ اُس وقت

تک مجیب الرحمن کے پاس علیحدگی کا کوئی تصور نہیں تھا اور وہ اسمبلی کا اجلاس بلانے اور اقتدار کو اکثریتی پارٹی یعنی عوامی لیگ کو منتقل کرنے کا خواہاں تھا۔

جناب ظہور الحسن بھوپالی کے مطابق "مولانا شاہ احمد نورانی اور پروفیسر سیّد شاہ فرید الحق کے ساتھ مجھے شیخ مجیب الرحمن سے ڈھاکہ میں ملاقات کا موقع ملا۔اس ملاقات میں جو سیاسی اور دستوری معاملات زیر بحث آئے انہیں کسی اور وقت کے تذکرے کیلئے چھوڑ کر صرف اُس گفتگو کا حوالہ دے رہا ہوں جو خالصتاً مرزائیوں کے بارے میں ہوئی۔" اس موقع پر مولانا شاہ احمد نورانی نے شیخ مجیب سے فرمایا کہ ہماری جانب سے ایک اہم مطالبہ یہ بھی ہوگا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے اور انہیں کلیدی عہدوں سے ہٹایا جائے۔اس پر آپ کا کیا طرزِ عمل ہے۔مجیب نے جواب دیا۔" دیکھئے قادیانیوں کا فتنہ آپ کے علاقے ہی کا پروردہ ہے۔ ہمارے یہاں ڈھاکہ میں انہوں نے ایک مشن قائم کیا تھا جسے مسلمانوں کے دباؤ اور مظاہرہ کے باعث وہ خود ہی ختم کرنے پر مجبور ہو گئے۔ہم نے اِس فتنہ کو کہیں بھی سر اٹھانے نہیں دیا آپ دیکھئے ایم،ایم احمد ڈھاکہ میں مارا مارا پھر رہا ہے۔یہاں اِس کا کوئی کام نہیں،کوئی مقصد نہیں، میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ مشرقی پاکستان میں یہ (قادیانی) جانور نہیں ملتا۔"

(تحریک ختم نبوت اور مولانا شاہ احمد نورانی۔ص 10-11)

مجیب الرحمن اور دیگر سیاسی رہنماؤں سے ملاقات کے بعد علامہ شاہ احمد نورانی نے اپنے رفقاء علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری،علامہ محمد حسن حقانی اور ظہور الحسن بھوپالی کے ہمراہ 28، فروری 1971ء کو ایوان صدر کراچی میں جنرل یحییٰ خاں سے ملاقات کی،جس میں

"آپ نے انگلش میں یحییٰ خاں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔جناب صدر کیا

آپ کو معلوم ہے کہ قادیانی مسلمانوں سے علیحدہ حیثیت رکھتے ہیں اور اُن کا مشن اسرائیل میں کام کررہا ہے۔ جب کہ پاکستان اور اسرائیل کے درمیان سفارتی تعلقات نہیں ہیں۔ قادیانی جب چاہیں جینوا کے راستے اسرائیل چلے جاتے ہیں اور پاکستان میں یہودی سرمائے کے ذریعے ملکی سالمیت کے خلاف کام کررہے ہیں۔ مولانا نے یہ سوال بھی کیا، جناب صدر کیا آپ کو علم ہے کہ ربوہ دراصل پاکستان کے اندر ایک آزاد ریاست کی طرح ہے۔ اُس کی اپنی عدالتیں اور نیم فوجی تنظیم الفرقان فورس ہے۔؟ یحییٰ خاں نے مولانا کے دونوں سوالات پر لاعلمی کا اظہار کیا۔ علامہ شاہ احمد نورانی نے یحییٰ خاں سے یہ بھی کہا کہ میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا کہ مشرقی پاکستان کے لوگ ایم، ایم، احمد سے نفرت کرتے ہیں۔ اگر انہیں ایم۔ ایم احمد مل جائے تو وہ اُسے جلا کر اُس کی خاک خلیج بنگال میں ڈال دیں۔ لیکن پھر بھی آپ ایم، ایم، احمد کو اپنے ساتھ مشرقی پاکستان لے جارہے ہیں۔ اِس کے اچھے اثرات مرتب نہیں ہوں گے۔ اِس کے جواب میں یحییٰ خاں نے کہا کہ مجیب بھی یہی کہتا ہے۔ مولانا نے جب دیکھا کہ یحییٰ خاں مسئلہ کی سنگینی کو سمجھ ہی نہیں پارہا، تو وہ یہ کہہ کر خاموش ہوگئے کہ صدر صاحب، یہ ملک بڑی قربانیوں سے حاصل کیا گیا ہے اِسے اِس آسانی سے ضائع نہ کیجیے۔"

(تحریک ختم نبوت اور مولانا شاہ احمد نورانی۔ ص 13-12)

آپ نے یحییٰ خاں کو حالات کی سنگینی کا احساس دلاتے ہوئے فوری اسمبلی کا اجلاس بلانے اور اقتدار عوامی نمائندوں کو منتقل کرنے کا مطالبہ کیا۔ جبکہ یحییٰ خاں کسی طور بھی اِس بات پر آمادہ نہیں تھا۔ اِس ملاقات میں آپ کی مدلل گفتگو اور دلائل کا یحییٰ خاں کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ کسی طرح بھی حالات کی سنگینی تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا اور اُس نے یکم مارچ 1973ء کو اپنی نشری تقریر میں 3 مارچ کو ڈھاکہ میں بلایا گیا قومی اسمبلی کا اجلاس بھی ملتوی کردیا۔

علامہ نورانی عوامی لیگ اور شیخ مجیب الرحمن کے بارے میں ابتداء ہی سے حقیقت پسندانہ اور مدبرانہ موقف اختیار کرنے کے حامی تھے۔ آپ نے بارہا حکمرانوں کی سیاسی پالیسیوں پر تنقید کی اور انہیں مشرقی پاکستان کے حوالے سے تدبر اور سوجھ بوجھ کا مظاہرہ کرنے کا مشورہ دیا، ساتھ ہی آپ نے متعدد بار شیخ مجیب الرحمن سے بھی ملاقاتیں کیں، لیکن ان تمام کوششوں کے باوجود آپ سمجھتے تھے کہ عوامی لیگ کے چھ نکاتی مطالبے نے معاملات کو بہت زیادہ خراب کر دیا ہے، مارچ 1971ء میں دیئے گئے ایک انٹرویو میں آپ نے کہا

"چھ نکاتی پروگرام کو لے کر عوامی لیگ اتنی آگے بڑھ چکی ہے کہ اب اس کا پیچھے لوٹنا ناممکن ہے، اس مسئلے پر بہت سے حضرات کا یہ خیال ہے کہ عوامی لیگ کے رہنماؤں نے جذبات کی رو میں بہہ کر ترتیب دیئے ہیں، مگر میں سمجھتا ہوں کہ چھ نکاتی پروگرام مغربی پاکستان کی بیوروکریسی اور بعض نااہل نا قدین کی غلط روش کے ساتھ ساتھ مسلسل سیاسی سازشوں کے ردعمل میں سامنے آیا ہے، اب ہمیں بڑے سکون کے ساتھ چھ نکات پر غور کرنا ہوگا، جذباتی انداز میں عوام کے سامنے چھ نکات کی مخالفت سے کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوگا، یہ رویہ اسلیئے بھی درست نہیں ہوگا کہ عوامی لیگ اکثریت رکھتی ہے اور ہماری مخالفت اس کی اکثریت کو اقلیت میں نہیں بدل سکتی۔ پھر دوسرا خطرہ یہ بھی ہے کہ جتنی شدت سے عوامی لیگ کے چھ نکاتی پروگرام کی مخالفت کی جارہی ہے، یا کی جائے گی۔ اتنا ہی سخت ردعمل ہوگا، پچھلے تئیس (23) برس میں مشرقی پاکستانی عوام جس قدر شک و شبہات کا شکار ہوئے ہیں۔ ہمارے انتہا پسندانہ رویئے سے مزید بڑھ جائیں گے۔ اسلیئے بہتر یہی ہے کہ دستور سازی کے اہم مسائل پر اس سیاسی موقع پر تبصرے نہ کئے جائیں تاکہ سیاسی الجھنیں نہ بڑھیں بلکہ ہونا یہ چاہیے کہ عوام کے منتخب رہنما اسمبلی میں بیٹھ کر آپس میں بحث و مباحثہ کریں تاکہ جملہ مسائل کا حل تلاش کیا جاسکے، یہی صحیح راستہ ہے مفاہمت کا،

اگر ایسا نہ ہوا اور عوام نے جذبات کی رو میں بہہ کر اپنے اپنے تبصرے جاری رکھے تو ملک کے دونوں حصوں کے عوام میں اشتعال بڑھ جائے گا........اور سیاسی تناؤ ملک کو دو بلاکوں میں تقسیم کردے گا۔ پاکستان کے مسلمانوں کا اس طرح سیاسی بنیادوں پر یا سیاسی اختلافات پر دو بلاکوں میں تقسیم ہونا بہت خطرناک ثابت ہوگا اور اس صورتحال سے جو نتائج نکلیں گے ان کے تصور ہی سے میری روح کانپ جاتی ہے۔ ہمیں مشرقی پاکستان کے بھائیوں کو موقع دینا چاہیے کہ ان کے دل سے یہ شبہ نکل جائے کہ مغربی پاکستان والے کچھ سیاسی حقوق دینا ہی نہیں چاہتے، اگر ہم نے ان کو مرکز میں اقتدار دیا تو ان کو خود احساس ذمہ داری کے ساتھ ساتھ مرکز کی فعالیت کا ثبوت مل جائے گا اور کمزور مرکز اس طرح سے مضبوط مرکز بن جائے گا۔"

(ہفت روزہ اخبار جہاں کراچی۔ 3 مارچ 1971ئ)

اسی طرح ایک اور موقر جریدے" ہفت روزہ زندگی" کو انٹرویو دیتے ہوئے آپ نے کہا کہ

"ہم چھ نکات کو نہ بالکل رد کرتے ہیں اور نہ بلا حیل و حجت قبول کرنے کے حق میں ہیں، بلکہ اسمبلی کے اندر اُن پر بحث کرنے اور ان میں مناسب ردّ و بدل اور ترمیم و تنسیخ کی گنجائش نکالنا چاہتے ہیں، مگر چھ نکات پر گفتگو اسی صورت کامیاب ہوسکتی ہے، جبکہ یہ سڑکوں، گلیوں اور بازاروں کے بجائے اسمبلی کے پرسکون ماحول میں جذبات سے بالا تر ہوکر افہام و تفہیم کی فضا میں ہو .... لیکن حالات جس تیزی سے بگڑ رہے ہیں اس سے ممکن ہے کہ مشرقی پاکستان کی سیاست میں اُن لوگوں کو غلبہ حاصل ہوجائے جو صرف مشرقی پاکستان کے مفاد کی بات کرتے ہیں اور اگر ایسا ہوا تو سب ہی اس کے قصوروار ہوں گے۔"

(ہفت روزہ زندگی لاہور۔15 تا 21مارچ 1971ئ)

علامہ شاہ احمد نورانی کی حقیقت پسندانہ رائے کو اہمیت دینے اور آپ کے مخلصانہ مشوروں پر عمل کرنے کے بجائے ارباب اقتدار ملک توڑنے کی سازشوں میں مصروف رہے۔لیکن آپ بار بار حکمرانوں کو اس خطرے سے آگاہ کرتے رہے کہ غیر ملکی طاقتیں پاکستان کو تباہ و برباد کرنا اور مشرقی پاکستان کو ملک کو مغربی حصے سے کاٹنا چاہتی ہیں۔جو ایک خطرناک سازش ہے اور پاکستان کے مرزائی اس سازش میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔آپ نے 26فروری 1971ء کو آرام باغ کراچی کے جلسہ عام میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا

"مرزائیوں نے ایک پارٹی کی انتخابی مہم پر لاکھوں روپے خرچ کئے ہیں اور وہ بعض لیڈروں کو اپنا آلہ کار بنا کر مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے علیحدہ کرنے کی سازش کر رہے ہیں،مرزائیوں کو علم ہے کہ اسلامی نظام حیات میں ان کیلئے کوئی جگہ نہیں۔یہ تاریخ کا بہت بڑا المیہ ہے کہ قومی اور صوبائی اسمبلیوں کی متعدد نشستوں پر قادیانیوں کا قبضہ ہو چکا ہے۔"

آپ نے کہا کہ"پاکستان اس وقت فتنوں کا گھر اور فتنہ پردازیوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے،مرزائیت ملک کا سنگین ترین فتنہ ہے۔امریکہ کے صدارتی انتخاب میں جو کردار یہودی ادا کرتے ہیں،بعینہ وہی کردار مرزائیوں نے یہاں ادا کیا ہے۔مرزائیوں کو یہودیوں سے تشبیہ دینا بظاہر عجیب سا لگتا ہے۔لیکن یہ حقیقت ہے کہ مرزائی مشن تل ابیب میں موجود ہے،پاکستان اور اسرائیل کے درمیان ہر قسم کے تجارتی تعلقات منقطع ہیں۔اس کے باوجود قادیانی تل ابیب میں کیا کر رہے ہیں اسلیئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسرائیلی حکومت جو مسلمانوں کو جڑ سے مٹانے پر تلی ہوئی ہے اور بیت المقدس پر قبضہ کر کے مسلمانوں کے آثار تک ختم کر دینے کے درپے ہے،وہ اس مشن کی سرپرستی کیوں کر رہی ہے؟ایک طرف تو ہم اسرائیل کے وجود تک کو تسلیم کرنے کو تیار

نہیں، دوسری طرف ہمارے ملک کے ایک مقام "ربوہ" کا مشن تل ابیب میں قائم ہیں، یہ امر تشویشناک بلکہ افسوسناک ہے۔ آپ نے اس شبہ کا اظہار بھی کیا کہ اسرائیل میں موجود اس مشن کے ذریعے سرمایہ بھی آتا ہے۔ اسے پچھلے دنوں پاکستان کے انتخابات میں خرچ کیا گیا۔ یہ بات اسلئے بھی بعید از قیاس نہیں کہ جس مرزائی جماعت کا مشن تل ابیب میں قائم ہے، اس کے اراکین نے پاکستان کے انتخابات میں حصہ لیا تھا۔ ظاہر ہے کہ جماعت کے تمام مشنوں نے ان تمام امیدواروں کی مدد کی ہوگی۔"

(ہفت روزہ زندگی لاہور۔ 15 تا 21 مارچ 1971ئ)

علامہ شاہ احمد نورانی نے مشرقی پاکستان کے بدترین حالات اور قادیانیوں کی پاکستان کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی سازشوں سے قوم کو آگاہ کرنے کیلئے 19، مارچ 1971ء کو آرام باغ کراچی میں ایک بہت بڑے جلسہ عام سے خطاب کیا۔ جس میں آپ نے کہا کہ

"انگریزی استعمار کی پیداوار مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکاروں نے پاکستان کے وجود کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا تہیہ کرلیا ہے اور میں پوری ذمہ داری کے ساتھ یہ اعلان کررہا ہوں کہ قادیانیوں نے پاکستان کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا جو پروگرام ترتیب دیا ہے۔ اُس کا پہلا مرحلہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی ہے۔ برسر اقتدار ٹولہ اور مغربی پاکستان کی اکثریتی جماعت اِن کی آلہ کار بن گئی ہے اور اب مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی سازش کا آخری راؤنڈ شروع ہونے والا ہے۔ مشرقی پاکستان میں فوجی کاروائی کی جائے گی اور بھارت مداخلت کرے گا۔ اِس سلسلے میں ایم، ایم، احمد اور سورن سنگھ کے درمیان حال ہی میں نیویارک میں ملاقات ہوئی ہے۔ ایم، ایم احمد نے گزشتہ ہفتہ کراچی میں باتھ آئی لینڈ کے ایک بنگلے میں ملک کی بعض اہم شخصیات سے ملاقات کرکے انہیں اِس بات پر قائل کیا ہے۔ کہ مشرقی پاکستان مغربی پاکستان پر ایک بوجھ ہے اور اُس کا آمدنی میں حصہ محض 9% فیصد ہے۔ قادیانیوں کا اس

ضمن میں بھارت اور اسرائیل سے رابطہ ہے۔"

(تحریک ختم نبوت اور مولانا شاہ احمد نورانی۔ص 15-14)

علامہ شاہ احمد نورانی قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی ہوتے ہی ڈھاکہ روانہ ہو گئے اور آپ نے 23، مارچ 1971ء تک ڈھاکہ میں قیام کیا۔ اس دوران آپ نے شیخ مجیب الرحمن سے کئی ملاقاتیں کیں اور اِس بحران کا مثبت حل نکالنے کی کوششیں جاری رکھیں۔ اِن ہی ایام میں سردار شوکت حیات، ممتاز دولتانہ، اور ولی خان بھی ڈھاکہ پہنچ چکے تھے۔ ڈھاکہ میں قیام کے دوران علامہ شاہ احمد نورانی کو یحییٰ خاں نے ڈھاکہ کے ایوان صدر میں ملاقات کیلئے بلایا۔ اُس وقت وہ مے نوشی میں مصروف تھا۔ آپ نے اُسے مے نوشی پر ڈانٹتے ہوئے کہا کہ "ملک شدید قسم کے سیاسی بحران سے گزر رہا ہے اور آپ مے نوشی فرمارہے ہیں۔" مولانا نورانی نے جام و مینا کی موجودگی میں صدر سے مزید بات کرنے سے انکار کر دیا، چنانچہ مولانا کے مطالبے پر فوری طور پر وہاں سے شراب ہٹائی گئی۔ آغا شورش کاشمیری ہفت روزہ چٹان کی اشاعت میں لکھتے ہیں کہ

> "مولانا نورانی وہ واحد مرد خدا تھے جنھوں نے دوران ملاقات یحییٰ خاں کو مسلسل مے نوشی پر ترش لہجہ میں کہا تھا، یحییٰ صاحب ہمارے سامنے مے نوشی بند کیجیے، ورنہ ہم اٹھ کر چلے جائیں گے۔ اخبار لکھتا ہے کہ شیخ مجیب الرحمن کی گرفتاری سے قبل آخری ملاقاتوں میں مولانا نورانی نے یحییٰ خاں کی ناکارہ فوجی حکمت عملی اور غلط اندازوں پر ٹوکتے ہوئے کہا تھا،

" What are you talking Mr.president."

(ہفت روزہ چٹان 31، جنوری 1972ء ترجمان اہلسنت، مارچ 1972ء)

اِس ملاقات میں آپ نے یحییٰ خاں کو مجیب الرحمن سے مذاکرات کرنے اور اُسے فوری طور پر اقتدار منتقل کرنے کا مطالبہ کیا اور ساتھ ہی یحییٰ خان کو متنبہ کیا کہ اِس کام میں تاخیر اور تساہل کی صورت میں ملک ٹوٹ جائے گا۔ لیکن یحییٰ خاں کسی بھی قسم کی مفاہمت پر آمادہ نہیں تھا، ایوان صدر میں کھیلے جانے والے کھیل سے واضح ہو رہا تھا کہ پُر امن انتقال اقتدار ممکن نہیں رہا ہے اور حکمرانوں نے

پرُامن مذاکرات کا راستہ اپنانے کے بجائے طاقت استعمال کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔جس کے جواب میں اہل بنگال کی جوابی نفرت اور ردّ عمل کا اظہار ایک فطری عمل تھا۔چنانچہ 23،مارچ کو علامہ شاہ احمد نورانی جو ملک کے استحکام اور سالمیت کی جدوجہد میں مصروف تھے ڈھاکہ سے واپس آگئے۔

25،مارچ 1971ء کے بعد ملک میں موجود سیاسی گھٹن کے باوجود علامہ شاہ احمد نورانی ارباب حل وعقد تک قادیانیوں کے بارے میں قوم کا موقف پیش کرتے رہے۔7،اپریل 1971ء کو آپ نے یحییٰ خاں کے نام کھلا خط لکھا۔جس میں مشرقی پاکستان میں کی جانے والی ناعاقبت اندیشی کا ذکر کرتے ہوئے قادیانیوں اور خصوصاً ایم ،ایم احمد کی وطن دشمن سرگرمیوں کا بھی تذکرہ کیا گیا تھا۔

مولانا شاہ احمد نورانی نے 1970ء کی انتخابی مہم اور اس کے بعد سے مسلسل اس بات پر زور دیا کہ ملک کے تحفظ اور بقاء کا راستہ حقیقی جمہوریت کے نفاذ میں پوشیدہ ہے۔اکتوبر 1971ء میں علامہ شاہ احمد نورانی نے ملک کے مسائل کے حل کیلئے ایک پانچ نکاتی فارمولا پیش کیا،جس کو ملک گیر پزیرائی حاصل ہوئی۔اس پانچ نکاتی فامولے کو اس وقت کے حالات کے تناظر میں بہترین حل قرار دیا جاسکتا ہے۔

> ''آپ کے اِن پانچ نکات میں قادیانی مسئلہ سرفہرست تھا۔علامہ شاہ احمد نورانی نے کبھی بھی اِس مسئلے کو پاکستان کی سالمیت سے الگ تصور نہیں کیا۔بلکہ (ہمیشہ) اِس مسئلے کا حل پاکستان کے استحکام وسالمیت واساس کیلئے لازمی سمجھا۔آپ کے پیش کردہ وہ پانچ نکات مندرجہ ذیل ہیں۔
>
> ☆اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کے حوالے کیا جائے۔
>
> ☆مشرقی پاکستان کے مسئلے کا سیاسی حل تلاش کیا جائے۔
>
> ☆قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔
>
> ☆قادیانیوں کو کلیدی عہدوں سے ہٹایا جائے۔
>
> ☆1954ء کے دستوری مسودہ کو دستور کی بنیاد کے طور پر اختیار کیا جائے۔''

(تحریک ختم نبوت اور مولانا شاہ احمد نورانی۔ص15)

جمعیت علماء پاکستان کے قائد علامہ شاہ احمد نورانی پاکستان کے وہ واحد مذہبی اور سیاسی رہنما

تھے۔ جنہوں نے قادیانیوں کی نقاب کشائی اور محاسبے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ آپ نے ہمیشہ اُن کی وطن دشمن سرگرمیوں پر قدغن لگانے کا مطالبہ کیا۔ لیکن افسوس کہ علامہ شاہ احمد نورانی کے بار بار انتباہ کے باوجود ارباب اقتدار کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی اور وہ قادیانیوں کی ایماء پر دیدہ و دانستہ ملک دشمن سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ حتیٰ کہ علامہ شاہ احمد نورانی کے اندیشے درست نکلے اور دنیا نے دیکھ لیا کہ 25، مارچ 1971ء کو ہونے والی فوجی کاروائی بالآخر مشرقی پاکستان کی علیحدگی پر منتج ہوئی۔

16، دسمبر 1971ء کا سورج مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا اعلان لے کر طلوع ہوا اور مشرقی پاکستان، ہم سے جدا ہو کر "بنگلہ دیش" بن گیا۔ پاکستان کی کم و بیش ترانوے ہزار (93,000) فوج کو یحییٰ خان کے غلط اقدام کے نتیجے میں المناک حالات میں ہتھیار ڈالنے پڑے اور مشرقی پاکستان میں مسلمانوں نے جس طرح ایک دوسرے کا خون بہایا وہ ایک الگ دردناک داستان ہے۔

مولانا شاہ احمد نورانی فوجی حکمرانوں کو ہمیشہ اِن خطرات اور المیے سے آگاہ کرتے رہے جس کا بعد میں پوری قوم کو سامنا کرنا پڑا۔ مولانا نورانی کا ہمیشہ ہی یہ واضح اور دو ٹوک موقف رہا کہ اقتدار بلا تاخیر اکثریتی جماعت کو منتقل کر دیا جائے اُس کے بعد باقی تمام معاملات قومی اسمبلی کے اندر طے ہونے چاہیں۔ یہ مولانا شاہ احمد نورانی ہی تھے جنہوں نے دیگر قومی رہنماؤں کے سامنے جنرل یحییٰ خاں کو کھری کھری سنائیں تھیں۔ لیکن جنرل یحییٰ اقتدار اور شراب کے نشے میں اِس قدر مست تھا کہ اُس نے آپ کے حقائق پر مبنی تجزیے اور صحیح مشورے پر کوئی توجہ نہیں دی اور طاقت کا غلط استعمال کر کے نہ تو وہ اپنے اقتدار کو بچا سکا اور نہ ہی پاکستان کی جغرافیائی حدود کی حفاظت کر سکا۔

علامہ شاہ احمد نورانی کیلئے مشرقی پاکستان کا سانحہ انتہائی تکلیف و دکھ کا باعث تھا۔ آپ قادیانیوں کو سانحہ مشرقی پاکستان کا سو فیصدی (100%) ذمہ دار قرار دیتے تھے۔ آپ کے بقول

> "پاکستان کے بجٹ کی تیاری اور اقتصادی حوالے سے جو بھی پلاننگ ہوتی اس کا چیئرمین ہمیشہ ایم۔ ایم احمد ہوتا۔ جو جان بوجھ کر مشرقی پاکستان کو نظر انداز کرتا۔ تا کہ وہاں کے لوگوں میں مغربی پاکستان کے حوالے سے شکایات پیدا ہوں اور ان کے درمیان دوریاں بڑھیں۔ اِس سلسلے میں ایم، ایم، احمد قادیانی

کا کردار بہت ہی گھناؤنا ہے۔ مجھے ڈھاکہ جانے کے بعد مزید اندازہ ہوا مشرقی پاکستان میں قادیانی واقعی بڑا گھناؤنا کردار ادا کر رہے ہیں اور ڈھاکہ کا ہر سمجھدار شخص ایم۔ایم۔احمد کی شکایت کرتا نظر آتا ہے۔

مشرقی پاکستان میں جب 1970ء میں سیلاب آیا، تو دنیا بھر کے ممالک سے اُن کی مدد کیلئے امداد آئی۔لیکن بدقسمتی سے اس امداد کی تقسیم کا کام ایم،ایم احمد قادیانی کے سپرد کیا گیا۔جس سے وہاں کے لوگ شدید نفرت کرتے تھے۔انہیں اِس بات پر سخت افسوس تھا کہ اُس شخص کو امداد کی تقسیم کا کام سونپا گیا ہے جو ہمیشہ اُن کے ساتھ ناانصافی کرتا ہے۔

جہاں تک اقتصادیات کا تعلق ہے ایم،ایم احمد نے پوری منصوبہ بندی سے مرزائیت کو مضبوط کیا۔بالکل اُسی طرح جس طرح امریکہ میں یہودیوں نے اپنے آپ کو مضبوط کیا ہے اور یہودی امریکہ میں اِس قدر اثر انداز ہیں کہ تمام بینکوں، انشورنش کمپنیوں اور بڑے بڑے کارخانوں، غرضیکہ ہر بڑے سرمایہ کاری کے اڈے پر اُن کا قبضہ ہے۔یہی وجہ ہے کہ امریکہ کی سینٹ اور صدر اُن کی حمایت کے بغیر منتخب نہیں ہو سکتے۔یہی طریقہ مرزا ایم۔ایم احمد نے اختیار کیا اور وہی پوزیشن حاصل کرنے کی کوشش کی۔انہوں نے اور چوہدری ظفر اللہ قادیانی نے یہاں آکر باقاعدہ مرزائیوں کو لائسنسوں سے نوازا۔قادیانیوں کو کارخانوں اور تمام اہم انڈسٹریز کے پرمٹ دیئے گئے۔تا کہ مرزائی اقتصادی طور پر مضبوط ہو جائیں۔ظفر اللہ قادیانی کی حمایت سے قادیانیوں کا بڑا گروہ حکومت میں داخل ہو گیا اور اقلیت میں ہونے کے باوجود اُن کی وہی پوزیشن ہوگئی، جو امریکہ میں یہودیوں کی ہے۔"

(انٹرویو علامہ شاہ احمد نورانی ترجمان اہلسنت کراچی مارچ 1973ئ)

سانحہ مشرقی پاکستان کے عوامل اور وجوہات اور مستقبل کے لائحہ عمل پر روشنی ڈالتے ہوئے

آپ نے فرمایا

"دسمبر 1971ء کی جنگ کو ہرگز فیصلہ کن قرار نہیں دیا جاسکتا۔ برصغیر کی اسلامی تاریخ اس قسم کے واقعات سے بھری پڑی ہے، جب کہ وقتی طور پر ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن اس وقت غیور اور باضمیر مسلمان حکمرانوں نے بالآخر اپنی شکست کو مستقل فتح میں بدل ڈالا۔ شہاب الدین محمد غوری کی جدوجہد اس سلسلے کی ایک روشن مثال کی حیثیت رکھتی ہے۔ موجودہ صورتحال اپنوں کی غداری اور بے وقوفی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ ہماری چودہ سو سالہ روایات کا تقاضہ ہے کہ ہم اسے ایک عارضی سانحہ سمجھیں اور تلافی مافات کیلئے بھرپور جدوجہد کا آغاز کردیں۔ مجھے تعجب ہوتا ہے اس جنگ کو فیصلہ کن قرار دے کر گھٹنے ٹیک دینے والے لوگ وہ ہیں، جو ہزار سال تک لڑنے کا اعلان کرتے تھے۔ میں کہتا ہوں ہزار سال نہیں، پانچ سو سال نہیں، ایک سو سال اپنی جدوجہد جاری رکھو۔ ہمیں بزدلی اور بے غیرتی کا راستہ اختیار نہیں کرنا چاہیے۔"

(انٹرویو مولانا شاہ احمد نورانی۔ اردو ڈائجسٹ، جولائی 1972ئ)

ممتاز مسلم لیگی رہنما چودھری ظہور الٰہی کہتے ہیں کہ

"سابق صدر یحییٰ خاں نے مولانا شاہ احمد نورانی سے میرا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ جب مشرقی پاکستان کے لیڈروں سے مذاکرات کے دوران مغربی پاکستان کے تمام لیڈر خاموش رہتے تھے، تو شاہ احمد نورانی واحد آدمی تھا جو میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مجھ سے بات کرتا تھا اور جس نے کہا تھا کہ تم کسی کو غدار قرار دینے والے کون ہوتے ہو۔ عوام کے نمائندوں کو اقتدار منتقل کردو۔ اس کے بعد سیاسی معاملات کو حل کرنا ہمارا کام ہوگا۔"

(روزنامہ مشرق لاہور 26، جولائی 1977ء نورانی میاں کی تبلیغی مصروفیات ص 38)

پہلے سویلین مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کا مارشل لاء اٹھانے سے گریز

16، دسمبر 1971ء کو مشرقی پاکستان کی علیحدگی بنگلہ دیش کے قیام پر منتج ہوئی اور دسمبر 1971ء میں یحییٰ خاں نے عنان اقتدار پیپلز پارٹی کے چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو کے حوالے کر دیا کیونکہ

"پیپلز پارٹی مغربی پاکستان کی اکثریتی جماعت کی حیثیت سے ابھری تھی........ پیپلز پارٹی کی نمایاں کامیابی کی وجہ اس کا اقتصادی پروگرام، بلند بانگ دعوے، پرانی قیادت سے عوام کی مایوسی، پارٹی کے کارکنوں کا عوام سے رابطہ اور اس کا وہ متحرک لیڈر تھا جو جذباتی خطابت کے فن کا ماہر تھا۔ اس نے ایوب خان کے خلاف تحریک چلا کر ایوبی آمریت کے خلاف نفرت سے فائدہ اٹھایا اور عوام کو ایوب حکومت کے خوف سے نجات دلائی۔ کشمیر پر اپنے موقف سے اور اپنے آپ کو عوام کی امنگوں کی شناخت بنا کر بھٹو نے عوام کی توجہ حاصل کی۔ بہر حال پیپلز پارٹی کی کامیابی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ عوام پرانی قیادت سے بالکل مایوس ہو چکے تھے اور نئی قیادت کو آزمانا چاہتے تھے۔"

(پاکستان تاریخ و سیاست۔ ص 137)

چنانچہ ذوالفقار علی بھٹو نے ملک کے صدر کا عہدہ سنبھالنے کے ساتھ ساتھ مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کا عہدہ بھی اپنے پاس ہی رکھا۔ پاکستان کی تاریخ میں وہ پہلے سویلین صدر تھے جنھوں نے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کا عہدہ اپنے پاس رکھا تھا۔ ابتداء میں ذوالفقار علی بھٹو ملک میں ہنگامی حالت کا بہانہ بنا کر قومی اسمبلی کا اجلاس بلانے سے گریز کرتے رہے اور یوں ایک ایسی عوامی سیاسی جماعت جو اسلام کو اپنا دین، جمہوریت کو اپنی سیاست، سوشلزم کو اپنی معیشت اور عوام کو طاقت کا سرچشمہ قرار دیتی تھی کے سربراہ کے اقتدار سنبھالنے کے باوجود ملک بدستور مارشل لاء کی لپیٹ میں رہا۔

مارشل لاء اٹھانے اور اسمبلی کا اجلاس بلانے کا مطالبہ

چنانچہ جنوری 1972ء میں علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نے کراچی میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے

"ملک سے فوری طور پر مارشل لاء اُٹھانے اور قومی اسمبلی کا اجلاس بلانے کا مطالبہ کیا۔ آپ نے واشگاف الفاظ میں موجودہ حکومت کو متنبہ کیا کہ وہ سابقہ حکمرانوں کے اُس نقش قدم پر چلنے سے گریز کرے جس پر چل کر پہلے ہی ملک تباہی اور بربادی سے دوچار ہو چکا ہے۔ انہوں نے حکمرانوں سے سوال کیا کہ جنرل نیازی نے ہتھیار کیوں ڈالے؟ اور وہ کیا عوامل تھے۔ جس نے انہیں شہادت کی موت مرنے کے بجائے قید کی زندگی اختیار کرائی؟۔ مولانا نورانی نے کہا کہ اس وقت ملک کی تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے لیکن ہم شہیدوں کے خون سے لکھی ہوئی اس تاریخ کو مسخ ہونے نہیں دیں گے۔ ہندوؤں اور مکتی باہنی نے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی ہے۔ پاکستان کی ترانوے (93,000) ہزار سے زائد فوج اِس وقت بھارت کی قید میں ہے۔ محب وطن پاکستانیوں کو لوٹا گیا۔ انہیں پاکستان سے محبت کی سزا دی جارہی ہے۔"

آپ نے حالات کا مرثیہ پڑھنے کے بجائے ملک کو درپیش صورتحال کا حل پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ

"ہمیں اس سے سبق لینا چاہیے۔ موجودہ صورتحال میں قومی استحکام کی واحد صورت یہ ہے کہ

(1) یحییٰ خان پر کھلی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے۔

(2) مشرقی پاکستان میں پاکستانی دوست باشندوں کے جان و مال کے تحفظ اور 93000 ہزار یرغمالی فوجیوں کی واپسی کی کاروائی تیز کی جائے اور اس مقصد کیلئے حکومت عوام کو اعتماد میں لے۔ مسئلے کے جذباتی اور انسانی پہلوؤں

کے پیش نظر پراسرار انداز اختیار کرنے سے گریز کیا جائے۔

(3) ملک سے مارشل لاء فوراً ختم کیا جائے۔ عبوری آئینی ڈھانچے میں ترمیم کر کے پارلیمانی نظام حکومت کے تحت قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے اجلاس بغیر کسی تاخیر طلب کئے جائیں اور شہریوں کے مکمل حقوق بحال کئے جائیں۔

(4) اسلام کو محض نعرہ بازی اور سیاسی اسسٹنٹ کے طور پر استعمال نہ کیا جائے بلکہ اسلامی اخوت اور مساوات کی حقیقی روح کے مطابق انقلابی سماجی اقتصادی اصلاحات کی جائیں۔ یہ اصلاحات اسی وقت دیرپا اور پائیدار ہوسکتی ہیں جب جمہوری طور پر اسمبلی کے ذرائع سے ہوں۔

(5) مسلح افواج کے سیاست میں حصہ لینے پر مکمل پابندی عائد کی جائے، تاکہ مستقبل میں کبھی فوجی ذرائع سے اقتدار پر قبضہ جمانے کا امکان باقی نہ رہے۔"

(روزنامہ جنگ کراچی۔ 15 جنوری 1972ء)

انتخاب مراعات اور الاؤنسز کیلئے نہیں عوامی آواز پہنچانے کیلئے لڑا ہے

اس دوران علامہ شاہ احمد نورانی مسلسل حکومت سے یحییٰ خاں پر کھلی عدالت میں مقدمہ چلانے، بھارتی جیلوں میں قید پاکستانی فوجیوں کو ملک واپس لانے، ملک سے فوری مارشل لاء کے خاتمہ اور اسمبلیوں کے اجلاس بلانے، صحیح معنوں میں اسلامی نظام نافذ کرنے اور فوج کے سیاست میں حصہ لینے پر پابندی لگانے کا مطالبہ کرتے رہے۔ آپ نے حکومتی وزیر قانون کی جانب سے اس اعلان کو کہ 30 دسمبر سے اسمبلی ممبران کو تمام مراعات دی گئیں ہیں مضحکہ خیز قرار دیتے ہوئے فرمایا۔ ہمیں مراعات اور الاؤنسز نہیں چاہیے۔ کیونکہ ہم نے انتخاب مراعات اور الاؤنسز کیلئے نہیں، بلکہ عوام کی آواز اسمبلی تک پہنچانے کیلئے لڑا ہے۔ ہم جمہوریت کی بحالی اور اسلام کو برسر اقتدار لانے کیلئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔

قائد تحریک ختم نبوت، قومی اسمبلی میں

جمعیت علماء پاکستان نے پہلے ہی اصولی فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ کسی سطح پر بھی پیپلز پارٹی کے ساتھ اقتدار میں شامل نہیں ہوگی، بلکہ جمعیت علماء پاکستان ایک مثبت تعمیری تنقید کے ساتھ اپوزیشن کا کردار ادا کرتی رہے گی۔ چنانچہ جمعیت علماء پاکستان نے ابتدا ہی سے ہم خیال اپوزیشن جماعتوں کا اتحاد قائم کرنے کی کوششیں جاری رکھیں۔ علامہ شاہ احمد نورانی کی اِن کوششوں کے نتیجے میں مارچ 1972ء کے پہلے ہی ہفتے میں قومی اسمبلی کے افتتاحی اجلاس سے پہلے اپوزیشن جماعتیں متحد ہوگئیں اور نیپ، جماعت اسلامی، جمعیت علماء اسلام اور جمعیت علماء پاکستان پر مشتمل متحدہ جمہوری محاذ کے نام سے بارہ نکات پر مشترکہ جدوجہد جاری رکھنے فیصلہ کیا گیا اور قومی اسمبلی میں حزب اختلاف کے ترجمان کیلئے خان عبدالولی خان اور رابطہ سیکرٹری کیلئے علامہ شاہ احمد نورانی منتخب کیے گئے۔

پہلی ہی تقریر میں نفاذِ اسلام اور آئین کو قرآن وسنت کے مطابق بنانے کا مطالبہ

14، اپریل 1972ء کو ذوالفقار علی بھٹو نے مارشل لاء کے زیر سایہ اسمبلی کے افتتاحی اجلاس سے قبل آئین ساز اسمبلی کے وضع کردہ آئین کی تشکیل تک ملک میں ایک عبوری آئین نافذ کیا۔ جس کے نفاذ کے بعد قومی اسمبلی کا سہ روزہ افتتاحی اجلاس شروع ہوا۔ 14، اپریل 1972ء سے شروع ہونے والے اِس سہ روزہ قومی اسمبلی کے افتتاحی اجلاس کے پہلے ہی روز علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نے جمعیت علماء پاکستان کے پارلیمانی قائد کی حیثیت سے عبوری آئین پر قومی اسمبلی میں اپنی پہلی تقریر کرتے ہوئے ملک میں فوری طور پر مکمل اسلامی نظام کے نفاذ اور ملک کے آئین کو قرآن وسنت اور علماء کے پیش کردہ بائیس (22) نکات کے مطابق اسلامی بنانے کا بھی مطالبہ کیا۔ آپ نے حکومتی اقدامات پر شدید تنقید کرتے ہوئے فرمایا کہ

> ”میں سمجھتا ہوں کہ حزب اختلاف کی کوششیں بارآور ثابت ہوئیں اور ملک سے مارشل لاء 21، اپریل سے اٹھ رہا ہے اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ عوام کے جذبات اور عوام کی خواہشات بارآور ہوتی نظر آرہی ہیں اور ایک عرصے کے بعد یہ ملک مارشل لاء کی لعنت سے نجات پارہا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا جہاں ایک سبب مارشل لاء تھا۔ وہاں اُس کا دوسرا اہم

سبب ملک میں اسلامی نظام کا موجود نہ ہونا بھی تھا۔ جس کی وجہ سے ملک میں عیاشی، شراب نوشی اور رقص و سرور کے اڈے کھلے ہوئے تھے۔ آج کراچی، راولپنڈی اور لاہور جیسے شہروں میں مختلف مقامات پر ہم لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ شراب خانوں میں جاتے ہیں۔ اگر آج ملک سے مارشل لاء اٹھ بھی جاتا ہے، تو اس مارشل لاء کی لعنت کے ساتھ ساتھ ایک دوسری لعنت شراب، رقص و سرور کی شکل میں مسلط ہے۔ وہ اگر ملک میں جاری رہی، تو مارشل لاء کے اٹھانے سے ہمیں کچھ فائدہ نہیں حاصل ہوگا اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر یہ لعنتیں ملک میں جاری رہیں، تو ہم اس ملک میں کوئی خدمت انجام نہیں دے سکتے۔ اِس لیے میں چیئرمین صاحب کے ذریعے جناب صدر صاحب سے مطالبہ کرونگا کہ جہاں انہوں نے مارشل لاء اٹھایا ہے اور قوم سے اپنے آپ کو مبارکباد کے قابل بنایا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اِس ملک سے شراب نوشی، فاحشہ خانے، اور قحبہ خانے کے اڈے جہاں بھی ہوں اٹھائے جائیں اور جتنے بھی رقص و سرور کے کلب ہیں اُن سب کو بند کیا جائے۔ ملک میں مکمل طور اسلامی نظام نافذ کرنے کے بعد صحیح اسلامی نظام سے اِس ملک کو آراستہ کیا جائے اور ملک کے آئین کو قرآن وسنت اور علماء کے بائیس (22) نکات کے مطابق بنایا جائے۔ میری نظر میں ایک پارلیمنٹرین کا مسلم ہونا بہت ضروری ہے۔ ملک میں جمہوری نظام لایا جائے اور عوام کی بنیادی ضروریات کو پورا کیا جائے۔ 30، دسمبر 1971ء کو جب مسٹر بھٹو چین تشریف لے گئے تو ملک سے چینی غائب ہوگئی اور چاول بھی غائب ہوگیا۔ آج غریب کیلئے اشیاء خورد و نوش گراں ہوتی جارہی ہے۔ عوام کی پریشانی بڑھتی جارہی ہے۔ صدر صاحب نے جتنی بھی اصلاحات نافذ کیں ہیں وہ تمام کی تمام اصلاحات اسمبلی میں پیش کی جائیں اور اس خودمختار ادارے سے اُن پر ووٹ حاصل کیا جائے۔

20دسمبر 1971ء سے لے کر آج تک مارشل لاء کی وجہ سے ہونے والے نقصانات کی حکومت فوری تلافی کرے اور وہ تمام سیاسی رہنماء اور اخبارات کے صحافی و ایڈیٹر جن میں ملک غلام جیلانی، الطاف گوہر، الطاف حسین قریشی، اعجاز حسین قریشی، مجیب الرحمان شامی، مظفر قادر اور مختار رعنا وغیرہ شامل ہیں اور جن کو مارشل لاء کے تحت گرفتار کیا گیا تھا۔ اب تک اِن تمام حضرات کو عدالتوں میں پیش کر کے مقدمہ نہیں چلایا گیا۔ یہ لوگ ملک کے اندر بحالی جمہوریت کی کوششیں کر رہے تھے اور حزب اختلاف کا کردار ادا کر رہے تھے۔ اسلیے حکومت اِن تمام افراد کو رہا کرے اور آئندہ سیفٹی ایکٹ اور اس قسم کے دوسرے قوانین کے تحت اِن کو دوبارہ گرفتار نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اِن پر مقدمات چلائے جائیں گے۔

اس تقریر میں علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نے انتظامیہ کو کرپشن سے پاک کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے حکومت کو بیوروکریسی کے جرائم پر پردہ ڈالنے کے بجائے اِسے جرم میں ملوث ہونے پر سخت سزا دینے اور کرپشن کے ذریعے کمائی ہوئی دولت کو ضبط کرنے کا بھی مطالبہ کیا۔"

(کاروائی قومی اسمبلی 14اپریل 1972ء صفحہ 73~70)

قومی اسمبلی میں تحفظ ختم نبوت کیلیے بلند ہونے والی سب سے پہلی آواز

15اپریل 1972ء کو وزیر قانون میاں محمود علی قصوری کی تقریر کے بعض نکات پر ارکان اسمبلی اور اسپیکر قومی اسمبلی کو متوجہ کرتے ہوئے علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نے مارشل لاء کی دفعات کو آئینی تحفظ دینے کے علاوہ غیر اسلامی دفعات کی موجودگی پر شدید تنقید کرتے ہوئے عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کو اپنا خاص موضوع بنایا۔ پاکستان کی تاریخ میں قومی اسمبلی کے فلور پر عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ میں بلند ہونے والی یہ سب سے پہلی آواز تھی۔ پاکستان کی قومی اسمبلی کی تاریخ میں یہ اعزاز صرف علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کو حاصل ہوا کہ انہوں نے ایک سچے عاشق رسول ہونے کی حیثیت سے بے

خوف و خطر ناموس رسالت ﷺ کی حفاظت کا فریضہ ادا کیا۔ آپ نے قومی اسمبلی میں تاریخ ساز خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

”جو آئین ہمارے سامنے عمدہ فریم میں سجا کر پیش کر دیا گیا ہے اُس میں اسلام کو قطعاً کوئی تحفظ نہیں دیا گیا۔ میں اِس دستور کو اِس معزز ایوان کیلئے قابل قبول نہیں سمجھتا اور اِس دستور کی مخالفت کرتا ہوں۔ اگر اِس دستور کو نافذ ہی کرنا ہے، تو وہ دفعات جو اِس کے اندر اسلام کے متعلق ہیں اِن دفعات کے متعلق کسی کمیٹی کے سامنے میں بیان دے سکتا ہوں، یہاں بہت سے عالم موجود ہیں وہ بھی بیان دیں گے۔ اسلام کے مطابق دستور بنانے میں تعاون کریں اور اِن دفعات کی تصحیح کی جائے جو اسلام کے خلاف ہیں۔ پھر اِس عارضی دستور میں ترامیم کر دی جائیں تب یہ قابل قبول ہو سکتا ہے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ اِس دستور میں کوئی اسلامی روح کارفرما نہیں ہے۔ حکومت کی تمام تر نیک نیتی کے باوجود اِس عبوری آئین سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ چونکہ اِس میں وہ تاریخیں متعین نہیں کی گئیں ہیں۔ جن تاریخوں کو بینکوں کے سود، شراب، نائٹ کلب اور اِس قسم کی دوسری چیزوں سے قوم کو نجات ملے گی۔ ستم ظریفی یہ کہ دوسری اصلاحات تو حکومت نہایت عجلت میں نافذ کرتی جارہی ہے۔ لیکن جو برائیاں معاشرے کو گھن کر طرح چاٹ رہی ہیں اُن کو دور کرنے کا وقت متعین نہیں کیا گیا۔ اِس کے ساتھ ساتھ مارشل لاء ریگولیشن کی دفعات جن میں سے بعض ایوبی دور کی ہیں اور بعض وہ ہیں جو 20، دسمبر سے لے کر آج تک نافذ کی گئی ہیں اِس عبوری دستور میں موجود ہیں۔ جس کی وجہ سے اِن دفعات کے تحت کئے گئے تمام ناجائز اقدامات کو آئینی تحفظ دے دیا گیا ہے۔

اسلامی دستور کے حوالے سے جو دفعات ہیں اُن میں سے بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو قابل اعتراض ہیں مثلاً ربا، سود خوری (Usury) وغیرہ جس کے

خاتمے کی کوئی مدت مقرر نہیں کی گئی۔ یہ بھی نہیں ہوا کہ مثلاً تین ماہ کے اندر اندر اسلام کے خلاف جتنے بھی قوانین ہیں وہ ختم کر دیئے جائیں گی۔ بلکہ آئین میں شراب، جوا، رقص و سرور اور نائٹ کلبوں پر بھی کسی قسم کی پابندی نہیں لگائی گئی۔ ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان ہی باتوں کی وجہ سے اس ملک کا ایک حصہ ہم سے جدا ہو گیا ہے اور آج پھر اس ملک اور اس قوم کو عیاش بنا کر تباہی کے گڑھے کی طرف لے جایا جا رہا ہے۔ جس طرح Martial Law Regulations ، راتوں رات بنا کر صبح فوری طور پر نافذ کر دیئے جاتے ہیں۔ اُسی طرح شراب رقص و سرور اور نائٹ کلب اور ریس کورس کے خلاف قانون امتناعی بھی فوری طور پر نافذ کر دیئے جائیں اور پرائمری سے لے کر تمام کالجز اور یونیورسٹیز تک اسلامیات کی تعلیم کو لازمی قرار دیا جائے۔"

(کارروائی قومی اسمبلی 15 اپریل 1972ء صفحہ 118~116)

قومی اسمبلی میں مسلمان کی تعریف کا مطالبہ قادیانیت پر پہلی ضرب

علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نے قومی اسمبلی میں اپنے اس خطاب میں آئین کے اندر مسلمان کی تعریف شامل کرنے کا پُرزور مطالبہ کیا۔ پاکستان کی آئین ساز اسمبلی کی دستوری تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ جب کسی رکن قومی اسمبلی نے پاکستان کے آئین میں ایک مسلمان کی تعریف کو آئین کا حصہ بنانے کا مطالبہ کیا تھا۔ حالانکہ آپ سے قبل مختلف مکاتب فکر کے کئی متعدد مشہور و معروف علماء کرام جن میں مولانا شبیر احمد عثمانی وغیرہ بھی شامل تھے گذشتہ اسمبلیوں رکن رہ چکے تھے۔ جبکہ مولانا مفتی محمود، مولانا غلام غوث ہزاروی، مولوی عبدالحق اکوڑہ خٹک جیسے علماء کرام اُس وقت بھی موجودہ اسمبلی کے رکن تھے، لیکن اللہ ربّ العزت کی توفیق اور حبیب کریم ﷺ کی نظر عنایت کے طفیل یہ منفرد اعزاز صرف علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کو حاصل ہوا کہ آپ نے پاکستان کے آئین میں ایک مسلمان کی تعریف کو شامل کرنے کا مطالبہ کر کے ایک اسلامی مملکت اور اُس کے منتظم اعلیٰ کیلئے بنیادی اساس کا تعین کر دیا۔

علامہ شاہ احمد نورانی کے اِس مطالبہ کا مقصد پاکستان کے اِس اعلیٰ ترین انتظامی منصب پر عقیدہ ختم نبوت کے مخالفین اور منکرین قادیانیوں اور غیر مسلموں کے فائز ہونے کے امکانات کا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے خاتمہ تھا۔علامہ شاہ احمد نورانی کی جانب سے آئین میں مسلمان کی تعریف شامل کرنے کا مطالبہ دراصل جہاں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی تحریک کا نقطہ آغاز بنا تھا، وہیں یہ مطالبہ 1974ء کی تحریک ختم نبوت کی عظیم الشان کامیابی کی بنیادی اساس بھی تھا۔

مولانا شاہ احمد نورانی نے دستور میں مسلمان کی تعریف کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ "اِس (آئین) میں یہ بھی لکھا ہے کہ پاکستان کا صدر مسلمان ہوگا، مگر مسلمان کی تعریف کوئی نہیں جانتا کہ کیا ہے؟ ہر شخص مسلمان بننے کی کوشش کرتا ہے۔اِس ملک کے اندر اسلام کے بدترین دشمن موجود ہیں، وہ مسلمان بن کر یہاں حکمران بن سکتے ہیں اور چور دروازے سے حکومت کرنے کیلئے وہ یہاں آسکتے ہیں ۔اِس لیے میں مسلمان کی تعریف کرونگا ، جو شخص اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین رکھتا ہو اور حضور انور ﷺ کے آخری نبی ہونے کا یقین رکھتا ہو وہ مسلمان ہے ۔لیکن مرزائی قادیانی غیر مسلم ہیں، اِس قسم کی تعریف اور پابندی اِس کے اندر موجود نہیں ہے۔"

(کاروائی قومی اسمبلی 15، اپریل 1972ء صفحہ 119)

منکرین عقیدہ ختم نبوت کے بارے میں علامہ شاہ احمد نورانی کا موقف ہمیشہ سے یہی رہا کہ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں اور وہ پاکستان کی سالمیت و یکجہتی کے بدترین دشمن ہیں۔اُن کی سرگرمیاں پاکستان کی سالمیت کیلئے خطرناک ہیں۔اِس لیے آپ نے اپنے اِس خطاب میں اِس عقیدے کے تحفظ پر اظہار خیال کیا اور اسے قانونی تحفظ دینے کیلئے آئین میں مسلمان کی تعریف درج کرنے کی اہمیت پر زور دیا۔آپ نے جب غیر مسلموں کی فہرست میں مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکاروں اور کیمونسٹوں کا نام لیا، تو برسر اقتدار پارٹی کے اراکین میں کھلبلی مچ گئی اور انہوں نے آپ کے خطاب میں مداخلت شروع کردی۔لیکن آپ نے پیپلز پارٹی کے بعض اراکین کی مداخلت کے

باوجود اپنا خطاب جاری رکھا اور اسپیکر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"جناب اسپیکر میں نے سوشلسٹ نہیں کہا کیمونسٹ کہا ہے۔ اگر کوئی کیمونسٹ ہے، تو وہ بھی صدر مملکت بننے کے قابل نہیں ہے۔ سوشلسٹ اگر کیمونسٹ ہے تو وہ بھی اِس قابل نہیں۔ دستور میں مسلمان کی تعریف نہیں ہے اور جو لوگ حضور اکرم ﷺ کو آخری نبی نہیں مانتے، ہم اُن کو مسلمان ہی نہیں سمجھتے۔ وہ ضروریات دین کے منکر ہیں تو پھر یہ کیسے چور دروازے سے آ کر اسلام کے نام پر حکمران بن سکتے ہیں اور تباہی کا سامان پیدا کر سکتے ہیں، میں وزیر قانون کی خدمت میں عرض کرونگا کہ دستور وہ ہو جو اسلام کے مطابق ہو یا آئین وزیر قانون کے نزدیک صحیح ہو سکتا ہے اور مکمل ہو سکتا ہے مگر ہم اِس میں ترمیم کئے بغیر اِسے ٹھیک نہیں سمجھتے۔ اسے بڑا خوشنما بنا کر ہمارے سامنے سجا کر رکھا گیا ہے۔ اِس میں صرف خوشنمائی ہی ہے مگر کام کی بات نہیں رکھی گئی اور اِس کے اندر اسلامی روح موجود نہیں ہے بلکہ اسلامی روح کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔"

(کاروائی قومی اسمبلی 15، اپریل 1972، صفحہ 119)

"علماء مسلمان کی متفقہ تعریف پیش نہیں کر سکتے" کوثر نیازی کا علماء کو چیلنج

اِس موقع پر پیپلز پارٹی نے مسلمانوں کے باہمی مسلکی اختلافات کا سہارا لے کر آئین میں مسلمان کی متفقہ تعریف درج کرنے سے راہ فرار اختیار کرنا چاہی اور حکومت کے مذہبی امور کے ترجمان اور مرکزی کابینہ کے وزیر مولانا کوثر نیازی نے مولانا شاہ احمد نورانی کے خطاب کے جواب میں علامہ شاہ احمد نورانی پر شدید تنقید کرتے ہوئے کہا۔

"محترم وزیر قانون نے عبوری دستور کا جو مسودہ اِس معزز ایوان کے سامنے پیش کیا ہے۔ اُس سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ اسلام پر نہ تو کسی کی اجارہ داری ہے اور نہ کسی کی جاگیر ہے۔ اسلام ان چند لوگوں کی ملکیت نہیں ہے، یہ سب کا

ہے اور سارے کے سارے لوگ اس سے اسی طرح محبت کرتے ہیں جس طرح انہیں (علامہ شاہ احمد نورانی کی جانب اشارہ ہے) اسلام سے محبت کے دعوے ہیں ۔پیپلز پارٹی نے اسلام سے اپنی محبت کا عملاً ثبوت دے دیا ہے۔اُس نے الیکشن جیتنے اور حکومت بنانے کے بعد اسلام سے اپنی مکمل وفاداری کا اظہار کرنے کی غرض سے اس معزز ایوان کے سامنے ایسا آئین پیش کیا ہے جس کے اندر اسلامی دفعات موجود ہیں۔ مجھے یہ دیکھ کر بہت حیرت ہو رہی ہے کہ وہ لوگ جن سے توقع تھی کی اس عبوری مسودہ آئین کی تائید کریں گے۔وہ اس طریقے کی چھوٹی چھوٹی باتوں کی آڑ لے کر اس مسودہ آئین کی اہمیت کو گھٹانے کی کوشش کر رہے ہیں۔محترم مولانا (علامہ شاہ احمد نورانی کو مخاطب کرکے) مسلمان جس اسلام کو مانتے ہیں اور جو اسلام خدا نے اتارا ہے اُس میں کسی فرقے کی گنجائش نہیں ہے۔اُس میں کوئی فرقہ نہیں ہے اور نہ کسی فرقے کے اندر آپس میں تصادم کی کوئی گنجائش ہے بلکہ وہ قرآن جو اسلام کا دستور حیات اور رہنما آئین ہے تمام بنی نوع انسان اور اُمت المسلمین کیلئے رہبر بن کر آیا ہے۔اُس کا تو ارشاد ہے کہ وہ جو تفرقہ ڈالتا ہے اسلام کے اندر یا اُمت محمدی کے اندر مستقل حزب اور فرقے بناتا ہے وہ شرک کا ارتکاب کرتا ہے، یہ ہے وہ نقطہ نظر جو اسلام کی صحیح عکاسی کرتا ہے۔

علماء میں جو اختلافات موجود ہیں اُن کی بناء پر ایک عالم دوسرے عالم سے مسلمان کی تعریف پر متفق نہیں ہے۔منیر انکوائری رپورٹ آپ کے سامنے ہے وہاں علماء کرام نے جس طرح مسلمان کی تاویل پیش کی اور جس طرح اُن میں باہمی تضاد تھا، اختلاف تھا اور تصادم تھا اُس سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ میں اِس وقت بھی یہاں چیلنج کرتا ہوں کہ علماء مسلمان کی کوئی متفقہ تعریف اِس ایوان کے سامنے پیش کریں۔ میں ان کو چیلنج کرتا ہوں کہ ان کے جتنے ارکان

یہاں بیٹھے ہیں وہ باہم مل کر مسلمان کی کوئی ایک تعریف ہمارے سامنے پیش کریں۔ہم انہیں وقت دینے کیلئے تیار ہیں۔وہ ایک ساتھ بیٹھ جائیں اور مسلمانوں کی کوئی ایک تعریف پر متحد ہو جائیں۔ہم اسے منظور کرنے کیلئے تیار ہیں۔لیکن میں کہتا ہوں کہ آج بھی اِن کے اندر باہمی اختلاف ہوگا اور وہ صحیح طور پر مسلمان کی کوئی ایک تعریف نہیں کر سکیں گے۔اسلام نے ایمان کی جو شرائط پیش کی ہیں اُن کے بارے میں یہ حضرات تشریح کردیں۔میں اعلان کرتا ہوں کہ اگر اِن سب کا جواب ایک ہوا تو میں اُسے ضرور مان لوں گا۔مگر مجھے یقین ہے کہ اِن کا جواب قطعاً ایک نہیں ہوگا۔"

(کاروائی قومی اسمبلی 15، اپریل 1972ء صفحہ 142~140)

علامہ شاہ احمد نورانی کی جانب سے مسلمان کی تعریف کو آئین میں شامل کرنے کے مطالبے کے جواب میں مولانا کوثر نیازی کی جانب سے دیا جانے والا یہ چیلنج دراصل تحریک ختم نبوت 1953ء کی انکوائری کے دوران جسٹس منیر کی اُس رولنگ کا اعادہ تھا جس میں جسٹس منیر نے کہا تھا کہ "علماء مسلمان کی تعریف پر متفق نہیں ہیں۔" جسٹس منیر کی اِس بدنام زمانہ رپورٹ، جس میں مختلف طبقہ فکر کے علماء کرام کے درمیان موجود فروعی اختلافات کا فائدہ اٹھا کر اُن کا مذاق اڑایا گیا اور علماء کی توہین وتضحیک کی گئی تھی کی وجہ سے دنیا بھر میں اسلام دشمن قوتوں کو اسلام کے خلاف اُنگلی اٹھانے کا موقع ملا تھا ۔اِس رپورٹ اور اِس کی متنازعہ رولنگ کی وجہ سے قادیانی، یہودی اور عیسائی لابی نے اسلام اور پاکستان کو بہت بدنام کیا اور بارہا یہ اعتراض اٹھایا کہ پاکستان ایک ایسی مملکت ہے جو اسلام کے نام پر حاصل کی گئی لیکن اُس کے علماء مسلمان کی تعریف پر متفق نہیں ہیں۔آج قومی اسمبلی میں مسلمان کی متفقہ تعریف کا چیلنج دیتے ہوئے مولانا کوثر نیازی نے بھی وہی کردار ادا کیا تھا جو اُن سے پہلے جسٹس منیر ادا کر چکا تھا۔اُس وقت جسٹس منیر کا مقصد قادیانی، یہودی اور عیسائی لابی کی حمایت اور خوشنودی تھا۔تو آج مولانا کوثر نیازی کا مقصود کیمونسٹ اور سیکولر لابی کی ہمدردی اور خوشنودی کا حصول تھا۔گو کہ جسٹس منیر اور کوثر نیازی دونوں کے ادوار مختلف ضرور تھے لیکن مقاصد ایک ہی تھے کہ علماء کی توہین وتضحیک

کے ساتھ اسلام دشمن قوتوں کو دین اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی کا موقع فراہم کیا جائے۔

ہمیں چیلنج قبول ہے۔علامہ الازھری

حکومتی وزیر کوثر نیازی کی طرف سے دیئے گئے چیلنج کو جمعیت علماء پاکستان کے ڈپٹی پارلیمانی لیڈر شیخ الحدیث علامہ عبدالمصطفیٰ الازھری نے قبول کیا اور پوائنٹ آف آرڈر پر مولانا کوثر نیازی اور اسپیکر قومی اسمبلی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ

> ''کہ میں اپنی جماعت کی طرف سے اِس بات کو قبول کرتا ہوں'' بعد میں آپ نے اسمبلی میں جوابی تقریر کرتے ہوئے کہا کہ'' گورنمنٹ قرآن وسنت کے خلاف آئین ہرگز نہیں بنا سکتی ہے۔ مسلمان ایک قوم ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ اجمالی طور پر اور اختصار کے طور پر مسلمان کی تعریف اس آئین میں آجائے تاکہ جو لوگ اِس لفظ ''مسلم'' سے فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں اور لفظ اسلام کی تعریف میں نہیں آتے۔اُن کیلئے اِس لفظ سے استفادہ کرنے کا سدباب ہو جائے۔اجتماعی طور پر تحقیقی تفصیلات کی ضرورت نہیں۔ مسلمان کی تعریف کے سلسلے میں علماء میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔گورنر جنرل غلام محمد کے زمانے میں علماء نے متفقہ طور پر بائیس ((22 نکات پیش کردیئے تھے۔اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ علماء میں اختلاف نہیں تھا اور جو چیلنج مولانا کوثر نیازی صاحب نے دیا ہے۔ہم اِس کو قبول کرتے ہیں اور علماء مسلمان کی متفقہ تعریف پیش کرنے کیلئے ہر وقت تیار ہیں۔''

(کاروائی قومی اسمبلی 15، اپریل 1972ء صفحہ 152~151)

چنانچہ اُس دن اسمبلی کی کاروائی کے اختتام کے بعد ایم،این،اے ہاسٹل میں جمعیت علماء پاکستان کے پارلیمانی قائد علامہ شاہ احمد نورانی کے کمرے میں جمعیت کے مرکزی رہنماؤں کا اجلاس ہوا۔جس کا مقصد مسلمان کی تعریف کی تیاری تھا۔اِس اجلاس میں جمعیت کے ممبران قومی اسمبلی علامہ شاہ احمد نورانی، مولانا محمد علی رضوی، علامہ عبدالمصطفیٰ الازھری کے علاوہ علامہ غلام علی اوکاڑوی اور مولانا

عبدالستارخان نیازی بھی شریک ہوئے اور ان حضرات نے باہمی صلاح ومشورے سے مسلمان کی جامع ومختصر تعریف تجویز کی۔اس مجوزہ تعریف کا ڈرافٹ اپوزیشن کے دیگر علماء کرام مولانا مفتی محمود، مولانا عبدالحکیم، مولانا غلام غوث ہزاروی، مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک کے پاس لیجایا گیا۔جنھوں نے متفقہ طور پر جمعیت علماء پاکستان کی جانب سے تیار کردہ اس ڈرافٹ کی توثیق کی اور باہمی صلاح ومشورے سے طے پایا کہ چونکہ مولانا شاہ احمد نورانی اور علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری اپنی تقریر کر چکے ہیں اور مولانا کوثر نیازی کے اس چیلنج اور تاثر کو بھی زائل کرنا ہے کہ علماء مسلمان کی تعریف پر متفق نہیں ہیں۔اس لیے متفقہ طور پر اپوزیشن کی طرف سے اب مسلمان کی یہ تعریف قومی اسمبلی میں مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک پیش کریں گے۔تاکہ حکومت کو بتایا جاسکے کہ مسلمانوں کے تمام مکتبہ فکر اس تعریف پر ہی نہیں بلکہ تمام اہم قومی وملی امور پر متفق ہیں اور حکومت جو یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہی ہے کہ علماء کے درمیان اختلافات ہیں اور وہ آپس میں مسلمان کی تعریف پر ہی متفق نہیں ہیں، دیگر امور پر کیا متفق ہوں گے قطعاً غلط اور منفی پروپیگنڈے پر مبنی ہے، چنانچہ جمعیت علماء پاکستان کی جانب سے تیار کردہ مسلمان کی تعریف کو مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک نے اسمبلی میں پیش کیا۔واضح رہے کہ مسلمان کی تعریف کا انگریزی ترجمہ جمعیت علماء پاکستان کے قابل فخر رہنما پروفیسر سید شاہ فریدالحق نے کیا تھا۔جس سے اُس وقت کے اٹارنی جنرل جناب یحییٰ بختیار نے بھی اتفاق کیا تھا۔

علامہ شاہ احمد نورانی نے قوم کو اس مسئلے کی اہمیت سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا

"ہم نے مولانا کوثر نیازی کے اس چیلنج کو قبول کر لیا تھا جو انہوں نے مسلمان کی تعریف کے سلسلے میں کیا تھا اور کہا تھا کہ علماء کرام مسلمان کی تعریف کے بارے میں متفق نہیں ہیں۔اسمبلی میں تمام اسلامی جماعتوں کے نمائندوں نے متفقہ طور پر مسلمان کی جامع تعریف پیش کر کے ثابت کر دیا تھا کہ علماء کرام میں مسلمان کی تعریف اور اسلامی آئین کے متعلق کوئی اختلاف رائے نہیں ہے۔جو لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں وہ اسلامی نظام سے فرار کا بہانہ تلاش کرتے ہیں۔لیکن وہ یاد رکھیں کہ ہم انہیں کوئی بہانہ بنانے کی اجازت نہیں دیں گے۔"

مولانا شاہ احمد نورانی نے مسلمان کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ "مسلمان وہ ہے، جو کتاب وسنت اور ضرویات دین پر یقین رکھتا ہو اور قرآن کو ان تشریحات کے مطابق مانتا ہو جو سلف صالحین نے کی ہیں۔ نیز حضور ﷺ کو آخری نبی تسلیم کرتا ہو۔ اگر اسلامی آئین میں مسلمان کی یہ تعریف شامل نہ کی گئی تو ہم ایسے آئین کو اسلامی آئین نہیں کہیں گے۔ بھٹو بار بار اسلام کیلئے جان قربان کرنے کا اعلان کرتے ہیں۔ قوم کو اُن کی جان کی ضرورت نہیں، اسلیئے فی الحال جان قربان نہ کریں بلکہ اسلام کیلئے شراب کے استعمال اور درآمد پر پابندی عائد کریں۔"

(مولانا شاہ احمد نورانی ایک عالم ایک سیاستداں۔ ص 103-102)

آئین میں مسلمان کی تعریف کی شمولیت تحریک ختم نبوت کی پہلی کامیابی

مولانا کوثر نیازی کی جانب سے دیئے گئے چیلنج کے صرف دو دن کے بعد 17، اپریل 1972ء کو متحدہ اپوزیشن کی جانب سے مولانا عبدالحق نے پاکستان کی قومی اسمبلی میں جمعیت علماء پاکستان کے ممبران قومی اسمبلی علامہ شاہ احمد نورانی، مولانا محمد علی رضوی، علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری کے علاوہ علامہ غلام علی اوکاڑوی اور مولانا عبدالستار خان نیازی صاحب کی مشاورت سے تجویز کردہ مسلمان کی جامع تعریف کو پہلی بار اسمبلی میں پیش کیا۔ جمعیت علماء پاکستان کی جانب سے اِس مجوزہ تعریف کو بعد میں 1973ء کے آئین کا حصہ بنایا۔ جو آج بھی صدر اور وزیر اعظم کے حلف کے ضمن میں اِس طرح تحریر ہے۔

"جدول سوم۔ حلف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صدر۔ دفعہ نمبر 42/ وزیر اعظم۔ دفعہ نمبر 91(4)

میں .... قسم کھاتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں۔ خدا اور اُس کی آخری کتاب قرآن پاک پر مجھے پورا یقین ہے اور میں ایمان رکھتا ہوں کہ نبی اکرم

ﷺ آخری نبی ہیں، اُن کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ میں قیامت کے دن، رسول اللہ ﷺ کی سنت وحدیث اور قرآن پاک کے احکامات پر بھی ایمان رکھتا ہوں۔ میں پاکستان کا وفادار رہوں گا۔ میں پاکستان کے صدر ہونے کی حیثیت سے قسم کھاتا ہوں کہ میں اپنے فرائض احسن طریقے سے پوری قابلیت سے وفاداری سے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین اور قانون کی رو سے اور ہمیشہ پاکستان کے اقتدار اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے ملک کی سا لمیت ،استحکام، اچھائی اور خوشحالی کیلئے کام کروں گا۔
میں اسلامی نظریہ حیات کیلئے کمربستہ رہوں گا جو کہ وجود پاکستان کی بنیاد ہے، میں اپنے قومی مفادات کو ذاتی مفادات پر ترجیح دوں گا۔ میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کی پوری حفاظت کروں گا۔ میں قانون کی رو سے ہر فرد سے ہر حال میں برابر کا سلوک کروں گا۔ بغیر کسی لالچ کے ذاتی مفاد و پیار و محبت یا ذاتی انتقام لینے کیلئے قانون کے دائرہ میں رہتے ہوئے اپنے فرائض منصبی کو پورا کروں گا۔ میں براہ راست یا بالواسطہ کچھ نہیں بتاؤں گا، جن کا مجھے علم ہوگا، یہ کہ مجھے صدر / وزیر اعظم ہوتے ہوئے جن باتوں کا علم ہوگا، پھر ان کاموں پر دسترس رکھتا ہوا، اپنے فرائض بخوبی سرانجام دوں گا۔"

(مولانا شاہ احمد نورانی ایک عالم ایک سیاستداں۔ص 103-102)

مسلمان کی تعریف کی شمولیت سے قادیانی غیر مسلم قرار پا چکے تھے

علامہ شاہ احمد نورانی کی کوششوں اور کاوشوں کی بدولت مسلمان کی تعریف اب پاکستان کے آئین کا حصہ بن چکی تھی اور آئین میں اس تعریف کی شمولیت نے دراصل اصولی طور پر قادیانیوں کو ایک ایسی غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا تھا، جس کا مستقبل میں صرف دستوری اعلان ہونا ہی باقی رہ گیا تھا۔ آئین میں مسلمان کی تعریف کی شمولیت سے قادیانیوں کو بھی یقین ہو چکا تھا کہ دستور میں مسلمان کی جامع تعریف شامل ہوجانے کے بعد وہ درحقیقت ایک غیر مسلم اقلیت قرار پا چکے ہیں اور آج نہیں تو

کل اُن کے غیر مسلم اقلیت ہونے کا اب صرف سرکاری اعلان ہی باقی رہ گیا ہے۔

خدارا تاریخ کو مسخ مت کیجیے

اِس مقام پر اللہ وسایا صاحب کی کتاب "تحریک ختم نبوت جلد دوم" میں موجود تاریخ کو مسخ کرنے والی اِس تحریر کا تذکرہ بہت ضروری ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ

> "اللہ ربّ العزت کروڑوں رحمتیں فرمائے مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک شیخ الحدیث پر، انہوں نے اِس چیلنج کو قبول کیا۔ بیٹھے بیٹھے مسلمان کی تعریف لکھ کر مولانا مفتی محمود کے سپرد کی انہوں نے وہ تعریف پڑھی۔ مولانا شاہ احمد نورانی اور دوسرے علماء اٹھ کھڑے ہوئے کہ یہ ہم سب کی طرف سے مشترکہ طور پر مسلمان کی تعریف ہے۔ اِسے آئین کا حصہ بنایا جائے۔"

(تحریک ختم نبوت جلد دوم صفحہ نمبر 842)

درحقیقت اللہ وسایا صاحب کی مندرجہ بالا تحریر صریحاً علمی بددیانتی اور دروغ گوئی پر مبنی ہے، انہوں نے اِس تحریر کے ذریعے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مسلمان کی تعریف جو کہ بعد میں آئین کا حصہ بنی، مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک نے قومی اسمبلی میں یکایک بیٹھے بیٹھے مرتب کی، مفتی محمود کے سامنے پیش کی اور فوراً ہی مولانا نورانی سمیت دیگر علماء نے اِس کی تائید وحمایت کردی، اسمبلی فلور پر اس قدر سرعت کے ساتھ کسی ایسی تعریف کا مرتب کیا جانا جس پر مختلف مکتبہ ہائے فکر کے افراد مختلف الرائے ہوں، فوراً ہی یک رائے ہو جانا مقام حیرت واستعجاب نہیں تو اور کیا ہے۔ ایسی نادر و نایاب مثال صرف اللہ وسایا صاحب ہی بنا کر پیش کر سکتے ہیں قومی اسمبلی کی تاریخ میں ہمیں تو نہیں ملتی۔

ہمارے نزدیک دراصل اللہ وسایا صاحب نے کمال خوبصورتی سے مسلمان کی متفقہ تعریف پیش کرنے کا سارا کریڈٹ اور سہرا مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک کے سر باندھ دیا ہے۔ جبکہ قومی اسمبلی کا پیش کردہ ریکارڈز اور تاریخی حوالے اِس بات کے گواہ ہیں کہ قومی اسمبلی میں علامہ عبدالمصطفیٰ الازھری نے مولانا کوثر نیازی کا چیلنج قبول کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ مسلمان کی متفقہ تعریف اسمبلی میں پیش کرنے کا یہ چیلنج قبول کرتے ہیں۔ اِس تمام واقعہ کی تفصیلات اوپر گزر چکی ہیں۔ ہمیں یہاں اِس وقت

اِن واقعات کی تفصیلات میں دوبارہ جائے بغیر یہ کہنا مقصود ہے کہ جناب اللہ وسایا صاحب کی کتاب تحریک ختم نبوت جلد دوم صفحہ نمبر 842 پر موجود مندرجہ بالا عبارت سراسر جھوٹ، مکر و فریب اور دروغ گوئی پر مبنی ہونے کے ساتھ ساتھ تاریخ کو مسخ کرنے کی ایک ناپاک جسارت بھی ہے، یہ پہلا موقع نہیں ہے کہ ان حضرات نے اس قسم کی کوشش کی ہو اس سے قبل بھی اِس طرح کے بے شمار غلط حوالے اللہ وسایا نے اپنی "کتاب تحریک ختم نبوت" کی جلدوں میں اور دیگر دیو بندی مصنفین نے اپنی دیگر کتابوں میں جگہ جگہ استعمال کئے ہیں اور مختلف طبقہ ہائے فکر کے افراد و بالخصوص علماء اہلسنّت کے کام اور کارناموں کو اپنے اکابر دیو بندی علماء کے نام سے منسوب کر کے تاریخ کو بدلنے اور مسخ کرنے کی بھونڈی کوشش کرتے رہے ہیں۔ جبکہ حقیقتاً ایک مورّخ ہونے کی حیثیت سے دیانت داری کا تقاضہ یہ تھا کہ جس کسی کا جو بھی کام تھا۔ اُس کو اُسی کے نام سے ظاہر کیا جاتا۔ گوکہ اِس وقت ہمارا موضوع اِس طرح کا تنقیدی جائزہ لینا نہیں تھا اور ہم نے حتی الامکان یہی کوشش کی حالات و واقعات کی ترتیب اور اُن کی اصل حقیقت کو تغیر و تبدل کئے بغیر بیان کیا جائے اور اُس اصل حقیقت کو سامنے لایا جائے جس کو مخالفین نے نہایت ہی شاطرانہ مہارت سے پس پشت ڈال کر تاریخ کو مسخ کرنے اور بدلنے کا سنگین جرم کیا ہے۔

ہم نے اس کوشش کے دوران تحاریک ختم نبوت 1953ء اور 1974ء کے جائزے میں اہلسنّت و جماعت کے اکابرین علماء و مشائخ اور فاتح تحریک ختم نبوت حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کے کردار کو اجاگر کرنے اور دیگر حضرات قدسیہ کے وہ پہلو اور کارنامے سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔ جن کو چھپا کر کچھ لوگوں نے زیرو کو ہیرو بنانے کی سعی نا کام کی ہے، خدا گواہ ہے کہ ہم نے اِس کوشش کے دوران جان بوجھ کر حقائق کو بدلنے، اسے مسخ کرنے، اور کسی کے کام کو، کسی اور کے کھاتے میں ڈالنے سے گریز کیا ہے۔ اس بات کا بین ثبوت کتاب میں جگہ جگہ مختلف مکتبہ فکر کے احباب کے نام اور کارناموں کا موجود ہونا ہے، کیونکہ یہی انصاف اور دیانت داری کا تقاضہ تھا۔ جس کو کچھ احباب نے نظر انداز کر کے جھوٹ کو سچ سے اور اپنے ماضی کی سیاہی کو سفیدی سے بدلنے کی کوشش کی ہے۔

دستور کو اسلامی رنگ دینے کی جدوجہد میں "علامہ نورانی اور جمعیت کا کردار"

قیام پاکستان کے بعد دستور سازی کا مسئلہ نہایت اہمیت کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ پیچیدہ اور حساس معاملہ بن کر سامنے آیا۔ تحریک پاکستان کے آخری دور میں بعض رہنماؤں کی طرف سے اس بات پر بہت زور دیا گیا کہ پاکستان اسلام کے نام پر قائم کیا جارہا ہے۔ جس کی وجہ سے تحریک پاکستان کے اِس فیصلہ کن اور اہم موڑ پر مذہبی ذہن رکھنے والوں کی واضح اکثریت نے اپنا وزن پاکستان کے حق میں ڈال دیا۔ مذہبی قیادت روایتی طور پر علماء کرام اور مشائخ عظام کے ہاتھوں میں تھی۔ قیام پاکستان کے بعد علماء کرام کو واثق امید تھی کہ اسلام کے نام پر حاصل ہونے والے اِس ملک میں اسلامی نظام نافذ ہوگا۔ لیکن صورتحال اِس کے برعکس ہوئی چنانچہ اِس صورتحال کا جائزہ لیتے ہوئے علماء کرام اور مختلف دینی جماعتوں نے حکومت پر زور دینا شروع کیا کہ وہ ملکی قانون کو قرآن و سنت کی روشنی میں ازسرِنو وضع کرے۔

7 مئی 1948ء کو جمعیت علماء پاکستان اور جمعیت مشائخ کے زیر انتظام "یوم شریعت" منایا گیا اور اسلامی آئین کے جلد از جلد نفاذ کا مطالبہ کیا گیا۔ چنانچہ 12 مارچ 1949ء کو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے قرارداد مقاصد منظور کی۔ جو پاکستان کے آئین کی تاریخ میں سنگ میل کا درجہ رکھتی ہے۔ اپریل کے وسط میں بنیادی اصولوں کی کمیٹی قائم کی گئی۔ تاکہ وہ آئین کے بنیادی اصولوں کو مرتب کرے۔ کمیٹی نے اپنے کام کو بہتر بنانے کیلئے کئی ذیلی مجالس کے علاوہ تعلیمات اسلامیہ کیلئے ایک بورڈ بھی نامزد کیا۔ تاکہ آئین کے بنیادی اصولوں کو وضع کرنے میں یہ کمیٹی رہنمائی کرے۔ 16 اکتوبر 1950ء کو دستور ساز اسمبلی نے بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی مرتب کردہ عبوری رپورٹ منظور کرلی۔ اگرچہ اِس رپورٹ میں تجویز کیا گیا تھا کہ قرارداد مقاصد کو ملکی آئین سازی میں رہنما اصول مانا جائے گا۔ تاہم رپورٹ کی دوسری شقوں سے علماء کرام مکمل طور پر مطمئن نہیں تھے۔ چنانچہ 21 نومبر کو اِس رپورٹ کو واپس لے لیا گیا اور ایک ذیلی کمیٹی بنائی گئی تاکہ وہ آئین کے اسلامی اصولوں کے مرتب کرنے میں بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی رہنمائی کرے۔ اِس دوران جنوری 1951ء میں کراچی میں اکتیس (31) علماء کرام جن کا تعلق مختلف مکاتب فکر سے تھا کا اجلاس ہوا۔ اجلاس نے اسلامی نظام کے نفاذ کیلئے متفقہ طور پر بائیس (22) نکات منظور کئے۔ جن کو بعد ازاں

بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی قائم کردہ ذیلی کمیٹی کو بھیج دیا گیا۔

اپریل 1953ء میں ایک عبوری آئین کو تیار کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ 21، ستمبر 1954ء کو دستور ساز اسمبلی نے بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی مرتب کردہ آئینی رپورٹ منظور کی، جس پر جمعیت علماء پاکستان نے عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ ملکی آئین کو قرآن وسنت اور فقہ حنفی کی بنیاد پر مرتب کیا جائے۔ اس سے پہلے کہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی اِس آئینی رپورٹ کو منظور کرتی۔ 24، اکتوبر کو آئین ساز اسمبلی کو توڑ دیا گیا۔ جس پر علماء کرام نے شدید احتجاج کیا۔

14، اگست 1955ء کو جمعیت علماء پاکستان کی اپیل پر پورے ملک میں اسلامی آئین کے فوری نفاذ کے مطالبے کے حق میں مظاہرے کئے گئے۔

> "10، دسمبر سے 12، دسمبر 1955ء کو لاہور میں جمعیت علماء پاکستان نے آل پاکستان سنّی کانفرنس منعقد کی۔ جس میں اُس نے حکومت کے سامنے چار مطالبات پیش کئے۔
>
> (۱) ملک میں اسلامی دستور نافذ کیا جائے۔
>
> (۲) اسلام کو پاکستان کا سرکاری مذہب قرار دیا جائے۔
>
> (۳) ملک کا سربراہ لازمی طور پر مسلمان ہو، اور
>
> (۴) قرار داد مقاصد کو آئین کا حصہ بنایا جائے۔"

(آل پاکستان سنی کانفرنس رپورٹ: 1956، ص 37)

9، جنوری 1956ء کو دستور ساز اسمبلی میں آئینی بل پیش کیا گیا۔ جس کا پاکستان کی تمام سیاسی جماعتوں نے اصولی طور پر خیر مقدم کیا۔ تاہم 10، جنوری کو جمعیت علماء پاکستان نے ایک کمیٹی بنائی، جس کے ذمہ آئینی بل کا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جائزہ لینا اور تجاویز مرتب کرنا تھا۔ اِس کمیٹی کی اہم ترین تجاویز، جداگانہ طریقہ انتخاب اپنانا اور آئینی بل کا اسلامی تشخص برقرار رکھنا تھیں۔

(ترمیمات واصلاحات برمسودہ دستور پاکستان 1956ء: غلام معین الدین نعیمی)

8۔فروری کو ڈھاکہ میں "کل جماعتی کمیٹی برائے دستور اسلامی" کے تحت علماء کرام اور مشائخ عظام کا کنونشن ہوا جس میں مختلف دینی جماعتوں کی مرتب کردہ تجاویز پر غور و خوض کیا گیا اور ان کے بارے میں متفقہ موقف کا اظہار کیا گیا اور مطالبہ کیا گیا کہ پاکستان کا نام "اسلامی جمہوریہ پاکستان" رکھا جائے، صدر مملکت ہمیشہ مسلمان ہو اور جداگانہ طرز انتخاب کو بحال رکھا جائے۔"

(Political Parties In Pakistan1947~1958:M.Rafique Afzal190-191)

23، مارچ 1956ء کو ملک کا پہلا دستور نافذ کیا گیا۔ جس کا دینی جماعتوں نے خیر مقدم کیا۔ کیونکہ اِس میں اُن کی مرتب کردہ تجاویز کو شامل کر لیا گیا تھا۔ اگرچہ علماء کرام 1956ء کے آئین سے کسی حد تک مطمئن تھے۔ لیکن انہوں نے اُس کی اصل روح کے مطابق عمل درآمد کرنے کا مطالبہ کرنا شروع کر دیا۔ کیونکہ جمعیت علماء پاکستان اُسے اُس کی اصل روح کے مطابق نافذ دیکھنا چاہتی تھی۔

"یکم دسمبر کو لاہور میں جمعیت علماء پاکستان کے تحت آل پاکستان سنی کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں ایک قرارداد کے ذریعے مطالبہ کیا گیا کہ آئین کی دفعہ (3)198 کے تحت "علماء بورڈ" تشکیل دیا جائے تاکہ وہ قانون سازی کے عمل کا قرآن و سنت کی روشنی میں جائزہ لے۔"

(چھٹی سالانہ آل پاکستان سنی کانفرنس لاہور: 1957ء ص 15-14)

7، اکتوبر 1957ء کو ایوبی مارشل لاء کے نفاذ نے اِس آئین کو ختم کر دیا۔ ملک میں تمام سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد کر کے سیاسی جماعتوں کو کالعدم قرار دے دیا گیا۔ لیکن اِس دوران دینی جماعتوں نے اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں اور انہوں نے محراب و منبر کے ذریعے عوام سے اپنا رابطہ برقرار رکھا۔

فروری 1960ء میں نئے آئین کی تشکیل کیلئے ایک کمیشن قائم کیا گیا، جس نے عوام کی

رائے معلوم کرنے کیلئے چالیس سوالوں پر مشتمل ایک سوالنامہ جاری کیا۔ اس سوالنامے کا جواب دیتے ہوئے جمعیت علماء پاکستان کے ناظم اعلیٰ علامہ سیّد احمد سعید کاظمی نے واضح کیا کہ

"آئین کی بنیاد قرآن وسنت پر قائم ہونی چاہیے اور ایک مدت مقرر کی جائے جس سے پہلے تمام غیر اسلامی قوانین کو قرآن وسنت کی روشنی میں وضع کرلیا جائے، اس کے ساتھ ہی علامہ کاظمی نے سربراہ مملکت کا مسلمان مرد ہونا بھی لازمی قرار دیا۔"

(ماہنامہ السعید ملتان جولائی ص 39-38، 1960ئ)

"یکم مارچ 1962ء کو جو آئین نافذ کیا گیا اس میں آئینی کمیٹی کی سفارشات کو یکسر نظر انداز کردیا گیا اور محکمہ اوقاف، مسلم فیملی لاز آرڈیننس، علماء کرام اور ایوب خان کے درمیان ہمیشہ وجہ تنازعہ بنے رہے۔ یہاں تک کہ مارچ 1969ء میں جنرل آغا محمد یحییٰ خاں پاکستان کے نئے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بن گئے اور ایک بار پھر ملک میں سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد کردی گئی۔ جو یکم جنوری 1970ء کو اٹھائی گئی۔ مارچ 1970ء میں لیگل فریم ورک آرڈر کا نفاذ ہوا جس میں دیگر باتوں کے علاوہ پاکستان کی علاقائی سا لمیت، قومی وحدت، اور اسلامی نظریہ حیات کے تحفظ کا عزم کیا گیا۔ تو دینی جماعتوں کو اس سے بہت سہارا ملا اور انہوں نے مطالبہ کرنا شروع کردیا کہ ان اصولوں کو آئینی تحفظ دیا جائے۔"

(روزنامہ مشرق لاہور 31، مئی 1970ئ)

جمعیت علماء پاکستان وطن عزیز میں اسلامی نظام کی کس قدر خواہشمند ہے اس کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ

"جمعیت علماء پاکستان کے مرکزی صدر خواجہ قمر الدین سیالوی نے اپنی انتخابی تقاریر میں متعدد بار اس بات کا اعلان کیا کہ اگر صدر پاکستان مارشل لاء

آرڈیننس کے ذریعے اسلامی آئین کے نفاذ کا اعلان کر دیں تو اُن کی جماعت انتخابات سے دستبردار ہو جائے گی۔"

(روزنامہ مشرق لاہور 19، اگست 1970ئ)

دسمبر 1970ء کے انتخابات میں دینی جماعتوں نے 313 کے ایوان میں مجموعی طور پر صرف اٹھارہ (18) نشستیں حاصل کیں۔ جس میں جمعیت علماء پاکستان کی (7) جمعیت علماء اسلام کی (7) اور جماعت اسلامی کی (4) نشستیں شامل تھیں۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے اکثریتی جماعتوں اور پیپلز پارٹی پر زور دینا شروع کر دیا کہ وہ لیگل فریم ورک آرڈر میں وضع کردہ اصولوں کی روشنی میں آئندہ کے ملکی آئین کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مرتب کرے۔ جمعیت علماء پاکستان نے اسلامی آئین کی تشکیل کیلئے پانچ رکنی کمیٹی تشکیل دینے کے ساتھ اکثریتی جماعتوں پر دباؤ ڈالنے کیلئے عوامی رابطہ مہم کا بھی آغاز کر دیا۔

"25، جنوری 1971ء کو لاہور میں جمعیت علماء پاکستان کی مرکزی مجلس عاملہ کا اجلاس ہوا جس میں ملک کے سیاسی حالات اور آئین سازی کیلئے اسلامی نظام کی حامی جماعتوں سے تعاون پر غور کیا گیا اور اس سلسلے میں مولانا عبدالستار خان نیازی کی سربراہی میں ایک سات رکنی آئینی کمیٹی بنائی گئی، جو اسلام پسند ارکان اسمبلی کے تعاون سے متفقہ دستوری تجاویز مرتب کرے گی۔ اِس اجلاس کے شرکاء نے اسلامی آئین کو ملکی سالمیت کیلئے ضروری قرار دیا اور دھمکی دی کہ اگر اسمبلی نے قرآن وسنت کی بنیاد پر آئین مرتب نہ کیا تو جمعیت کے ارکان بطور احتجاج مستعفی ہو جائیں گے۔"

(ماہنامہ جاوداں لاہور 26، جنوری 1971ئ)

"جنوری 1972ء میں قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں دائیں بازو کی جماعتوں کے اراکین کا ایک اجلاس کراچی میں ہوا۔ جس میں مارشل لاء ختم کرنے اور فوری طور پر قومی اسمبلی کا اجلاس بلانے کا مطالبہ کیا گیا اور 27، مئی کو سرگودھا

میں جمعیت علماء پاکستان کی مرکزی مجلس شوریٰ کے اجلاس میں ملک کے آئین
کو قرآن و سنت کے مطابق بنانے کا مطالبہ کیا گیا۔"

(نوائے وقت راولپنڈی 11 اپریل 1972ئ)

1973ء کے دستور سازی کی ابتداء 11، اپریل 1972ء سے ہوئی جب قومی اسمبلی میں عبوری آئین کا مسودہ پیش ہوا تو دینی جماعتوں کے علاوہ حزب اختلاف کی دیگر جماعتوں نے بھی اسے مسترد کر دیا۔ اُن کا مطالبہ تھا کہ مارشل لاء کو ختم کیا جائے اور جمہوریت بحال کی جائے۔ قومی اسمبلی سے اعتماد کا ووٹ حاصل کرنے کے بعد صدر ذوالفقار علی بھٹو نے عبوری آئین کا مسودہ اسمبلی میں پیش کیا۔ 14، اپریل 1972ء کو عبوری آئین کی منظوری کے بعد 21، اپریل کو ملک سے مارشل لاء اٹھالیا گیا اور 17، اپریل 1972ء کو مستقل دستور کی تیاری کیلئے ایک پچیس (25) رکنی کمیٹی قائم کر دی گئی۔ جس میں حزب اقتدار اور حزب اختلاف کے ارکان اسمبلی بھی شامل تھے۔ جمعیت علماء پاکستان کے پارلیمانی قائد علامہ شاہ احمد نورانی اس کمیٹی کے رکن تھے۔ آپ نے آئین ساز کمیٹی کی کاروائیوں میں ذاتی دلچسپی کی بنیاد پر باقاعدگی سے حصہ لیا اور اس بات پر زور دیا کہ پاکستان کے مستقل آئین کی بنیاد قرآن و سنت اور علماء کرام کے جنوری 1951ء میں مرتب کردہ بائیس نکات پر رکھنی چاہیے۔ آپ اس سے قبل عبوری آئین کی حیثیت اور آئین میں مسلمان کی تعریف کی شمولیت پر قومی اسمبلی میں بھرپور اظہار خیال کر چکے تھے۔

علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی پاکستان کی پارلیمانی اور آئینی تاریخ کے پہلے سیاستدان تھے۔ جنہوں نے سب سے پہلے آئین میں "مسلمان کی تعریف" شامل کرنے کا مطالبہ کیا تھا اور آپ نے آئین سازی کیلئے قائم کمیٹی میں سب سے پہلی ترمیم ہی "مسلمان کی تعریف اور ریاست کا سرکاری مذہب اسلام" قرار دینے سے متعلق پیش کی۔ مستقل آئین کی تیاری کیلئے آپ نے تین بنیادی باتیں ہمیشہ دہرائیں۔

(۱) پارلیمانی طرز حکومت

(۲) ملک کا سرکاری مذہب اسلام

(۳) دو ایوانی مقننہ

علامہ شاہ احمد نورانی نے ہمیشہ جمہوری پارلیمانی طرز حکومت کی حمایت کی کیونکہ وہ نظام مصطفیٰ کے قیام کیلئے پارلیمانی نظام حکومت کو موجودہ دور میں موثر ترین نظام سمجھتے تھے آمرانہ نظام اور فرد واحد کی ڈکٹیٹر شپ میں اسلام کے تصور شورائیت کا عنصر نظر نہیں آتا، اس لیے مولانا جب پارلیمانی نظام حکومت کی بات کرتے تھے تو اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ عوام کے منتخب نمائندوں کے ذریعے ملک میں نظام مصطفیٰ نافذ ہو۔

آپ نے یہ تجویز بھی دی کہ ہمارے آئین کی بنیاد قرآن وسنت پر استوار ہونی چاہیے۔ ملک کے آئین میں یہ شق لازمی موجود ہونا چاہیے کہ جو مسلمان مذہب سے منحرف ہوگا، اُسے سزائے موت دی جائے گی۔ آپ نے واضح کیا کہ ہماری جماعت غیر اسلامی آئین کو ہرگز قبول نہیں کرے گی، اس لیے کہ پاکستان اسلام کے نام پر قائم ہوا ہے تاکہ مسلمان دین اسلام کی اصل روح کے مطابق طرز حیات اپنائیں اور اس ملک کے باشندوں کو پورا اختیار ہے کہ وہ اسلامی آئین کا مطالبہ کریں۔ ہم اسمبلی کے باہر اور اندر مستقل جدوجہد کریں گے اور غیر اسلامی آئین کی ہر کوشش کی ڈٹ کر مخالفت کی جائے گی۔

آئین سازی کیلئے قائم کی گئی کمیٹی میں حزب اختلاف کے ارکان نے اپنی اپنی آئینی تجاویز پیش کیں اور اس سلسلے میں اپوزیشن اور بھٹو کے درمیان مذاکرات ہوئے، ان مذاکرات میں علامہ شاہ احمد نورانی نے اپنی آئینی تجاویز کے بارے میں بھٹو کو تفصیل سے آگاہ کر کے انہیں قائل کر لیا اور بھٹو جیسا ذہین وزیرک سیاستدان بھی مولانا نورانی کی آئینی تجاویز میں کوئی نقص نہیں نکال سکا۔ نتیجتاً آئین سازی کے ضمن میں ایک ایسا فارمولا مرتب کیا گیا، جس سے حزب اقتدار اور حزب اختلاف نے اتفاق کیا اور 20، اکتوبر 1972ء کو اس فارمولے کی روشنی میں ایک آئینی سمجھوتہ حکومت اور اپوزیشن کے درمیان طے ہوا۔ اس آئینی سمجھوتے میں اُن متفقہ امور کی نشاندہی کی گئی تھی جن کے مطابق آئین سازی کی جانی تھی۔ اس آئینی سمجھوتے پر جمعیت علماء پاکستان کی طرف سے علامہ شاہ احمد نورانی، جمعیت علماء اسلام کی طرف سے مفتی محمود، اور جماعت اسلامی کی طرف سے

پروفیسر عبدالغفور نے دستخط کیے۔اِس موقع پر علامہ شاہ احمد نورانی نے اِس آئینی سمجھوتے کے حوالے سے فرمایا کہ

"آئین کے جن بنیادی اصولوں کے بارے میں سمجھوتہ ہوا ہے، اگر چہ وہ سب کے سب قابلِ تعریف ہیں۔لیکن اسلامی دفعات اور خاص طور پر صدرِ مملکت کیلئے مسلمان ہونے کی لازمی شرط بہت اطمینان بخش ہے۔"

(روزنامہ امروز لاہور 21، اکتوبر 1972ئ)

آئینی سمجھوتے پر دستخط ہونے کے باوجود دینی جماعتوں نے آئین کو مزید اسلامی رنگ دینے کیلئے اپنے دباؤ کو برقرار رکھا اور غیر اسلامی آئین کے خلاف تحریک چلانے اور اُسے نامنظور کرنے کا برابر اعلان کرتی رہیں۔اِس دوران علامہ شاہ احمد نورانی آئین سازی میں کتنی دلچسپی لے رہے تھے۔اِس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے آئین کی (280) دفعات میں (208) ترامیم پیش کیں۔جن میں سے چند اہم ترامیم

"صدارتی نظام کی جگہ پارلیمانی نظامِ حکومت کا نفاذ، عبوری آئینی مسودے کی اسلامی دفعات کو قانونی تحفظ دینا اور مرتد کی سزا "موت" قرار دینا بھی شامل تھیں۔"

(جمعیت اپنے قیام سے اب تک:1974ء)

"31، دسمبر 1972ء کو آئینی کمیٹی نے قانون ساز اسمبلی میں اپنی حتمی رپورٹ پیش کی۔علامہ شاہ احمد نورانی نے اِس پر اپنا اختلافی نوٹ لکھا۔مفتی محمود نے بھی چند نکات کے سوا علامہ نورانی کے اِس اختلافی نوٹ سے اتفاق کیا۔مولانا نورانی کا یہ اختلافی نوٹ ملک کے تمام موقر اخبارات میں چھپا، اِس اختلافی نوٹ میں علامہ نورانی نے جداگانہ طریقہ انتخاب کی حمایت کی اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ تمام ناجائز مال و دولت کو ضبط کیا جائے آپ نے صدر اور وزیر اعظم کے اختیارات کے درمیان توازن پیدا کرنے کی ضرورت پر بھی زور دیا۔"

(ماہنامہ ساحل کراچی اکتوبر 1990ء ص 55، نوائے وقت لاہور 5، جنوری 1973ء)

4، جنوری 1973ء کو روزنامہ "نوائے وقت" لاہور کی رپورٹ کے مطابق پاکستان مسلم لیگ کی مجلس عاملہ نے علامہ شاہ احمد نورانی کی طرف سے غیر اسلامی آئینی دفعات کی مخالفت پر انہیں زبردست خراج تحسین کیا" مولانا نورانی نے حکومت کو آئینی سمجھوتے کی خلاف ورزی کا ذمہ ٹھہراتے ہوئے کہا کہ "آئین کا مسودہ سمجھوتے کے مطابق نہیں ہے۔"

(نوائے وقت لاہور، 9، جنوری 1973ء، ترجمان اہلسنت کراچی فروری 1974ء)

حکومت کی طرف سے مولانا نورانی اور دیگر پالیمارنی لیڈروں کو میڈیا پر دی گئی اظہار خیال کی دعوت پر 30، جنوری 1973ء کو ریڈیو اور ٹیلی وژن پر اپنی نشری تقریر میں علامہ شاہ احمد نورانی نے حکومت کو موردالزام ٹھہراتے ہوئے کہا کہ حکومت اکتوبر 1973ء کے آئینی سمجھوتے کی خلاف ورزی کررہی ہے۔ کیونکہ اسمبلی میں جو مسودہ آئین پیش کیا گیا ہے وہ اِس سمجھوتے کے صریحاً خلاف ہے۔ سمجھوتے میں اسلام کو سرکاری مذہب قرار دیا گیا ہے تو اب اس کیلئے قانون سازی کی ضرورت ہے۔ لیکن اسلام کے نفاذ اور تمام غیر اسلامی قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کیلئے اور اُن کو موثر نافذ کرنے کی کوئی ضمانت دستور میں نہیں دی گئی ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ یہ ایک غیر موثر ادارہ ہے۔ کیونکہ اِس کا کام صرف مشورہ دینا ہے اور وہ بھی اگر حکومت چاہے تو، ورنہ اُسے از خود کسی قانون کو غیر اسلامی قرار دینے کا اختیار نہیں ہے۔ علامہ شاہ احمد نورانی نے ارتداد کی سزا مقرر نہ کرنے اور غیر اسلامی قوانین کو چیلنج نہ کرسکنے پر بھی سخت تنقید کی اور خیال ظاہر کیا کہ آئینی سمجھوتے میں جو دفعات اسلام اور اسلامی قوانین کیلئے رکھی گئی تھیں۔ اُن کو آئینی سمجھوتے کے بعد دستوری مسودہ تیار کرتے وقت بالکل ختم کردیا گیا اور اس کی بنیادی وجہ حکومت کا اسلامی آئین کے نفاذ سے فرار اختیار کرنا ہے۔ آپ نے آئینی سمجھوتے کے تمام پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے واضح کیا کہ کس طرح حکومت نے آئینی سمجھوتے کی دھجیاں بکھیریں ہیں۔ آپ کے اِس خطاب میں تمام عوامل کی نشاندہی موجود تھی جو صاف ستھری جمہوریت کو پروان چڑھانے کیلئے انتہائی ضروری

تھے۔

اپنی جماعت اور اپنے ذاتی حوالے سے آپ نے کہا کہ ہم سمجھتے ہیں کہ پاکستان خدا کی عطا کی ہوئی ایک بہت بڑی نعمت ہے اور ہمارا فرض ہے کہ تمام سیاسی وابستگیوں سے بالاتر ہو کر نظام مصطفی ﷺ کی روشنی میں اس ملک کو ایک سچی اسلامی فلاحی ریاست بنانے کی کوشش کریں۔

"3، مارچ کو جمیعت علماء پاکستان کے زیر انتظام "یوم اسلامی دستور" منایا گیا اور حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ مسودہ آئین کو جمہوری اور اسلامی رنگ دیا جائے اور مستقل آئین کی منظوری کے بعد ملک میں عام انتخابات کرائے جائیں۔"

(روزنامہ جنگ کراچی 4، مارچ 1973ئ)

کیونکہ دنیا میں یہی دستور ہے کہ نئے آئین کے نفاذ کے بعد انتخابات کرائے جاتے ہیں۔

"جب وفاقی وزیر شیخ محمد رشید نے معیشت کو اشتراکی نظام کی بنیاد پر قائم کرنے کیلئے آئین میں شق شامل کرانے کی کوشش کی تو اُس وقت علامہ نورانی کی قیادت میں جمیعت علماء پاکستان سمیت تمام دینی جماعتوں نے اِس کوشش کی سخت مخالفت کی اور اسلامی نظام معیشت کے نفاذ کا مطالبہ کیا۔ دینی جماعتوں کی اِس سخت ترین مخالفت کی وجہ سے شیخ محمد رشید کو یہ شق واپس لینا پڑی۔"

(ضیائے حرم لاہور اپریل 1973ء ص 15-11)

"جمیعت علماء پاکستان کے ممبر قومی اسمبلی مولانا محمد ذاکر نے اپنی زیر ادارت شائع ہونے والے ماہنامہ "الجامعہ" میں مطالبہ کیا 1973ء کے آئین میں یہ شق بھی ہونا چاہیے کہ اگر کوئی پاکستانی مسلمان آئین میں کوئی غیر اسلامی یا غیر جمہوری شق دیکھے تو اُس کو عدالت میں چیلنج کر سکے۔"

(الجامعہ جھنگ جون 1973ء ص 6-5)

6 مارچ 1973ء کو علامہ شاہ احمد نورانی نے قومی اسمبلی میں دستور پر عام بحث میں

حصہ لیتے ہوئے ایک نڈر، بے خوف اور بے باک مبلغ اسلام کا کردار ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ

""ہم زبان، ثقافت، اور علاقائیت کی بنیاد پر نہیں بلکہ صرف اور صرف مذہب کی بنیاد پر قومیت کے قائل ہیں۔آپ نے فرمایا کہ یورپ میں کسی شرابی کو ڈرائیونگ کا لائسنس نہیں دیا جاتا اور اگر کوئی شراب پی کر ڈرائیونگ کرے تو اُس کا لائسنس منسوخ کر دیا جاتا ہے۔لیکن ہمارے ایک شرابی نے شراب کی بوتل پر آدھا ملک توڑ دیا اور دنیا کی بہترین فوج کو ذلیل فوجوں میں شمار کرادیا۔گاڑی شرابی کے ہاتھ میں ہے اس لیے آگے چلنا محال ہے۔ملک کا ڈرائیور شرابی ہوگا تو ملک کو تباہ کر دے گا"" آپ نے قومی اسمبلی میں وزیر اعظم کے بے پناہ اختیارات پر شدید تنقید کرتے ہوئے فرمایا"مگر وزیر اعظم کو زیادہ با اختیار بنا دیا جائے تو ہمیں اعتراض نہیں۔لیکن ہمیں اعتراض یہ ہے کہ وزیر اعظم کو لائل پور (فیصل آباد) کا گھنٹہ گھر بنا دیا گیا ہے، عدلیہ کی سڑک وزیر اعظم پر آ کر رکتی ہے، انتظامیہ کی سڑک کا رخ بھی وزیر اعظم کی طرف ہے، الیکشن کمیشن کی سڑک بھی اِسی سمت جاتی ہے اور فوجیوں کو کمیشن دینے کی سڑک بھی اِسی گھنٹہ گھر پہنچ کر رکتی ہے، اگر ہر شعبہ زندگی پر وزیر اعظم کا قبضہ ہوگا تو کہنا پڑے گا کہ

ہر شاخ پہ اُلو بیٹھا ہے

اور پھر یہی سوال ہوگا کہ

انجام گلستاں کیا ہوگا"

حکومت کے خلاف مشترکہ جدو جہد کرنے کیلئے 13، مارچ 1973ء کو راولپنڈی میں حزب اختلاف کی تمام جماعتوں کا مشترکہ اجلاس ہوا۔اِس اجلاس میں تمام جماعتوں نے متحدہ جمہوری محاذ تشکیل دینے کا فیصلہ کیا۔اِس محاذ میں جمعیت علماء پاکستان، جمعیت علماء اسلام، جماعت اسلامی بھی شامل تھیں۔

"مولانا نورانی کو اپوزیشن رابطہ کمیٹی کا مرکزی کنوینر منتخب کر لیا گیا"

(نوائے وقت لاہور 15، مارچ 1973ء ترجمان اہلسنت فروری 1974ئ)

متحدہ محاذ نے ایک بارہ نکاتی پروگرام جاری کیا۔ جس کا دوسرا نکتہ اسلامی جمہوری اور وفاقی آئین کی تشکیل کے بارے میں تھا۔ محاذ نے ایک دس رکنی کمیٹی بنائی تا کہ وہ حکومتی مسودہ آئین کا جائزہ لے اور حزب اختلاف کے نقطہ نظر سے اُس میں ضروری ترامیم تجویز کرے۔ کمیٹی نے اپنی تجاویز و ترامیم، حتمی شکل دینے کے بعد 16، مارچ کو حکومت کو پیش کر دیں۔ لیکن حکومت کی طرف سے جواب نہ ملنے پر 23، مارچ کے (سانحہ راولپنڈی جس میں متحدہ جمہوری محاذ کے جلسہ عام پر پولیس فائرنگ سے ایک درجن کے قریب افراد ہلاک اور کئی زخمی ہوئے) بعد محاذ نے قومی اسمبلی کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا۔ جس پر حکومت نے محاذ کی بعض تجاویز منظور کر لیں۔ جواباً محاذ نے بھی اپنا بائیکاٹ ختم کر دیا۔ اس طرح 10، اپریل 1973ء کو قومی اسمبلی نے مستقل آئین منظور کر لیا جو 14، اگست سے نافذ العمل ہونا تھا۔

جبکہ علامہ شاہ احمد نورانی اور جمعیت علماء پاکستان کے اراکین علامہ عبد المصطفیٰ الازہری، مولانا محمد علی رضوی، اور مولانا محمد ذاکر نے آئینی بل کی حتمی رائے شماری میں حصہ نہیں لیا اور علامہ شاہ احمد نورانی نے زیادہ تر ان شقوں کی مخالفت کی جن کے زیر اثر اسلامی دفعات، بنیادی حقوق اور عدلیہ کے نکات تھے۔ آپ نے بڑے واضح انداز میں دستور کو مزید اسلامی بنانے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے کوٹہ سسٹم، بنیادی حقوق اور عدلیہ کے اختیارات میں کمی کو ہدف تنقید بنایا اور اس پر اپنے اختلافی نوٹ لکھے۔

علامہ شاہ احمد نورانی نے ایک پریس کانفرنس سے خطاب میں نے کہا کہ "کیونکہ جمعیت کو آئینی بل کی تمام شقوں سے اتفاق نہیں تھا، اس لیے ہم نے اِس کے حق میں ووٹ نہیں دیا۔ اُن کے خیال میں آئین میں دینی قوتوں کے دباؤ کی وجہ سے اسلامی رخ کا تعین تو ہو گیا مگر ابھی اس آئین کو مکمل اسلامی اور جمہوری آئین بنانا ہوگا۔ انہوں نے اپنی جماعت کے اِس عزم کا بھی اظہار کیا کہ ہم اِس آئین کو مکمل اسلامی اور جمہوری بنانے کی جدوجہد جاری رکھیں گے۔" علامہ شاہ احمد نورانی کے

نزدیک ایسا آئین اسلامی نہیں ہوسکتا۔ جس میں اسلامی دفعات کو عدالتی تحفظ نہ دیا گیا ہو۔ مسلمان کو ارتداد کی اجازت ہو، عائلی قوانین جیسے غیر اسلامی قانون کو تحفظ دیا گیا ہو اور صدر اور وزیر اعظم کی طرح مسلح افواج کے سربراہ کیلئے مسلمان ہونا لازمی قرار نہ دیا گیا ہو اور نہ ہی ایسا آئین جمہوری ہوسکتا ہے، جس میں مارشل لاء کے بعض قوانین کو تحفظ دیا گیا ہو۔ اس لیے جمعیت علماء پاکستان نے آئین کی رائے شماری میں حصہ نہیں لیا۔ تاہم جمعیت نے مطالبہ کیا کہ آئین کو 14، اگست کے بجائے 12، ربیع الاوّل کے مبارک دن نافذ کیا جائے۔

آئینی بل پر رائے شماری اور اسلامی دفعات کے حوالے سے علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری نے ایک اخباری بیان میں جمعیت علماء پاکستان کے موقف اور پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ

> "ہم نے سنجیدگی کے ساتھ آئین سازی کیلئے مسلسل جدوجہد کی ہے۔ جمعیت علماء پاکستان کسی مرحلہ پر بھی آئین ساز کمیٹی سے غیر حاضر نہیں رہی اور ہم نے آئین کی (280) دفعات میں حزب اختلاف کے ساتھ مل کر (208) ترامیم پیش کیں۔ آج بھی آئین سازی کی وسیع تر اہمیت کے پیش نظر متحدہ جمہوری محاذ کے فیصلہ پر آخری مرحلہ میں جمعیت کے پارلیمانی قائد مولانا شاہ احمد نورانی اور مولانا محمد علی رضوی نے دستور سازی میں شرکت کی، میں اور مولانا محمد ذاکر مختصر نوٹس کی وجہ سے شرکت نہیں کر سکے۔ جمعیت علماء پاکستان نے متحدہ جمہوری محاذ کے فیصلہ کا احترام کرتے ہوئے اجلاس میں شرکت کی، لیکن رائے شماری میں حصہ نہیں لیا کیونکہ جمعیت اس ملک میں مکمل اسلامی آئین کیلئے جدوجہد کر رہی ہے۔ اس لیے ظاہر ہے کہ کسی ایسے آئین کی منظوری میں فریق نہیں بن سکتی تھی جس میں اسلامی دفعات کو عدالتی تحفظ نہ دیا گیا ہو........ بہر طور اب جبکہ ملک کو بھاری اکثریت سے ایک آئین مل گیا ہے۔ ہم اس آئین میں اُن ترامیم کیلئے جدوجہد کرتے رہیں گے، جو اس آئین کو مکمل اسلامی آئین بنانے کیلئے ضروری ہے۔ ہماری یہ جدوجہد مقصد کی تکمیل

تک جاری رہے گی۔ چاہے اس کیلئے ہمیں کتنی قربانی کیوں نہ دینی پڑے۔"

(اسلامی جمہوریہ پاکستان کے مستقل دستور میں مسلمان کی تعریف کس طرح شامل ہوئی؟ از شعبہ نشرو اشاعت جمیعت علماء پاکستان)

آئینی شقوں پر اختلاف رائے اور تحفظات کے باوجود علامہ شاہ احمد نورانی 1973ء کے آئین کے بانی ارکان میں سے تھے۔

"مولانا نورانی، علامہ الازہری، مولانا محمد ذاکر اور مولانا محمد علی رضوی نے 12، اپریل 1973ء کو دستخط کر دیئے۔"

(نوائے وقت لاہور 13، اپریل 1973ئ)

آپ آئین کی تشکیل کو اپنی زندگی کا سب سے زیادہ اطمینان بخش لمحہ قرار دیتے تھے۔ پاکستان کی آئین سازی کی تاریخ میں پاکستان کا نام "اسلامی جمہوریہ پاکستان"، مملکت کا سرکاری مذہب "اسلام" قرار دینے اور آئین میں "مسلمان" کی تعریف شامل کرنے کا مطالبہ سب سے پہلے پیش کرنے کا سہرا علامہ شاہ احمد نورانی کے سر رہا۔ اس کے ساتھ ہی آپ کی کوششوں سے آئین میں واضح طور پر لکھا گیا کہ

" State has to Defend the Islam"

علامہ شاہ احمد نورانی کی سب سے بڑی کامیابی یہ تھی کہ آپ نے صرف چار (4) ممبران اسمبلی کی مدد سے دو تہائی (2/3) کی اکثریت رکھنے والے وزیر اعظم کو آئین میں اسلامی دفعات کی شمولیت پر رضا مند کیا اور اسمبلی فلور پر اسلامی دفعات کو آئینی تحفظ دلانے اور عائلی قوانین کی تنسیخ، تینوں مسلح افواج کے سربراہوں کیلئے مسلمان ہونے کی شرط، صدر اور وزیر اعظم، گورنرز، چیف جسٹس ارکان سینٹ وقومی وصوبائی اسمبلی کے حلف ناموں کی منظوری اور فتنہ ارتداد کو روکنے کی ضمانت حاصل کرنے کی کوششیں بھی آپ ہی کی کاوشوں کا نتیجہ ہیں

علامہ شاہ احمد نورانی نے پارلیمانی جدوجہد کے دوران پاکستان کے دستور کو دو قومی نظریئے سے ہم آہنگ کرنے کی بھرپور جدوجہد کی۔ یہ بات آپ کے علم میں ہوگی کہ 1973ء کے دستور میں علامہ شاہ احمد نورانی نے مشرقی پاکستان کو پاکستان کے اکثریتی حصہ کے طور پر منوایا اور اس بات کو دستور

کا حصہ بھی بنوایا۔لیکن بھٹو صاحب نے اپنے ہی دورِ حکومت میں بنائے گئے آئین میں سب سے پہلی ترمیم ہی بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کیلئے کی اور یوں بھٹو صاحب نے اس پہلی آئینی ترمیم کے ذریعے علامہ شاہ احمد نورانی کا آئین میں رکھوایا گیا تصور مشرقی پاکستان مٹا دیا۔

اگرچہ 1973ء کا آئین مکمل طور پر اسلامی آئین نہیں کہا جا سکتا۔لیکن علامہ شاہ احمد نورانی اور دیگر علماء کرام کی کوششوں اور کاوشوں کی بدولت اس آئین میں بعض اہم اسلامی شقیں شامل کر لی گئیں۔جس کی وجہ سے آئین میں نفاذ اسلام کیلئے مضبوط بنیادیں فراہم ہوئیں۔اس طرح وہ کیمونسٹ اور سوشلسٹ عناصر جو پاکستان کو کیمونزم اور سوشلزم کی آماجگاہ بنانا چاہتے تھے اپنے مقاصد میں بری طرح ناکام ہو گئے۔

"دینی اعتبار سے آج پوری اسلامی دنیا میں پاکستان کا 1973ء کا آئین سب سے زیادہ اُمید افزا اور خوشگوار امتیاز رکھتا ہے۔"

(روزنامہ جنگ،راولپنڈی 14،اگست 1996ئ)

مجلس ختم نبوت کے راہنما مولانا تاج محمود نے مولانا نورانی کی دستوری خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ

"مولانا نورانی نے آئین میں اسلامی دفعات شامل کرانے میں بڑی کوشش کی۔"

(نوائے وقت لاہور 12،اپریل 1973ئ)

1973ء کے آئین کی منظوری کے بعد وزارت عظمیٰ کے انتخاب کے موقع پر بھٹو کے آمرانہ مزاج کی وجہ سے کوئی بھی شخص اُن کے مدمقابل وزیر اعظم کا الیکشن لڑنے کیلئے تیار نہیں تھا اور خود بھٹو بھی بلا مقابلہ وزیر اعظم منتخب ہو کر دنیا کو اپنی طاقت دکھانا چاہتے تھے۔ایسے وقت میں علامہ شاہ احمد نورانی نے یہ جانتے ہوئے کہ حزب اختلاف نہ ہونے کے برابر ہے اور شکست یقینی ہے،صرف جمہوری اقدار کی سربلندی کیلئے حزب اختلاف کے فیصلے کے مطابق بھٹو کے مقابلے میں جرأت اور بہادری سے وزارت عظمیٰ کا الیکشن لڑا اور (32) ووٹ حاصل کر کے ذوالفقار علی بھٹو کی بلا مقابلہ وزیر اعظم منتخب ہونے کی خواہش کو خاک میں ملا دیا۔

مصائب وآلام، سازشیں، ذمہ داریاں اور حصول منزل کا سفر

علامہ شاہ احمد نورانی نے آئین کی منظوری کے بعد ملک کو نظام مصطفی ﷺ کا گہوارہ بنانے کیلئے اپنی جدوجہد کی رفتار اور تیز کردی تھی۔ دوسری طرف حکومت اور بھٹو کو آپ کا جارحانہ انداز تنقید اور آپ کا سوشلزم کی راہ میں رکاوٹ بننا پسند نہیں آیا اور آپ کے کام کی رفتار کو روکنے کیلئے اُس نے سازشوں کے ذریعے کچھ علماء کرام کو اکٹھا کر کے جمعیت علماء پاکستان کے متوازی ایک نیا دھڑا بنوادیا۔ جسے سرکاری سرپرستی میں میڈیا پر خوب کوریج دی گئی۔ اِس دوران حکومت کی بھرپور کوشش رہی کہ ایوب خانی دور کے درباری علماء ومشائخ، صاحبزادگان، اور مولویوں کو جمعیت پر ایک بار پھر مسلط کردیا جائے۔

جمعیت علماء پاکستان کے صدر شیخ الاسلام خواجہ قمرالدین سیالوی خرابی صحت کی بناء پر پہلے ہی جمعیت کی صدارت سے دسمبر 1972ء میں استعفیٰ دے چکے تھے۔ جس کی وجہ سے علامہ نورانی کو جمعیت علماء پاکستان کے پارلیمانی قائد کے علاوہ جمعیت علماء پاکستان کے قائم مقام صدر کی ذمہ داری بھی ادا کرنی پڑ رہی تھی۔ اِن مشکل حالات میں علامہ شاہ احمد نورانی نے حوصلہ مندی سے مقابلہ کرتے ہوئے تمام سازشوں اور حکومتی کوششوں کو ناکام بنادیا۔

> ”27 مئی 1973ء کو خانیوال کونشن کے اجلاس میں شرکاء اجلاس نے متفقہ طور پر علامہ شاہ احمد نورانی کی پالیسیوں کی توثیق کرتے ہوئے انہیں قومی اسمبلی میں مشترکہ جدوجہد کرنے کیلئے متحدہ پارلیمانی پارٹی کی تشکیل کی اجازت دی۔ (جس کی رو سے علامہ نورانی اِس کے سیکرٹری جنرل اور ولی خان اپوزیشن لیڈر منتخب ہوئے) اور ساتھ ہی آپ کو جمعیت علماء پاکستان کا مرکزی صدر بھی منتخب کیا۔ اِسی اجلاس میں پیر طریقت علامہ حامد علی خان (ملتان) سینئر نائب صدر، صاحبزادہ سید محمود شاہ گجراتی نائب صدر اور مجاہد ملت مولانا عبدالستار خان نیازی جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔ اِسی اجلاس میں سولہ (16) گھنٹوں کی بحث کے بعد علامہ محمد حسن حقانی کا پیش کردہ جمعیت علماء پاکستان کا تحریری

دستور بھی منظور کیا کرلیا گیا۔"

(پمفلٹ۔ جمیعت علماء پاکستان۔ رشید احمد رضوی، شعبہ نشر و اشاعت JUP پنجاب)

جمیعت علماء پاکستان کا مرکزی صدر منتخب ہونے کے بعد علامہ شاہ احمد نورانی نے مزید اعتماد کے ساتھ نظام مصطفیٰ ﷺ کی منزل کی جانب اپنے سفر کو جاری رکھا۔ آپ کی ولولہ انگیز قیادت اور حکمت عملی نے جمیعت علماء پاکستان کو ایک ایسی موثر قوت بنا دیا جو اسمبلی کے اندر حزب اختلاف اور اسمبلی سے باہر عوام کی رہنمائی کرنے لگی۔ 1977ء میں پاکستان کی تاریخ میں ایک وقت ایسا بھی آیا جب جمیعت علماء پاکستان کے منشور نظام مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ پر تمام جماعتیں پیپلز پارٹی کے مقابل متحد ہوئیں اور انہوں نے عوامی تحریک کے ذریعے بھٹو اور اُس کے مشیروں کو اس بات پر قائل کرلیا کہ قومی اتحاد عوام کی طاقت کی بنیاد پر ملک میں نظام مصطفیٰ نافذ کرسکتا ہے۔ اس سے پہلے کہ تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ کامیاب ہوتی اور ملک میں نظام مصطفیٰ ﷺ کا سورج طلوع ہوتا، غیر ملکی اشارے پر لباس خضر میں ملبوس جنرل محمد ضیاء الحق نے اقتدار پر قبضہ کر کے اس تحریک کے ثمرات کو سبوتاژ کر دیا۔

تحفظ اسلام کی عالمگیر سرگرمیاں اور علامہ شاہ احمد نورانی

حضرت علامہ شاہ احمد نورانی کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ آپ نے اُس وقت بیرون ملک تبلیغی دوروں پر جانا شروع کیا، جس وقت لوگوں کا ملک سے باہر جانا اِک خواب ہوا کرتا تھا۔ آپ سے پہلے کسی مسلک کا کوئی عالمِ دین تبلیغی مشن پر پاکستان سے باہر نہیں گیا تھا۔ آپ ہی نے سب سے پہلے بیرون ملک تبلیغی سرگرمیوں کی ابتداء کی اور آپ ہی کے توسط سے سنّی علماء اور ادارے ملک سے باہر متعارف ہوئے۔

حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کی ساری زندگی اسلام کی سربلندی، تبلیغ اور غلبہ اسلام کی سرگرمیوں کیلئے وقف نظر آتی ہے۔ زندگی کے ہر کام اور ہر قدم میں آپ کا مطمع نظر نظام مُصطفیٰ ﷺ کا نفاذ اور مقام مصطفیٰ ﷺ کا تحفظ رہا۔ اس لیے کہ بچپن ہی سے آپ کی تعلیم و تربیت اس انداز پر کی گئی تھی ۔ آپ کے شعور میں یہ بات پختہ تر تھی کہ دین اسلام غلبہ حاصل کرنے کیلئے آیا ہے اور ایک مسلمان کی

زندگی کا مقصد غلبہ اسلام کی کوششیں کرنا ہونا چاہئے۔ چنانچہ اس مقصد کے حصول کیلئے ہمیں زندگی کے ہر میدان میں کام کرنا چاہئے۔ خواہ وہ سیاسی ہو یا مذہبی، سماجی ہو یا تبلیغی۔

علامہ شاہ احمد نورانی چونکہ بچپن سے ہی بین الاقوامی سطح پر اسلام کی دعوت عام کرنے کے مشن پر گامزن تھے۔ آپ نے محسوس کیا کہ دیارِ غیر میں مقیم مسلمانوں کی مذہبی تشنگی اور ضروریات کو پورا کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ عیسائیت اور غیر مسلموں کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کی وجہ سے غیر مسلم ممالک میں حصول روزگار کیلئے آباد مسلمانوں کو اپنا مذہبی تشخص برقرار رکھنے میں شدید دشواریوں کا سامنا تھا اور وہاں اسلام کی تبلیغ واشاعت اور تعلیمات کے دفاع کیلئے ایک منظم ادارے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ علامہ شاہ احمد نورانی نے جنوری 1973ء میں حج کے موقع پر دنیا بھر سے آئے ہوئے مذہبی رہنماؤں کو مکہ مکرمہ میں اکٹھا کیا۔ کئی روز تک اس بات پر غور وخوض کیا کہ کس طرح لادینیت کی یلغار کو روکا جائے اور مسلمانوں میں دین کا احترام اور اسلامی طرز زندگی اختیار کرنے کا جذبہ کیسے پیدا کیا جائے۔ باہمی صلاح ومشورے سے یہ طے ہوا کہ عالمی سطح پر ایک ایسی تنظیم کا قیام عمل میں لایا جائے جس کے ذریعے جہاں ایک طرف مسلمانوں کو قرآن وسنت کے مطابق زندگی گزارنے کی ترغیب دی جائے، وہیں دوسری طرف اسلام کے خلاف لادینی طاقتوں کی یلغار کو بھی روکا جائے۔ چنانچہ بموقعہ حج "دارارقم" مکہ مکرمہ میں ورلڈ اسلامک مشن کا قیام عمل میں آیا اور 12، دسمبر 1973ء میں بریڈفورڈ (برطانیہ) میں "ورلڈ اسلامک مشن" کا مرکزی سیکریٹریٹ قائم ہوا۔ جس پر دنیا بھر کے مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ 12، اپریل 1974ء کو علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کی زیر صدارت سینٹ جارج ہال میں ورلڈ اسلامک مشن کی پہلی کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں اس بین الاقوامی تبلیغی ادارے کے اصول وضوابط ترتیب دیئے گئے

> "کانفرنس کے اختتام کے بعد مشن نے اپنے پروگرام کے پہلے حصے پر عملدآمد کرتے ہوئے "اسلامک مشن کالج" کے قیام کا اعلان کیا اور 4، اگست 1974ء کو بریڈفورڈ میں ایک عیسائی چرچ کو خرید کر "اسلامک مشن کالج" میں تبدیل کر کے مشن نے اپنی عالمگیر تبلیغی تعلیمی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔"

(ماہنامہ ترجمان اہلسنت، اکتوبر 1974ئ)

ورلڈ اسلامک مشن نے امریکہ اور برطانیہ سمیت دیگر ممالک کے مسلمانوں اور اُن کے بچوں کو کفر سے بچانے میں اہم کردار ادا کیا۔ نو مسلم افراد کی مسلم معاشرے میں ہم آہنگی اور اُن کو در پیش نت نئے مسائل میں ہر ممکن مدد کی۔ لاکھوں کی تعداد میں مختلف موضوعات پر کتابیں اور قرآن پاک کے تراجم دیگر زبانوں میں شائع کر کے مفت تقسیم کئے۔ بے شمار مساجد، مدرسے، کالجز، لائبریریاں، اسلامک کلچر سینٹر، تعلیمی و تربیتی ادارے آج بھی کینیڈا، ساؤتھ امریکہ، ناروے، بیلجیم، ہالینڈ، پرتگال، جرمنی، آسٹریلیا، ماریشس، کینیا، تنزانیہ، ساؤتھ افریقہ سمیت دنیا بھر میں ورلڈ اسلامک مشن کے تحت کام کر رہے ہیں۔

علامہ شاہ احمد نورانی کی تبلیغی کوششوں کی بدولت جہاں ان ممالک میں بسنے والے مسلمانوں کا اپنے دین سے تعلق مضبوط ہوا۔ وہاں آپ کے تبلیغی دوروں کی وجہ سے ہزارہا غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا۔ آپ کے ہاتھوں بے شمار قادیانی، قادیانیت سے تائب ہو کر اسلام کے راستے پر گامزن ہوئے۔ آپ نے ورلڈ اسلامک مشن کے ذریعے مغربی معاشرے میں اسلامی طرز معاشرت کی بنیاد رکھی اور مغرب کو اسلام کے نور سے منور کیا۔

ورلڈ اسلامک مشن کے قیام کا مقصد اور اپنی تبلیغی سرگرمیوں کے حوالے سے علامہ شاہ احمد نورانی فرماتے ہیں کہ

> ”جہاں تک عالمی سطح پر تبلیغ اسلام کی ضرورت کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ بہت زیادہ ایسے مقامات ہیں جہاں پر لوگ بہت زیادہ تشنگی رکھتے ہیں کہ وہ دینی تفہیم اور رہنمائی کے طالب ہیں۔ خاص طور پر وہ ممالک کہ جہاں تقریباً اس تیس چالیس سال کے عرصہ میں مسلمان آباد ہوئے ہیں۔ خاص طور پر برصغیر کے لوگ، جن میں پاکستان اور بھارت کے مسلمان آباد ہو گئے ہیں۔ مثلاً امریکہ، برطانیہ، کینیڈا اور یورپ کے بعض حصے سنگاپور، ہانگ کانگ وغیرہ

شامل ہیں۔ان ممالک میں جو حکومتیں ہیں وہ صرف غیر مسلم ہیں۔اگر غیر مسلم حکومت ہو سیکولر ہو تو برداشت ہو جاتی ہے۔مگر عیسائی حکومتیں اپنے مذہب کی سر پرستی کرتی ہیں اور اُن کی کوشش ہوتی ہے کہ اُن کے ممالک میں جو مسلمان آباد ہو گئے ہیں اگر اُن کو وہ عیسائی نہ بنا سکیں تو کم از کم آئندہ نسل کو عیسائی ضرور بنالیں۔اِس صورت حال میں ورلڈ اسلامک مشن نے اسلام کا دفاعی پروگرام ترتیب دیا ہے۔کہ اگر ہم اِن عیسائی حکومتوں کو مسلمان نہ بنا سکیں تو کم از کم اپنی اِس نسل کو بچانے کیلئے جدوجہد کریں۔بعض لوگوں کے نزدیک تبلیغ دین کا تصور صرف اتنا ہے کہ تھوڑا بہت دین کا چرچا کر دیا جائے۔دین کا کچھ نام آجائے تو اُس کو تبلیغ سمجھ لیا جاتا ہے۔بعض لوگوں کو یہ بھی خیال ہے کہ اِن عیسائی ملکوں میں آباد مسلمانوں کو بچانے کیلئے پاکستان کے علماء کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ غلطی ہے۔

مسلمان جو اِن ممالک میں جا کر آباد ہوئے ہیں وہ بھی ہمارے بھائی ہیں۔اُن کے ایمان کی حفاظت،دینی رہنمائی اور اُن کے بچوں کو کفر سے بچانا یہ ہماری بھی ذمہ داری اور مذہبی فریضہ ہے۔جہاں ایک طرف ہم پاکستان اور دوسرے علاقوں میں دین کی خدمت کر رہے ہیں۔وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ اِن ممالک میں مسلمانوں کو دفاعِ اسلام کی ضرورت پیش آئے تو ہم وہاں پہنچ کر اُن کی مدد کریں۔اِس وقت ضرورت ہے کہ جو علماء انگریزی، جرمنی، فرانسیسی زبانیں جانتے ہیں وہ دین کی خدمت زیادہ بہتر طریقے سے کر سکتے ہیں، برصغیر کے جو مسلمان اِن ممالک میں جا کر آباد ہوئے ہیں۔اُن کی جدید نسل کی تعلیم و تربیت وہاں کی زبان میں ہوئی ہے اور اُن کا اسلام سے وہ تعلق نہیں ہے جو اُن کے والدین کا ہے۔دین اور وطن سے جو تعلق یہاں رہ کر ہو سکتا ہے۔وہ ان ممالک میں رہ کر پیدا نہیں کیا

جاسکتا ہے۔ان لوگوں کی رہنمائی کیلئے ورلڈ اسلامک مشن مساجد اور ابتدائی دینی تربیت کے مراکز، دینی مدارس کے قیام سے اُن کی رہنمائی کررہا ہے۔تا کہ گرجا گھر اِن بچوں پر اثر انداز نہ ہوسکیں ،ہم نے ہالینڈ ، فرانس، برطانیہ، بیلجیم، ناروے ، جرمنی ، کینیڈا ، امریکہ ، آسٹریلیا، جنوبی افریقہ، ماریشس وغیرہ میں تعلیمی مراکز قائم کئے ہیں۔جہاں ہم نے کوشش کی ہے کہ ان علاقوں میں مسلمانوں اور اُن کی جدید نسل کا تعلق دین متین سے مضبوط سے مضبوط تر کیا جائے اور ایک حد تک اس سلسلہ میں کامیابی بھی ہوئی ہے۔ورلڈ اسلامک مشن کو کسی بھی حکومت کی سرپرستی حاصل نہیں ہے۔لیکن اس اہم مقصد کیلئے وسائل کی ضرورت ہوتی ہے۔ الحمد للہ ہم نے کسی بھی حکومت کا بار احسان اٹھائے بغیر اپنی جدوجہد کو جاری رکھا ہوا ہے اور نہ کبھی ہماری یہ خواہش رہی کہ کوئی حکومت ہماری سرپرستی کرے۔ کیونکہ جس حکومت سے وسائل حاصل کریں گے وہ اپنے مقاصد کیلئے ہمیں استعمال کرنے کی کوشش کرے گی۔یہ ہمیں گوارہ نہیں ہے۔اس کے لیے ہم نے کسی حکومت کے بغیر محض اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے سہارے جدوجہد کی ہے اور ہم مسلمانوں ہی کے محدود وسائل سے کام کر رہے ہیں ....ماریشس کی ایک سو بیس مساجد میں نوے مساجد میں دارالعلوم علیمیہ کے فارغ التحصیل آئمہ خدمات انجام دے رہے ہیں۔یورپ میں ہمارے آٹھ دارالعلوم کام کر رہے ہیں۔جن میں کم وبیش ایک ہزار طلباء تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ہم عربی زبان میں ایک ماہنامہ "الدعوۃ" انگریزی میں "دی میسج انٹرنیشنل" نکال رہے ہیں۔یہ رسالے مغربی ممالک میں حکمرانوں اور پارلیمنٹ کے ممبروں تک ہمارا پیغام پہنچا رہے ہیں۔ورلڈ اسلامک مشن نے صرف کراچی سے مختلف موضوعات پر تقریباً ایک لاکھ کتابیں شائع کی ہیں۔ورلڈ اسلامک مشن کی بیرون ملک شاخوں کی شائع

کردہ کتب کی تعداد کو اس میں ملانے سے یہ تعداد دس لاکھ ہو جاتی ہے۔"

(انٹرویو مولانا نورانی ندائے اہلسنّت لاہور 1،6 تا 31 جنوری 1992ئ)

"اس وقت دنیا کے مختلف ممالک میں ورلڈ اسلامک مشن کی تنظیم کی تقریباً بیالیس (42) شاخیں موجود ہیں۔ افریقہ، یورپ، امریکہ اور ساؤتھ امریکہ میں اب تک تقریباً دوسو (200) سے زائد مساجد بن چکی ہیں اور ہر مسجد کے ساتھ ساتھ ایک مدرسہ ضرور ہے۔ جہاں مسلمان بچوں اور بچیوں کو تعلیم دی جاتی ہے ایک لائبریری بھی موجود ہے۔ ہم نے جہاں مسلمانوں کی آبادی پچاس ہزار ہے۔ وہاں ایک اسکول بھی قائم کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔ جس میں انکے پیٹرن کے مطابق تعلیم دی جائے گی۔ لیکن اس کے ساتھ اسلامی تعلیم بنیادی ہوگی۔ اس کے بعد ہمارا پروگرام اُسے کالج کی سطح تک لے جانے کا بھی ہے۔"

(انٹرویو مولانا نورانی سہیل احمد وڑائچ روزنامہ جنگ اکتوبر 1992ئ)

اسلام کے احیاء اور عالمگیر تحفظ کیلئے ورلڈ اسلامک مشن کے تحت مبلغ اسلام علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کی خدمات اور عالمی تبلیغی دوروں کی مختصراً تفصیل درج ذیل ہے۔

علامہ شاہ احمد نورانی نے 1978ء میں ماریشس کا تبلیغی دورہ کیا۔ اپنے اس دورے کے دوران آپ نے وہاں ایک اسلامی دار العلوم کی بنیاد رکھی اور ۱۲، ربیع الاوّل کو آپ نے ایک عظیم الشان جلسہ میلاد النبی ﷺ سے خطاب بھی کیا۔ اس عظیم الشان جلسہ میلاد النبیا میں ماریشس کے وزیر اعظم رام غلام، گورنر جنرل سر عثمان، چیف جسٹس ایچ کاسن علی، سابق نائب وزیر اعظم، اراکین اسمبلی، غیر ملکی سفراء نے بھی شرکت کی۔ ماریشس کے وزیر اعظم رام غلام نے علامہ شاہ احمد نورانی کے دورہ ماریشس کو یہ کہہ کر خراج تحسین پیش کیا کہ

"ماریشس میں امن وسکون کا سہرا مولانا نورانی کے سر ہے اور ماریشس کی عوام بالخصوص مسلمانوں پر مولانا شاہ احمد نورانی کا یہ عظیم احسان ہے کہ وہ اپنی تمام تر مصروفیات کو چھوڑ کر یہاں تشریف لائے۔" یہاں سے فراغت کے بعد علامہ

شاہ احمد نورانی مدینہ منورہ حاضری دینے کیلئے سعودی عرب تشریف لے گئے اور عمرہ کی ادائیگی کے بعد ورلڈ اسلامک مشن، نیروبی کی دعوت پر کینیا تشریف لے گئے۔"

(روزنامہ جنگ کراچی 4 مئی 1978ئ)

مئی 1978ء میں آپ نے کیپ ٹاؤن جنوبی افریقہ کا تبلیغی دورہ فرمایا اور وہاں کے میئر کی جانب سے دیئے گئے استقبالیہ سے آپ نے

"اسلام بیسویں صدی کے چیلنج کو قبول کرتا ہے" کے عنوان پر انگریزی میں خطاب کرتے ہوئے دور جدید کے مسائل اور اسلام کے پیش کردہ حل پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور استقبالیہ میں موجود معزز حاضرین وشہریوں کو بتایا کہ اب دنیا بھر میں غیر مطمئن اور بے چین انسانوں کو اسلام کی اکملیت اور جامعیت کا احساس ہو رہا ہے۔ اس اجتماع میں کیپ ٹاؤن کے میئر نے علامہ شاہ احمد نورانی کی اسلام کی سربلندی اور احیاء کی کوششوں کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے انہیں "سفیر اسلام" کا خطاب دیا۔ اس دورے کے دوران آپ کے ہاتھوں سینکڑوں افریقی، یورپی اور مقامی افراد نے اسلام قبول کیا اور متعدد مقامات پر ورلڈ اسلامک مشن کی نئی شاخیں اور مراکز بھی قائم ہوئے۔ آپ کے اس دورے کو ماریشس اور ساؤتھ افریقہ کے ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات نے بھرپور کوریج دی۔"

(روزنامہ جنگ کراچی 4 مئی 1978ئ)

فروری 1980ء میں علامہ شاہ احمد نورانی نے امریکہ کا کامیاب دورہ کیا۔ اس دورے کے دوران آپ نے نیویارک یونیورسٹی کے انٹرنیشنل ہال میں اسلام کی ہمہ گیریت کے موضوع پر انگلش میں خطاب کیا۔ آپ کی تقریر سے متاثر ہو کر یونیورسٹی کی ایک خاتون پروفیسر نے اسلام قبول کیا۔ بعد میں آپ جزائر ویسٹ انڈیز سے ملحقہ ریاست ٹرینی ڈاڈ تشریف لے گئے جہاں آپ کا فقید المثال

استقبال کیا گیا اور آپ کی آمد پر پوری ریاست میں سرکاری سطح پر عام تعطیل کی گئی۔ مبلغ اسلام علامہ شاہ احمد نورانی نے وہاں پچیس ((25 روز قیام فرمایا اور اس دوران آپ نے کم وبیش چالیس ((40 سے زیادہ عظیم الشان اجتماعات سے خطاب فرمایا۔ فروری 1980ء کے آخری ہفتے میں علامہ شاہ احمد نورانی پندرہ روزہ دورے پر سرینام پہنچے۔ جہاں آپ نے متعدد تبلیغی اجتماعات سے خطاب فرمایا۔

10، مارچ 1980ء علامہ شاہ احمد نورانی نے نیوجرسی کا دورہ کیا۔ میامی کے چار روزہ دورے کے دوران اسلامک سینٹر میامی میں نماز جمعہ کے اجتماع میں خطاب سے متاثر ہو کر ایک افریقی نے آپ کے ہاتھوں اسلام قبول کیا۔

علامہ شاہ احمد نورانی نے کولمبیا یونیورسٹی میں "افغانستان میں روسی جارحیت اور افغان مہاجرین" کے موضوع پر خطاب کیا۔ آپ نے کیم اپریل سے 15، اپریل 1980ء تک کیلئے کیلی فورنیا اور لاس اینجلس کا دورہ بھی کیا۔ اور 15، اپریل سے آخر ماہ تک علامہ شاہ احمد نورانی نے دو ہفتے کا کینیڈا کا تبلیغی دورہ کیا۔ جہاں آپ کا شاندار استقبال کیا گیا اور کینیڈا کے تمام بڑے شہروں میں آپ کی تقاریر کے پروگرامات منعقد ہوئے۔

> "15، جون 1980ء کو علامہ شاہ احمد نورانی ورلڈ اسلامک مشن کے تحت منعقدہ چوتھی "عالمی کانفرنس" کی صدارت کیلئے ہالینڈ تشریف لے گئے۔ ایمسٹرڈیم کے چاپ ایڈن ہال میں یہ عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں ایمسٹرڈیم ، ڈین ہاگ ، روٹرڈیم ، اترخ ، انخوفن ، سوٹیلو وغیرہ سے ہزاروں مسلمانوں نے شرکت کی۔ ہالینڈ میں کم وبیش ڈھائی لاکھ مسلمان آباد ہیں۔ اس عظیم الشان کانفرنس میں برطانیہ، بیلجیم، ناروے، بھارت، پاکستان، مصر، ترکی، مراکش، الجزائر، امریکہ، ٹرینی ڈاڈ وغیرہ سے بھی علماء ومندوبین نے بھرپور شرکت کی۔ اس کانفرنس کو ہالینڈ کے تمام اخبارات نے نمایاں سرخیوں کے ساتھ شائع کیا اور ریڈیو، ٹیلی ویژن نے اس کانفرنس کے پروگرام ٹیلی کاسٹ کئے۔ ہالینڈ کا تبلیغی دورہ مکمل کرنے کے بعد علامہ شاہ

احمد نورانی ماریطانیہ اور ماریشس کے تبلیغی دورے پر روانہ ہو گئے۔ آپ کے چھ ماہ طویل دورے کا اختتام 10، جولائی 1980ء کو زیارت و عمرہ کی ادائیگی کے بعد وطن واپس پہنچ کر ہوا۔"

(رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ اگست 1980ء)

دعوت اسلامی کا قیام

1980ء ہی میں علامہ شاہ احمد نورانی نے علامہ ارشد القادری، علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ اور دیگر علماء و مشائخ کی موجودگی میں کراچی میں اپنے گھر پر "دعوت اسلامی" کی بنیاد رکھی اور حضرت مولانا محمد الیاس قادری صاحب کو دعوت اسلامی کا امیر مقرر فرمایا اور ساتھ ہی آپ نے اپنی جانب سے اِس بات کا تصدیق نامہ بھی جاری کیا کہ "دعوت اسلامی" اہلسنت و جماعت کی خالصتاً مذہبی تبلیغی جماعت ہے اور اسے تمام اہلسنت و جماعت کی مساجد میں بیان و درس کی اجازت ہے۔ آپ کے جاری کردہ اس تصدیق نامہ کی وجہ سے دعوت اسلامی کو اہلسنت کی مساجد میں بیان و درس کی اجازت ملی اور دعوت اسلامی کا کام بہت تیزی سے پھیلا۔ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی اور علماء و مشائخ اہلسنت کا لگایا ہوا یہ پودا آج ایک تناور درخت بن چکا ہے اور یقیناً ان حضرات قدسیہ کی ارواح جنت الفردوس میں اِس کے ثمرات سے مستفید ہو رہی ہوں گی۔

"جنوری 1981ء میں علامہ شاہ احمد نورانی کینیا کے مسلمانوں کی دعوت پر تبلیغی دورے پر روانہ ہوئے۔ آپ نے سب سے پہلے مکہ مکرمہ پہنچ کر عمرہ ادا کیا اور مدینہ منورہ میں روضہ رسول ﷺ پر بھی حاضری دی اور وہاں عید میلاد النبی ﷺ کی تقریب سے بھی خطاب کیا۔ بعد ازاں آپ کینیا تشریف لے گئے اور وہاں سے فارغ ہو کر علامہ شاہ احمد نورانی نے ماریشس، جنوبی افریقہ، زمبابوے، ملاوی، جزائر فجی، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، ہانگ کانگ، اور سنگاپور کا بھی کامیاب تبلیغی دورہ کیا۔ آپ کی یہ تبلیغی مصروفیات چھ ماہ تک جاری رہیں اور

اس دوران نوے((90افراد نے آپ کے ہاتھوں اسلام قبول کیا۔"

(رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ جنوری1980ئ)

"8،دسمبر1982ء کوعلامہ شاہ احمد نورانی ماریشس کے تبلیغی دورے پر تشریف لے گئے۔اس دورہ میں بہت سے قادیانی آپ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔اپنے اس دورے کےدوران علامہ شاہ احمد نورانی نے تقریباً45مذہبی اجتماعات سے خطاب کیا۔آپ کے یہ تمام پروگرامات ریڈیو ماریشس نے نشر کیے۔"

(ماہنامہ دی مینج کراچی اگست1982ئ)

"30،جنوری1983ء کوعلامہ شاہ احمد نورانی نے دارالعلوم علیمیہ رضویہ ڈربن کی نئی عمارت کا افتتاح فرمایا۔اس مبارک موقع پرآپ کے خسر محترم شیخ فضل الرحمن مدنی بھی خصوصی طور پرمدینہ منورہ سے تشریف لائے۔علامہ شاہ احمد نورانی کا یہ تبلیغی دورہ 23دن جاری رہا،اس دوران آپ نے ڈربن، کیپ ٹاؤن، جوہانس برگ،اور پریٹوریا(جنوبی افریقہ کا دارالخلافہ)میں سینکڑوں بڑے بڑے مذہبی اجتماعات سے خطاب کیا۔روزنامہ نوائے وقت کی رپورٹ کے مطابق ڈربن کے عظیم الشان اجتماع میں چارسو((400قادیانیوں نے قادیانیت سے تائب ہوکر علامہ شاہ احمد نورانی کے ہاتھوں اسلام قبول کیا۔آپ نے ان نومسلموں کوورلڈاسلامک مشن کی طرف سے ترجمہ قرآن کنز الایمان شریف کے انگریزی نسخے پیش کیے۔"

(ماہنامہ دی مینج کراچی اگست1982ئ)

11،فروری1983ء کوایمسٹرڈیم سے ساٹھ(60)کلومیٹر دور مشہور شہر ہیگ میں(جو انٹرنیشنل کورٹس آف جسٹس کا ہیڈکوارٹر ہے)علامہ شاہ احمد نورانی نے"جامعہ مدینۃ السلام" کی افتتاحی تقریب سے خطاب کیا۔

"13 فروری 1983ء کو روٹرڈم میں ایک بڑے تبلیغی اجتماع جس میں ہزاروں کی تعداد میں مسلمان مرد وخواتین اور بچوں نے شرکت کی۔ہالینڈ میں آپ کا قیام ایک ماہ رہا۔اس دوران آپ نے ہر روز کسی نہ کسی اجتماع سے خطاب کیا۔اور آپ کے ہاتھوں ایک سو پچھتر (175) عیسائی اور قادیانیوں نے اسلام قبول کیا۔آپ نے سب کے اسلامی نام رکھے اور انہیں سلسلہ قادریہ میں بیعت کیا۔"

(ماہنامہ دی میسج کراچی ستمبر 1983ء)

"22، اپریل 1983ء کو علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کی اتحاد بین المسلمین کیلئے کی گئی کی کوششوں کی بدولت لندن میں مسلم مساجد کی مشترکہ تنظیم کے انتہائی کامیاب اجلاس منعقد ہوئے۔ان کانفرنسوں سے فارغ ہو کر علامہ شاہ احمد نورانی نے گلاسکو (برطانیہ) نیویارک، ڈنمارک، مغربی جرمنی، اور فرانس کا دورہ کیا۔فرانس میں آپ نے ختم نبوت ﷺ کے موضوع پر ایک بہت بڑے جلسۂ عام سے بھی خطاب کیا۔علامہ شاہ احمد نورانی فرانس سے اپنے دورے کے آخری مرحلے میں بیلجیم پہنچے۔"

(ماہنامہ دی میسج کراچی ستمبر 1983ء، روزنامہ جنگ لاہور 24 مئی 1983ء)

8، دسمبر 1983ء کو علامہ شاہ احمد نورانی کراچی سے ایمسٹرڈیم (ہالینڈ) میں جامع مسجد طیبہ کا سنگ بنیاد رکھنے کیلئے تشریف لے گئے۔آپ نے 11، دسمبر 1983ء کو جامع مسجد طیبہ کا باقاعدہ افتتاح فرمایا اور اس موقع پر موجود ایک عظیم الشان اجتماع سے بھی خطاب فرمایا اور افتتاحی تقریب کے بعد علامہ شاہ احمد نورانی کے دست حق پرست پر کئی قادیانیوں اور عیسائیوں نے اسلام قبول کیا۔جو اس افتتاحی تقریب میں شرکت کیلئے جرمنی، برطانیہ، ماریشس، نیروبی، کینیا اور یورپ کے مختلف شہروں سے آئے تھے۔

مسجد طیبہ کی تعمیر 1985ء میں پایہ تکمیل تک پہنچی اور اس مسجد پر تقریباً پچیس ملین پاکستانی

روپے خرچ آیا۔اس عظیم الشان مسجد میں بیک وقت ایک ہزار افراد نماز ادا کر سکتے ہیں۔ مسجد طیبہ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ یہ یورپ کی پہلی مسجد ہے جس میں پانچوں وقت کی اذان لاؤڈ اسپیکر پر دی جاتی ہے اور یہ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کا کارنامہ ہے کہ آپ نے مسجد طیبہ میں پانچ وقت کی اذان لاؤڈ اسپیکر پر دینے کی اجازت ایمسٹرڈیم کے یہودی میئر سے حاصل کر کے دی۔ اس عظیم الشان مسجد کے زیریں حصے میں اسلامک کلچر سینٹر ہے۔ جہاں پر نمازی فارغ اوقات میں بیٹھ کر ایک دوسرے سے تبادلہ خیال کرتے ہیں۔ اس مسجد میں ایک اسلامک لائبریری بھی قائم ہے۔ اس لائبریری میں ہالینڈ کے پوپ کی جانب سے تحفے میں دیا گیا سو سالہ قدیم قرآن مجید کا وہ قلمی نسخہ بھی موجود ہے۔ جسے ایک ڈچ نے لکھا تھا۔

جنوری **1984**ء میں علامہ شاہ احمد نورانی نے ماریشس کا تبلیغی دورہ کیا۔ آپ کے اس دورے کے دوران کئی غیر مسلموں نے حلقہ اسلام میں داخل ہونے کی سعادت حاصل کی۔ اس سال آپ نے ہالینڈ اور برطانیہ کا بھی تبلیغی دورہ کیا۔ ہالینڈ میں ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ

> "یورپ اور افریقہ کے مسلمان قادیانی فتنے کا بیج بونے کی اجازت نہیں دیں گے۔ آپ نے قادیانیوں کو متنبہ کیا کہ اگر قادیانیوں نے اپنا ہیڈ کوارٹر ربوہ سے ہالینڈ منتقل کرنے کی کوشش کی تو انہیں سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ بعد ازاں آپ نے برطانیہ میں چھ (6) مساجد کا سنگ بنیاد رکھا۔"

(رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ اگست 1984ئ)

> "جون **1987**ء میں علامہ شاہ احمد نورانی نے ہالینڈ کے آٹھ روزہ تبلیغی دورے کے دوران مختلف مذہبی اجتماعات سے خطاب فرمانے کے ساتھ ایک مسجد کا بھی افتتاح فرمایا۔ ورلڈ اسلامک مشن کی طرف سے یہ چوتھی مسجد تھی جو ایمسٹرڈیم ہالینڈ میں تعمیر کی گئی۔ اسی سال دسمبر **1987**ء میں آپ نے تھائی لینڈ، جرمنی، سوئٹزرلینڈ، اور افریقی ممالک کا تین ہفتے کا تبلیغی دورہ بھی کیا۔"

(روزنامہ نوائے وقت ملتان 20 جون 1987ئ)

جنوری 1988ء میں علامہ شاہ احمد نورانی نے ہالینڈ کے تبلیغی دورے کے دوران ہالینڈ کے شہر سولو میں ایک مسجد کا سنگ بنیاد رکھا۔ اسی سال 12، جون 1988ء کو شمالی لندن میں ورلڈ اسلامک مشن کے تحت بننے والی مسجد کا سنگ بنیاد رکھا۔ واضح رہے کہ ورلڈ اسلامک مشن کے تحت یورپ اور افریقہ میں اب تک کئی مساجد تعمیر ہو چکی ہیں۔ اگست 1988ء میں آپ نے برطانیہ کے دورے کے دوران لندن میں لیسٹر مسجد کا سنگ بنیاد رکھا۔ جس کی تعمیر پر پندرہ لاکھ پونڈ اسٹرلنگ کا خرچ آیا۔

"ستمبر 1989ء میں علامہ شاہ احمد نورانی مصر کے چھ روزہ دورہ پر تشریف لے گئے۔ جہاں آپ نے جامعہ الازہر اور مساوات اسلامی یونیورسٹی کی سینٹ کے اجلاس میں شرکت کی۔ علامہ شاہ احمد نورانی ان دونوں یونیورسٹیوں کے علاوہ کئی بین الاقوامی یونیورسٹیوں کے بھی سینٹ کے رکن رہے۔"

(روزنامہ نوائے وقت ملتان 21، ستمبر 1989ئ)

ورلڈ اسلامک مشن کی تمام سرگرمیاں علامہ شاہ احمد نورانی کی عالمی مبلغانہ شخصیت کا ایک نمایاں پہلو ہے۔ علامہ شاہ احمد نورانی نے ورلڈ اسلامک مشن کے چیئرمین کی حیثیت سے تمام براعظموں کے جس قدر دورے کئے اور اسلام کے تحفظ اور احیاء کیلئے جتنی خدمات انجام دیں اس کیلئے ایک الگ کتاب کی ضرورت ہے۔ آج بھی دنیا بھر کے مختلف ممالک میں ورلڈ اسلامک مشن کے زیر انتظام مبلغ اسلام حضرت مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی کے قائم کردہ کئی ادارے کام کر رہے ہیں۔ جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

1۔ ماریشس میں	حلقہ قادریہ علیمیہ اشاعت اسلام
	علیمیہ اسلامک مشن کالج
	دار العلوم علیمیہ
	ورلڈ اسلامک مشن ماریشس
2۔ سری لنکا میں	حلقہ قادریہ علیمیہ اشاعت اسلام سیلون

3۔گھانامیں	ینگ مین مسلم ایسوسی ایشن
4۔امریکہ میں	مسلم ایجوکیشن ٹرسٹ جارج ٹاؤن
5۔ساؤتھ امریکہ میں	اسلامک مشنریز گلڈ
6۔ملائیشیامیں	آل ملایا مسلم مشنری سوسائٹی
7۔برطانیہ میں	حنفی مسلم سرکل پریسٹن/ ورلڈ اسلامک مشن برطانیہ
8۔ہالینڈ میں	دارالعلوم جامعہ مدینۃ الاسلام ڈین ہاگ

محاسبہ قادیانیت اور ورلڈ اسلامک مشن

پاکستان میں قادیانیوں کے کافر قرار دیئے جانے اور ان کے مرکز "ربوہ" کی خصوصی حیثیت ختم ہونے کے بعد قادیانی سربراہ سمیت بہت سے قادیانیوں نے پاکستان سے فرار ہوکر اپنے انگریز آقا کی گود میں پناہ لی۔انگریزوں نے انہیں "سرے" کے مقام پر ایک وسیع علاقہ دیا۔جہاں قادیانیوں نے "اسلام آباد" کے نام سے اپنا نیا مرکز آباد کیا۔جہاں سے وہ آج بھی اپنے مغربی آقاؤں کی پشت پناہی میں مغربی ممالک میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں معروف ہیں۔

اکثر قادیانیوں نے یورپ،امریکہ اور افریقہ کے ان ممالک میں پناہ لی جہاں انہیں تحفظ اور مالی تعاون اور قادیانیت کی نشر و اشاعت کا کھلے عام موقع مل سکا۔ان ممالک میں مسلمان پہلے سے آباد تھے۔جو اکثر مغربی تہذیب کی آندھیوں میں کھو کر اپنے دین کے تقاضوں سے بے خبر ہو چکے تھے۔اور باہمی انتشار اور برتری کی ہوس نے انہیں ایک دوسرے سے دور کر دیا تھا۔

قادیانیوں نے اس صورتحال کا پورا پورا فائدہ اٹھایا اور ان ممالک میں انہوں نے اپنی ہزاروں منظم قادیانی جماعتیں اور سینکڑوں قادیانی مشن قائم کئے۔جس کی وجہ سے اسلامی تعلیمات کی شکل مسخ ہونے لگی۔نئی نسل جس کی پرورش غیر اسلامی ماحول میں ہوئی تھی ایسی تذبذب کا شکار ہوئی کہ وہ اسلام اور قادیانیت کا فرق سمجھنے سے قاصر تھی۔

قادیانیوں نے ہمیشہ وقت کے تقاضوں کو سمجھ کر پرنٹ میڈیا کا خوب استعمال کیا اور بے شمار

لٹریچر شاندار کتابت وطباعت کے ساتھ مختلف زبانوں میں شائع کیا۔آج جدید سائنسی دنیا میں جو الیکٹرانک میڈیا کی حکمرانی کا دور ہے اور ابلاغی ٹیکنالوجی کی حیرت انگیز ترقی نے کمپیوٹر کے عالمی نظام ترسیل انٹرنیٹ کے ذریعہ ہر آدمی کے گھر میں پوری دنیا پہنچادی ہے۔قادیانیوں نے اس سے فائدہ اٹھانے سے غافل نہیں رہے اور انہوں نے الاسلام کے نام پر اپنا ویب سائٹ مخصوص کرالیا۔

علامہ شاہ احمد نورانی کی زیر قیادت ورلڈ اسلامک مشن نے پوری دنیا میں قادیانیت کا بھرپور مقابلہ کیا۔خود علامہ شاہ احمد نورانی نے قادیانیت کے خلاف انگلش میں دو ضخیم کتابیں لکھیں۔ورلڈ اسلامک مشن نے عربی اور انگلش میں ایک ماہنامہ جاری کیا۔جو آج بھی قادیانیت کے خلاف یورپ امریکہ وغیرہ میں معروف ہے۔ورلڈ اسلامک مشن کے تحت Last Blow To Qadianiat اور علامہ جلال الدین نوری کی قادیانیت کے موضوع پر عربی کتاب "القادیانیة اقلیة غیر مسلمة" کے نام سے متعدد بار لاکھوں کی تعداد میں شائع کی۔ورلڈ اسلامک مشن کے نائب صدر پروفیسر سید شاہ فرید الحق صاحب کی کتاب "قادیانیت پر ضرب آخر" کے نام سے انگلش میں شائع کی۔جس میں دنیا بھر کے علماء ومشائخ سے اپیل کی گئی کہ وہ قادیانیوں کے عقائد اور ان کے غیر مسلم ہونے کا خوب پرچار کریں۔ان سے شادی بیاہ نہ کیا جائے۔ان کے مردوں کو مسلمانوں کے قبرستانوں میں دفن نہ ہونے دیا جائے اور ان کی سرگرمیوں کو ان کے مراکز تک محدود کردیا جائے تاکہ وہ عام مسلمانوں کو بہکا نہ سکیں اور مسلم حکومتیں ان کی سرگرمیوں پر پابندی لگائیں اور انہیں کوئی اہم سرکاری عہدہ نہ دیا جائے۔

ورلڈ اسلامک مشن نے قادیانیت کے مذموم عزائم ومقاصد سے آگاہی کیلئے دنیا بھر کے مسلمانوں کے نام ایک پیغام بھی جاری کیا جس میں ان سے کہا گیا کہ

"وہ اپنے دشمن کو پہچانیں،جو خاموشی کے ساتھ ان کی صفوں میں کام کررہا ہے۔کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کو قادیانیوں کی گمراہ کن تعلیمات گمراہ نہ کردیں۔جو اسلام کے نام پر دھوکہ دے رہے ہیں۔

قادیانی دین پاکستان کی قومی اسمبلی کی تاریخی قرارداد کی وجہ سے اگرچہ

پاکستان میں ⊠ نہیں رہ سکا اور اس کی سرگرمیاں پاکستان میں ٹھپ ہیں......... پھر بھی چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔ لہٰذا اے مسلمانوں اپنے نبی رؤف و رحیم کی یاد اپنے دلوں میں تازہ رکھو اور ان کا احترام و تعظیم بجالاتے رہو۔ اور ان کی ہدایت اور حمایت و شفاعت کے طلبگار بنے رہو۔ اور اپنے دلوں میں محبت رسول ﷺ کے جذبہ کو پروان چڑھانے اور حقیقی رہبری کیلئے پاکستان اور بیرون ملک کے علماء اہلسنت سے رابطہ رکھو۔ ان کے لٹریچر پڑھو، اور ورلڈ اسلامک مشن سے اپنے تعلقات مضبوط کرو۔"

(القادیانیۃ اقلیۃ غیر مسلمۃ ص 53)

علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی اور ورلڈ اسلامک مشن کی جدوجہد کے نتیجے میں یورپ کے اندر بہت سی اسلامی تنظیمیں قادیانیت کے استیصال کیلئے سرگرم عمل ہوگئیں۔ انہوں نے قادیانیت کے خلاف کتابیں اور رسائل شائع کئے اور ختم نبوت کانفرنسیں منعقد کر کے قادیانیت کا ناطقہ بند کردیا۔

ورلڈ اسلامک مشن نے برمنگھم (انگلینڈ)، جرمنی، اوٹاوا، مانٹریال (کینیڈا)، ہالینڈ اور نیدرلینڈ سمیت دنیا بھر میں ختم نبوت کانفرنسیں منعقد کیں۔ ان کانفرنسوں کی صدارت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نے کی اور پوری دنیا میں آپ نے قادیانیت کو للکارا اور قادیانیت کے سیاسی و مذہبی اثرات کو زائل کیا۔

مولانا شاہ احمد نورانی نے ورلڈ اسلامک مشن کے چیئرمین کی حیثیت سے تمام براعظموں کے جس قدر دورے کئے اور جتنی اسلامی خدمات انجام دیں۔ اس کے لیے ایک الگ کتاب کی ضرورت ہے۔ مجاہد ملت علامہ عبدالستار خان نیازی صاحب بیان کرتے ہیں کہ

"افریقی ممالک میں علامہ شاہ احمد نورانی کے تبلیغی کو کام کو دیکھ کر میں حیرت زدہ رہ گیا، سینکڑوں تعلیمی ادارے، اخبارات، ٹرسٹ، شفاخانے، انتہائی میکانکی انداز میں خدمت خلق کے کاموں میں مصروف ہیں۔ لاکھوں لوگوں کی خدمت کرنے والے اور لاکھوں روپے ماہانہ رفاہی کاموں پر خرچ کرنے والے مرد

درویش نے ساری زندگی کرائے کے معمولی فلیٹ میں گزار دی۔"

(پیر سید محمد فاروق القادری انوار رضا قائد ملت اسلامیہ نمبر ص 22)

علامہ شاہ احمد نورانی صرف ایک عالمی مبلغ، عالم دین، مذہبی وسیاسی رہنماء ہی نہیں بلکہ ایک بین الاقوامی سیاستدان اور موجودہ صدی میں عالمی امن کے سب سے بڑے داعی اور حقوق انسانی کے سب سے بڑے علمبردار بھی تھے آپ نے ہر فورم پر دنیا بھر کی مظلوم انسانیت اور بالخصوص مظلوم مسلمانوں کیلئے آواز اٹھائی۔ فلسطینی مسلمانوں پر یہودی جارحیت ہو یا کشمیر میں بے گناہ مسلمانوں کے خون سے کھیلی گئی بھارتی افواج کی ہولی، بوسینیا و چیچنیا، برما، مراکش، لبنان، افغانستان تک کے مظلوم مسلمانوں سے لے کر عراق ایران جنگ تک، علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کی ذات اُن کے حقوق کیلئے یہودی وصیہونی سازشوں اور مظالم کے خلاف آواز بلند کرتی نظر آتی ہے۔

یہاں یہ بات بہت اہمیت کی حامل ہے کہ علامہ شاہ احمد نورانی نے عراق ایران جنگ بندی میں عالمی سطح پر نہایت ہی اہم کردار ادا کیا۔

> "آپ نے اِس سلسلے میں براعظم ایشیاء کے مسلمانوں کے نمائندے کی حیثیت سے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل پیریز ڈی کوئیار سے ملاقاتیں کیں۔ آپ کی اِن کوششوں کے اعتراف میں اقوام متحدہ کی جانب سے آپ کو "براعظم ایشیاء کے مسلمانوں کا نمائندہ" بھی مقرر کیا گیا۔"

(روزنامہ نوائے وقت 3، اگست 1988ئ)

سپہ سالار اعلیٰ، فاتح قادیانیت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

> "آپ فرمادیں اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہارا کنبہ، اور تمہارے کمائے ہوئے مال، تمہاری وہ تجارت جس کے نقصان کا تمہیں اندیشہ رہتا ہے۔ اور تمہاری پسندیدہ رہائش گاہیں یہ سب کچھ اگر تم کو اللہ اس کے رسول اور جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ محبوب ہوں تو تم اللہ کے حکم (عذاب) کا انتظار کرو اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

(سورہ توبہ، آیت 24)

ایک انسان کے اندر والدین، اولاد بھائی، بیوی، خاندان، مال، تجارت اور گھران سب چیزوں سے محبت فطری چیز ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آگاہ فرماتا ہے کہ اگر تمہارے اندران سب چیزوں کی محبت میری اور میرے محبوب ﷺ کی محبت سے بڑھ جائے تو تم گویا خطرہ کی حد میں داخل ہو چکے ہو اور بہت جلد تم کو میرا غیض وغضب اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مومن کیلئے رسول اللہ ﷺ سے محبت نہ صرف یہ کہ فرض ہے بلکہ سب سے قریبی رشتہ داروں اور سب سے قیمتی متاع پر مقدم ہے اور خود آقائے دو جہاں ﷺ نے فرمایا کہ

"تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کو ماں، باپ، اولاد اور دوسرے تمام لوگوں سے محبوب نہ ہو جاؤں۔"

(بخاری، کتاب الایمان)

یہ ایک حقیقت ہے کہ اس دور انحطاط میں اور عہد زوال میں اگر بحیثیت مسلمان ہماری تہذیبی اور ثقافتی اکائی سلامت ہے تو اس کی وجہ صرف اور صرف ایمان کی وہ چنگاری ہے جو "عشق رسول" کی صورت میں غلاموں کے سینوں میں ابھی تک سلگ رہی ہے۔ وہی چنگاری جب شعلہ بنتی ہے تو کبھی صدیق اکبر ؓ کے قول و فعل کی اساس ٹھہرتی ہے۔ کبھی اس کا اظہار عمر فاروق ؓ کی غیرت ایمانی میں ہوتا ہے۔ کبھی یہ عشق رسول ﷺ عثمان غنی ؓ کے جذبہ ایثار و حیاء میں نظر آتا ہے اور کبھی یہ طاقت علی المرتضیٰ ؓ کی شجاعت کی صورت اختیار کرتی ہے۔ کبھی عشق رسول ﷺ کی یہ تڑپ میدان کربلا میں رسم شبیری کا حوالہ بنتی ہے۔ کبھی اس کی جھلک اویس قرنی ؓ کے دندان مبارک میں اذن نمو پاتی ہے۔ کبھی اس محبت رسول ﷺ کی مہک بلال ؓ کا نغمہ اذان بن کر سماعتوں میں رس گھولتی ہے۔ کبھی اس کی دلکشی شاہ جیلانی کی ولایت کی آبرو قرار پاتی ہے۔ کبھی یہ عشق غازی علم دین کی خلعت شہادت کی زینت بنتا ہے۔ کبھی یہ عشق حسان بن ثابت، عبداللہ بن رواحہ، زبیر بن کعب، رومی، جامی، سعدی، احمد رضا، اور اقبال کی نعت میں تخلیق کے مقام پر جلوہ گر ہوتا ہے۔ اور کبھی یہ عشق رسول اور محبت مصطفیٰ ﷺ مرد قلندر، درویش خدا مست، علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کی زندگی میں

نظر آتا ہے۔

عشق رسول ﷺ ایک مومن کی معراج ہے جس کے بغیر کسی بھی مسلمان کا ایمان کامل نہیں ہوسکتا۔ ایمان کی اس بنیادی صفت کو ہر مسلمان تسلیم کرتا ہے اور اپنی زبان سے اس کی گواہی دیتا ہے۔ لیکن عملی زندگی میں بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ جنہوں نے عشق رسول کی روح کو صحیح معنوں میں سمجھا۔ اُسے اپنی زندگی کا بنیادی نقطہ، مرکز ومحور تسلیم کرتے ہوئے عازم سفر ہوئے اور اس راستے میں جانوں کے نذرانے پیش کیے۔ تو آقائے نامدار ﷺ اپنی محبت کے دروازے اس پر کھول دیتے ہیں۔ جسے عشق رسول ﷺ کی دولت مل جاتی ہے۔ اُس کے روز وشب بدل جاتے ہیں۔ اُس کا سونا جاگنا اوڑھنا بچھونا سب اپنے محبوب کیلئے ہوجاتا ہے۔ اور وہ ہر وہ کام کرتا ہے جس سے رسول آخرالزماں ﷺ خوش ہوں۔ گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اساس ایمان صرف محبت رسول ﷺ ہے اور یہی غلاموں کا مقصد حیات، زادراہ اور توشہ آخرت ہوتا ہے۔ دور حاضر میں ہمیں علامہ شاہ احمد نورانی کی ذات انہی صفات کا مرکز ومحور دکھائی دیتی ہے۔

علامہ شاہ احمد نورانی کا لباس، وضع وقطع، رہن وسہن، اٹھنا بیٹھنا، میل جول، خلوت وجلوت، سب کچھ تعلیمات مصطفوی کا عملی مظہر تھیں۔ مولانا شاہ احمد نورانی کی زندگی کا ہر لمحہ عشق مصطفی ﷺ میں ڈوبا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ آپ قول وفعل میں تضاد کے قائل نہ تھے۔ مذہبی غیرت وحمیت آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپ کبھی بھی اصولوں پر سمجھوتا نہیں کرتے تھے۔ خواہ کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہوجائے۔

عاشق رسول ﷺ علامہ شاہ احمد نورانی کو قادیانیت سے شدید نفرت تھی اور اسی نفرت نے انہیں زندگی بھر قادیانیت کے خلاف مصروف جہاد رکھا اور محراب منبر سے لے کر اسمبلی اور سینٹ کے ایوانوں تک اس مرد قلندر کی ذات سب سے جدا اور سب سے نمایاں نظر آتی ہے۔

1901ء میں جب سے مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی جھوٹی نبوت کا اعلان کیا۔ اُس وقت سے لے کر آج تک علماء ومشائخ اہلسنت اپنے اپنے دور میں اس فتنے کا سدباب کرنے کیلئے میدان عمل میں رہے اور انہوں نے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق ہر میدان میں قادیانیت کا محاسبہ

جاری رکھا۔قیام پاکستان کے بعد اُمت مسلمہ کو امید تھی کہ ایک اسلامی نظریاتی ملک ہونے کی وجہ سے حکومت وقت عوام کے مذہبی جذبات کا احساس کرتے ہوئے قادیانیوں کو اُن کی حد میں رکھے گی اور غیر مسلم اقلیت قرار دے گی۔لیکن افسوس کہ ایسا نہیں ہوااور وقت کے ساتھ ساتھ قادیانیوں کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں اضافہ ہوتا گیا۔یہاں تک کہ قادیانیوں کی اسلام اور ملک دشمن سرگرمیوں کی وجہ سے اُمت مسلمہ کی نفرت نے 1953ء کی تحریک ختم نبوت کو جنم دیا۔جسے حکومت نے طاقت کے بل پر وقتی طور پر دبالیا۔لیکن قادیانی ذرّیت سے یہ نفرت اُمت مسلمہ کے دلوں میں سلگتی رہی۔

علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی جو کہ نوجوانی میں تحریک ختم نبوت 1953ء میں جیدا کابر علماء اہلسنت کے ساتھ مرکزی کردار ادا کرچکے تھے۔تحریک کی ناکامی کے اسباب وعوامل سے پوری طرح واقف تھے۔جوں ہی آپ کو پاکستان کی قومی اسمبلی میں آنے کا موقع ملا۔آپ نے تحفظ ختم نبوت اور عظمت مصطفی ﷺ کو مملکت کا قانون بنانے اور اس کو آئینی تحفظ دینے کیلئے کام کرنا شروع کردیا اور اس سفر کی کامیاب ابتداء آئین میں مسلمان کی تعریف کی شمولیت، ریاست کا سرکاری مذہب اسلام، دیگر اسلامی دفعات کو آئینی تحفظ دینے، کے علاوہ عائلی قوانین کی تنسیخ، تینوں مسلح افواج کے سربراہوں کیلئے مسلمان ہونے کی شرط، فتنہ ارتداد کو روکنے کی ضمانت حاصل کرنے اور پاکستان کے دستور کو دوقومی نظریے سے ہم آہنگ کرنے کی کوششوں سے ہو چکی تھی اور آپ اپنے اہداف پر نظر رکھے ہوئے مرحلہ وار منزل کی جانب رواں دواں تھے۔

گو کہ آپ سے پہلے مختلف مکاتب فکر کے کئی علماء کرام پاکستان کی قومی اسمبلی کے ممبر رہ چکے تھے۔لیکن انہوں نے کبھی بھی فتنہ مرزائیت کے خلاف اسمبلی کے اندر ایک لفظ نہیں بولا۔یہ بات پاکستان کی سیاسی تاریخ کے ریکارڈ پر موجود ہے کہ پاکستان کی پہلی قومی اسمبلی کے ممبر دارالعلوم دیوبند کے سابقہ شیخ التفسیر علامہ شبیر احمد عثمانی نے اسمبلی میں ایک لفظ بھی قادیانیت کے خلاف نہیں بولا اور نہ ہی قومی اسمبلی میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی قرارداد پیش کی۔اسی طرح 1962ء میں صدر ایوب خاں کے کرائے گئے انتخابات میں جمعیت علماء اسلام کے مولانا مفتی محمود قومی اسمبلی اور مولانا غلام

غوث ہزاروی صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ جمعیت علماء اسلام کے یہ دونوں حضرات پانچ سال تک اسمبلی کے ممبر رہے۔ قومی اسمبلی کا ریکارڈ آج بھی اس بات کا گواہ ہے کہ ان دونوں حضرات نے پانچ سال کے دوران اسمبلی فلور پر تحفظ ختم نبوت کے حوالے سے کوئی احتجاج ریکارڈ نہیں کرایا، جبکہ علامہ شاہ احمد نورانی نے پاکستان کی قومی اسمبلی میں اپنے پہلے ہی خطاب میں آئین میں مسلمان کی تعریف شامل کرنے کا مطالبہ کیا اور یہ کہہ کر کہ "جو لوگ حضور اکرم ﷺ کو آخری نبی نہیں مانتے ہم ان کو مسلمان ہی نہیں سمجھتے" قادیانیوں کو کافر اور غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی تحریک کا آغاز کر چکے تھے۔

کشمیر اسمبلی میں قرارداد کی منظوری پاکستانی مسلمانوں کے ضمیر کی آواز

علامہ شاہ احمد نورانی 29، اپریل 1973 کو آزاد کشمیر اسمبلی میں بالاتفاق منظور کی جانے والی قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی قرارداد سے بھی اچھی طرح واقف تھے اور محسوس کر رہے تھے کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی قرارداد پاکستان کی قومی اسمبلی بھی منظور کر کے پاکستان اور اُمت مسلمہ کے مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کرنی چاہیے۔ واضح رہے کہ یہ قرارداد آزاد کشمیر اسمبلی کے رکن میجر (ریٹائرڈ) محمد ایوب نے پیش کی تھی۔ میجر (ریٹائرڈ) محمد ایوب کی قرارداد کا اصل محرک اور اس کی بنیاد 17، اپریل 1972 کو پاکستان کی قومی اسمبلی میں پیش کردہ مسلمان کی وہ متفقہ تعریف بنی جو علامہ شاہ احمد نورانی اور آپکے رفقاء نے تیار کی تھی اور جو بعد میں آئین کا حصہ بنی۔ میجر (ریٹائرڈ) محمد ایوب کے علم میں پاکستان کی قومی اسمبلی کی منظور کردہ مسلمان کی متفقہ تعریف تھی۔ اُن کا دل قادیانیوں کی اسلام اور پاکستان دشمنی کی وجہ سے سخت رنجیدہ تھا اور وہ اس حوالے سے سخت متفکر تھے کہ آزاد کشمیر میں قادیانیوں کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کو کس طرح روکا جائے۔ اس قرارداد کا خیال اُن کے دل میں حج کے دوران روضہ رسول ﷺ پر سلام عرض کرنے کیلئے جاتے ہوئے آیا کہ میں کس منہ سے رحمت عالم ﷺ کے مواجہ شریف پر سلام عرض کرنے جا رہا ہوں حالانکہ ہمارے ملک میں آپ ﷺ کے دشمن دندناتے پھر رہے ہیں۔ اس خیال کے آتے ہی میجر (ریٹائرڈ) محمد ایوب نے اپنے دل میں مصمم ارادہ کر لیا کہ واپس جاتے ہی آزاد کشمیر کی اسمبلی میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے کیلئے قرارداد پیش کریں گے۔ چنانچہ میجر (ریٹائرڈ) محمد ایوب نے واپس آتے ہی کشمیر اسمبلی میں

قادیانیوں کے خلاف قرارداد پیش کی، جس کا متن مندرجہ ذیل ہے

"قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ ریاست (آزاد کشمیر) میں جو قادیانی رہائش پزیر ہیں۔ اُن کی باقاعدہ "رجسٹریشن" کی جائے۔ اور انہیں اقلیت قرار دینے کے بعد مختلف شعبوں میں اُن کی نمائندگی کا تعین کیا جائے، ریاست (آزاد کشمیر) میں قادیانیت کی تبلیغ ممنوع کی جائے۔"

(قادیانیت کا سیاسی تجزیہ)

اس قرارداد کو متفقہ طور بغیر اختلاف رائے کے کشمیر اسمبلی نے منظور کیا اور صدر آزاد کشمیر سردار عبدالقیوم خان نے 25 مئی 1973ء کو اس قرارداد کی توثیق کر کے ملت اسلامیہ کے جذبات کی ترجمانی کی۔ آزاد کشمیر اسمبلی بالاتفاق قادیانیوں کے خلاف اس قرارداد کو منظور کر کے ایک عظیم کارنامہ انجام دینے کے ساتھ ایک نئی تاریخ بھی رقم کر چکی تھی۔ آزاد کشمیر اسمبلی میں قادیانیوں کے خلاف قرار داد کی منظوری دراصل پاکستان کے مسلمانوں کے دل کی پکار اور ضمیر کی آواز تھی۔ یوں کشمیر اسمبلی نے قادیانیوں کے خلاف قرارداد منظور کر کے پاکستان کی قومی اسمبلی کے اراکین کیلئے قادیانیوں کے خلاف آئندہ کا لائحہ عمل بھی متعین کر دیا تھا۔

ایسی ہزاروں حکومتیں رسول پاک ﷺ کی ناموس پر قربان

خواجہ محمد اقبال بٹ وزیر قانون بحالیات و تعمیر عامہ آزاد کشمیر نے ایڈیٹر چٹان کے نام اپنے ایک مکتوب میں لکھا کہ

"پاکستان اسلام کی قدریں بحال کرنے اور ان اسلامی قدروں کو زندگی کے ہر شعبہ پر محیط کرنے کی خاطر وجود میں آیا تھا۔ آزاد کشمیر کی موجودہ مسلم کانفرنس کی تشکیل کردہ عوامی حکومت نے ان قدروں کو آزاد کشمیر کے چھوٹے سے خطہ میں بحال کرنے کی بھرپور کوشش جاری کر دی ہے۔ اس میں اسلامی قوانین کا نفاذ اور اسلامی نظام کا اجراء شامل ہے۔ ہم رات دن اس کوشش میں مصروف

ہیں کہ رسول پاک ﷺ کے بتائے ہوئے راستے پر اپنی ساری قوم کو ساتھ لے کر چل پڑیں۔لیکن سرزمین پاک کے بااثر طبقہ کو ہمارے خلاف یہ شکایت ہے کہ "اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں" برادرم اس کا علاج آپ ہی کر سکتے ہیں جہاں تک ہمارا معاملہ ہے یہ موجودہ حکومت کیا،ایسی ہزاروں حکومتیں ہم رسول پاک ﷺ کی ناموس محترم پر ایک ٹھوکر سے قربان کر سکتے ہیں۔ہماری طرف سے تشفی رکھیں کہ اس مقدس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے ہم آخری سانس تک اپنا عمل جاری رکھیں گے۔"

(چٹان لاہور 15،جون 1973ء)

صدر مملکت و وزیر اعظم پاکستان کے مسلمان ہونے اور مسلمان کی تعریف پر مشتمل حلف کے آئین میں شامل ہونے سے مرزائیوں اور ان کے خلیفہ مرزا ناصر کو پیچ پا کر دیا اور اسے اپنے مستقبل کے بارے میں تشویش لاحق ہوگئی تھی۔دراصل مرزائی پاکستان کے آئین میں مسلمان کی تعریف شامل ہوجانے کی وجہ سے پہلے ہی سخت پریشان تھے۔انہیں یقین ہوگیا تھا کہ دستور میں مسلمان کی جامع تعریف شامل ہوجانے کے بعد وہ قانونی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار پاچکے ہیں اور اب دیر یا سویر اُن کے غیر مسلم اقلیت ہونے کا صرف سرکاری اعلان ہی باقی رہ گیا ہے۔آزاد کشمیر اسمبلی میں قادیانیوں کے خلاف قرارداد کی منظوری نے ان کے تمام خدشات کو یقین میں بدل دیا تھا اور انہیں محسوس ہونے لگا کہ عنقریب اب پاکستان کی قومی اسمبلی میں موجود علماء ان کے مستقبل کے بارے میں قرارداد پیش کر کے اُن کیلئے رہے سہے باقی تمام راستے بھی بند کرسکتے ہیں۔اس صورتحال نے قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا ناصر کو مشتعل کر دیا اور اُس نے ایک کتابچہ شائع کیا جس میں کشمیری مسلمانوں کے ساتھ ساتھ پاکستانی مسلمانوں کو بھی اپنی مخصوص گیدڑ بھبکیوں سے ڈرانے کی کوشش کی۔اس کتابچہ میں اس نے مسلمانوں کو گیدڑ سے تشبیہ دی جو لومڑی کی کھال پہن کر اپنے کھو سے باہر نکل آئے ہیں،مرزا ناصر نے اپنی قادیانی جماعت کو ایک ایسے شیر کی مانند قرار دیا جو ان سب کو کھا جائیگا۔

علامہ شاہ احمد نورانی نے قادیانیوں کو کافر اور غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی پوری پیش بندی

کر لی تھی، آپ آنے والے وقت میں قادیانیت کے تابوت میں آخری کیل ٹھوکنے کی پوری تیاری کر چکے تھے۔ اس مقصد کیلئے آپ نے حکومتی اور عوامی سطح پر رائے عامہ ہموار و منظم کرنے کا کام شروع کر دیا اور مناسب وقت کا انتظار کرنے لگے کہ

قادیانیت کے خلاف رابطہ عالم اسلامی کی قرارداد

اسی دوران 6، اپریل تا 10، اپریل 1974ء کو مکہ مکرمہ میں رابطہ عالم اسلامی کے زیر انتظام دنیا بھر کی مقتدر اسلامی تنظیموں کی مشترکہ کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں دوسری اہم قراردادوں کے علاوہ ایک بنیادی قرارداد نمبر نو (9) قادیانیوں سے متعلق بھی منظور کی گئی۔ اس قرارداد کے حق میں تمام شرکاء کانفرنس (جس میں مسلم تنظیموں کے نمائندے، حکومتوں کے وزراء اور اعلیٰ سرکاری افسران شامل تھے) نے ووٹ دیا تھا۔ لیکن افسوس کہ صرف پاکستان کی وزارت اوقاف کے سیکرٹری ٹی، ایچ ہاشمی نے اس قرارداد کے حق میں ووٹنگ کے مرحلے میں غیر جانب دار ہو کر قرارداد کے حق میں ووٹ دینے سے گریز کیا اور کہا کہ قادیانیوں کی مذہبی حیثیت کے موقف سے مجھے اتفاق ہے۔ لیکن انہیں اسلامی ممالک میں ملازمتیں نہ دیئے جانے کی تجویز سے اتفاق نہیں۔ رابطہ عالم اسلامی کی منظور کردہ یہ قرارداد اور پاکستان کے غیر جانب دار رہنے کی روئیداد پاکستان کے کسی اخبار اور نیوز ایجنسی کی نظر میں نہیں آسکی اور حکومت نے اسے باقاعدہ حکمت عملی کے تحت گم سم کر دیا تھا۔ رابطہ عالم اسلامی کی قرارداد کا متن یہ تھا۔

> "قادیانیت وہ باطل مذہب ہے جو اپنے ناپاک اغراض و مقاصد کی تکمیل کیلئے اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہے۔ اس کی اسلام دشمنی ان چیزوں سے واضح ہے
>
> اس کے بانی کا دعویٰ نبوت کرنا۔
>
> قرآنی نصوص میں تحریف کرنا۔
>
> جہاد کے باطل ہونے کا فتویٰ دینا۔
>
> قادیانیت برطانوی استعمار کی پروردہ ہے اور اس کے زیر سایہ سرگرم عمل ہے۔

قادیانیوں نے اُمت مسلمہ کے مفادات سے ہمیشہ غداری کی ہے اور استعمار اور صیہونیت سے مل کر اسلام دشمن طاقتوں سے تعاون کیا ہے اور یہ طاقتیں بنیادی اسلامی عقائد میں تحریف وتبدل اور ان کی بیخ کنی میں مختلف طریقوں سے مصروف عمل ہیں۔

(ا) معابد کی تعمیر جن کی کفالت اسلام دشمن طاقتیں کرتی ہیں۔

(ب) اسکولوں، تعلیمی اداروں اور یتیم خانوں کا کھولنا جن میں قادیانی اسلام دشمن طاقتوں کے سرمائے سے تخریبی سرگرمیوں میں مصروف ہیں اور قادیانی مختلف زبانوں میں قرآن پاک کے تحریف شدہ نسخے شائع کررہے ہیں۔ان خطرات کے پیش نظر کانفرنس نے درج ذیل قرارداد منظور کی ہے۔

(۱) تمام اسلامی تنظیموں کو چاہئے کہ وہ قادیانی معابد، مدارس، یتیم خانوں اور دوسرے تمام مقامات میں جہاں وہ سیاسی سرگرمیوں میں □ مشغول ہیں۔ اُن کا محاسبہ کریں اور ان کے پھیلائے ہوئے جال سے بچنے کیلئے عالم اسلام کے سامنے ان کو پوری طرح بے نقاب کریں۔

(۲) اس گروہ کے کافر اور خارج از اسلام ہونے کا اعلان کیا جائے۔

(۳) قادیانیوں سے مکمل عدم تعاون اور اقتصادی، معاشرتی، اور ثقافتی ہر میدان میں مکمل بائیکاٹ کیا جائے۔ان کے کفر کے پیش نظر ان سے شادی بیاہ کرنے سے اجتناب کیا جائے اور ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے۔

(۴) کانفرنس تمام اسلامی ملکوں سے یہ مطالبہ کرتی ہے کہ مدعی نبوت مرزا غلام احمد قادیانی کے متبعین کی ہر قسم کی سرگرمیوں پر پابندی لگائی جائے اور انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔نیز ان کیلئے اہم سرکاری عہدوں کی ملازمتیں ممنوع قرار دی جائیں۔

(۵) قرآن مجید میں قادیانیوں کی تحریفات کی تصاویر شائع کی جائیں اور ان

کے تراجم قرآن کا شمار کر کے لوگوں کو ان سے متنبہ کیا جائے اور ان تراجم کی ترویج کا سدباب کیا جائے۔

(۶) دیگر تمام باطل فرقوں سے قادیانیوں جیسا سلوک کیا جائے۔

اس کانفرنس میں اسرائیل میں موجود قادیانی مشن کی پراسرار سرگرمیوں پر اظہارِ تشویش بھی کیا گیا۔"

(14، اپریل 1974ء اخبار الندوہ سعودی عرب)

12، اپریل 1974ء کو سینٹ جارج ہال میں ورلڈ اسلامک مشن کی پہلی عظیم الشان کانفرنس جو کہ علامہ شاہ احمد نورانی کی زیر صدارت منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں پاکستان، ہندوستان، سری لنکا، انڈونیشیا، تنزانیہ، پرتگال، صومالیہ، جنوبی افریقہ، مصر، شام، افغانستان، مغربی جرمنی، سعودی عرب، عراق، یمن، برطانیہ، افریقہ، اور دیگر اسلامی ممالک سے ایک سو سے زائد مذہبی رہنماؤں نے شرکت کر کے عہد کیا کہ جس طرح پاکستان و ہندوستان میں دین کا کام ہو رہا ہے۔ اسی نہج پر دین کا کام یورپ و امریکہ سمیت دیگر ممالک میں کیا جائے گا اور دنیا بھر میں کسی بھی جگہ مسلمانوں کو دفاعِ اسلام کی ضرورت پیش آئی تو ورلڈ اسلامک مشن اس فرض کو بھرپور طریقے سے ادا کرے گا۔ اس کانفرنس میں ورلڈ اسلامک مشن کا آئین، کام کا طریقہ کار اور قوائد و ضوابط طے کرنے کے ساتھ ساتھ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کو ورلڈ اسلامک مشن کا چیئرمین بھی منتخب کیا گیا۔ اس کانفرنس میں علامہ شاہ احمد نورانی نے چوبیس (24) ممالک میں ورلڈ اسلامک مشن کی شاخوں کے قیام کیلئے کنوینر بھی مقرر کئے۔

علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی رابطہ عالم اسلامی کی مکہ مکرمہ میں منعقد ہونے والی اس کانفرنس جس میں قادیانیوں کے خلاف قرارداد منظور کی گئی مدعو تھے۔ لیکن چونکہ آپ ان دنوں ورلڈ اسلامک مشن کی پہلی کانفرنس اور اس کے آئین اور قواعد و ضوابط کی تیاریوں کے سلسلے میں بریڈفورڈ برطانیہ میں مصروف تھے۔ اس لیے رابطہ عالم اسلامی کی اس کانفرنس میں شریک نہ ہو سکے۔ لیکن ورلڈ اسلامک مشن کی کانفرنس سے فارغ ہوتے ہی آپ مکہ مکرمہ پہنچے اور رابطہ عالم اسلامی کی کانفرنس میں منظور کی

جانے والی قرارداد کی کاپی حاصل کی تاکہ اُس کی روشنی میں آئندہ کی حکمت عملی تیار کی جاسکے۔

بھٹو کی قادیانیوں سے بیزاری اور ایئر مارشل کی ریٹائرمنٹ

علامہ شاہ احمد نورانی اور دیگر علماء کی کوششوں کی بدولت پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام، مسلمان کی جامع و مختصر تعریف اور صدر و ملک کے وزیراعظم کا حلف پاکستان کے آئین کا حصہ بن کر قانونی شکل اختیار کر چکے تھے۔ مرزائی جنہوں نے الیکشن میں پاکستان پیپلز پارٹی کو سیکولر جماعت سمجھتے ہوئے اس کی سرگرم حمایت اپنے مفادات کے تحفظ کیلئے کی تھی۔ انہیں امید نہیں تھی کہ پیپلز پارٹی جیسی ایک سیکولر جماعت کے دورِ اقتدار میں علامہ شاہ احمد نورانی اور چند علماء ایسی اسلامی دفعات آئین میں شامل کروا کر قادیانی مفادات پر اس قدر شدید ضرب لگائیں گے اور پیپلز پارٹی جو کہ اسمبلی میں غالب اکثریت رکھنے والی جماعت ہے ایک کمزور حزبِ اختلاف کے مٹھی بھر علماء کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائے گی۔

اس صورتحال میں قادیانی اور کمیونسٹ دونوں ہی پاکستان پیپلز پارٹی اور مسٹر بھٹو سے ناراض ہو گئے اور انہوں نے طے کیا کہ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری کی مصداق۔ نہ بھٹو رہے اور نہ ہی دستور باقی بچے۔ اس لیے ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے اور ملک کی ان اہم شخصیات کو جو قادیانی مفادات کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں قتل کر دیا جائے۔ واضح رہے کہ ڈاکٹر نذیر، خواجہ رفیق اور بلوچستان اسمبلی کے ممبر مولانا شمس الدین کا قتل اسی سلسلے کی کڑی تھا۔

قادیانی دراصل پاکستان کو مرزائی ریاست بنانا چاہتے تھے اور اس مقصد کیلئے ان کا اقتدار پر قبضہ بہت ضروری تھا جو بھٹو کو راستے سے ہٹائے بغیر ممکن نہیں تھا۔ اس لیے مرزائیوں نے بھٹو حکومت کا تختہ الٹ کر اقتدار پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کیا اور انہوں نے اس کام پر پاک فضائیہ کے قادیانی چیف آف ایئر اسٹاف ایئر مارشل ظفر اللہ چوہدری کو مامور کیا۔ ظفر چوہدری، ظفر اللہ خان قادیانی کا حقیقی بھتیجا اور میجر جنرل نذیر احمد قادیانی کا ہم زلف تھا۔ ظفر چوہدری نے مرزا ناصر کے ایماء پر پہلے بھی پاکستان ایئر فورس کے کئی مسلمان افسروں کے خلاف متعصبانہ رویہ اختیار کیا تھا۔

"ظفر اللہ چوہدری مرزا ناصر کا خاص آدمی تھا۔ وہ متعصب اور سخت گیر طبیعت

کا مالک تھا اور اس نے پاکستان ایئر فورس پر مرزائیوں کو قابض کرانے کیلئے کیا کچھ نہیں کیا۔ جب بھی پاکستان ایئر فورس میں بھرتی کا مرحلہ آیا تو اس نے اپنے ہم عقیدہ افراد کو فوقیت دی۔ امریکہ وغیرہ میں جب کسی نوجوان کو تربیت کیلئے بھیجنے کا مرحلہ آیا تو اس نے قادیانی افسروں کو اس تربیت کیلئے اہمیت دی۔ اُس کے اِس طرزِ عمل کی وجہ سے فضائیہ میں قادیانی افراد کا اثر و رسوخ بڑھ گیا۔ ایک بار ظفر چوہدری کے ہاتھوں کورٹ مارشل کی بھینٹ چڑھنے والے ایک مسلمان فضائی افسر نے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو تک رسائی حاصل کی اور انہیں ظفر چوہدری کی گھٹیا ذہنیت اور اسلام و ملک دشمن سرگرمیوں سے آگاہ کیا۔ یہ لرزہ خیز داستان سن کر مسٹر بھٹو بہت حیران ہوئے۔ کہتے ہیں اُس روز بھٹو صاحب بہت پریشان تھے۔ ان کے ماتھے پر معنی خیز شکن ابھر آئی۔ اور کہا "اچھا" "یہ ہے ان کا اصل روپ۔"

(مویدِ قومی ہیرو ایم۔ ایم عالم۔ نوائے وقت 8، اگست 1973ئ)

شاید بھٹو صاحب اس بات کو اتنی اہمیت نہ دیتے۔ لیکن ایک واقعہ نے انہیں عملی قدم اٹھانے پر مجبور کردیا اور وہ درگزر نہ کر سکے۔ وہ واقعہ یہ تھا کہ مرزائیوں کا سالانہ جلسہ دسمبر 1973ء میں ربوہ میں ہوا۔ اس جلسے میں جس وقت مرزائی خلیفہ مرزا ناصر تقریر کر رہا تھا اُس وقت پاکستان ایئر فورس کے تین جہازوں نے یکے بعد دیگرے مرزا ناصر کو غوطہ لگا کر سلامی دی۔ مرزا ناصر کو سلامی دینے والے تمام پائلٹ قادیانی تھے اور انہوں نے یہ اقدام ظفر چوہدری کے حکم سے انجام دیا تھا۔ اِس موقعہ پر مرزا ناصر خوشی سے پھولے نہ سمائے اور اس نے اپنا دامن پھیلا کر آسمان کی طرف منہ کر کے حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا "میں دیکھ رہا ہوں کہ احمدیت (قادیانیت) کا پھل پک چکا ہے اور جلدی ہی میری جھولی میں گرنے والا ہے" یہ رپورٹ قومی اخبار و جرائد میں شائع ہوئی۔ خفیہ ذرائع سے بھٹو صاحب ان حقائق کی تصدیق کر چکے تھے۔

ان پے در پے واقعات نے بھٹو صاحب کو قادیانیوں سے بدظن کر دیا تھا اور جب انہیں اس

بات کا علم ہوا کہ ظفر چوہدری اُن کی حکومت کا تختہ الٹنا چاہتا ہے۔ چنانچہ 15، اپریل 1974ء کو اس سے قبل کہ قادیانی بھٹو حکومت کا تختہ الٹ کر اپنے مزموم عزائم میں کامیاب ہوتے بھٹو نے پاک فضائیہ کے قادیانی چیف آف ایئر اسٹاف ایئر مارشل ظفر اے چوہدری کو سبکدوش کر دیا۔ اس ریٹائر منٹ کی وجوہات میں ملک دشمنی کے ساتھ ساتھ ظفر چوہدری کا وہ قادیانی نواز رویہ بھی تھا۔ جس کی وجہ سے اُس نے اپنے دور میں پاکستان ایئر فورس سے جھوٹے مقدمے بنا کر کئی مسلمان افسروں کو نکالا تھا۔ اُس نے 1965ء کی جنگ کے ہیرو پاک فضائیہ کے اسکواڈرن لیڈر ایم، ایم عالم کو بھی اپنے غضب کا نشانہ بنایا تھا اور اُس نے ایم، ایم عالم کو پاک فضائیہ سے نکالنے کیلئے کورٹ مارشل تک کی دھمکی دی تھی۔ ظفر چوہدری کے اِس اقدام کی وجہ یہ تھی کہ ایم، ایم عالم کو نکال دینے سے کئی قادیانی پائلٹوں کی ترقی کا راستہ صاف ہو جاتا تھا۔ اس طرح ظفر چوہدری نے پاکستان ایئر فورس کو قادیانی ایئر فورس بنانے اور قادیانیوں کو اقتدار تک پہنچانے کی کوشش کی تھی۔

اس سے پہلے گذشتہ سال بھی قادیانیوں نے بھٹو حکومت کا تختہ الٹنے کیلئے مبینہ فوجی سازش کی تھی اور اس سازش میں کئی قادیانی افسر ملوث پائے گئے تھے۔ جن میں اس سازش کا سرغنہ اسکواڈرن لیڈر غوث محمد قادیانی (جسے چودہ سال قید کی سزا ہوئی تھی)، قادیانی جنرل اختر حسین ملک کا بیٹا اور قادیانی کور کمانڈر جنرل عبدالعلی کا بھتیجا اور داماد میجر سعید ملک قادیانی، ریٹائرڈ میجر جنرل آدم خان قادیانی کے لڑکے میجر فاروق اور میجر افتخار (یہ دونوں بھائی ریٹائرڈ ایئر مارشل اصغر خان کے بھائی طارق کے سالے بھی ہیں)، کرنل ایف، بی علی اور کرنل آفریدی جیسے لوگ شامل تھے۔ وزیر اعظم پاکستان جناب ذوالفقار علی بھٹو قادیانیوں کی اِن سازشوں کی وجہ سے اُن کے ملک دشمن کردار اور عزائم سے اچھی طرح آگاہ ہو چکے تھے اور وہ سمجھ چکے تھے کہ قادیانی ملت اسلامیہ کا ناسور ہی نہیں پاکستان کے کھلے دشمن بھی ہیں۔ قادیانی حقیقت سے آگاہی نے بھٹو کو قادیانیوں سے متنفر، بیزار اور بدگمان کر دیا تھا۔ بھٹو کی اِس بدظنی اور بدگمانی نے انہیں حتمی فیصلے تک پہنچنے میں بڑی مدد دی۔

تحریک ختم نبوت کی بنیادی وجہ "سانحہ ربوہ"

خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ نشتر میڈیکل کالج ملتان میں طلباء یونین کے الیکشن ہوئے۔ جس میں مسلمان طلباء کے مقابلے میں کچھ قادیانی بھی مدمقابل آگئے۔ جس سے طلباء کو قادیانیت اور قادیانیوں کے عقائد وعزائم سے واقفیت حاصل ہوئی۔ اس الیکشن میں مسلمان طلباء کو کامیابی حاصل ہوئی۔ اس کامیابی کے بعد طلباء نے سیر وسیاحت کیلئے پشاور اور شمالی علاقہ جات کے سفر پر جانے کا پروگرام بنایا اور خیبر میل میں بکنگ کرانا چاہی لیکن خیبر میل میں ان طلباء کو خالی بوگی نہیں ملی جس کی وجہ سے انہوں نے چناب ایکسپریس میں بکنگ کرائی۔ جو قادیانی شہر ربوہ سے ہو کر گزرتی تھی اور ربوہ سے گزرنے والی ہر ریل گاڑی میں قادیانی اپنا لٹریچر تقسیم کرتے تھے۔

یہ 22 مئی 1974ء کا ایک روشن دن تھا۔ جب نشتر میڈیکل کالج ملتان کے سو سے زائد طلباء سیر وتفریح کیلئے چناب ایکسپریس سے پشاور کیلئے روانہ ہوئے۔ طلباء کا یہ ہنستا کھیلتا قافلہ جب ربوہ ریلوے اسٹیشن پہنچا تو حسب معمول قادیانیوں نے گاڑی کی مختلف بوگیوں میں اپنا لٹریچر تقسیم کرنا شروع کیا۔ جب طلبا کی بوگی میں یہ لٹریچر تقسیم کیا گیا تو ان میں اشتعال پھیل گیا اور مسلمان طلباء نے جوش وجذبے میں ربوہ ریلوے اسٹیشن پر ختم نبوت زندہ باد، قادیانیت مردہ باد کے فلک شگاف نعرے لگائے۔ اس دوران گاڑی وسل دے کر اگلی منزل کی جانب روانہ ہوگئی۔

ربوہ ایک بند شہر تھا۔ جس میں بغیر اجازت کوئی مسلمان داخل نہیں ہوسکتا تھا۔ خلیفہ ربوہ یہاں کا مطلق العنان حکمران تھا۔ جس کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوتا تھا۔ ربوہ کی اپنی وزارتیں اور نظارتیں تھیں۔ غرضیکہ ربوہ پاکستان کے اندر ایک علیحدہ ریاست تھی۔ ربوہ ریلوے اسٹیشن پر مسلمان طلباء کی غیرت ایمانی کے مظاہرے نے ربوہ کے قصر خلافت میں زلزلہ برپا کردیا۔ کیونکہ یہاں قادیانی خلیفہ کے حکم کے بغیر چڑیا بھی پر نہیں مار سکتی تھی۔ مسلمان طلباء کی اس جرأت نے قادیانی ایوان میں کھلبلی مچادی تھی اور انہوں نے مسلمان طلباء کو سبق سکھانے کا فیصلہ کیا۔

29 مئی 1974ء کو چناب ایکسپریس میں طلباء پشاور سے واپس ملتان روانہ ہوئے۔ راستے میں سرگودھا سے قادیانیوں کی انجمن خدام الاحمدیہ کے رضا کار باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت گاڑی میں سوار ہوئے۔ ربوہ سے پہلے نشتر آباد اسٹیشن کے قادیانی اسٹیشن ماسٹر نے طلباء کی بوگی پر چسپے

سے نشان لگادیا اور ربوہ کے اسٹیشن ماسٹر کو فون کر کے اِس نشان زدہ بوگی کا نمبر بتادیا۔ جب گاڑی ربوہ اسٹیشن پر پہنچی تو اسٹیشن پر ایک ہنگامہ برپا تھا۔ پانچ ہزار کے قریب قادیانی غنڈے، ہتھیاروں، لاٹھیوں، ڈنڈوں اور پتھروں سے لیس موجود تھے جو طلباء کی بوگی پر حملہ آور ہوئے۔ طلباء نے فوراً کھڑکیاں اور دروازے بند کر لیے۔ لیکن قادیانی غنڈوں کا ہجوم کھڑکیاں اور دروازے توڑ کر بوگی میں داخل ہو گیا۔ قادیانی غنڈے نہتے مسلمان طلباء پر ٹوٹ پڑے اور انہوں نے گھسیٹ گھسیٹ کر مسلمان طلباء کو بوگی سے باہر نکالا اور پلیٹ فارم پر ان پر وحشیانہ تشدد کیا۔ طلباء خون میں نہا گئے۔ زخموں کی تاب نہ لاکر کئی طلباء بے ہوش ہو گئے۔ ان بے ہوش طلباء میں یونین کے صدر ارباب عالم بھی شامل تھے۔

ختم نبوت کے باغی قادیانی غنڈے مسلمان طلباء پر تشدد کرتے ہوئے محمدیت مردہ باد (نعوذ باللہ) مرزا قادیانی کی جے، احمدیت زندہ باد، مرزا ناصر کی جے، نشتر کے مسلے ہائے ہائے کے نعرے لگا رہے تھے۔ قادیانی عورتیں طلباء کے پٹنے پر تالیاں بجا کر رقص کر رہی تھیں اور اس قادیانی لشکر کی قیادت مرزا طاہر کر رہا تھا۔ قادیانی غنڈوں نے مسلمان طلباء کو مارا پیٹا، ان کی نقدی اور قیمتی سامان چھین لیے اور سگنل ہونے کے باوجود اس وقت تک قادیانی اسٹیشن ماسٹر نے گاڑی نہیں چلنے دی جب تک کہ ان کا جوش انتقام ٹھنڈا نہیں ہو گیا۔

زخموں سے چور اور نڈھال مسلمان طلباء کا یہ قافلہ فیصل آباد پہنچا۔ لیکن ان کے پہنچنے سے پہلے ہی اس ظلم و بربریت کی خبر فیصل آباد پہنچ چکی تھی۔ غصے سے بھرا سراپا احتجاج سارا شہر اسٹیشن پر موجود تھا اور فرط جذبات سے لوگ قادیانیوں کے اس وحشیانہ مظالم پر رو رہے تھے۔ سارا اسٹیشن مسلمانوں کے جذباتی نعروں سے گونج رہا تھا۔ حالات کو قابو میں کرنے کیلئے ڈی سی، سمیت ساری انتظامیہ وہاں موجود تھی۔

مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی رہنما بھی وہاں موجود تھے۔ انہوں نے حالات کو قابو میں کرنے کیلئے لوگوں سے خطاب کیا اور انہیں یقین دلایا کہ مسلمان طلباء کے خون کے ایک ایک قطرے کا قادیانیوں سے حساب لیا جائے۔ اس واقعہ کی اطلاع آناً فاناً پھیل گئی۔ فیصل آباد سے یہ گاڑی زخمی

طلباء کو لے کر ملتان کیلئے روانہ ہوئی، راستے میں گوجرہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ، شورکوٹ، خانیوال اور ملتان سمیت ہر اسٹیشن پر جہاں گاڑی رکتی عوام کا جم غفیر طلباء سے ہمدردی اور محبت میں اسٹیشن پر موجود ہوتا جو قادیانیوں سے اظہار نفرت کرتا۔ زخمی طلباء کے ملتان پہنچنے پر شہر میں اشتعال پھیل گیا۔ طلباء نے ابن سینا ہوسٹل اور طارق ہوٹل میں رہنے والے قادیانیوں سے تعلق رکھنے والے طلباء پر حملہ کر دیا۔ جسے پولیس نے بروقت کاروائی کر کے قابو کیا۔ اور 30 مئی کے اخبارات سانحہ ربوہ کی مذمتی خبروں سے بھرے ہوئے تھے۔

سانحہ ربوہ کی تحقیقات کیلئے صمدانی کمیشن کا قیام

قادیانیوں نے دراصل طلباء پر حملہ نہیں کیا بلکہ انہوں نے پوری ملت اسلامیہ پر وار کیا۔ قادیانیوں کی اس دیدہ دلیری اور غنڈہ گردی پر پوری پاکستانی قوم سراپا احتجاج بن گئی۔ قادیانیوں کے خلاف جلوس نکلنے لگے، مظاہرے ہونے لگے، احتجاجی جلسے منعقد کئے جانے لگے اور تحریک قریہ قریہ، شہر شہر پھیل گئی۔ ہڑتالیں ہونے لگیں اور قادیانیوں کا سوشل بائیکاٹ شروع ہو گیا۔ عوام کے ملک گیر احتجاج کو دیکھتے ہوئے پنجاب کے وزیر اعلیٰ مسٹر حنیف رامے نے 31 مئی 1974ء کو سانحہ ربوہ کی عدالتی تحقیقات کا حکم دیا۔ چیف جسٹس سردار محمد اقبال نے جسٹس کے، ایم، اے صمدانی کو سانحہ ربوہ کی عدالتی تحقیقات کیلئے تحقیقاتی افسر مقرر کیا۔ مسٹر جسٹس کے، ایم، اے صمدانی نے یکم جون سے اپنے کام کا آغاز کیا اور پانچ جون 1974ء سے لے کر یکم جولائی تک سانحہ ربوہ کی تحقیقات مکمل کی اور اس دوران ٹریبونل نے (70) قادیانیوں اور مسلمانوں کی شہادتیں قلم بند کیں۔ جن میں قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا ناصر قادیانی، ربوہ کے اسٹیشن ماسٹر عبدالسمیع احمد، نشتر میڈیکل کالج کے متعدد طلبائ، اور ربوہ کے کچھ قادیانی شامل تھے۔

"112 صفحات پر مشتمل جسٹس صمدانی رپورٹ 20 اگست 1974ء کو وزیر اعلیٰ حنیف رامے کو پیش کی گئی۔ 22 اگست کو وزیر اعلیٰ پنجاب حنیف رامے نے یہ رپورٹ اپنی سفارشات کے ساتھ وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کو پیش کر دی۔" (روزنامہ جنگ کراچی، 22 اگست 1974ئ)

عدالتی رپورٹ پر غور کرنے کیلئے وفاقی کابینہ کا خصوصی اجلاس وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کی صدارت میں راولپنڈی میں منعقد ہوا جس میں وزیر قانون و پارلیمانی امور اور صوبائی رابطہ عبدالحفیظ پیرزادہ، خورشید حسن میر، مولانا کوثر نیازی، ڈاکٹر مبشر حسن اور سینٹ کے ڈپٹی چیئر مین طاہر خاں نے شرکت کی۔

جناب جسٹس صمدانی نے عدالتی تحقیقات کے دوران ربوہ کا تفصیلی دورہ کیا۔ مرزا ناصر نے انہیں اپنے قصر خلافت میں کھانے پر مدعو کیا، لیکن جناب جسٹس صمدانی نے اس دعوت کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا اور عدالتی تحقیقات کے دوران انہوں نے مرزا ناصر سے ملنے سے بھی انکار کر دیا۔ جسٹس صمدانی نے اس دوران عدالتی تقدس کا پورا پورا خیال رکھا اور آپ نے ربوہ میں قادیانیوں کی طرف سے پیش کردہ ہر چیز کو کھانے سے بھی انکار کر دیا۔ وہ اپنا سامان خورد نوش اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ جسٹس صمدانی نے مرزا ناصر کو بھی اپنی عدالت میں طلب کیا اور اس کا سات گھنٹے کا خفیہ بیان بھی ریکارڈ کیا۔ بھٹو نے تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ کو قومی اسمبلی میں پیش کرنے اور شائع کرنے کا وعدہ کیا تھا لیکن بھٹو سے لے کر آج تک ہر آنے والی حکومت میں سے کسی حکومت نے بھی اس رپورٹ کے مضمرات سے پردہ اٹھانے کی جرأت نہیں کی۔

تحریک ختم نبوت 1974ء کا آغاز

سانحہ ربوہ دراصل تحریک ختم نبوت 1974ء کی اصل بنیاد بنا۔ نشتر میڈیکل کالج کے طلبہ پر مرزائیوں کے مظالم نے اُمت مسلمہ کو تحریک ختم نبوت 1953ء کی طرح ایک بار پھر قادیانیت کے خلاف فیصلہ کن تحریک چلانے کیلئے متحد و منظم کر دیا۔ سانحہ ربوہ کے نتیجے میں قادیانیت کے خلاف پیش ہونے والی تحریک اسلامی جمہوریہ پاکستان کی قومی اسمبلی نے مملکت کے متفقہ قانون کی شکل میں منظور کی اور قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر اس تحریک کو اپنے منطقی انجام تک پہنچایا اور اس تحریک کے نتیجے میں قادیانیت کے خلاف اُمت مسلمہ کی کم و بیش نوے (90) سالہ جدوجہد اور مختلف محاذوں پر سرگرم عمل علماء و مشائخ کی کوششیں اور کاوشیں بار آور ثابت ہوئیں، الحمدللہ

آئندہ صفحات میں، ہم تحریک ختم نبوت 1974ء کا جائزہ مندرجہ ذیل دو عنوانات کے تحت

سلے رہے ہیں۔

(۱) "قرارداد پیش ہونے سے قبل"

سانحہ ربوہ 29، مئی 1974ء سے 29، جون 1974ء تک کے حالات وواقعات

(۲) "قرارداد پیش ہونے کے بعد"

30، جون 1974ء سے 7، ستمبر 1974ء قرارداد کے منظور ہونے تک حالات و واقعات (تحریک ختم نبوت کا فیصلہ کن دور)

(ا) ''قرارداد پیش ہونے سے قبل''

''سانحہ ربوہ''

29، مئی 1974ء سے 29، جون 1974ء

تک کے

حالات وواقعات

''علامہ شاہ احمد نورانی اس دوران اسمبلی کے اجلاسوں میں شرکت کرتے، اراکین اسمبلی کو اعتماد میں لیتے، حکومتی اراکین کو ختم نبوت کی اہمیت و افادیت اور قادیانیوں کی ریشہ دوانیوں سے آگاہ کرتے تو ساتھ ہی رات میں مختلف علاقوں کا دورہ کرتے اور جلسے (جلوسوں) سے خطاب کرتے، چنانچہ آپ نے ان تین میں ماہ پنجاب کے علاقوں کا تقریباً 40ہزار میل کا دورہ کیا اور عوام کو ختم نبوت کی ضرورت و اہمیت سے آگاہ کیا''

(عہدرواں کی عبقری شخصیت، ص94)

سانحہ ربوہ عوامی ردعمل، حکومتی اقدامات اور اثرات

پورے ملک میں سانحہ ربوہ کا عوامی ردعمل انتہائی شدید تھا۔ اس دوران سرگودھا کے تمام کاروباری مراکز بند رہے اور تاجر، طلبا، مزدور اور دیگر شہریوں نے قادیانیوں کی غنڈہ گردی کے خلاف زبردست احتجاجی مظاہرے کئے۔ پولیس اور طلباء کے درمیان بعض مقامات پر جھڑپیں بھی ہوئیں۔ لائل پور (فیصل آباد) میں طلبا نے کلاسوں کا بائیکاٹ کیا۔ انہوں نے مرزائیوں کے خلاف نعرے لگائے اور مرزائیوں کی دکانوں کے سامان کو نذر آتش کیا۔ پولیس نے جگہ جگہ مظاہرین کے خلاف آنسو گیس استعمال کی۔ فیڈرل سیکورٹی فورس اور پولیس کے دستے سارا دن شہر میں گشت کرتے رہے۔ شہر کی تمام سیاسی اور مذہبی جماعتوں کا مشترکہ اجلاس جامع مسجد کچہری بازار میں منعقد ہوا۔ جمعیت علماء پاکستان کے رہنما چوہدری صفدر علی رضوی نے خطاب کرتے ہوئے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کیا اور انہوں نے حکومت کو متنبہ کیا کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرے۔ ملتان میں دفعہ 144 کی خلاف ورزی اور ڈیفنس آف پاکستان رولز کی خلاف ورزی پر متعدد افراد کو گرفتار کیا گیا۔ نشتر میڈیکل کالج کی انتظامیہ نے پولیس کی مدد سے کالج کے ہوسٹل بند کر دیئے اور طلباء کو فوری طور پر اپنے گھروں کو جانے کا حکم دیا۔ خانیوال میں طالب علموں اور نوجوانوں نے سانحہ ربوہ پر زبردست احتجاجی جلوس نکالا اور مشتعل ہجوم نے قادیانیوں کی احمدیہ لائبریری کو آگ لگا دی۔ گجرات میں تمام مذہبی جماعتوں کے مشترکہ احتجاجی جلسے سے جمعیت علماء پاکستان کے رہنما سید محمود شاہ گجراتی نے خطاب کرتے ہوئے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے اور ربوہ کے لوگوں سے تمام ناجائز

اسلحہ برآمد کرنے کا مطالبہ کیا۔منڈی بہاءالدین میں بھی اِس واقعہ کے خلاف شدید غم وغصہ پایا گیا۔شہر کی تمام دکانیں اور بازار بند رہے۔شہریوں نے قادیانیوں کے خلاف زبردست احتجاجی مظاہرہ کیا۔رحیم یار خان میں بھی مکمل ہڑتال رہی۔مشہور سنّی علماء مولانا حافظ سراج احمد، مولانا مختار احمد، اور دین پور شریف سے حضرت میاں عبدالہادی نے اپنے متعلقین کو تحریک ختم نبوت میں ہر قسم کی قربانی دینے کیلئے تیار رہنے کا حکم دیا۔ضلع جھنگ میں سانحہ ربوہ کے خلاف مکمل ہڑتال رہی اور شہریوں نے سانحہ ربوہ پر شدید احتجاج کیا۔چنیوٹ میں بھی صورتحال انتہائی کشیدہ رہی۔نشتر میڈیکل کالج کے طلباء پر مرزائیوں کے حملے کے خلاف شہر بھر میں جلوس نکالے گئے اور مظاہرین نے مجرموں کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کا مطالبہ کیا۔ساہیوال میں انجمن طلباء اسلام اور دیگر طلباء تنظیموں نے ہنگامی اجلاس منعقد کئے اور اِس واقعہ کی مذمت میں قراردادیں منظور کیں، طلباء کا مطالبہ تھا کہ مجرموں کو فوری گرفتار کیا جائے۔لاہور میں کالجوں کے طلباء نے احتجاجی مظاہرے کئے۔دفعہ 144 کی خلاف ورزی پر پولیس نے متعدد طلباء کو گرفتار کرلیا۔تاجروں کی انجمنوں نے مارکیٹیں بند رکھنے کا فیصلہ کیا۔کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج اسٹوڈنٹس یونین نے جمعہ 31 مئی کو علامتی ہڑتال کا اعلان کیا۔راولپنڈی میں مختلف کالجوں کے طلباء نے قادیانیوں کی عبادت گاہ مری روڈ کے دارالمطالعہ پر دھاوا بول دیا۔انہوں نے فرنیچر توڑ دیا اور کتابوں کو آگ لگادی۔ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے ضلعی حدود میں دفعہ 144 نافذ کردی اور حالات پر قابو پانے کیلئے پولیس کی بھاری نفری علاقے میں تعینات کردی۔حافظ آباد میں جمعیت علماء پاکستان کے ناظم مولانا عبدالستار انصاری نے ربوہ میں طلباء پر تشدد کے واقعہ کو افسوسناک قرار دیتے ہوئے قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کیا۔انجمن طلباء اسلام سیالکوٹ کے ناظم نوید اقبال نے اپنے اخباری بیان میں حکومت پنجاب کی طرف سے مختلف تعلیمی اداروں کے طلباء پر کئے جانے والے بہیمانہ تشدد کی پُرزور مذمت کی اور کہا کہ حکومت پنجاب نے جس قدر طلباء پر تشدد کیا ہے اُس کی مثال دنیا کے کسی ملک میں نہیں ملتی۔

ٹوبہ ٹیک سنگھ، گوجرہ، کمالیہ، سمندری، جڑانوالہ، چک جھمرہ، بہاولپور، احمد پور شرقیہ،

چشتیاں، بہاول نگر، بھکر، شاہ کوٹ، عارف والا، جہلم، جھنگ، مرید کے، میانوالی، پسرور، ساہیوال، حافظ آباد، ہارون آباد، کمالیہ وغیرہ کی صورتحال بھی دیگر شہروں سے مختلف نہیں تھی۔ پشاور میں حکومت نے پشاور یونیورسٹی اور اُس سے ملحقہ کالجوں کو بند کر کے امتحانات ملتوی کر دیئے۔ سندھ کے شہر سکھر میں دفعہ 144 کی خلاف ورزی پر متعدد افراد گرفتار کئے گئے۔ حکومت سندھ نے تھر پارکر میں ایک ماہ کیلئے دفعہ 144 نافذ کر دی اور تمام جلسے جلوسوں پر پابندی عائد کر دی۔ 7، جون کو کراچی میں مشتعل ہجوم نے دو سرکاری گاڑیوں کو آگ لگا دی۔ سائٹ کے علاقے میں تمام صنعتی یونٹ بند رہے۔

سانحہ ربوہ کے خلاف احتجاج کی لہر صرف پنجاب تک محدود نہیں تھی بلکہ اُس کے اثرات سندھ، بلوچستان اور سرحد تک پھیل چکے تھے۔ جس کی وجہ سے مختلف شہروں میں دفعہ 144 نافذ کر کے وہاں جلسے جلوس اور عوامی اجتماعات اور لاؤڈ اسپیکر کے استعمال پر پابندی عائد کر دی گئی تھی۔ لیکن ان پابندیوں کے باوجود لوگ امتناعی قوانین کی خلاف ورزی کر کے اپنا احتجاج ریکارڈ کرا رہے تھے اور گرفتاریاں دے رہے تھے۔

3، جون کو لاہور میں مختلف دینی اور سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں نے ایک مشترکہ پریس کانفرنس کی۔ ان رہنماؤں میں علامہ محمود احمد رضوی، مجاہد ملت علامہ عبدالستار خاں نیازی، نوابزادہ نصر اللہ خاں، آغا شورش کاشمیری، سید مظفر علی شمسی وغیرہ شامل تھے۔

4، جون کو لاہور میں گیارہ مذہبی اور سیاسی رہنماؤں کو مسجد وزیر خان روانگی سے قبل حراست میں لیا گیا۔ جن میں مولانا عبدالستار خاں نیازی، علامہ سید محمود احمد رضوی، مفتی محمد حسین نعیمی، مظفر علی شمسی، نوابزادہ نصر اللہ خاں اور آغا شورش کاشمیری وغیرہ شامل تھے جنہیں بعد میں چار گھنٹے حراست میں رکھنے کے بعد چھوڑ دیا گیا۔ یہ رہنما مسجد وزیر خان میں منعقدہ جلسہ سے خطاب کرنے والے تھے۔

سانحہ ربوہ کے خلاف اخبارات وجرائد کا کردار

اِس واقعہ کے خلاف ملک بھر کے اخبارات و جرائد نے خبریں اور اداریئے تحریر

کئے۔اور مسلمانان پاکستان کے مذہبی جذبات واحساسات کی ترجمانی کرتے ہوئے حکومت کو اُس کی قومی وملی فریضے کی ادائیگی کا احساس دلایا۔

ختم نبوت کے حق میں نعرے لگانا طلباء کا قصور تھا

روزنامہ ''نوائے وقت'' نے اپنے اداریئے میں لکھا

''نشتر میڈیکل کالج کے طلباء کا قصور اگر واقعی یہ تھا کہ انہوں نے ختم نبوت کے حق میں نعرے لگائے تھے۔تو اِس میں برائی یا اشتعال کی کیا بات ہے۔یہ ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ حضور سرور کائنات ﷺ خاتم المرسلین ہیں........پاکستان ایک اسلامی مملکت ہے۔آئین کی رُو سے سرکاری مذہب اسلام قرار پایا ہے اور پاکستان کے ارباب اقتدار اپنے عہدے کا حلف اٹھاتے وقت اپنے مسلمان ہونے اور ختم نبوت کے عقیدے پر یقین رکھنے کا اعلان کرتے ہیں۔ربوہ کے اِس فرقے والے اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔پھر مسلمانوں کی طرف سے ختم نبوت کا نعرہ کیوں وجہ اشتعال بنا۔ہمیں یقین ہے کہ صوبائی حکومت حسن کرہ حادثہ کی تحقیقات کے دوران اِس پہلو کو بھی ملحوظ رکھے گی اور اِس اَمر کا ہمیشہ کیلئے فیصلہ کردیا جائے گا کہ یہ فرقہ اپنے آپ کو دوسرے مسلمانوں سے کس عقیدہ کی بناء پر الگ رکھنا چاہتا ہے۔وہ ختم نبوت کو تسلیم کرتا ہے یا نہیں۔یہ عجیب بات ہے ایک فرقہ اپنے مسلمان ہونے کا دعویدار بھی ہو،ختم نبوت کے اقرار کا اظہار بھی کرے لیکن اُس فرقے کے سربراہ یا اُن کے خاندان کے دوسرے افراد کیلئے ایسے القاب استعمال کیے جائیں،جو محض رسول پاک ﷺ صحابہ کرام ؓ اور خانوادۂ رسول کیلئے مختص ہوں اور پھر ختم نبوت کے حق میں نعرہ اِس فرقہ کے افراد کیلئے وجہ اشتعال بھی بنے۔''

(اداریہ روزنامہ نوائے وقت۔31،مئی 1974)

”مرزائی“ ملت اسلامیہ کے جسد میں ناسور

روزنامہ ”ایام“ لائل پور نے اپنے اداریے میں لکھا کہ

”یہ ایک ایسی سازش ہے جس کا ایک مقصد حکومت کے ذرائع استعمال کر کے مسلمانوں کو نقصان پہنچانا ہے اور دوسرا مقصد موجودہ حکومت کو امن وامان قائم رکھنے میں ناکام ثابت کر کے اُس کا تختہ اُلٹنا ہے اور اِس مقصد کیلئے آلہ کار مسلمانوں کو بنایا ہے........ مرزائی ملت اسلامیہ کے جسد میں ایک ناسور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کسی اسلامی ملک میں اِن کو داخلے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ یہ پاکستان ہی ہے جس میں اِن کو پناہ ملی ہوئی ہے۔ جس سے غلط فائدہ اٹھا کر انہوں نے اپنے قدم پھیلائے ہیں۔“

(اداریہ روزنامہ ” ایام“ لائل پور 31 مئی 1974)

حکومت قادیانیوں کے ہاتھوں بے بس

روزنامہ ”سعادت“ لائل پور نے لکھا کہ

”پاکستان میں اہلسنّت کی غالب اکثریت ہے مگر ملک کے بیشتر کلیدی عہدوں پر فرقہ قادیانیت کی اکثریت قابض ہے اور اِس سلسلے میں مسلمانوں نے کئی بار حکومت کو متوجہ کیا ہے۔ لیکن حکومت نے کبھی بھی اِن مطالبات کو درخور اعتناء نہیں سمجھا۔ جو اِس اَمر کا واضح ثبوت ہے کہ حکومت کلیدی عہدوں پر متمکن قادیانیوں کے باعث بے بس ہے۔ جس طرح ظفر چوہدری (سابق ائیر مارشل) کی بدعنوانیوں کا ارباب اختیار پر انکشاف ہوا ہے۔ اُس طرح دیگر کلیدی عہدوں پر کارگزاریوں کا جائزہ لیا جائے تو اِن کے خطرناک عزائم کا مزید انکشاف ہوگا۔“

(روزنامہ سعادت لائل پور کیم، جون 1974ئ)

سندھ اور پنجاب میں خبروں کی اشاعت پر پابندی

قادیانیوں کی دن بدن بڑھتی ہوئی اسلام دشمن سرگرمیوں اور دن دھاڑے دیدہ دلیری نے پہلے ہی پاکستان کے مسلمانوں کیلئے کئی سوال کھڑے کردیئے تھے۔ادھر قومی اخبارات میں سانحہ ربوہ کی مذمتی خبروں اور حکومتی کارکردگی پر تنقیدی اداریوں نے حکومتی مشینری کی ناکامی عوام کے سامنے رکھدی تھی۔قومی اخبارات جو کہ پاکستان کے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کی صحیح ترجمانی کے ساتھ حکومت کو اُس کی ذمہ داری کا احساس دلانے کے ساتھ اُس کا محاسبہ بھی کررہے تھے۔اُن کا یہ عمل کسی طور بھی حکومت کیلئے پسندیدہ نہیں تھا۔چنانچہ صوبائی حکومتوں نے اخبارات کی اس آواز کو دبانے کا فیصلہ کیا اور تحفظ امن عامہ آرڈیننس کے تحت حکومت سندھ نے پورے صوبے کے تمام اخبارات میں ہر قسم کی فرقہ وارانہ خبروں کی اشاعت 30، مئی سے ایک ماہ کیلئے ممنوع قرار دے دی۔حکومت پنجاب نے بھی ایک پریس نوٹ کے ذریعے تحفظ امن عامہ آرڈیننس مجریہ 1960ء کے تحت فرقہ وارانہ صورتحال کے متعلق ایک ماہ تک سانحہ ربوہ اور قادیانیوں سے متعلق ہر طرح کی خبر، تبصرے، اظہار خیال، بیانات، اطلاعات ،تصاویر، کارٹون یا اس صورت حال کو پیش کرنے والا کسی طرح کا بھی مواد شائع کرنے کی ممانعت کردی۔سرکاری پریس نوٹ میں مزید کہا گیا کہ یہ حکم امتناعی اُس واقعہ کے نتیجے میں جاری کرنا پڑا جو 29، مئی کو ربوہ ریلوے اسٹیشن پر رونما ہوا۔اِس فرقہ وارانہ صورتحال سے قانون اور امن وامان کا ایسا مسئلہ پیدا ہوگیا ہے، جس کی موجودگی میں پنجاب میں حسنذکرہ پابندیاں عائد کرنا پڑی ہیں۔

اِس پابندی کی وجہ سے 2، جون 1974ء کو روزنامہ "نوائے وقت" لاہور کا اداریہ سنسر کی نظر ہوگیا جس کی وجہ سے "نوائے وقت" نے احتجاجاً اپنے دو کالم سفید (خالی) چھوڑ دیئے، البتہ اخبار "نوائے وقت" نے ایک شذرہ شائع کیا۔جس میں اُس نے لکھا کہ

"انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ اپنے اردگرد کے ماحول سے واقف ہونا چاہتا ہے اور ایسی معلومات حاصل کرنا چاہتا ہے جو اُس کی زندگی پر کسی بھی انداز سے اثر انداز ہوسکتی ہوں۔ اگر اُس کے ذوق تجسس کی تسکین کے ذرائع مسدود کردیئے جائیں تو وہ ایسے وسائل تلاش کرنے لگتا ہے جو اُسے کسی ممنوعہ چیز کے بارے میں کوئی معلومات مہیا کرسکتے ہوں۔ اِس لیے صوبائی حکومتوں کے متذکرہ اقدام کا ردّعمل نہ صرف افواہوں اور سرگوشیوں کی افزائش میں ہوگا۔ بلکہ لوگ " آل انڈیا ریڈیو" اور" بی بی سی" کی خبروں پر انحصار کرنے کی کوشش کریں گے۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بی بی سی، بھارتی ریڈیو اور ٹیلی وژن کو پاکستان کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے اور طرح طرح کے منفی رجحانات پھیلانے کا موقع ملے گا۔ متذکرہ پابندی عائد کرنے کا فیصلہ کرتے وقت شاید اِس پہلو کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ ارباب حکومت کو چاہیے کہ وہ اِس فیصلہ پر نظرثانی کرے اور خواہ مخواہ دشمنوں کو انتشار پھیلانے کا موقع نہ دے۔"

نوائے وقت لاہور نے 6، جون 1974ء کی اشاعت میں "مسٹر بھٹو کے تدبر کی آزمائش" کے عنوان سے اداریے میں لکھا

"پاکستان میں قادیانیوں کا مسئلہ کوئی نیا نہیں اور یہ اچانک پیدا نہیں ہوا۔ ملک وملت اِس مسئلہ کی تباہ کاریوں سے ایک مرتبہ پہلے بھی دوچار ہوچکے ہیں حکومت کو اب اِس مسئلے کا کوئی دیرپا اور مستقل حل سوچنا چاہیے اور قوم کے سامنے پیش کرنا چاہیے۔"

7، جون 1974ء کو روزنامہ "نوائے وقت" ملتان پر پابندی لگادی گئی اور کراچی میں روزنامہ "جسارت" کی اشاعت روک دی گئی۔ سندھ میں لوگوں کو پنجاب کے اخبارات پڑھنے سے محروم رکھنے کیلئے سندھ حکومت نے پنجاب سے شائع ہونے والے اخبار "نوائے وقت" کے

بذریعہ ٹرین بھیجے جانے والے بنڈل ڈہرکی ریلوے اسٹیشن پر اور ہوائی جہاز سے بھیجے جانے والے بنڈل ائیر پورٹ پر روکنا شروع کر دیئے۔"

(اداریہ نوائے وقت 9، جون 1974)

قادیانیوں کی شرانگیزی اور ملک دشمن ردعمل

ان دنوں قادیانی جماعت اور بیرون ملک قادیانی مشنوں نے پاکستان کو بدنام کرنے کیلئے زہریلے پروپیگنڈے پر مبنی بھرپور مہم شروع کر رکھی تھی۔ انہوں نے امریکی اور یورپی اخبارات میں پاکستان میں قادیانیوں پر ہونے والے نام نہاد ظلم و ستم کی بڑی ہولناک اور گمراہ کن تصاویر کھینچیں اور پاکستان کے خلاف عالمی رائے عامہ کو اپنے حق میں ہموار کرنے اور پاکستان کے وقار کو مجروح کرنے کی کوششیں کیں۔ جس کی وجہ سے بیرونی دنیا میں پاکستان کا وقار مجروح ہوا۔ قادیانیوں کی شرانگیزی اور ملک دشمنی پر مبنی چند نمونے درج ذیل ہیں۔

"خدا اپنی فوجوں کے ساتھ آرہا ہے" قادیانی کا دعویٰ

"خدا اپنی فوجوں کے ساتھ آرہا ہے" یہ وہ نعرہ تھا جو قادیانیوں نے مسلمانوں کی جانب سے شدید ردعمل کے خلاف ربوہ کے در و دیوار پر لکھا۔ دراصل 1953ء کی تحریک ختم نبوت کے دوران بھی قادیانیوں نے اسی نعرے کو مشہور کیا تھا اور اس نعرے کی تشہیر کے کچھ دنوں کے بعد ملک میں مارشل لاء لگ گیا تھا۔ 1974ء میں قادیانیوں نے دوبارہ اسی حربے کو استعمال کیا۔ جس کا واضح مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کی دل آزاری کی جائے اور انہیں یہ احساس دلایا جائے کہ وہ حق پر ہیں اور اُن کے حق پر ہونے کی وجہ سے خدا خود اپنی فوجوں کے ساتھ 1953ء کی طرح دوبارہ اُن کی مدد و نصرت کو آرہا ہے۔ (معاذ اللہ)

ظفر اللہ قادیانی کی ژاژ خائی

5، جون 1974ء کو چوہدری ظفر اللہ خان سابقہ وزیر خارجہ نے لندن میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے الزام لگایا کہ

’’نشتر میڈیکل کالج کے طلباء نے ربوہ ریلوے اسٹیشن پر موجود قادیانیوں کو تشدد کا نشانہ بنایا اور تین گھنٹے تک ٹرین کو روک کر طلباء کو دنگا فساد کرنے کا پورا موقع دیا گیا۔ جس کے بعد پنجاب کے دوسرے شہروں میں بھی ہمارے خلاف تشدد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ آج ہمارے بیس سے زیادہ افراد ہلاک ہو چکے ہیں۔ ہماری دس مسجدیں جلائی جا چکی ہیں۔ دو سو قادیانیوں کے گھر نذر آتش ہو چکے ہیں اور تین سو سے زیادہ قادیانیوں کی کاروباری اور صنعتی جائیدادوں کو لوٹ لیا گیا ہے۔ دو ہزار قادیانی بے گھر ہو چکے ہیں اور بہتر (72) قادیانیوں کو حکومت نے گرفتار کر لیا ہے۔

ظفر اللہ خان قادیانی نے کہا کہ آج ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم عالمگیر انسانی برادری کی توجہ پنجاب کی صورتحال کی جانب مبذول کرائیں۔ میں بین الاقوامی اداروں مثلاً ایمنسٹی انٹرنیشنل، ریڈ کراس، ہیومن رائٹس کمیشن، انٹرنیشنل کمیشن آف جیورسٹس اور رفاہ عامہ کے اداروں (OXFAM) وغیرہ سے پر زور استدعا کرتا ہوں کہ پنجاب جا کر نقصانات کا جائزہ لیں اور امدادی ضروریات کا اندازہ لگائیں۔ بعد میں ظفر اللہ قادیانی نے صحافیوں کے مختلف سوالات کے جواب بھی دیئے۔‘‘

(روزنامہ وفاق لاہور 20، جون 1974ء)

لندن سے ظفر اللہ قادیانی نے یہ الزام بھی لگایا کہ

’’پنجاب میں اُن کے فرقہ پر مظالم ڈھائے جا رہے ہیں اور صوبہ کی انتظامیہ اور پولیس بے نیازی کا ثبوت دے رہی ہے۔ پنجاب میں قادیانیوں کے متعدد مکانات اور دکانیں لوٹ لی ہیں، سینکڑوں قادیانی بے گھر ہو گئے ہیں۔ اُس نے حکومت پر بھی الزام لگایا کہ وہ غیر جانب دار نہیں ہے اور عالمی اداروں سے اپیل کی کہ وہ حالات کا جائزہ لینے کیلئے

اپنے مبصر پاکستان بھیجیں۔"

(نوائے وقت۔8۔جون1974ئ)

بھٹو نے فسادات خود کرائے ہیں، مرزا ناصر کا الزام

ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ کو انٹرویو دیتے ہوئے قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا ناصر نے واشنگٹن سے حکومت پاکستان پر الزام لگایا کہ

"وہ قادیانیوں کے خلاف تشدد کے رجحان کی حوصلہ افزائی کر رہی ہے اور مسٹر بھٹو نے یہ فسادات خود کرائے ہیں تاکہ وہ انتہا پسندوں کی حمایت حاصل کر کے اپنی بگڑی ہوئی ساکھ کو بحال کر سکے۔"

(تحریک ختم نبوت1974ئ، جلد سوئم ص187)

قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی بھرپور مزاحمت کریں گے

"سابق وزیر خارجہ ظفر اللہ قادیانی نے کہا کہ قادیانی فرقہ کے افراد کو پاکستان میں غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی مہم کی بھرپور مزاحمت کریں گے اور اس لیے وہ آئینی اور قانونی لڑائی لڑیں گے اور اس کی خاطر وہ کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔"

(تحریک ختم نبوت1974، جلد سوم ص416-415)

دنیا میں ایک کروڑ سے زائد قادیانی ہیں، بنگلہ دیشی قادیانی جماعت کا دعویٰ

وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کے دورہ بنگلہ دیش کے موقع پر قادیانی جماعت بنگلہ دیش کے امیر نے پاکستان کو بدنام کرنے کیلئے بھٹو کو پندرہ صفحات پر مشتمل ایک یادداشت پیش کی۔

"جس میں دعویٰ کیا گیا کہ دنیا بھر میں ایک کروڑ سے زائد قادیانی آباد ہیں اور یہ جماعت اسی (80) سال سے اسلام کی خدمت انجام دے رہی ہے۔اس یادداشت میں یہ مضحکہ خیز دعویٰ بھی کیا گیا کہ پاکستان میں جس

جماعت کو غیر مسلم قرار دیا جارہا ہے۔ دنیا میں اُس جماعت نے اسلام کا صحیح پرچار کیا ہے۔ اِس یادداشت میں یہ الزام بھی لگایا گیا کہ پاکستان میں قادیانیوں کو اُن کے گھروں سے نکالا جارہا ہے۔ انہیں مارا پیٹا اور لوٹا جارہا ہے۔"

(تحریک ختم نبوت 1974ء جلد سوئم ص 476)

قادیانیوں کی جانیں بچا کر انسانی حقوق کا علم بلند کریں

کیمبرج سے ایک قادیانی شخص باری جی وائٹ نے امریکی اور برطانوی اخبارات کے نام اپنے مکتوب میں لکھا کہ

"وہ پاکستان میں قادیانیوں کی جانیں بچانے کیلئے اپنا اثر ورسوخ استعمال کریں۔ اس لیے کہ پاکستان میں قادیانی مسلمانوں کو قتل کرنے اور انہیں ایذائیں پہنچانے کی ناپاک مہم جاری ہے۔ بے شمار قادیانی زخمی اور لاتعداد گرفتار کیے جاچکے ہیں اور بہت سے ہلاک کیے جاچکے ہیں۔ ہماری مسجدیں، مکانات اور کاروبار جلائے اور لوٹے جاچکے ہیں اور ہمارے مُردے بھی قبرستانوں میں دفن کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ ہمارا جرم یہ ہے کہ ہم دقیانوسی مسلمانوں سے مذہبی اختلافات رکھتے ہیں۔ آپ اس صورتحال کی تشہیر کریں اور بے گناہ انسانی جانوں کو بچانے اور انسانی حقوق کے علم کو بلند رکھنے کیلئے اپنا اثر ورسوخ استعمال کریں۔"

(تحریک ختم نبوت 1974ء جلد سوم ص 462-461)

قادیانیوں کی ملک دشمن سرگرمیوں کو دیکھتے ہوئے اخبار "پاکستان ٹائمز" نے سوال اٹھایا کہ

"ہمیں معلوم نہیں کہ بیرون ملک پاکستان پر الزامات لگانے والے افراد

مرزا ناصر اور ظفر اللہ کے بیانات سے کتنے متاثر ہیں۔مگر واضح یہ ہے کہ انہوں نے اِس بات کو اچھال کر نہ تو پاکستان کیلئے اچھا کیا ہے۔نہ ہی خود اپنے سے کوئی بھلا سوچا ہے۔اِسی طرح قادیانی جماعت کے قابل قدر جماعتی ترجمان نے صرف جماعتی مقصد کو نقصان پہنچایا ہے اور اپنی حکومت کے خلاف بیرونی مدد کی درخواست کر کے اپنے آپ کو اِس بات کا موردِ الزام ٹھہرایا ہے کہ وہ اپنے بین الاقوامی روابط کا زیادہ خیال رکھتے ہیں اور اِس سرزمین کے کم وفادار ہیں۔جہاں انہیں غیر معمولی سہولیات اور استحقاق میسر ہیں۔بلاشبہ وہ اپنے بیرون ملک دوستوں کی نسبت اپنے ملک کے تاثر کو مجروح کرنے کے زیادہ مجرم ہیں۔"

(پاکستان ٹائمز راولپنڈی 25، جون 1974ئ)

ایک ہندوستانی اخبار ''لنک انڈیا'' نے لندن میں ظفر اللہ کی پریس کانفرنس پر حسب ذیل تبصرہ کیا

''لندن میں اُس کی حالیہ پریس کانفرنس جس میں اُس نے ربوہ کے واقعہ میں حکومت پاکستان کو بدنام کیا ہے۔ایک بڑے منصوبہ کا حصہ ہے۔عام آدمی کو تعجب ہوتا ہے کہ بین الاقوامی عدالت انصاف کا یہ جج اُس وقت کہاں تھا۔جب آج تک ہندوستانیوں نے تین ہزار سے زائد مسلم کش فسادات میں مسلمان اقلیت کا قتل عام کیا۔ظفر اللہ نے اپنی پریس کانفرنس میں کہا کہ ربوہ میں کم از کم بیس لوگ مارے گئے۔جس پر ایمنسٹی انٹرنیشنل ،کمیشن برائے انسانی حقوق اور بین الاقوامی ریڈ کراس سے مداخلت کرنے کو کہا گیا۔پاکستان میں حقیقت سے آشنا لوگوں کیلئے یہ آفت ناگہانی تھی اور پیٹھ میں گھونپے گئے خنجر کے مترادف تھی۔یہ سارے واقعہ کی مبالغہ آمیز تصویر تھی۔ظفر اللہ نے اپنے آقاؤں کے اشاروں پر رقص کیا ہے۔آئیں

ہم سب مل کر اُس کے آقاؤں کا کھوج نکالیں۔آپ کو یہ لوگ واشنگٹن،
لندن، دہلی اور اب غالب امکان ہے کہ ماسکو میں بھی مل جائیں۔"
(لنک انڈیا23، جون1974ءاور پی اے رفیق بین الاقوامی پریس سے ص114)

صوبائی اسمبلیوں میں مطالبہ ختم نبوت کی بازگشت

پورے ملک میں سانحہ ربوہ کے خلاف احتجاج ہو رہا تھا۔ہر مسلمان بلا امتیاز مسلک فتنہ قادیانیت کے خلاف چلتا پھرتا سپاہی نظر آ رہا تھا۔تاجر،طلبا،مزدور،علماء ومشائخ اور دیگر شہری قادیانیوں کی غنڈہ گردی پر سراپا احتجاج تھے۔پنجاب کے تمام تعلیمی ادارے بند کر دیئے گئے۔صورتحال انتہائی کشیدہ تھی اور قادیانیوں کو کافر اور غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ زور پکڑتا جا رہا تھا اور اِس مطالبے کی بازگشت اب پاکستان کی صوبائی اسمبلیوں میں بھی سنائی دے رہی تھی۔

سندھ اسمبلی میں ظہور الحسن بھوپالی کو قرارداد پیش کرنے نہیں دی گئی

جمعیت علماء پاکستان کے ممبر سندھ اسمبلی جناب ظہور الحسن بھوپالی نے سندھ اسمبلی میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کیلئے قرارداد پیش کرنے کا نوٹس دیا۔لیکن اسپیکر نے اِس قرارداد کو اسمبلی کے ایجنڈے پر نہیں آنے دیا اور کہا کہ یہ قرارداد قواعد وضوابط کے خلاف ہے۔اسپیکر کی اِس رولنگ پر ظہور الحسن بھوپالی نے تحریک التوا پیش کرنا چاہی جس میں وہ اِس اَمر پر بحث کرنا چاہتے تھے کہ مرزائیوں کے متعلق اسمبلی میں قرارداد پیش کرنے کی اجازت کیوں نہیں دی؟ لیکن اسپیکر نے تحریک التوا بھی پیش کرنے کی اجازت نہیں دی۔جس پر ظہور الحسن بھوپالی نے اسمبلی سے واک آوٹ کیا۔

پنجاب اسمبلی میں قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کا مطالبہ

30،مئی 1974ء کو پنجاب اسمبلی میں حزب اختلاف سے تعلق رکھنے والے سیّد تابش الوری نے ربوہ ریلوے اسٹیشن کے واقعہ پر بحث کے دوران تقریر کرتے ہوئے علامہ شاہ احمد نورانی کا مطالبہ دہراتے ہوئے کہا کہ

"قادیانیوں کو اقلیت قرار دیا جائے اور ربوہ میں قادیانیوں نے جو آزاد ریاست قائم کی ہے اُسے ختم کیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ منظم و مسلح ہو کر جس منصوبہ بندی سے ربوہ اسٹیشن پر دن دہاڑے ٹرین روک کر بربریت کا مظاہرہ کیا گیا ہے اُس کی مثال نہیں ملتی۔ انہوں نے خبردار کیا کہ اس واقعہ کے خلاف احتجاج جاری رہے گا اور اگر اس کا بروقت نوٹس نہیں لیا گیا تو حالات قابو سے باہر ہو جائیں گے۔" رکن صوبائی اسمبلی جناب حاجی سیف اللہ نے بھی قادیانیوں کو فوری طور پر اقلیت قرار دینے اور انہیں تمام کلیدی عہدوں سے برطرف کرنے کا مطالبہ کیا۔"

(تحریک ختم نبوت 1974 جلد سوم ص۔25-24)

پنجاب اسمبلی میں قرارداد کا نوٹس

12، جون کو پنجاب اسمبلی میں اپوزیشن کے متعدد ارکان نے ایک قرارداد کا نوٹس دیا جس میں کہا گیا کہ قادیانی فرقے کو اقلیت قرار دیا جائے۔ یہ قرارداد "سید تابش الوری، ملک خالق داد بندیال، میاں خورشید انور، مرزا فضل حق، حاجی سیف اللہ، میاں افضل حیات، اور مولانا رحمت اللہ ارشد" کی جانب سے پیش کی گئی۔ اِن تمام ارکان نے علیحدہ علیحدہ قرارداد کا نوٹس دیا۔

قومی اسمبلی میں حکومت کا معاندانہ رویہ

یکم جون 1974ء کو ممبر قومی اسمبلی چوہدری ظہور الٰہی نے واقعہ ربوہ پر غور کرنے کیلئے ایوان میں تحریک التوا پیش کی اور انہوں نے مطالبہ کیا کہ ربوہ کا واقعہ انتہائی اہم اور فوری نوعیت کا ہے لہٰذا اس تحریک پر فوری طور پر غور کیا جائے۔ جس پر وفاقی وزیر قانون عبدالحفیظ پیرزادہ نے موقف اختیار کیا کہ یہ معاملہ صوبائی ہے اور صوبائی حکومت اس معاملے پر تحقیقات کیلئے ہائیکورٹ کے ایک جج کی تقرری کر چکی ہے اسلیئے اِس معاملے پر بحث نہیں ہوسکتی۔ جس پر جناب چوہدری ظہور الٰہی نے کہا کہ حکومت پنجاب نے تحقیقاتی ٹریبونل ضرور مقرر کر دیا ہے، لیکن چونکہ یہ مسئلہ

انتہائی اہمیت کا حامل ہے، چنانچہ اِسے ایوان میں زیر بحث لایا جائے۔ تاکہ آئندہ اس قسم کے واقعات کا قطعی انسداد ہو سکے۔ اِسی طرح کی ایک تحریک التوا جمیعت علماء اسلام کے مولوی غلام غوث ہزاروی نے بھی پیش کی تھی۔ قبل اِس کے کہ اِس تحریک پر کوئی فیصلہ ہوتا قومی اسمبلی کے اسپیکر نے اِس معاملے پر کل کے اجلاس میں غور کرنے کا کہہ کر اجلاس ملتوی کر دیا۔ اسپیکر نے اس تحریک پر بحث کی اجازت دینے کا فیصلہ دوسرے روز پھر ملتوی کر دیا اور انہوں نے کہا کہ تحریک کے قانونی نکات پر پیر کے روز بحث ہوگی۔

قائد ایوان وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے قومی اسمبلی میں واقعہ ربوہ پر التوا کی پانچ تحریکوں کو زیر بحث لانے کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ

> ''ہم نے ملک کا جو آئین اتفاق رائے سے منظور کیا، اُس میں واضح طور پر درج ہے کہ ہم ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں اور حضور اکرم ﷺ کو آخری نبی مانتے ہیں ملک کے دو بڑے عہدوں صدر اور وزیر اعظم کیلئے جو حلف کا متن منظور کیا گیا ہے اُس میں بھی حضور نبی اکرم ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کا عقیدہ شامل ہے۔ اِس صورت میں احمدیوں کا مسئلہ ایوان میں زیر بحث لانے کی بظاہر کوئی ضرورت نہیں ہے۔ پنجاب کی حکومت نے جو عدالتی ٹریبونل مقرر کیا ہے، وہ واقعہ ربوہ سے متعلق تمام مسائل کا جائزہ لے گا اور حکومت اُس سے مکمل تعاون کرے گی۔ یہ مسئلہ قومی اسمبلی میں بھی مناسب وقت پر کھلے یا خفیہ اجلاس میں اس طرح زیر بحث لایا جاسکتا ہے کہ اس سے قومی مفادات پر کسی قسم کی زد نہ پڑے۔''

قومی اسمبلی کے اسپیکر صاحبزادہ فاروق علی خاں نے 6، جون 1974ء کو سانحہ ربوہ سے متعلق پانچ تحریکوں کو خلاف ضابطہ قرار دے کر مسترد کر دیا۔ اسپیکر کی اِس رولنگ پر اپوزیشن نے قومی اسمبلی سے علامتی واک آؤٹ کیا۔

8، جون کو حکومت کے معاندانہ رویئے کی وجہ سے حزب اختلاف نے قومی اسمبلی کے بجٹ اجلاس کا بائیکاٹ کیا اور وزیر خزانہ کی بجٹ تقریر کے دوران حزب اختلاف کا کوئی رکن ایوان میں موجود نہیں تھا۔ مولانا شاہ احمد نورانی نے پریس کو اس بائیکاٹ کی وجہ مسٹر پیرزادہ کا اپوزیشن کے ساتھ گذشتہ روز کا نامناسب رویہ قرار دیا جس کی وجہ سے اپوزیشن نے متفقہ طور پر بجٹ اجلاس سے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا تھا۔

اسی شام متحدہ جمہوری محاذ میں شامل سیاسی جماعتوں کے سربراہوں کا مشترکہ ہنگامی اجلاس لاہور میں منعقد ہوا۔ جس میں علامہ شاہ احمد نورانی، مفتی محمود، پروفیسر عبدالغفور، شیر باز مزاری، نوابزادہ نصراللہ خان، پیر صاحب پگاڑا، حاجی محمد سرفراز اور خان عبدالولی خان شامل تھے۔ اس اجلاس میں علامہ شاہ احمد نورانی نے ارکین اجلاس کو اس بات پر قائل کرلیا کہ قادیانیوں کے خلاف مطالبات کی منظوری تک تحریک ختم نبوت کو عوامی اور پارلیمنٹ دونوں محاذوں پر منظم کر کے متحرک اور فعال رکھا جائے گا اور دونوں اطراف سے حکومت پر دباؤ ڈالا جائے گا۔

آل پاکستان مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کی تشکیل

چنانچہ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کی کوششوں سے

> "9، جون 1974ء کو اٹھارہ مذہبی جماعتوں کا مشترکہ کنونشن مدرسہ قاسم العلوم شیرانوالہ گیٹ لاہور میں منعقد ہوا۔ جس میں تمام مکاتب فکر کے علماء کرام نے شرکت کی اور قادیانیوں کے خلاف تحریک کو منظم و فعال بنانے کیلئے آل پاکستان مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے نام سے ایک پلیٹ فارم تشکیل دے کر آئندہ کیلئے مشترکہ لائحہ عمل مرتب کیا گیا۔"

(روزنامہ نوائے وقت 10، جون، 1974ء)

علامہ شاہ احمد نورانی فرماتے ہیں کہ ہم نے علماء دیوبند سے درخواست کی کہ وہ قادیانیوں کے مسئلے پر ہمارا ساتھ دیں چنانچہ

"1974ء میں ہم نے ایک میٹنگ بلائی۔ (مدرسہ قاسم العلوم) شیرانوالہ گیٹ میں ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوئی، اس میں مولانا یوسف بنوری صدر تھے اور علامہ سید محمود احمد رضوی جنرل سیکرٹری تھے۔ دونوں نے مشترکہ طور پر تحریک چلائی جبکہ قومی اسمبلی میں ہم جنگ لڑتے رہے، ختم نبوت کے مسئلے پر اس سے پہلے 1953ء میں بھی ہمارا اتحاد تھا اور ہم مل کر کام کرتے رہے۔"

(انٹرویو مولانا نورانی، سہیل وڑائچ روزنامہ جنگ کراچی اکتوبر 1992ئ)

"اِس کانفرنس میں طے کیا گیا کہ 1953ء میں قادیانیوں کی شاطرانہ حکمت عملی کی وجہ سے تحریک کا رخ قادیانیوں کے بجائے حکومت کی طرف مڑ جانے کی وجہ سے جو نقصانات ہوئے اُن کو سامنے رکھتے ہوئے اِس مرتبہ تحریک کے اصل ہدف قادیانیت کی جانب ہی رکھا جائے گا اور حکومت سے براہ راست تصادم سے ہر ممکن گریز کیا جائے گا۔ اِس کنونشن میں مولانا محمد یوسف بنوری کو مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کا کنوینر مقرر کیا گیا اور مجلس عمل کے آئندہ اجلاس میں دیگر عہدیداروں کو منتخب کرنے کا فیصلہ کر کے کنونشن میں شامل تمام مذہبی و سیاسی جماعتوں سے مندرجہ ذیل نمائندے مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کیلئے منتخب کئے گئے جن میں

(۱) جمعیت علماء پاکستان کے علامہ شاہ احمد نورانی، مولانا عبدالستار خان نیازی اور صاحبزادہ فضل رسول حیدر

(۲) حزب الاحناف کے علامہ محمود احمد رضوی اور مولانا سیّد خلیل احمد قادری صاحب

(۳) جماعت اہلسنّت کے مولانا غلام علی اوکاڑوی اور سید محمود شاہ گجراتی

(۴) جماعت اسلامی کے پروفیسر عبدالغفور اور چوہدری غلام جیلانی

(۵) جمعیت علماء اسلام کے مفتی محمود اور مولانا عبیداللہ انور

(۶) تنظیم اہلسنت والجماعت کے مولانا نور الحسن بخاری اور مولانا عبد الستار تونسوی
(۷) اشاعت توحید وسنت کے مولانا غلام اللہ خاں اور سید عنایت اللہ شاہ بخاری
(۸) تبلیغی جماعت کے مفتی زین العابدین
(۹) جمعیت اہلحدیث کے عبد القادر روپڑی اور مولانا صدیق
(۱۰) ادارہ تحفظ حقوق شیعہ کے سید مظفر علی شمسی
(۱۱) قادیانی محاسبہ کمیٹی کے آغا شورش کاشمیری اور احسان الٰہی ظہیر
(۱۲) عوامی نیشنل پارٹی کے ارباب سکندر خاں اور امیر زادہ خاں
(۱۳) مجلس احرار کے مولانا ابوذر بخاری اور چوہدری ثناء اللہ بھٹہ
(۱۴) جمہوری پارٹی کے نواب زادہ نصر اللہ خاں اور رانا ظفر اللہ خان
(۱۵) مجلس ختم نبوت کے خواجہ خان محمد اور مولانا تاج محمود
(۱۶) اتحاد العلماء کے مفتی سیاح الدین کاکاخیل اور گلزار احمد مظاہری
(۱۷) مسلم لیگ کے میجر اعجاز احمد اور چوہدری ظہور الٰہی اور قومی اسمبلی میں آزاد گروپ کے لیڈر مولانا ظفر احمد انصاری اور طلباء تنظیموں کے نمائندے شامل تھے۔"

(روزنامہ نوائے وقت 10، جون 1974ئ)

کنونشن کے مطالبات اور ملک گیر ہڑتال کا اعلان

اس اجلاس میں متفقہ طور پر فیصلہ کیا گیا اگر حکومت نے مجلس عمل کے مطالبات جمعرات 13، جون تک تسلیم نہیں کیئے تو مطالبات کے ضمن میں 14، جون بروز جمعہ ملک گیر ہڑتال کی جائے گی۔ "مجلس عمل تحفظ ختم نبوت" کے مرکزی کنوینر مولانا محمد یوسف بنوری او رجمعیت علماء پاکستان کے سیکرٹری جنرل علامہ عبد الستار خاں نیازی نے پریس کانفرنس سے خطاب میں کنونشن کے فیصلوں سے آگاہ کیا اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ صدر اور وزیر اعظم کے

حلف کو پیش نظر رکھتے ہوئے قادیانی فرقہ کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ قادیانیوں کو کلیدی عہدوں سے ہٹایا جائے۔ ربوہ کو کھلا شہر قرار دیا جائے اور ربوہ میں دیگر مسلمانوں کو آباد ہونے کی اجازت دی جائے۔ انہوں نے یہ مطالبہ بھی کیا کہ قادیانی جماعت کے امیر مرزا ناصر اور خدام احمدیہ کے ذمہ دار افراد کو گرفتار کیا جائے اور اگر حکومت نے ہمارے جائز مطالبات تسلیم نہیں کئے تو حکومت کو بھی باغیان ختم نبوت کے زمرے میں شمار کیا جائے گا اور اُس وقت ہم حکومت کے کسی حکم کو ماننے کے پابند نہیں ہوں گے۔ سر دست ہمارا حکومت سے تصادم نہیں ہے، قادیانی جماعت ہم سے خود ہی الجھ پڑی ہے اور پہل قادیانیوں نے کی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ مسئلہ ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا جائے۔ کیونکہ یہ ملک توحید اور ختم نبوت کے نظریہ پر حاصل کیا گیا ہے اور ختم نبوت پر ایمان دستور کا حصہ ہے۔ اس لیے کسی فرد یا گروہ کو اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ نظریہ پاکستان یا عقیدہ ختم نبوت کی مخالفت کرے اور اکثریت کی دل آزاری کرے۔ انہوں نے 14 جون کی ہڑتال کو کامیاب بنانے اور مجلس عمل کی شاخیں پورے ملک میں قائم کرنے کی ہدایات جاری کیں۔

ہڑتال نہ کی جائے۔ وزیر اعظم بھٹو کی خواہش

12، اور 13، جون کو ذوالفقار علی بھٹو نے مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے وفد سے ملاقات کی۔ بھٹو کی جانب سے اس ملاقات کا مقصد دراصل عوام کی طرف سے قادیانیوں کے خلاف آنے والا وہ زبردست ردّ عمل تھا، جس نے حکومت کو مجبور کر دیا کہ وہ مذاکرات کے ذریعے اِس مسئلے کا حل تلاش کرے۔ ملاقات میں بھٹو نے مجلس عمل کے وفد سے اِس خواہش کا بھی اظہار کیا کہ جب تک باہمی مذاکرات جاری ہیں اور اُن کا کوئی مثبت نتیجہ سامنے نہیں آجاتا مجلس عمل ہڑتال نہ کرے۔ وزیر اعلیٰ پنجاب حنیف رامے نے ریڈیو اور ٹیلی وژن پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ جب ہم نے بات چیت کی پیش کش کر دی ہے اور ملک میں ایک ایسا دستور موجود ہے، جو ختم نبوت کے عقیدے کو تحفظ دیتا ہے، تو پھر ہڑتال اور احتجاج کے اِس الٹی میٹم کا کیا جواز رہ جاتا ہے۔ اس لیے کل ہڑتال نہ کی جائے۔ لیکن مجلس عمل نے بھٹو اور حنیف رامے کی خواہشات کو مسترد کرتے

ہوئے اعلان کیا کہ چونکہ حکومت نے مجلس عمل کے مطالبے پر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت اور ربوہ کو کھلا شہر قرار دینے کا اعلان نہیں کیا۔ اس لیے مجلس عمل جمعہ 14، جون کو ملک بھر میں ہڑتال کرے گی۔

وزیر اعظم کا ریڈیو اور ٹی وی پر خطاب

چنانچہ 13، جون کی شام کو وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے ریڈیو اور ٹی وی پر قوم سے خطاب کرتے ہوئے اعلان کیا کہ

> ”قادیانیوں کا مسئلہ قومی اسمبلی میں 30، جون کو بجٹ اجلاس کے فوراً بعد پیش کر دیا جائے گا اور قومی اسمبلی میں ارکان پر پارٹی کی طرف سے کسی قسم کا دباؤ نہیں ڈالا جائے گا اور انہیں اس مسئلے پر کھل کر اپنے عقیدے کے مطابق اظہار خیال کی پوری آزادی ہوگی۔ اگر قومی اسمبلی نے اس مسئلے پر اسلامی نظریاتی کونسل یا سپریم کورٹ سے فیصلہ لیئے جانے کی سفارش کی تو حکومت ایسا ہی کرے گی۔ انہوں نے کہا قادیانیوں کا مسئلہ نوے (90) سال پرانا ہے۔ جب یہ مسئلہ نوے (90) سال میں حل نہیں ہوسکا تو میں اس کو تین دن میں کس طرح حل کر سکتا ہوں۔ انہوں نے یقین ظاہر کیا کہ مناسب وقت پر اسلامی نظریئے کی بنیاد پر اس مسئلے کا منصفانہ حل تلاش کرلیا جائے گا۔ انہوں نے پوچھا کہ آج ہڑتال کی دھمکیاں دینے والے لوگ جب نو ماہ تک صوبہ سرحد میں برسر اقتدار تھے۔ تو انہوں نے اس مسئلے پر کوئی فیصلہ کیوں نہیں کیا؟۔

وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے کہا کہ انہیں اپنے مسلمان ہونے اور ختم نبوت پر پختہ ایمان رکھنے پر فخر ہے۔ یہ پہلا موقع ہے کہ ختم نبوت کا ملک کے آئین میں ذکر کیا گیا ہے۔ جب کہ 1956ء اور 1962ء کے سابقہ

دساتیر میں اِس کا ذکر نہیں تھا۔ موجودہ آئین کے تحت کوئی ایسا شخص ملک کا صدر یا وزیر اعظم نہیں بن سکتا جو ختم نبوت پر ایمان نہ رکھتا ہو۔ انہوں نے کہا کہ اس مسئلے کا قیام پاکستان کے ساتھ گہرا تعلق ہے اس لیے اس کے حل کیلئے وقت درکار ہے۔"

(روزنامہ امروز ملتان 14، جون 1974ئ)

وزیر اعظم صاحب ریکارڈ درست رکھیئے۔ علامہ حسن حقانی کا انتباہ

جمعیت علماء پاکستان کے رکن صوبائی اسمبلی علامہ محمد حسن حقانی نے وزیر اعظم بھٹو کے قومی اسمبلی میں کیے گئے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ

"وزیر اعظم صاحب نے اپنی تقریر میں کہا ہے کہ اِن لوگوں نے قادیانیوں کے خلاف کوئی قرارداد پیش کیوں نہیں کی جو نوماہ تک صوبہ سرحد میں برسر اقتدار رہے۔ میں ریکارڈ کو درست رکھنے کیلئے یہ وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ قومی اسمبلی میں اور پنجاب اور سندھ کی صوبائی اسمبلیوں میں قادیانیت کو اقلیت قرار دینے کیلئے قرارداد پیش کی گئی تھی۔ جو اسپیکر کے چیمبر ہی میں مسترد کردی گئی تھی۔"

(روزنامہ جنگ کراچی 15، جون 1974ئ)

تاریخی پر امن ہڑتال، مطالبے کے حق میں عوامی ریفرنڈم

14، جون 1974ء کو مجلس عمل کی اپیل پر پاکستان کی تاریخی اور مکمل پُر امن ہڑتال کی گئی۔ تمام چھوٹے بڑے شہروں میں مجلس عمل نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے حق میں جلسے اور جلسوں کا اہتمام کیا۔ شہر میں مکمل پہیہ جام ہڑتال تھی۔ کراچی میں آرام باغ میں عظیم الشان جلسے کا اہتمام کیا گیا۔ جس سے جمعیت علماء پاکستان کراچی کے صدر صوفی ایاز خان نیازی، مفتی غلام قادر کاشمیری، سید احمد شاہ ہمدانی، وغیرہ نے خطاب کیا۔ مجاہد ختم نبوت صوفی ایاز خان نیازی نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ

''وزیر اعظم نے بے شمار فیصلے قومی اسمبلی سے پوچھے بغیر کئے ہیں۔ اِس لیے ایک ایسے مطالبہ کو ماننے میں تاخیر کرنا جو نہ صرف پاکستان بلکہ پوری ملت اسلامیہ کے مسلمانوں کے دل کی آواز ہے تشویش ناک ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا جائے اور اُن کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جو اسلامی شریعت کے تحت ذمیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ حکومت ہمارے پُرامن رہنے کو بزدلی نہ سمجھے۔ اگر حکومت نے فوری طور پر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار نہیں دیا تو پھر مسلمان سڑکوں پر نکل آئیں گے اور اُن کی جدوجہد اُس وقت تک جاری رہے گی جب تک حکومت کو مطالبات ماننے پر مجبور نہیں کر دیا جاتا۔''

(تحریک ختم نبوت 1974 جلد سوم، ص 247~246)

حیدرآباد، سکھر، شکار پور، پنوں عاقل، گھوٹکی، میر پور ماتھیلو، ڈھرکی، ٹنڈو آدم، ٹنڈو محمد خان، جیکب آباد، نواب شاہ، سانگھڑ، محراب پور، خیر پور، اور اوباڑہ وغیرہ میں بھی مکمل ہڑتال رہی۔ یہی صورتحال لائل پور، رحیم یار خاں، صادق آباد، خانپور، راجن پور، شجاع آباد، بہاولپور، پشاور، اور سرحد سمیت پورے ملک حتیٰ کہ وفاقی دارالحکومت اسلام آباد اور راولپنڈی کی تھی۔ پورے ملک میں تمام کاروباری مراکز بند رہے، حتیٰ کہ پان بیڑی کی دکانیں تک بند رہیں۔ مساجد میں نماز جمعہ میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کیلئے قرار دادیں منظور کی گئیں۔ ہزاروں کی تعداد میں فدایان ختم نبوت علمائ، طلباء اور عوام گرفتار کر لیے گئے۔ جن میں جمعیت علماء پاکستان کے مرکزی نائب صدر سید محمود شاہ گجراتی، طالب علم رہنماء حافظ محمد تقی، اور انجینئرنگ یونیورسٹی کے طالب علم رہنماء رانا لیاقت علی، محمد خان لغاری، وغیرہ شامل تھے۔ لیکن اِس کے باوجود ہر سمت سے ایک ہی مطالبہ تھا کہ مرزائیوں کو اقلیت اور ربوہ کو کھلا شہر قرار دیا جائے اور تمام کلیدی عہدوں سے قادیانیوں کو ہٹایا جائے۔

قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کیلئے یہ پُرامن تاریخی مظاہرہ ملت اسلامیہ کے قومی

مطالبے کی صداقت اور عوامی اتحاد کا مظہر تھا۔ یہ عظیم الشان ہڑتال قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے مسئلہ پر پاکستان کے عوام کی جانب سے ایک ایسے ریفرنڈم کی حیثیت رکھتی تھی جس میں برسر اقتدار حکومت اور قومی اسمبلی کیلئے اس ناقابل تنسیخ عوامی فیصلہ کی توثیق میں جان بوجھ کر تاخیر سے گریز کا انتباہ بھی موجود تھا۔

قادیانی نظریئے اور اساس پاکستان کے دشمن ہیں، مولانا نیازی

14، جون 1974ء کو مسجد وزیر خان لاہور میں متحدہ مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے زیر انتظام جلسہ عام منعقد کیا گیا۔ جس میں مولانا عبد الستار خاں نیازی، علامہ محمود احمد رضوی، مولانا یوسف بنوری، آغا شورش کاشمیری، نوابزادہ نصر اللہ خان، عبدالقادر روپڑی، عبید اللہ انور، احسان الٰہی ظہیر، مظفر علی شمسی وغیرہ نے شرکت کی۔ اس جلسے میں علامہ عبد الستار خاں نیازی نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ

> "ہماری قومیت کی اساس نسل، علاقہ، زبان اور معاشی مفادات پر نہیں بلکہ اُمت کا تصور اسلام کے اصول، عقیدہ اور نظریہ پر ہے اور عشق رسول ہماری اساس اور اُمت کی بنیاد ہے۔ مسئلہ ختم نبوت سیاسی یا غیر سیاسی بات نہیں بلکہ یہ ہمارا ایمان و عقیدہ ہے۔ مولانا نیازی نے کہا کہ قادیانی کافروں کے ایجنٹ ہیں۔ انہوں نے اسرائیل میں مشن قائم کر رکھا ہے۔ اور یہود جو عالم اسلام کا دشمن ہے اُن کا دوست ہے ۔ وہ نظریہ پاکستان اور اساس پاکستان کے بھی دشمن ہیں۔"

(تحریک ختم نبوت 1974ء، جلد سوم ص 257-256)

اصغر خان قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کے مطالبہ سے متفق نہیں تھے

14، جون کو تحریک استقلال کے سربراہ ریٹائرڈ ایئر مارشل اصغر خاں نے ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ

"میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے مطالبے سے متفق نہیں ہوں۔انہوں نے کہا کہ انہیں پہلے ہی اقلیت کی حیثیت حاصل ہے۔جب اُن سے سوال کیا گیا کہ مرکزی مجلس عمل کے مطالبات کے سلسلے میں اُن کی پارٹی کا کیا ردّعمل ہے۔توانہوں نے کہا کہ جہاں تک عقیدے کا تعلق ہے ہم اس سے اتفاق کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ آخری نبی ہیں اوراب کوئی نبی نہیں آئے گا۔ہم ربوہ کو کھلا شہر قرار دینے کے مطالبے کی حمایت کرتے ہیں۔"

(روزنامہ امروز،15 جون 1974ئ)

مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے عہدیداروں کا انتخاب

16، جون 1974ء کو لائل پور (فیصل آباد) میں مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے اراکین کے مستقل انتخاب کیلئے اجلاس منعقد ہوا۔

"جس میں علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی،مولانا عبد الستار خاں نیازی، علامہ محمود احمد رضوی، صاحبزادہ فضل رسول، مفتی محمود۔مولانا تاج محمود، میجر اعجاز احمد، چوہدری صفدر علی رضوی،مولانا عبیداللہ انور، مفتی زین العابدین، نوابزادہ نصراللہ خان، سید حسین الدین شاہ، مفتی سیاح الدین، احسان الٰہی ظہیر، مولانا ظفر احمد انصاری، میاں فضل حق، مولانا محمد صدیق، سردار امیر عالم انصاری، حکیم عبدالرحیم اشرف، مولانا محمد شریف جالندھری، غلام دستگیر باری، صاحبزادہ اسرارالحق، سید مبارک علی، عبدالقادر روپڑی، چوہدری غلام جیلانی، مولانا عبدالرحمن، اور مولانا سیّد ابوذر بخاری نے شرکت کی۔"

(روزنامہ نوائے وقت 17، جون 1974ئ)

اِس اہم اجلاس میں اتفاق رائے سے مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کیلئے مندرجہ ذیل

عہدیداروں کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔

صدر مجلس عمل	:مولانا محمد یوسف بنوری
مرکزی ناظم اعلیٰ	:علامہ سید محمود احمد رضوی
نائب صدرور	:مولانا عبدالستار خان نیازی، سید مظفر علی شمسی، مولانا عبدالواحد، نوابزادہ نصر اللہ خان
نائب ناظم	:مولانا محمد شریف جالندھری
خازن	:میاں فضل حق

حکومت کا قرارداد کے ذریعے مسئلہ کا حل قوم کے ساتھ دھوکہ ہے، مجلس عمل

"مجلس عمل کے اراکین نے منعقدہ اجلاس میں قرارداد کے ذریعے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کی اِس تجویز کو کلیتاً مسترد کر دیا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے ضمن میں قومی اسمبلی میں 30، جون کے بعد قرارداد پیش کی جائے گی۔ اس اجلاس میں اس اَمر پر بھی اتفاق کیا گیا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مسئلہ قانون اور دستوری شکل میں حل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ اسے اسمبلی میں پیش کیا جائے۔ لیکن قومی اسمبلی میں یہ مسئلہ قرارداد کے ذریعے حل کرنے کی کوشش قوم کو دھوکہ دینے کے مترادف ہوگی۔ کیونکہ قرارداد کوئی قانونی حیثیت نہیں رکھتی بلکہ ایک سفارش ہوگی۔ آگے حکومت کا اختیار ہے کہ وہ اسے قبول کرے یا نہ کرے۔ اِس لیے وزیر اعظم کی یہ تجویز کہ اِس سلسلہ میں قومی اسمبلی میں 30، جون کو قرارداد پیش کی جائے گی کلیتاً مسترد کیا جاتا ہے۔ قرارداد میں کہا گیا ہے کہ وزیر اعظم بھٹو نے 30، جون تک قومی اسمبلی میں اِس مسئلہ کو پیش نہ کرنے کا جو جواز پیدا کیا ہے، وہ مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنے کے مترادف ہے۔ بجٹ اجلاس کے دوران بھی اِس کیلئے وقت نکالا جا سکتا

ہے اور اِس کے لیے کوئی قانونی رکاوٹ نہیں ہے۔ قرارداد میں یہ بھی کہا گیا کہ اگر وزیر اعظم بھٹو مسلمانوں کے جذبات اور احساسات اور اِس مسئلہ کو سنجیدگی سے محسوس کرتے ہیں تو یہ اُن کا فرض ہے کہ وہ حکومت کی طرف سے قومی اسمبلی میں بل پیش کریں اور اکثریتی پارٹی کے سربراہ اور وزیر اعظم کی حیثیت سے اپنی پارٹی کے ارکان کو آزاد چھوڑنے کے بجائے اپنی پارٹی کے ممبران کے ووٹ مطالبہ کے حق میں ڈلوانے کی ضمانت دیں اور یہ بل حکومت اور حزب اختلاف کے اتفاق سے متفقہ طور پر ایک گھنٹہ میں منظور ہوسکتا ہے۔ لہٰذا وزیر اعظم عوام کے شدید مطالبے کے پیش نظر اِس فوراً حل کریں۔ قرارداد میں یہ بھی کہا گیا کہ قومی اسمبلی میں اِس مسئلہ پر بحث براہ راست نشر کی جائے۔ تاکہ عوام اپنے نمائندوں کے موقف سے پوری طرح باخبر ہوسکیں اور فوری طور پر ربوہ کو کھلا شہر، مرزا ناصر کو گرفتار اور ظفر اللہ خاں پر ملک کے خلاف عالمی طور پر پروپیگنڈہ کرنے کے جرم میں مقدمہ چلایا جائے اور اُس کا پاسپورٹ ضبط کیا جائے اور حکومت تمام گرفتار افراد کو فوری طور پر رہا کرے۔

اِسی رات جامع مسجد کچہری بازار میں مجلس عمل کا جلسہ ہوا جس میں اجلاس کے تمام رہنماؤں کی تقاریر ہوئیں۔ یہ فیصل آباد کی تاریخ کا عظیم الشان جلسہ تھا جس میں سینکڑوں افراد نے شرکت کی۔"

(تحریک ختم نبوت 1974، جلد سوم ص۔ 296-295)

علماء کی رہائی اور قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے مطالبات

"سندھ اسمبلی میں قائد حزب اختلاف پروفیسر شاہ فرید الحق اور ممبر صوبائی اسمبلی ظہور الحسن بھوپالی، حاجی زاہد علی اور محمد عثمان کینڈی نے طالبعلم

رہنماء حافظ محمد تقی کی گرفتاری کی پُرزور مذمت کی۔ایک مشترکہ بیان میں انہوں نے کہا کہ حکومت اُن تمام افراد کو فوراً رہا کرے جو مرزائیوں کے خلاف تحریک کے سلسلہ میں گرفتار ہوئے ہیں اور قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر انہیں تمام کلیدی عہدوں سے برطرف کرے۔"

(تحریک ختم نبوت 1974ء جلد سوم ص۔316)

"17 جون 1974ء کو وفاقی وزیر اطلاعات ونشریات وحج واوقاف مولانا کوثر نیازی سے علماء کے نو(9) نورکنی وفد نے ملاقات کی۔اِس وفد میں جامع مسجد راولپنڈی کے خطیب صاحبزادہ فیض علی فیضی، جمعیت علماء پاکستان کے نائب صدر مولانا اسرار الحق، مولانا سید محمد ذاکر شاہ شامل تھے۔وفد نے مولانا کوثر نیازی سے گرفتار علماء کی رہائی اور مطالبہ کی فوری منظوری کا مطالبہ کیا۔چنانچہ حکومت نے 20، جون کی رات ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی سے چودہ(14) علماء کو رہا کر دیا۔

اِسی دن انجمن طلباء اسلام پنجاب کے ناظم اعلیٰ محمد اقبال اظہری نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں نظر بند علماء کے علاوہ انجمن طلباء اسلام کراچی کے جنرل سیکرٹری افضال قریشی، کھاراور یونٹ کے ناظم محمد حنیف، اور ضلع بہاول نگر کے ناظم عبدالرحمن مجاہد کو فوراً رہا کیا جائے۔"

(تحریک ختم نبوت 1974ء جلد سوم ص۔304~301)

سرگودھا میں ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے حضرت خواجہ پیر قمر الدین سیالوی نے کہا کہ قادیانیوں کا مکمل بائیکاٹ کر کے یہ ثابت کر دیا جائے کہ وہ مسلمانوں سے الگ ایک غیر مسلم اقلیت ہیں۔انہوں نے کہا کہ عوامی حکومت کو عوام کے متفقہ مطالبات فوراً تسلیم کر لینا چاہیے اور ربوہ کو کھلا شہر قرار دیا جائے اور قادیانیوں کو کلیدی اسامیوں سے الگ کیا جائے۔

"جمعیت علماء پاکستان کے صوبائی سیکرٹری اطلاعات ملک محمد اکبر ساقی نے

مطالبہ کیا کہ ''مجلس عمل تحریک ختم نبوت کے مطالبات فوری منظور کیے جائیں کیونکہ اِن مطالبات کے تسلیم کرنے میں جتنی دیر کی جارہی ہے اُس سے مسلمانوں میں اضطراب پیدا ہورہا ہے۔انہوں نے کہا کہ پاکستان کے مسلمان اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک یہ تمام مطالبات پورے طور پر تسلیم نہیں کر لیے جاتے۔''

(تحریک ختم نبوت 1974ء جلد سوم ص۔351)

انجمن طلباء اسلام نواب شاہ کے ناظم محمد عاشق نے ایک ہنگامی اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے حکومت سے مطالبہ کیا کہ حکومت قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے اور انجمن طلباء اسلام کراچی کے ناظم حافظ محمد تقی، جنرل سیکرٹری محمد افضال، کھارادر کے ناظم محمد حنیف، لاہور کے جنرل سیکرٹری رانا لیاقت، صوبہ پنجاب کے سیکرٹری نشرواشاعت محمد خان لغاری کو غیر مشروط طور پر رہا کیا جائے اوران پر قائم تمام مقدمات واپس لیے جائیں۔

انجمن تحفظ ناموس رسالت کے جنرل سیکرٹری اور جمعیت علماء پاکستان ضلع میانوالی کے سیکرٹری اطلاعات محمد اقبال نے ایک اخباری بیان میں ظفر اللہ قادیانی اور مرزا ناصر کے بیانات پر سخت نقطہ چینی کرتے ہوئے کہا کہ ان کے بیانات نے جلتی پر تیل کا کام کیا ہے۔حکومت فوری طور پر ان کے خلاف قدم اٹھائے کیونکہ ان کی سرگرمیاں انتہائی خطرناک اور قابل اعتراض ہیں۔مسٹر ظفر اللہ کی پاکستان آنے پر پابندی عائد کی جائے اور مرزا ناصر احمد کو ملک بدر کیا جائے۔

''جمعیت علماء پاکستان کے مرکزی سیکرٹری اطلاعات ظہور الحسن بھوپالی نے قادیانی مسئلے کو سپریم کورٹ اور اسلامی نظریاتی کونسل کے حوالے کرنے کی تجویز کی مذمت کی۔انہوں نے کہا کہ وہ مسئلہ جس پر چودہ سو سال سے مسلمانوں کا اجماع ہے اور اب بھی جس پر تمام مسلمان فرقوں کے علماء متفق ہیں اس کو متنازعہ حیثیت سے سپریم کورٹ میں پیش کرنا کہاں کی دانشمندی

ہے۔انہوں نے علماء اور طلباء کی گرفتاری کی مذمت کی اور تمام گرفتار
شدگان کی رہائی کا مطالبہ کیا۔"

(تحریک ختم نبوت 1974ء جلد سوم ص 360-359)

جمعیت علماء پاکستان لائل پور کے ضلعی صدر چوہدری اختر حسین گل اور ممتاز دینی رہنما مولانا شیر محمد سیالوی نے ایک مشترکہ بیان میں جمعیت علماء پاکستان کے نائب صدر سید محمود شاہ گجراتی اور دیگر علماء کی گرفتاری کی پرزور مذمت کی اور تمام گرفتار شدگان کی غیر مشروط رہائی کا مطالبہ کیا۔

جمعیت علماء پاکستان پنجاب کے صدر مولانا غلام علی اوکاڑوی نے بھی گجرات میں عوام کے ایک بہت بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ وہ قادیانیوں کا سوشل بائیکاٹ جاری رکھیں۔انہوں نے علماء کی گرفتاری پر سخت ردعمل کا مظاہرہ کیا۔اجتماع سے پنجاب کے نائب صدر مفتی مختار احمد نعیمی نے بھی خطاب کیا اور انہوں نے کہا کہ ختم نبوت کا مسئلہ حل کرانے کیلئے خون کا آخری قطرہ تک بہادیں گے اور کسی قسم کا دباؤ برداشت نہیں کریں گے۔

مجلس عمل کے سیکرٹری جنرل علامہ محمود احمد رضوی نے ملتان میں مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ

"مرزائیوں کو اقلیت قرار دلوانے کے سلسلے میں ہماری تمام تر جدوجہد قانون کے دائرے کے اندر رہے گی اور ہماری تحریک اس وقت تک جاری رہے گی جب تک کہ مرزائیوں کو اقلیت قرار نہیں دے دیا جاتا۔"

مرکزی جماعت اہلسنّت کے سربراہ مولانا شفیع اوکاڑوی نے کراچی میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ

"قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔تاکہ مسلمانوں کے خلاف سامراجی عزائم کی تکمیل کیلئے جس گروہ کو استعمال کیا جارہا ہے۔اس سے چھٹکارا حاصل کیا جائے اور اسلامی ملکوں کے بلاک کو مضبوط بنایا

جاسکے۔انہوں نے قومی اسمبلی کے ارکان سے کہا کہ وہ قادیانیوں کو کافر قرار دینے کی حمایت میں ووٹ دیں ورنہ ان کے حلقہ انتخاب کے لوگ ان کا محاسبہ کریں گے۔"

سرحد اسمبلی میں قادیانیوں کے خلاف متفقہ قرارداد منظور

19، جون 1974ء کو صوبہ سرحد کی اسمبلی نے متفقہ طور پر ایک قرارداد منظور کرتے ہوئے وفاقی حکومت سے سفارش کی کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔قرارداد میں وفاقی حکومت پر زور دیا کہ چونکہ قادیانی ختم نبوت پر ایمان نہیں رکھتے لہٰذا انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے اور اس مقصد کیلئے آئین میں ترمیم کی جائے۔قرارداد میں یہ بھی مطالبہ کیا گیا کہ ایسا انتظام کیا جائے اور تحفظ دیا جائے کہ قادیانی سیاسی اور انتظامی شعبوں میں اپنا اثر رسوخ استعمال نہ کرسکیں۔لہٰذا یہ ایوان وفاقی حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ مسلمانوں کے اس متفقہ مطالبہ کو منظور کرتے ہوئے مرزائیوں کے تمام فرقوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

اِس قرارداد پر تقریر کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ عنایت اللہ گنڈاپور نے کہا کہ "ہمیں ربوہ کے واقعہ پر شدید دکھ پہنچا ہے۔اِس سلسلے میں تحقیقات کی جارہی ہیں۔اس لیے اِس واقعہ کے بارے میں کوئی تبصرہ کرنا مناسب نہیں ہے۔تاہم انہوں نے اعلان کیا کہ وہ ناموس رسول ﷺ کی خاطر اپنی جان ومال سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہیں۔

"یہ قرارداد جمعیت علماء اسلام کے رکن مولانا حبیب گل نے پیش کی تھی۔
جس کی حزب اقتدار اور حزب اختلاف کے اراکین نے حمایت کی۔"

(تحریک ختم نبوت 1974ء جلد سوم ص۔322-321)

اصل حقیقت کیا ہے؟

محترم قارئین مندرجہ بالا حوالہ جو کہ "تحریک ختم نبوت 1974ء جلد سوم مولفہ مولانا اللہ وسایا دیوبندی" سے لیا گیا ہے،جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سرحد اسمبلی میں قرارداد جمعیت علماء

اسلام کے رکن مولانا حبیب گل نے پیش کی تھی۔ لیکن اِسی کتاب کے صفحہ 334 پر روزنامہ جنگ کے حوالے جو خبر درج کی گئی ہے، اُس میں مندرجہ بالا قرارداد کے محرک نیپ کے امیر زادہ خان اور پیپلز پارٹی کے حق نواز خان کو قرار دیا گیا ہے۔ مولانا اللہ وسایا نے یہ لکھ کر کہ "جنگ کراچی 21 جون کی خبر یہ ہے کہ یہ قرارداد نیپ کے امیر زادہ اور پیپلز پارٹی کے حق نواز خان نے پیش کی۔ بہر حال قرارداد نعرہ ہائے تکبیر کی فضا میں متفقہ طور پر پاس ہوئی۔" اِس حقیقت کو تسلیم کر لیا کہ اُن کا اپنا بیان کردہ حوالہ کمزور اور غلط بیانی پر مبنی ہے، آیئے روزنامہ جنگ کی اصل خبر دیکھتے ہیں۔

> "روزنامہ جنگ کی رپورٹ کے مطابق یہ قرارداد نیپ کے رکن اسمبلی امیر زادہ اور پیپلز پارٹی کے رکن اسمبلی حق نواز خان نے پیش کی۔ اخباری رپورٹ کے مطابق حکومت کی جانب سے یہ قرارداد صوبائی وزیر صحت حق نواز خان اور اپوزیشن کی جانب سے نیپ کے امیر زادہ خاں نے پیش کی۔ لیکن اس پر یہ فیصلہ ہوا کہ قائد ایوان اور قائد حزب اختلاف دونوں مل کر اس قرارداد کا مسودہ تیار کریں۔"

(روزنامہ جنگ کراچی 21، جون 1974ئ)

حضرت میاں جمیل احمد شرقپوری کا سرحد اسمبلی کو خراج تحسین

> "حضرت میاں جمیل احمد شرقپوری نے جمعہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ سرحد اسمبلی نے دینی، ملی اور قومی فرض کا احساس کرتے ہوئے مرزائیوں کے بارے میں وفاقی حکومت سے جو مطالبہ کیا ہے وہ بڑا مستحسن ہے۔ انہوں نے توقع ظاہر کی کہ پنجاب، بلوچستان اور سندھ اسمبلیاں بھی مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کیلئے قرارداد منظور کریں گی۔"

(تحریک ختم نبوت 1974ء جلد سوم ص۔ 361)

مخدوم شوکت حسین گیلانی کی سرحد اسمبلی کو مبارکباد، پنجاب اسمبلی سے مطالبہ

سجادہ نشین حضرت پیران پیر الحاج مخدوم سید شوکت حسین گیلانی نے ایک اخباری بیان میں سرحد اسمبلی کو قادیانیوں کے متعلق قرارداد منظور کرنے پر مبارکباد پیش کی۔انہوں نے پنجاب اسمبلی سے مطالبہ کیا کہ وہ قرارداد کے بجائے اِس سلسلے میں بل پیش کریں۔

''دیگر صوبائی اسمبلیاں حب رسول ﷺ اور قوت ایمانی کا ثبوت دیں''

روزنامہ ''نوائے وقت'' نے سرحد اسمبلی میں قرارداد کی منظوری پر مبارک دیتے ہوئے اپنے اداریے میں لکھا کہ

> ''صوبہ سرحد اسمبلی کے بجٹ کے عین پہلے روز ایک قرارداد متفقہ طور پر منظور کرلی۔جس میں وفاقی حکومت سے سفارش کی گئی ہے کہ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔خواہ ان کا تعلق قادیان یعنی ربوہ سے ہو یا لاہوری پارٹی سے........اس دینی حمیت کے مظاہرے پر صوبہ سرحد کی اسمبلی مبارک باد کی مستحق ہے۔اس نے اس قرارداد کو متفقہ طور پر منظور کر کے باقی تینوں صوبائی اسمبلیوں اور مسٹر بھٹو کو آزمائش میں ڈال دیا ہے۔کیونکہ پنجاب وسندھ میں تو پیپلز پارٹی کی اکثریتی وزارتیں ہیں اور بلوچستان میں ایک بھی نشست نہ جیتنے کے باوجود حکمران جماعت ہی وزارتی ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے ہے۔اتفاق سے اس وقت تینوں صوبائی اسمبلیاں بھی سیشن میں ہیں۔انہیں بھی سرحد کی صوبائی اسمبلی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حب رسول ﷺ اور قوت ایمانی کا ثبوت دے کر ایسی ہی قراردادیں منظور کر کے مسٹر بھٹو کے مشن کو تقویت پہنچا کر سعادت دارین حاصل کرنی چاہیے۔''

(روزنامہ نوائے وقت 21، جون 1974ئ)

پنجاب اسمبلی خاموش کیوں؟

''حادثہ ربوہ کے بعد قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا دیرینہ عوامی

مطالبہ زور پکڑنے لگا تھا اور وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے بھی یہ کہہ دیا تھا کہ ختم نبوت کے عقیدے پر ایمان نہ رکھنے والا مسلمان نہیں ہو سکتا" تو ایک مرحلہ ایسا بھی آیا تھا، جب بعض حلقوں میں یہ توقع ظاہر کی جانے لگی تھی کہ پنجاب اسمبلی ایک قرارداد کے ذریعے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی سفارش کرے گی۔ یہ توقع ہنوز پوری نہیں ہو سکی۔ البتہ سرحد اسمبلی نے اس مفہوم کی ایک قرارداد منظور کر دی ہے۔ ربوہ پنجاب میں واقع ہے۔ اور قادیانیوں کی اکثریت پنجاب سے تعلق رکھتی ہے مگر یہ عجیب بات ہے کہ پنجاب اسمبلی نے اس بارے میں معنی خیز خاموشی اختیار کر رکھی ہے۔ پنجاب اسمبلی کے ایک قادیانی رکن چوہدری محمد اعظم کا ایوان اسمبلی میں یہ بیان بھی قومی حلقوں میں حیرت و استعجاب کا موجب بنا ہے۔ کہ عوام نے 1970ء کے انتخابات میں اس مسئلہ پر اپنا فیصلہ دے دیا تھا۔ ان کی یہ منطق بڑی گمراہ کن ہے کہ انتخابات کے وقت جماعت اسلامی کے منشور میں یہ بات رکھی گئی تھی۔ کہ قادیانیوں کو اقلیت قرار دیا جائیگا۔ لیکن عوام نے جماعت اسلامی کے منشور کو ٹھکرا دیا اور پیپلز پارٹی کو ووٹ دیئے۔ ہمیں حیرت ہے کہ چوہدری صاحب کس دیدہ دلیری سے یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہے ہیں کہ پیپلز پارٹی قادیانیوں کی جماعت ہے یا قادیانیوں کے زیر اثر ہے۔ کیونکہ انتخابات قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کے مسئلہ پر نہیں ہوئے تھے۔ اور ان میں پیپلز پارٹی کی کامیابی کی وجہ اس کے دلفریب معاشی و اقتصادی وعدے تھے۔ چوہدری صاحب کی اس منطق کا جواب تو خیر پیپلز پارٹی والے دیں گے اور یہ بتائیں گے کہ ان کی جماعت قادیانیوں کے زیر اثر ہے یا نہیں۔ پنجاب اسمبلی سے ہم ضرور توقع کریں گے کہ وہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے عوامی

مطالبے کی حمایت میں قرارداد منظور کر کے اپنی حمیت دینی اور غیرت ملی کا ثبوت دے گی۔"

(اداریہ روزنامہ نوائے وقت 23 جون 1974ئ)

سندھ اسمبلی میں قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کا نوٹس

"23، جون کو سندھ اسمبلی کے قائد حزب اختلاف پروفیسر سید شاہ فرید الحق، رکن اسمبلی ظہور الحسن بھوپالی، مولانا محمد حسین حقانی، حاجی زاہد علی، مفتی محمد حسین قادری، بوستان علی ہوتی، افتخار احمد، نواب مظفر حسین، صوفی رحیم بخش، سرور علی، قطب شاہ، نادر شاہ، اور خلیفہ عاقل نے قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کے سلسلے میں ایک قرارداد پیش کرنے کا نوٹس دیا۔ قرارداد میں کہا گیا کہ وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے اعلان کیا ہے کہ جو لوگ ختم نبوت پر یقین نہیں رکھتے اور کسی دوسرے نبی پر یقین رکھتے ہیں وہ مسلمان نہیں ہیں اور قومی اسمبلی میں 30 جون کو اس مسئلے پر غور کیا جائے گا۔ صوبہ سرحد کی اسمبلی نے بھی ایک قرارداد کے ذریعے سفارش کی ہے کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ اس لیے سندھ اسمبلی بھی وفاقی حکومت سے سفارش کرے کہ قادیانیوں کو اقلیت قرار دیا جائے اور ربوہ کو کھلا شہر قرار دیا جائے اور قادیانیوں کی سرگرمیوں کے بارے میں تحقیقات کی جائے اور قادیانیوں کو تمام کلیدی عہدوں سے برطرف کیا جائے۔"

(تحریک ختم نبوت 1974ء جلد سوم ص 382)

لیکن اسپیکر نے قرارداد پر بحث کے بغیر اجلاس ملتوی کر دیا" جس پر جمعیت علماء پاکستان نے آرام باغ کراچی میں ایک احتجاجی جلسہ عام منعقد کیا۔ جس سے سندھ اسمبلی میں قائد حزب اختلاف پروفیسر سید شاہ فرید الحق نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ

"قائد ایوان غلام مصطفی جتوئی اور وزیر قانون عبدالوحید کٹپر کا قادیانیوں

کے مسئلے پر قرارداد پر بحث کے بغیر اجلاس ملتوی کرا دینا افسوس ناک ہے ۔ جبکہ ان لیڈروں نے اس ایوان میں بحث کرنے کی یقین دہانی کرائی تھی۔ انہوں نے مجلس عمل میں شامل تمام جماعتوں سے اپیل کی کہ اگر قادیانیوں کا مسئلہ حل نہیں ہوا تو وہ صوبائی اور قومی اسمبلیوں کی رکنیت سے مستعفی ہو جائیں۔ جماعت اہلسنّت کے صدر مولانا شفیع اوکاڑوی نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ قادیانی خواہ وہ ربوہ سے تعلق رکھتے ہوں یا لاہوری فرقہ سے ،غیر مسلم ہیں۔ جماعت اہلسنّت کے سیکرٹری مولانا سعادت علی قادری نے اپنے خطاب میں کہا کہ اگر قادیانی مسئلہ کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا تو جماعت ''ربوہ چلو'' تحریک شروع کرے گی۔''

(تحریک ختم نبوت 1974 ،جلد سوم ص 456~455)

''قادیانی مسلمانوں کی تعریف میں نہیں آتے'' مولانا ذاکر کی قرارداد

23، جون کے اخبارات کی رپورٹ کے مطابق

''جمعیت علماء پاکستان کے رکن قومی اسمبلی اور ممتاز دینی رہنما مولانا محمد ذاکر نے قومی اسمبلی میں ایک قرارداد پیش کرنے کا نوٹس دیا۔ جس کا مقصد آئین میں ترمیم کرنا اور قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر فی الفور کلیدی آسامیوں سے الگ کر دینا ہے۔ اس قرارداد میں مولانا محمد ذاکر نے تجویز کیا کہ چونکہ قادیانی اپنے عقائد کے لحاظ سے جو آئین کے جدول سوم متعلقہ (دفعہ 43) سے متصادم ہیں۔ اس لیے مسلمانوں کی تعریف میں نہیں آتے لہذا وہ اسمبلی کی نظروں میں دائرہ اسلام سے خارج اور غیر مسلم ہیں۔ ان کے عقائد کا ثبوت ان کی طرف سے شائع ہونے والا لٹریچر ہے۔ یہ فرقہ نہ صرف مذہبی اختلاف کے اعتبار سے الگ حیثیت

رکھتا ہے بلکہ سیاسی اور سماجی اعتبار سے بھی یہ فرقہ خود کو سوادِ اعظم سے الگ تصور کرتا ہے اور واقعات کے لحاظ سے یہ انگریز، اسرائیل اور بھارت کا ففتھ کالمسٹ ہے۔جو پاکستان میں سرگرم ہے اور اس کی وفاداری بھی مشکوک ہے۔قرارداد میں چل کر کہا گیا کہ حال ہی میں ربوہ کے ریلوے اسٹیشن پر جو واقعہ رونما ہوا ہے۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ فرقہ دراصل پاکستان میں ریاست در ریاست قائم کرنا چاہتا ہے اور اس کا اظہار مختلف موقعوں پر اس فرقے کے سرگرم کارکن کر چکے ہیں۔اس فرقے کو معمولی تصور نہ کیا جائے۔بیشتر اسلامی ممالک بھی اس فرقے پر عدم اعتماد کا اظہار کر چکے ہیں۔آپ نے تجویز کیا کہ ان حالات کی روشنی میں پاکستان اور ملکی سالمیت کا تحفظ کرنے کیلئے ضروری ہے کہ اس مرزائی احمدی فرقہ کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے اور کلیدی آسامیوں سے انہیں الگ کیا جائے اور ربوہ کے دروازے ساری قوم کیلئے کھول دیئے جائیں۔"مولانا محمد ذاکر نے اس قرارداد کا نوٹس 4، جون 1974ء کو جامعہ محمدی شریف جھنگ چنیوٹ سے ارسال کیا تھا۔"

(تحریک ختم نبوت 1974ء جلد سوم ص 366-367)

"مطالبات کی منظوری تک تحریک ختم نبوت جاری رہے گی" علامہ رضوی

"مجلس ختم نبوت کے سیکرٹری جنرل علامہ محمود احمد رضوی نے ایک بار پھر اعلان کیا کہ مجلس عمل کے تمام مطالبات پورے ہونے تک تحریک ختم نبوت جاری رہے گی۔انہوں نے کہا کہ مجلس عمل کا اجلاس 30، جون کو منعقد ہوگا۔"

(تحریک ختم نبوت 1974ء جلد سوم ص 368)

اسپیکر نے پنجاب اسمبلی میں قرارداد پیش نہیں کرنے دی

پنجاب اسمبلی کے اسپیکر شیخ رفیق احمد نے حزب اختلاف کے ارکان کی جانب سے قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے سے متعلق پیش کردہ قرارداد پر بحث کرنے کی اجازت نہیں دی۔ جس پر حزب اختلاف کے ارکان نے احتجاجاً اسمبلی کے اجلاس کا واک آوٹ کیا۔ حزب اختلاف کے رکن اسمبلی تابش الوری صاحب نے اخبار نویسوں سے بات کرتے ہوئے بتایا کہ قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کی حمایت میں قراردادوں کے جو نوٹس دے رکھے ہیں۔ ان پر بحث کی جائے۔ اسپیکر نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔ اس لیے اپوزیشن نے اجلاس سے واک آوٹ کا فیصلہ کیا ہے۔

پنجاب اسمبلی میں ختم نبوت زندہ باد

> ”27، جون کو حزب اختلاف نے بجٹ اجلاس سے اس وقت واک آوٹ کیا جب اسپیکر شیخ رفیق احمد نے حزب اختلاف اور حزب اقتدار کے ستر (70) ارکان کی جانب سے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی قرارداد کو ایوان میں زیر بحث لانے سے انکار کر دیا۔ جس پر حزب اختلاف کے ارکان نے ایوان میں ”ختم نبوت زندہ باد“ اور ”قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دو“ کے نعرے لگائے۔ بعد میں حزب اختلاف نے ایک پریس کانفرنس میں قرارداد کا متن اور ستر اراکین کے نام پیش کئے جنھوں نے قرارداد کی حمایت کی۔“

(تحریک ختم نبوت 1974ء جلد سوم ص 421~418)

جمعیت علماء پاکستان لاہور کے صدر محمد علی قادری نے حکومت پنجاب کے اس رویّے کی پر زور مذمت کی اور ایک احتجاجی جلسے سے خطاب کرتے ہوئے حکومت پر الزام لگایا کہ اس نے پنجاب اسمبلی میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی قرارداد پیش کرنے کی اجازت نہ دے کر پورے پنجاب کی توہین کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر حکومت نے 30 جون کو مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا بل قومی اسمبلی میں پیش نہ کیا تو جمعیت وسیع پیمانے پر حکومت کے خلاف مہم چلائے گی۔

احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ مولانا ذاکر کا مطالبہ

"28، جون کو جھنگ سے قومی اسمبلی میں جمعیت علماء پاکستان کے رکن مولانا محمد ذاکر نے اپنے ایک تحریری بیان کے ذریعے حکومت سے مطالبہ کیا کہ پاکستان کی سالمیت اور اسلام کی برتری بحال رکھنے کیلئے نہایت ضروری ہے کہ احمدی فرقہ کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے، کلیدی عہدوں سے انہی الگ کیا جائے اور ربوہ کو کھلا شہر قرار دیا جائے، تا کہ نظریہ پاکستان اور ملکی سالمیت کا کماحقہ تحفظ ہو سکے۔ انہوں نے کہا کہ قومی اسمبلی کی یہ رائے ہے کہ چونکہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کی جدول سوم دفعہ (42) کی رو سے مرزائی اپنے عقائد کے لحاظ سے دائرہ اسلام سے خارج ہیں، جس کے ثبوت میں ان کا شائع شدہ لٹریچر شاہد ہے اور ان کی طرف سے اس قسم کا اظہار مسلسل ہوتا رہا ہے، انہوں نے مذہبی اختلافات کے علاوہ سماجی اور سیاسی حیثیت سے پاکستان میں یہ اپنے آپ کو ایک الگ فرقہ سمجھتے ہیں .... انہوں نے کہا کہ حالیہ حادثہ ربوہ اسٹیشن اسی سلسلے کی کڑی ہے، دراصل ان کا پروگرام پاکستان میں اپنی ریاست قائم کرنا ہے، جس کا اظہار مختلف موقع پر ان کے کارکنوں کی طرف سے ہوتا آرہا ہے، اس لیے اس فرقہ کو معمولی تصور نہ کیا جائے" قیام پاکستان کے وقت سے ہی انہوں نے اپنی جماعت کا ایک حصہ قادیان میں متعین کر رکھا ہے تا کہ ضرورت کے وقت کام آسکے۔"

(تحریک ختم نبوت 1974ء جلد سوم۔ ص 422~421)

صورتحال میں تبدیلی اور مجلس عمل کا لائحہ عمل

27، جون کے اخبارات میں جو خبریں شائع ہوئیں وہ فدایان ختم نبوت کیلئے تشویش کا باعث تھیں۔ کیونکہ ان خبروں سے حکومت کے قادیانیوں سے متعلق فیصلے میں تاخیر اور پس وپیش کا اظہار ہو رہا تھا۔ ان خبروں کے مطابق حکومت قومی اسمبلی میں قرارداد کے بجائے تحریک پیش کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ جس کے ذریعے اسمبلی سے رائے لی جائے گی کہ اس فرقہ کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے سے متعلق کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔ یہ تحریک 29، یا 30، جون کو پیش کی جائے گی۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس روز حکمران پارٹی کی طرف سے ایک اور تحریک پیش کی جائے گی کہ قادیانی فرقہ سے متعلق تحریک پر وزیر اعظم بھٹو کی روس سے واپسی کے بعد غور کیا جائے گا۔ وزیر اعظم 15، جولائی تک روس سے واپس آجائیں گے اور اس دوران اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر دیا جائے گا۔

صورت حال میں تبدیلی علماء و مشائخ اور مجلس عمل تحفظ ختم نبوت سمیت پاکستان کی اُمت مسلمہ کیلئے لمحہ فکریہ تھی۔ مجلس عمل نے اپنا ہنگامی اجلاس جو کہ 30، جون کو ہونے والا تھا، اب 28 جون کی صبح اسلام آباد میں طلب کر لیا۔ حزب اختلاف نے حکمران پارٹی سے مطالبہ کیا کہ اس تحریک کا مضمون اسمبلی میں پیش کرنے سے پہلے انہیں دکھایا جائے۔ دوسری طرف حکومت نے تحریک کیلئے اپوزیشن سے صلاح ومشورے شروع کر دیئے تاکہ تحریک کا مسودہ متفقہ طور پر طے کیا جاسکے۔

مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے ارکان کو خدشہ تھا کہ حکومت تحریک میں قادیانیوں کا ذکر کیے بغیر محض اسمبلی سے رائے طلب کرے گی کہ ختم نبوت پر ایمان نہ رکھنے والے غیر مسلم ہیں۔ اسلیے اُن کا موقف تھا کہ مجوزہ تحریک میں قادیانیوں کا واضح ذکر ہونا چاہیے اور جب تک اس تحریک میں قادیانیوں اور مرزا غلام احمد قادیانی کا واضح ذکر موجود نہ ہو اس وقت تحریک موثر اور سود مند ثابت نہیں ہوسکتی۔

چنانچہ مجلس عمل نے اپنے منعقدہ اجلاس میں سندھ اور پنجاب حکومتوں کے رویئے سخت تنقید کی اور کہا کہ سندھ اسمبلی نے اپنا اجلاس یکا یک ختم کر کے ممبران اسمبلی کو اپنی تحریک پیش کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اسی طرح پنجاب کی حکومت نے قرارداد کو پیش ہونے ہی نہیں دیا۔ جبکہ صوبہ سرحد کی اسمبلی پہلے ہی اتفاق رائے سے قرارداد منظور کر چکی ہے۔ مجلس عمل نے

حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ وعدے کے مطابق 30، جون کو قومی اسمبلی میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کیلئے بل پیش کرے اور بل کی منظوری تک اسمبلی کا اجلاس ملتوی نہ کیا جائے۔ اجلاس کے آخر میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے مجلس عمل کے سیکرٹری جنرل علامہ محمود احمد رضوی نے کہا کہ حکومت کی طرف سے 30، جون کو قومی اسمبلی میں تحریک پیش کئے جانے کی صورت میں حزب اختلاف فوری طور پر اس میں ترمیم پیش کرے گی۔ جس میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کیا جائے گا۔ مجلس عمل نے اپنے مطالبات کی منظوری تک تحریک جاری رکھنے اور ملک بھر میں جلسہ عام منعقد کرنے کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ مجلس عمل کے قائدین بذریعہ ٹرین کراچی سے پشاور تک کا دورہ کریں گے۔ اس اجلاس میں علامہ شاہ احمد نورانی، مولانا عبد الستار خان نیازی، علامہ محمود احمد رضوی، مفتی محمود، مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک، پروفیسر غفور احمد، مولا بخش سومرو، مظفر علی شمسی، مولانا تاج محمود، مفتی زین العابدین نے بھی شرکت کی۔

سانحہ ربوہ سے 29، جون تک کے حالات کا مجموعی جائزہ

سانحہ ربوہ 29، مئی سے لے کر 29، جون 1974ء تک ایک ماہ کے عرصے میں پاکستان کے مسلمانوں نے قادیانیوں کے خلاف جس شدید ردعمل کا مظاہرہ کیا اور کراچی سے پشاور تک جس اتحاد اور یکجہتی کا مظاہرہ کیا گیا۔ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ پاکستان کے تمام طبقہ ہائے فکر کے علماء و مشائخ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت، ربوہ کو کھلا شہر قرار دینے اور تمام کلیدی عہدوں سے قادیانیوں کی برطرفی پر متحد و ہم آواز تھے۔ اس مقصد کیلئے وہ پارلیمنٹ سے لے کر عوامی محاذ تک آئینی و قانونی جنگ لڑ رہے تھے اور اس بار وہ کسی طور بھی قادیانیوں اور حکومت کو کوئی ایسا موقعہ نہیں دینا چاہتے تھے کہ جس کی وجہ سے وہ تحریک تحفظ ختم نبوت کو سبوتاژ کر سکے۔ چنانچہ انہوں نے منظم حکمت عملی کے ساتھ اپنی جدوجہد جاری رکھتے ہوئے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ قادیانیوں اور حکومت دونوں کیلئے فرار کی راہیں مسدود ہو گئیں اور قادیانیوں کو مسلمانوں سے الگ اقلیت قرار دینے کے دیرینہ مطالبہ کو اپنی جگہ بہت اہم پذیرائی

حاصل ہوئی۔ جس کی وجہ سے حکومت نے اس معاملہ کو قومی اسمبلی کے سامنے پیش کرنے کا اعلان کر دیا۔ حکومت کا یہ فیصلہ بعد میں بلاشبہ اس ضمنی مطالبہ کا بھی باعث بنا کہ قومی اسمبلی سے رجوع کرنے کی صورت محض قرارداد نہیں ہونی چاہیے بلکہ اس مطالبہ کو عملی شکل دینے کیلئے مسودہ قانون پیش کر کے اسے آئین اور قانون کا مستقل حصہ بنایا جائے۔

اس ایک ماہ کی تحریک کے دوران علماء و مشائخ نے قادیانیوں کے خلاف پاکستان سمیت دنیا بھر میں رائے عامہ ہموار کی اور ملت اسلامیہ پاکستان کے ہر فرد کو تحریک تحفظ ختم نبوت کا سپاہی بنا دیا۔ انہوں نے جلسے، جلوس اور احتجاجی مظاہرے کے ساتھ ساتھ قادیانیوں کا سماجی اور معاشی بائیکاٹ بھی کیا۔ اس بائیکاٹ کا نتیجہ یہ نکلا کہ تاجروں، ڈاکٹروں، عام شہریوں، مزدوروں، حتیٰ کہ عام خوانچہ فروشوں تک نے قادیانیوں سے اپنے تعلقات منقطع کر لیے اور انہیں پان سگریٹ بیچنے یا ان سے خریدنے تک سے انکار کر دیا۔ شہر کی اکثر بیتی دکانوں پر "قادیانیوں کا داخلہ ممنوع ہے" کے کتبے آویزاں کر دیئے گئے۔ مسلمانوں نے مرزائی دکانداروں اور مرزائی کارخانوں کی بنی ہوئی اشیاء لینے سے انکار کر دیا اور قادیانیوں کی دکانوں، ریستورانوں وغیرہ پر گاہکوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ متعدد مقامات پر قادیانیوں کی فائرنگ سے مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا۔ 14، جون کی کراچی تا خیبر تک تاریخی ہڑتال نے حکومت کی چولیں ہلا دیں اور حکومت پر واضح کر دیا کہ ملت اسلامیہ پاکستان اب کسی طور بھی قادیانی ناسور اور قادیانیت نواز حکومت کو برداشت نہیں کر سکتی۔ اس دوران اخبارات و رسائل نے اپنی دینی غیرت کا مظاہرہ کیا۔

اس دوران قادیانیوں کے بہت سے سرکردہ افراد ترک وطن کر کے ڈنمارک، نائیجیریا، اور دیگر افریقی ممالک چلے گئے۔ اخباری اطلاعات کے مطابق پاکستان سے جانے وطن کا فیصلہ ربوہ کی مجلس مشاورت کے خصوصی اجلاس میں کیا گیا جس کی صدارت مرزا ناصر نے کی۔ اس نے اپنے بھائی مرزا طاہر کو بیرون ملک قادیانی جماعت کا دفتر قائم کرنے کیلئے جگہ کا انتخاب کرنے کیلئے بھیجا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ قادیانیوں کے سرکردہ افراد جن میں ظفر اللہ خاں خاص طور پر قابل ذکر ہیں نے عالمی بینک پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا ہے کہ پاکستان کو دی جانے والی پچاس کروڑ

ڈالر کی امداد کچھ عرصے کیلئے ملتوی کردی جائے اور قادیانیوں نے اپنے اثر ورسوخ استعمال کر کے ایسے حالات پیدا کرنے کی بھی کوشش کی کہ حکومت پاکستان قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے فیصلہ سے باز رہے۔ قادیانی خلیفہ نے اپنی ذرّیت کو یہ ہدایت بھی جاری کی کہ وہ اپنا سرمایہ پاکستانی بینکوں اور صنعتی اداروں سے نکال کر جلد از جلد بیرون ملک منتقل کرنے کے انتظام کریں۔ اس ہدایت کے بعد قادیانیوں نے مختلف پاکستانی بینکوں سے اپنا تمام سرمایہ نکلوا کر بیرون ملک منتقل کرنے کے انتظامات کئے۔ قادیانیوں کے خلاف مسلمانوں کی مزاحمتی تحریک سے اس دوران متعدد مقامات پر قادیانیوں نے قادیانیت سے تائب ہو کر اسلام قبول کیا اور بے شمار افراد نے اپنے قادیانی ہونے کی تردید کی۔ مرزا ناصر نے قادیانیوں کو اسلام کی طرف پلٹتے دیکھ کر ان کے مسمار حوصلوں کو سہارا دینے کیلئے مرزا غلام احمد قادیانی کا ایک جھوٹا الہام ربوہ کی در و دیوار پر لکھوایا ''خدا اپنی فوجوں کے ساتھ آرہا ہے'' لیکن نہ قادیانی خدا آیا اور نہ ہی قادیانی خدا کی فوجیں آئیں۔ اور مرزا قادیانی کا یہ الہام ملت اسلامیہ کے بپھرے ہوئے سیلاب کے سامنے خس وخاشاک کی طرح بہہ گیا۔

تحریک کے بڑھتے ہوئے زور کو توڑنے کیلئے حکومت نے ہزاروں کی تعداد میں رضا کاروں کو مختلف دفعات کے تحت پابند سلاسل کیا۔ قانون نافذ کرنے والے اداروں نے جلسے اور جلوسوں پر شدید لاٹھی چارج کیا۔ جس سے ہزاروں کی تعداد میں فدایان ختم نبوت زخمی ہوئے۔ سرکاری ذرائع نے حالات کے قابو میں ہونے کا دعوٰی کیا اور قادیانیوں کی طرف سے عائد کردہ الزامات کی سختی سے تردید کرتے ہوئے کہا کہ بیرونی اخبارات حالات کو توڑ مروڑ کر پیش کر رہے ہیں اور وہ پاکستان کے اندرونی معاملات کو مسخ کر کے شائع کر رہے ہیں۔ جبکہ دوسرے ممالک میں اس سے زیادہ سنگین صورتحال پیدا ہوتی رہتی ہے۔ جسے وہ معمولی واقعات کا رنگ دے دیتے ہیں۔ سرکاری اعداد وشمار کے مطابق حالیہ ہنگاموں میں ملک بھر میں بیالیس (42) افراد ہلاک ہوئے۔

ہم نے ہر دور میں تقدیس رسالت کے لیے
وقت کی تیز ہواؤں سے بغاوت کی ہے
توڑ کر سلسلہ رسمِ سیاست کا فسوں
اک فقط نام محمد ﷺ سے محبت کی ہے
ہم نے بدلا ہے زمانے میں محبت کا مزاج
ہم نے ہر دل کو نئی راہ ونوا بخشی ہے
مرحلے بند وسلاسل کے کئی طے کر کے
چہرہ دار ورسن کو بھی ضیاء بخشی ہے

(۲) ''قرارداد پیش ہونے کے بعد''

30، جون 1974ء سے 7، ستمبر 1974ء

قرارداد کے منظور ہونے تک حالات وواقعات

(تحریک ختمِ نبوت کا فیصلہ کن دور)

"نہ معلوم اِس دھرتی سے کون سا جرم سرزد ہوا، اِس دھرتی کی اجتماعی ہیئت وہ کیا لغزش کھا بیٹھی اور اور دھرتی نے کیا پاپ کرلیا کہ قدرت نے سزا کے طور پر غلام احمد قادیانی کو اِس خاک سے پیدا کیا، جو دین کے نام پر دھبہ علم کے ماتھے پر کالک، فکر کے دامن پر داغ، شرافت کے چہرے پر طمانچہ اور انسانیت کے سر پر بوجھ ہے، عقابوں کے نشیمن سے نہ جانے یہ زاغ کہاں سے نکل آیا؟ یہ بدفطرت اور بدکلام شخص تو کسی نہ کسی گناہ کی سزا، لیکن اِس گناہ کا کفارہ کئی صورتوں میں ادا کیا گیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اِس کفارے کی قبولیت کے کئی اشارے سامنے آئے، ایک تو یہ کہ کذب و دجل کا یہ فرعون جوں ہی پیدا ہوا، علم و فضل کے موسیٰ فوراً ہی اِس کے تعاقب میں لگ گئے .... ایسے بے شمار علماء و صلحاء اور ارباب قلم اور اصحاب خطابت ردّ قادیانیت کے میدان میں اترے اور ہر حوالے سے اِس فتنے کی سرکوبی کی، یہ تحریک و تاریخ ایک صدی پر محیط ہے، اِس میں بڑے پیچ و خم اور دار و رسن کے مرحلے بھی آئے اور کچھ اپنوں اور کچھ غیروں کی طرف سے حادثے بھی رونما ہوئے، یہ داستان سادہ بھی ہے اور رنگین بھی۔

پاکستان میں دو تحریکیں اِس آن بان سے اٹھیں کہ قادیانیوں کے سان گمان میں نہ تھا، 1953ء اور 1974ء کی تحریک ختم نبوت آج بھی تاریخ کا معتبر اور روشن حوالہ ہے۔ پہلی تحریک تو سیاہ باطن حکمرانوں کی سیاسی مصلحتوں کی نذر ہوگئی اور قادیانی کسی فتوے کے نہیں، پارلیمنٹ کے فیصلے کے مطابق غیر مسلم قرار پائے اور یہ وہ مہر ہے جو اب کبھی نہ کھل سکتی ہے اور نہ ٹوٹ سکتی ہے۔"

(صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی، ناموس رسالت کے پاسبان ص 13-12)

علامہ شاہ احمد نورانی اور تاریخی قرارداد

29، اپریل 1973ء کشمیر اسمبلی میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی قرارداد کی منظوری اور 6، تا 10، اپریل 1974ء کو مکہ مکرمہ میں رابطہ عالم اسلامی کے زیر انتظام ایک سو چالیس (140) مسلم تنظیموں اور اداروں کے نمائندوں کی کانفرنس متفقہ طور پر قادیانیوں کے خلاف ملت اسلامیہ کا واضح موقف پیش کر کے پہلے ہی راہ عمل متعین کر چکی تھی۔

علامہ شاہ احمد نورانی جو کہ تمام حالات کا نہایت ہی باریک بینی سے جائزہ لے رہے تھے اور سانحہ ربوہ کے وقوع پذیر ہونے کے بعد سے اب تک ہونے والے تمام حالات وواقعات آپکے علم میں تھے۔ اس دوران آپ مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے پلیٹ فارم کو منظم کر کے عوامی محاذ گرم کر چکے تھے۔ سندھ اور پنجاب اسمبلی میں قادیانیوں کے خلاف اراکین صوبائی اسمبلی کا موقف اور حکومتی رویہ آپکے سامنے آچکا تھا۔ اس کے برخلاف اراکین سرحد اسمبلی کی جذبہ ایمانی سے مزین، وفاقی حکومت سے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی سفارش بھی آپ کے علم میں تھی۔ مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کی اپیل پر 13، 1974ء جون کی کامیاب ہڑتال نے حکومت پر عوامی موقف واضح کر دیا تھا۔ ملت اسلامیہ پاکستان کا ہر فرد تحریک ختم نبوت کا چلتا پھرتا سپاہی بن چکا تھا اور سندھ سے لے کر کشمیر تک ہر مسلمان پاکستانی کا ایک ہی مطالبہ تھا کہ حکومت فی الفور قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے۔ ان کو کلیدی عہدوں سے برطرف کرے اور ربوہ کو کھلا شہر قرار دیا جائے۔

علامہ شاہ احمد نورانی کی کوششوں کی وجہ سے عوامی سطح پر قادیانیوں کے خلاف ردعمل نے قادیانیوں اور حکومت دونوں کیلئے فرار کی تمام راہیں مسدود کردی تھیں۔ اس کے باوجود

حکومت کی کوشش تھی کہ وقتی طور پر کسی نہ کسی طریقے سے اس مسئلے کو قابو کرلیا جائے اور پھر وقت کے ساتھ آہستہ آہستہ اسے سرد خانے کی نظر کردیا جائے۔ادھر 27، جون کے اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں نے عوام کے اس شبہ کو مزید تقویت دے دی کہ حکومت قادیانیوں سے متعلق فیصلے میں پس وپیش سے کام لینا چاہتی ہے اور وہ قومی اسمبلی میں قرارداد کے بجائے تحریک پیش کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔جس کے ذریعے اراکین اسمبلی سے رائے لی جائے گی کہ اس فرقہ کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے سے متعلق کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس روز حکمران پارٹی کی طرف سے ایک اور تحریک پیش کی جائے گی کہ قادیانی فرقہ سے متعلق تحریک پر وزیر اعظم بھٹو کی روس سے واپسی کے بعد غور کیا جائے گا۔وزیر اعظم 15، جولائی تک روس سے واپس آجائیں گے اور اس دوران اسمبلی کا اجلاس ملتوی کردیا جائے گا۔

علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نے حکومتی رویئے میں آنے والی تبدیلی کو محسوس کرلیا تھا اور آپ سمجھ گئے تھے کہ حکومت اس قسم کے اقدامات اور ٹال مٹول کے ذریعے معاملے کو طول دے کر عوامی جذبات کو سرد کر کے قادیانیوں کے خلاف تحریک کو دبانا چاہتی ہے۔اس لیے اب حکومت کو مزید مہلت دینا تحریک کیلئے نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے۔چنانچہ علامہ شاہ احمد نورانی (جواب تک تحریک کو بیرونی محاذ پر مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کی شکل میں منظم کر کے اسے ایک ایسی قوت کی شکل دے چکے تھے۔جسے نظر انداز کرنا اب حکومت کیلئے ممکن نہیں رہا تھا) نے تحریک کو اندرونی محاذ یعنی پارلیمنٹ کے اندر منظم کرنے کا فیصلہ کیا۔اس مقصد کیلئے آپ نے ارکان اسمبلی سے رابطے کئے اور مسئلہ ختم نبوت کی اہمیت وحیثیت کا احساس دلا کر انہیں اس کے تحفظ کیلئے آمادہ کیا۔مختلف سیاسی و مذہبی جماعتوں سے تعلق رکھنے والے ممبران قومی اسمبلی نے علامہ شاہ احمد نورانی کی آواز پر لبیک کہا اور تمام مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے علماء ایک پلیٹ فارم پر متحد ہو کر عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کیلئے کام کرنے لگے۔

علامہ شاہ احمد نورانی سمجھتے تھے کہ تمام حالات و واقعات کو سامنے رکھتے ہوئے پاکستان کی قومی اسمبلی سے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے کیلئے آئینی اور قانونی جنگ لڑنا

اب انتہائی ضروری ہو گیا ہے۔ آپ نے محسوس کیا کہ قومی اسمبلی میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے کی قرارداد پیش کر کے ان کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکنے کا یہی مناسب وقت ہے۔ چنانچہ آپ نے قادیانیوں کے خلاف اپنی تیار کردہ قرارداد کو قومی اسمبلی میں پیش کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

علامہ شاہ احمد نورانی رابطہ عالم اسلامی کی قادیانیوں کے خلاف منظور کردہ قرارداد اور اسلام کے متفقہ عقیدہ ختم نبوت کی روشنی میں پاکستان کی قومی اسمبلی سے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے کیلئے پہلے ہی ایک تاریخ ساز قرارداد تیار کر چکے تھے۔ اس قرارداد کے حوالے سے علامہ شاہ احمد نورانی فرماتے ہیں کہ

> ''اس سال اپریل میں، میں ورلڈ اسلامک کانفرنس میں شرکت کیلئے لندن گیا۔ ان دنوں مکہ معظمہ میں رابطہ عالم اسلامی کا اجلاس ہو رہا تھا۔ ورلڈ اسلامک مشن کانفرنس کی وجہ سے میں اس وقت مکہ معظمہ نہیں جا سکا۔ لندن سے فارغ ہو کر میں مکہ معظمہ حاضر ہوا۔ حاضری کا ایک بڑا مقصد یہ بھی تھا کہ وہاں سے رابطہ عالم اسلامی کی وہ قرارداد حاصل کروں جو انہوں نے قادیانیوں کے بارے میں متفقہ طور پر منظور کی تھی۔ 26 مئی کو یہ قرارداد لے کر پاکستان پہنچا تو قادیانیوں کا مسئلہ شروع ہو چکا تھا۔ ہم نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ رابطہ عالم اسلامی کی قرارداد کی روشنی میں قومی اسمبلی کیلئے اپنی قرارداد مرتب کی۔ جس میں حزب اختلاف کی تمام جماعتوں کا مشورہ شامل تھا''

(انٹرویو علامہ شاہ احمد نورانی۔ ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی ماہنامہ ضیائے حرم لاہور دسمبر 1974ء)

علامہ شاہ احمد نورانی کی تیار کردہ اس قرارداد پر ابتداء میں حزب اختلاف کے بائیس (22) اراکین قومی اسمبلی نے دستخط کئے بعد میں یہ تعداد بڑھ کر سینتیس (37) ہو گئی۔ اس تاریخ ساز قرارداد کو علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نے 30 جون 1974ء کو قومی اسمبلی میں پیش کیا۔

ریاستی سطح پر منکرین ختم نبوت کو کافر و مرتد قرار دینے کا اعزاز سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بعد علامہ شاہ احمد نورانی کو حاصل ہوا

جناب مفتی منیب الرحمن رقمطراز ہیں کہ

''علماء اُس سے پہلے بھی اسمبلیوں میں موجود تھے۔ مثلاً شیخ شبیر احمد عثمانی اور مفتی محمود وغیرہما، مگر یہ سعادت ماضی میں کسی کے حصے میں بھی نہیں آئی۔ تاریخ پاکستان میں پہلی بار ایک مردِ حق، پیکرِ صدق و صفا، کوہ استقامت اور حاصل جرأت و شجاعت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی اسمبلی میں پہنچے اور فتنۂ انکارِ ختم نبوت یعنی قادیانیت کو کفر وارتداد قرار دینے کی بابت قرار داد قومی اسمبلی میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی، تاریخ اسلام میں ریاست و مملکت کی سطح پر فتنۂ انکارِ ختم نبوت کو کفر وارتداد قرار دینے اور ان کے خلاف علم جہاد بلند کرنے کا اعزاز جانشین رسول خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا اور ان کے بعد یہ اعزاز انہی کی اولاد امجاد میں علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کو نصیب ہوا۔''

(ماہنامہ کاروان قمر کراچی امام نورانی نمبر نومبر دسمبر 2004ء ص 20)

''مولانا آپ خون کی ندیاں بہانا چاہتے ہیں'' مفتی محمود کا بزدلانہ موقف

یہ حقیقت ہے کہ 1953ء کی تحریک ختم نبوت میں علماء و مشائخ اور عوامِ اہلسنّت نے تاریخ ساز کردار ادا کرتے ہوئے بے پناہ اور لازوال قربانیاں دیں۔ جس کا مفصل ذکر آپ پچھلے باب میں ملاحظہ کر چکے ہیں۔ ریاستی ظلم تشدد اور جبری اقدامات کے باوجود علماء و مشائخ اہلسنّت نے نہایت پامردی اور بہادری سے ختم نبوت کے اعلیٰ وارفع مقصد کیلئے لڑتے ہوئے تحریک ختم نبوت جاری رکھی۔ اس بات کی گواہی شورش کاشمیری اپنی کتاب ''تحریک ختم نبوت'' میں دیتے ہیں کہ

''مولانا عبدالستار نیازی جو بریلوی مکتبہ فکر کے جید و متبحر نوجوان تھے۔ انہوں نے اپنی رہائی کے بعد ختم نبوت کے تقریری محاذ کو ٹھنڈا نہ ہونے دیا اور اس سلسلہ میں تحریک و مسئلہ سے متعلق دو یا تین کتابچے لکھے۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا عبدالستار نیازی عشق رسالت میں قرون اوّل کے مسلمانوں کا مزاج رکھتے ہیں۔ انہوں نے باہر آتے ہی مرزائیوں کو للکارنا شروع کر دیا اور ایوب خان کے دور میں اس کی حکومت کو آڑے ہاتھوں لیا۔ ان مسلمانوں کو اینگلو مسلمان کا لقب دیا جو قادیانی اُمت کو مسلمانوں میں شمار کرتے اور عقیدہ ختم نبوت کی اساس سے ناواقف تھے۔ مولانا اس دوران کئی بار گرفتار ہوئے۔ اسی طرح مولانا سیّد خلیل احمد قادری جس دن سے رہا ہوئے اس دن سے قادیانیت کا احتساب اپنے بیان و قلم میں شامل کر لیا۔ مولانا ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری کے بھتیجے علامہ محمود احمد رضوی نے بھی قادیانیت کے خلاف اپنے قلم کی روانی و جولانی قائم رکھی۔ آپ اس سلسلے کی آخری تحریک میں مجلس عمل کے جنرل سیکرٹری رہے۔ ایک ادیب و خطیب ہی نہیں بلکہ عالم و محدث بھی ہیں''۔ ان کے علاوہ بے شمار علماء و مشائخ اہلسنّت و جماعت نے اس تحریک کو جاری رکھا۔ بقول شورش کاشمیری '' مولانا ابو الحسنات قادری کی بدولت بریلوی علماء کا طبقہ قادیانیت کے محاذ پر ڈٹ گیا اور انہوں نے اپنے مسلسل وعظوں میں عامتہ المسلمین کے ذہنی احتساب کو مستحکم کیا۔''

(تحریک ختم نبوت۔ ص170-166)

مندرجہ بالا حوالہ اس بات کا گواہ ہے کہ علماء و مشائخ اور عوام اہلسنّت نے تحریک ختم نبوت کو کسی بھی لمحے ٹھنڈا نہیں ہونے دیا اور روز بروز ان کی جدوجہد میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔ جبکہ دوسری طرف ایک طبقہ فکر ایسا بھی تھا جو تحریک ختم نبوت 1953ء کی قربانیوں اور حکومتی اقدامات

کی وجہ سے سخت خوفزدہ اور ڈرا ہوا تھا۔ ایسے ہی ایک ڈر و خوف پر مبنی واقعہ کا تذکرہ مولانا عبداللہ نورانی اپنے کتابچے "پیکر استقامت" میں کرتے ہیں کہ

"علامہ شاہ احمد نورانی نے جس وقت قرارداد پر سائن کرنے کیلئے مولانا مفتی محمود کو کہا تو وہ کہنے لگے "ارے مولانا آپ 1953ء کی تحریک ختم نبوت کے مصائب و مشکلات کو بھول چکے ہیں۔ کیوں آپ خون کی ندیاں بہانا چاہتے ہیں۔" علامہ شاہ احمد نورانی نے اس موقع پر مفتی محمود سے کہا آپ خون کی ندیاں بہانے کی بات کرتے ہیں اور مشکلات کی بات کرتے ہیں۔ ناموس مصطفی ﷺ کی خاطر جو بھی مصائب اور مشکلات آئیں گے انہیں سینے سے لگائیں گے۔ مگر ناموس مصطفی ﷺ پر کسی بھی طرح آنچ نہیں آنے دیں گے۔ مفتی صاحب نے حضرت علامہ شاہ احمد نورانی کے جذبات و فرمودات کو سننے کے بعد قرارداد پر دستخط کر دیئے مگر آئندہ نتائج کے حوالے سے انہوں نے عدم اطمینان کا اظہار کیا۔ مگر علامہ شاہ احمد نورانی یہ نعرہ مستانہ بلند کرتے ہوئے اپنے اور فدایان ختم نبوت کے عزم و حوصلے کو بلند کر رہے تھے کہ

بتلا دو یہ گستاخ نبی کو غیرت مسلم زندہ ہے
نام نبی پر مر مٹنے کا جذبہ کل بھی تھا اور آج بھی ہے"

(بحوالہ، افکار نورانی۔ ص 40-39)

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اللہ تعالیٰ جس سے چاہے کام لے لے اور جس کو چاہے محروم کر دے

علامہ شاہ احمد نورانی کی تیار کردہ اس قرارداد پر دیو بندی مولوی غلام غوث ہزاروی اور مولوی عبدالحکیم نے دستخط نہیں کئے، جبکہ اس کے برخلاف عبدالولی خان اور غوث بخش بزنجو جیسے بظاہر سیکولر اور قوم پرست رہنماؤں نے قائد تحریک ختم نبوت علامہ شاہ احمد نورانی کے کہنے پر

بغیر پڑھے اور بغیر کسی لفظ کی تحقیق کئے قرارداد کے مسودے پر دستخط کردیئے۔اس حوالے سے علامہ شاہ احمد نورانی فرماتے ہیں کہ" ہمارے ملک میں خان عبدالولی خان کے متعلق لوگ غلط فہمیاں رکھتے ہیں۔وہ قومی اسمبلی میں قائد حزب اختلاف تھے۔میں نے پانچ سال تک ان کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ان کے ساتھ کام کیا ہے۔میں نے ان کو کبھی اسلام کے خلاف قابل گرفت بات کرتے ہوئے نہیں سنا۔وہ ملک کی بقاء اور سلامتی اور ملک کے عوام کی بہتری کیلئے ہماری جدوجہد کی انتہائی سمجھداری اور خلوص کے ساتھ قیادت کرتے رہے۔جب میں نے قرار داد کا مسودہ تیار کرلیا تو میں نے انہیں کہا خان صاحب ! آج شام کو میں آرہا ہوں۔قرارداد کا مسوّدہ میں نے تیار کرلیا ہے۔آپ کے دستخط کروانے ہیں۔شام کو میں ان کے کمرے میں گیا۔ انہوں نے پوچھا۔"مولانا فرمایئے کیا حکم ہے؟" میں نے عرض کیا یہ مسودہ ہے۔خان صاحب بولے،کیا اس پر میرے دستخط چاہئیں؟ میں نے کہا آپ کے دستخط سب سے پہلے ہوں گے۔وہ مسکرائے،میں نے کہا آپ مسوّدہ دیکھ لیں۔بولے اس کی کوئی ضرورت نہیں اور بلا کسی تردّد کے انہوں نے قرارداد کے مسودے پر دستخط کردیئے۔حالانکہ مجھے گمان ضرور تھا کہ وہ یہ کہیں گے دیکھو بھئی یہ تمہارا مذہبی مسئلہ ہے۔مجھے اس میں مت گھسیٹو۔یہ ہے وہ ہے۔لیکن انہوں نے اس قسم کا ایک لفظ تک نہیں کہا۔اس وقت غوث بخش بزنجو صاحب بھی ان کے پاس موجود تھے۔انہوں نے بھی کسی لیت ولعل کے بغیر دستخط کردیئے۔"

(انٹرویو مولانا نورانی،ادیب جاودانی،ماہنامہ مون ڈائجسٹ لاہور جون 1986ئ)

علامہ شاہ احمد نورانی فرماتے ہیں کہ یہ "قسمت کی بات ہوتی ہے،اللہ تعالیٰ جس سے چاہے کام لے لے اور جس کو چاہے محروم کردے۔عبدالولی خان جیسے افراد نے بلا تردّد صرف ہمارے کہنے پر فوراً دستخط کردیئے۔غوث بخش بزنجو نے کوئی اعتراض نہیں کیا اور بلا تامل دستخط کردیئے۔لیکن جمعیت علماء اسلام کے مولوی غلام غوث ہزاروی اور مولوی عبدالحکیم بار بار کہنے کے باوجود یہ سعادت حاصل نہ کرسکے۔"

(افکار نورانی۔ص50)

علامہ شاہ احمد نورانی کی تاریخ ساز قرارداد کا متن

30، جون 1974ء کی صبح علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نے قومی اسمبلی میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کیلئے تاریخ ساز قرارداد پیش کی۔ جسے ایوان نے متفقہ طور پر منظور کرلیا۔اس قرارداد کا متن مندرجہ درج ذیل ہے۔

جناب اسپیکر

قومی اسمبلی پاکستان

محترمی

ہم حسب ذیل تحریک پیش کرنے کی اجازت چاہتے ہیں۔

☆ ہرگاہ کہ یہ ایک مکمل مسلمہ حقیقت ہے کہ قادیان کے مرزا غلام احمد نے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کے بعد نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔ نیز ہرگاہ کہ نبی ہونے کا اس کا جھوٹا اعلان، بہت سی قرآنی آیات کو جھٹلانے اور جہاد کو ختم کرنے کی اس کی کوششیں، اسلام کے بڑے بڑے احکام کے خلاف غداری تھی۔

☆ نیز ہرگاہ کہ وہ سامراج کی پیداوار تھا اور اس کا واحد مقصد مسلمانوں کے اتحاد کو تباہ کرنا اور اسلام کو جھٹلانا تھا۔

نیز ہرگاہ کہ پوری امت مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ مرزا غلام احمد کے پیروکار چاہے وہ مرزا غلام مذکور کی نبوت کا یقین رکھتے ہوں یا اسے اپنا مصلح یا مذہبی رہنما کسی بھی صورت میں گردانتے ہوں۔ دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔

☆ نیز ہرگاہ کہ ان کے پیروکار، چاہے انہیں کوئی بھی نام دیا جائے، مسلمانوں کے ساتھ گھل مل کر اور اسلام کا ایک فرقہ ہونے کا بہانہ کرکے اندرونی اور بیرونی طور پر تخریبی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔

☆ نیز ہرگاہ کہ عالمی مسلم تنظیموں کی ایک کانفرنس میں جو کہ مکۃ المکرمہ کے مقدس شہر میں رابطہ العالم الاسلامی کے زیر انتظام چھ 6، اور 10، اپریل 1974ء کے درمیان منعقد ہوئی

اور جس میں دنیا بھر کے تمام حصوں سے ایک سو چالیس (140) مسلمان تنظیموں اور اداروں کے وفود نے شرکت کی، متفقہ طور پر یہ رائے ظاہر کی گئی کہ قادیانیت اسلام اور عالم اسلام کے خلاف ایک تخریبی تحریک ہے، جو ایک اسلامی فرقہ ہونے کا دعویٰ کرتی ہے۔

اب اس اسمبلی کو یہ اعلان کرنے کی کاروائی کرنی چاہیے کہ مرزا غلام احمد کے پیروکار انہیں چاہے کوئی بھی نام دیا جائے، مسلمان نہیں اور یہ کہ قومی اسمبلی میں ایک سرکاری بل پیش کیا جائے تاکہ اس اعلان کو موثر بنانے کیلئے اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کی ایک غیر مسلم اقلیت کے طور پر ان کے جائز حقوق و مفادات کے تحفظ کیلئے احکام وضع کرنے کی خاطر آئین میں مناسب اور ضروری ترمیمات کی جائیں۔

محرکینِ قرارداد

1۔علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی 2۔مولانا عبدالمصطفیٰ الازہری
3۔مولانا مفتی محمود 4۔پروفیسر غفور احمد
5۔مولانا سیّد محمد علی رضوی 6۔مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک
7۔چودھری ظہور الٰہی 8۔سردار شیر باز مزاری
9۔مولانا ظفر احمد انصاری 10۔جناب عبدالحمید جتوئی
11۔صاحبزادہ احمد رضا قصوری 12۔جناب محمود اعظم فاروقی
13۔مولانا صدر الشہید 14۔مولانا نعمت اللہ
15۔جناب عمرا خان 16۔مخدوم نور محمد
17۔جناب غلام فاروق 18۔سردار مولا بخش سومرو
19۔سردار شوکت حیات خان 20۔حاجی علی احمد تالپور
21۔راؤ خورشید علی خان 22۔رئیس عطا محمد خان مری

بعد میں حسب ذیل ارکان نے بھی قرارداد پر دستخط کئے۔

23۔نوابزادہ میاں محمد ذاکر قریشی 24۔جناب غلام حسن خان دھاندلا

25۔جناب کرم بخش اعوان
26۔صاحبزادہ محمد نذیر سلطان
27۔مہر غلام حیدر بھروانہ
28۔میاں محمد ابراہیم برق
29۔صاحبزادہ صفی اللہ
30۔صاحبزادہ نعمت اللہ خان شنواری
31۔ملک جہانگیر خان
32۔جناب عبدالسبحان خان
33۔جناب اکبر خان مہمند
34۔میجر جنرل (ر) جمالدار
35۔حاجی صالح محمد
36۔جناب عبدالمالک خان
37۔خواجہ جمال محمد کوریجہ

مولانا آپ نے ہمارے لیے خواہ مخواہ ایک مسئلہ کھڑا کر دیا۔بھٹو

علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کے قرارداد پیش کرنے کے بعد وزیر قانون عبدالحفیظ پیرزادہ کی درخواست پر اسمبلی کا اجلاس دو گھنٹے کیلئے ملتوی کر دیا گیا اور اس وقفہ کے دوران قادیانیوں سے متعلق کوئی قرارداد یا تحریک اسمبلی میں پیش کرنے کے بارے میں اہم مذاکرات ہوئے۔جس میں اسپیکر کے علاوہ وزیر قانون عبدالحفیظ پیرزادہ،سیکرٹری وزارت قانون مسٹر محمد افضل چیمہ،وزیر اعلیٰ پنجاب حنیف رامے نے شرکت کی جبکہ حزب اختلاف کی طرف سے علامہ شاہ احمد نورانی، پروفیسر غفور احمد، مفتی محمود، سردار شیر باز مزاری، مسٹر غلام فاروق اور سردار شوکت حیات نے شرکت کی۔ان مذاکرات کے دوران حزب اختلاف نے حکومت پر واضح کر دیا کہ وہ ہر صورت میں اپنی قرارداد منظور کرا کر ہی دم لے گی۔

قومی اسمبلی میں قرارداد کا پیش ہونا تھا کہ حکومت اور قادیانیت کے ایوانوں میں ہنگامہ بپا ہو گیا۔قرارداد کے پیش کرنے پر بھٹو صاحب علامہ شاہ احمد نورانی سے خفا تھے۔ان کا موقف تھا کہ علامہ شاہ احمد نورانی نے خواہ مخواہ ان کیلئے ایک مسئلہ کھڑا کر دیا ہے۔علامہ شاہ احمد نورانی فرماتے ہیں کہ

> ”میں صاحبزادہ فاروق علی خان کے چیمبر میں ان سے ملا۔اس وقت وہاں عبدالحفیظ پیرزادہ بھی موجود تھے۔بھٹو صاحب اس لیے بھی پریشان تھے

کہ میں نے قرارداد کا مسودہ قومی اسمبلی میں پیش کرنے سے پہلے ایک ایک کاپی تمام اخبارات اور دیگر ذرائع ابلاغ کو بھجوادی تھی اور اخبارات نے اسے شہ سرخیوں کے ساتھ شائع کر دیا تھا۔ میری قرارداد کے جواب میں مرزا ناصر احمد نے بیان دیا۔ جس میں کہا گیا تھا کہ شاہ احمد نورانی کی قرارداد یک طرفہ ہے۔ انہوں نے بیان میں مطالبہ کیا تھا کہ اگر مولانا شاہ احمد نورانی اس قرارداد کو قومی اسمبلی میں پیش کرنا چاہتے ہیں، تو ہمیں بھی اس بات کا حق دیا جائے کہ ہم بھی قومی اسمبلی میں اپنے موقف کی وضاحت کر سکیں۔"

(انٹرویو مولانا نورانی، ادیب جاودانی، ماہنامہ مون ڈائجسٹ لاہور جون 1986ء)

وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے علامہ شاہ احمد نورانی سے کہا کہ "آپ نے میرے لیے خواہ مخواہ ایک مسئلہ کھڑا کر دیا۔ ایک مصیبت کھڑی کر دی ہے۔ آپ نے اسے اخبارات میں بھیج دیا ہے۔ جسے اخبارات نے شہ سرخی کے ساتھ لگا دیا ہے۔ مرزا ناصر کا بھی بیان آیا ہے۔ جس میں اس نے کہا ہے کہ مولانا نورانی کی قرارداد یک طرفہ ہے اور انہوں نے مطالبہ کیا ہے کہ اگر مولانا نورانی اس قرارداد کو پیش کرنا چاہتے ہیں، تو ہمیں بھی اس بات کا حق دیا جائے کہ ہم بھی قومی اسمبلی میں اپنے موقف کی وضاحت کر سکیں۔

ذوالفقار علی بھٹو نے آپ سے مزید کہا کہ دیکھئے مولانا قومی اسمبلی کو قومی اسمبلی رہنے دیجئے۔ کیا اب اسمبلی میں مجلس مناظرہ منعقد ہوگی۔ آپ لوگ قادیانیوں کو خارج اسلام قرار دیتے ہیں تو ٹھیک ہے۔ ہم نے اس سے انکار نہیں کیا۔ تو اس کو اسمبلی میں لانے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ سب مذہبی جنون کی باتیں ہیں۔

قومی اسمبلی کے اسپیکر صاحبزادہ فاروق علی خان نے علامہ شاہ احمد نورانی سے کہا کہ "آپ نے یہ کیا مصیبت کھڑی کر دی ہے۔ یہ پارلیمنٹ کی بحث تو نہیں۔ یہ تو دارالعلوم یا دینی مدرسہ کی بحث ہے۔ مولویوں نے فتویٰ دے دیا کہ فلاں کافر ہے تو بس ٹھیک ہے۔ آپ اس مسئلے کو اسمبلی میں

کیوں لانا چاہتے ہیں۔؟ صاحبزادہ فاروق علی خان نے علامہ شاہ احمد نورانی کو بتایا کہ مرزا ناصر اور لاہوریوں کے ٹیلی گرام آرہے ہیں کہ انہیں بھی موقع دیا جائے۔ اس طرح سے تو پارلیمنٹ میں مناظرہ ہو جائے گا؟۔

اگر آپ کا غدار بغاوت کی سزا کا حقدار ہے تو ختم نبوت کا منکر بھی کافر ہے۔

علامہ شاہ احمد نورانی نے نہایت تحمل سے بھٹو صاحب اور صاحبزادہ فاروق علی خان کی بات سنی اور ذوالفقار علی بھٹو سے مخاطب ہو کر آپ نے فرمایا

"جناب والا آپ ایک مسلمان ملک کے منتخب وزیر اعظم ہیں اس ملک کے سربراہ ہیں۔ اگر دوسرا شخص کھڑا ہو جائے اور وہ یہ دعویٰ کرے کہ میں اس ملک کا وزیر اعظم ہوں تو ظاہر ہے آپ اور ہم سب اس کو پاگل اور دیوانہ قرار دیں گے کہ یہ دیوانہ ہو گیا ہے اور اس طرح کی حرکتیں کر رہا ہے۔ لیکن اگر وہ عقل و دانش استعمال کر رہا ہو اور باقاعدہ آپ کے خلاف ایک منظم جتھہ اور گروپ تیار کر رہا ہو اور اس نے اپنے ہمنوا لوگوں کی ایک جماعت تیار کر لی ہو۔ جو اس کے دعوؤں کو سچا سمجھتے ہوں ۔ تو آپ اس کو غدار قرار دیں گے اور کہیں گے کہ اس پر مقدمہ چلاؤ اس کو بغاوت کی سزا سناؤ اور جیل میں ڈال دو۔ ورنہ لوگوں کو گمراہ کرے گا۔ ملک میں انتشار پیدا ہو گا۔ اسی طرح منصب ختم نبوت کا مسئلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو خاتم النبیین بنایا ہے۔ آپ ﷺ ختم الرسل ہیں، سیّد الانبیاء ، تاجدار کائنات ہیں محبوب رب العٰلمین ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی رسول اور کوئی نبی نہیں۔ ہمارا یہ عقیدہ ایمان کا لازمی جز ہے۔ تو اب اگر کوئی شخص اس منصب کا ادعاء کر رہا ہے۔ تو وہ شان الوہیت کی بھی تذلیل کر رہا ہے اور وہ پاگل بھی نہیں، کتابیں تصنیف کر رہا ہے۔ اپنا جتھہ منظم کر رہا ہے تو یہ

اسلام کا غدار ہے۔ کافر و مرتد ہے اور لازم ہے کہ اس کے بارے میں آج کی اسلامی حکومت وہی فیصلہ کرے جو ختم المرسلین ﷺ کے اولین خلیفہ راشد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جھوٹے مدعیان نبوت مسیلمہ کذاب سجاح اور اسود عنسی کے بارے میں کیا تھا۔"

علامہ شاہ احمد نورانی نے بھٹو صاحب پر واضح کر دیا کہ یہ محض مذہبی مسئلہ نہیں بلکہ پاکستان کے اندر بہت حد تک سیاسی مسئلہ بن چکا ہے اور مرزا ناصر اور لاہوریوں کے گروپ کے ٹیلی گرام آتے ہیں کہ انہیں بھی صفائی کا موقع دیا جائے۔ ہم کہتے ہیں انہیں اپنی صفائی کا موقع ضرور دیا جائے۔ آپ نے حکومت کو یقین دلایا کہ پارلیمنٹ میں مناظرہ نہیں ہوگا، آپ کے پاس رولز موجود ہیں۔ آپ انہیں پارلیمنٹ ان کیمرہ In Camera بلا لیجئے۔ کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی۔ آپ ان کو بھی سن لیجئے، ہمارے اعتراض بھی ہونگے اور ارکان اسمبلی کی موجودگی میں بحث کروائی جائے تاکہ صحیح فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔"

علامہ شاہ احمد نورانی فرماتے ہیں کہ "اس سلسلے میں ہماری بھٹو صاحب سے تین میٹنگز ہوئیں۔ ایک میٹنگ رات دو بجے تک چلتی رہی۔ اس میں سردار شیر باز مزاری، حاجی مولا بخش سومرو، (الٰہی بخش سومرو کے والد) مولانا مفتی محمود اور جسٹس افضل چیمہ بھی موجود تھے۔ بھٹو صاحب نے کہا کہ اس قرار داد کے منظور ہونے سے پاکستان پیپلز پارٹی کی بہت بدنامی ہوگی۔ لوگ پاکستان پیپلز پارٹی کو ایک سیکولر پارٹی سمجھتے ہیں۔ میں نے ان سے کہا اگر کچھ لوگ اس طرح کی باتیں کرتے بھی ہیں۔ تو آپ کو ان کی پروا نہیں کرنی چاہئے کیونکہ یہ بات پاکستان پیپلز پارٹی کے منشور میں شامل ہے کہ اسلام ہمارا دین ہے۔ بھٹو صاحب بڑی مشکل سے قائل

ہوئے۔ تو انہوں نے یہ قرارداد اسمبلی سے باہر اپنی پارٹی کے اراکین کے سامنے رکھی۔ جے، اے، رحیم اور شیخ رشید نے اس کی بہت مخالفت کی۔ مگر بھٹو صاحب نے کہا۔ یہ اسلام کی بات ہے۔ مذہب کا معاملہ ہے۔ پیپلز پارٹی اس کی مخالفت نہیں کرے گی۔ جے، اے، رحیم نے اس قرارداد کی مخالفت میں بہت ہنگامہ کیا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ قرارداد اسمبلی میں منظور ہو۔"

(انٹرویو مولانا نورانی، ادیب جاودانی، ماہنامہ مون ڈائجسٹ جون 1986ء، ماہنامہ النعیم ستمبر 2003ء)

قرارداد کی متفقہ منظوری

دراصل 1970ء کے الیکشن میں قادیانیوں نے پیپلز پارٹی کی بہت سپورٹ کی تھی۔ جس کی وجہ سے بھٹو اور پیپلز پارٹی کے دیگر ارکان قادیانیوں کو کافر قرار دینے پر تیار نہیں تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے فضل و کرم کے طفیل علامہ شاہ احمد نورانی نے بھٹو صاحب کو قائل کر لیا تھا۔

30، جون 1974ء کی صبح قومی اسمبلی میں علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کی پیش کردہ قرارداد کو ایوان نے متفقہ طور پر منظور کر لیا۔ جمعیت علماء پاکستان کے رکن اسمبلی مولانا محمد ذاکر جو کہ علالت کی وجہ سے ایوان میں حاضر نہیں تھے۔ لیکن انہوں نے ٹیلی فون پر قرارداد سے اتفاق کیا۔ خان عبدالولی خان جو کہ کوئٹہ جا چکے تھے۔ لیکن ایوان میں موجود ان کی جماعت نیپ کے اراکین اسمبلی اور تحریک استقلال کے حاضر ارکان نے قرارداد پر دستخط کر دیئے۔

خصوصی کمیٹی کے قیام کی قرارداد

"علامہ شاہ احمد نورانی نے قرارداد کی منظوری کے بعد اس پر غور و خوض کیلئے قومی اسمبلی کی کے ارکان پر مشتمل ایک خصوصی کمیٹی کی تشکیل کی قرارداد بھی پیش کی۔ جسے حکومت نے منظور کرتے ہوئے قادیانی مسئلہ کے حل کیلئے

پورے ایوان پر مشتمل قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی تشکیل دے دی۔ چنانچہ اس کمیٹی کی تشکیل کے بعد علامہ شاہ احمد نورانی نے خصوصی کمیٹی کی کاروائی میں بھر پور حصہ لینے کیلئے اپنا بلوچستان کا دورہ ملتوی کر دیا۔ جب دو گھنٹے کے بعد ساڑھے بارہ بجے ایوان کی کاروائی دوبارہ شروع ہوئی۔ تو وزیر قانون مسٹر عبدالحفیظ پیرزادہ نے حکومت کی طرف سے منکرین ختم نبوت کی اسلام میں حیثیت کے تعین کے بارے میں ایک تحریک پیش کی۔"

(مضمون تحریک ختم نبوت میں جمعیت علماء پاکستان کا کردار، ماہنامہ لا نبی بعدی لاہور 2002ئ)

سرکاری تحریک کا متن

یہ ایوان سارے ایوان پر مشتمل ایک خصوصی کمیٹی قائم کرتا ہے۔ جس میں تقریریں کرنے کا حق رکھنے والے اور دوسرے ارکان بھی شامل ہیں اور جس کے چیئرمین اس ایوان کے اسپیکر ہوں گے اور یہ خصوصی کمیٹی حسب ذیل فرائض سرانجام دے گی۔

(۱) ان لوگوں کی حیثیت متعین کی جائے، جو آنحضرت محمد مصطفی ﷺ کی ختم نبوت کے مسئلے پر ایمان نہیں رکھتے۔

(۲) اس سلسلے میں کمیٹی کی پیش کردہ تجاویز، مشوروں اور قراردادوں پر اس معینہ مدت کے اندر غور وخوض مکمل کر لیا جائے، جس کا اعلان کمیٹی کرے گی۔

(۳) اس غور وخوض کے نتیجے میں شہادتیں قلمبند کرنے اور دستاویزات کا مطالعہ کرنے کے بعد کمیٹی اپنی سفارشات ایوان میں پیش کرے گی۔

وزیر اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو کی موجودگی میں ایوان نے قرارداد اور تحریک کو اتفاق رائے سے منظور کر لیا۔ سانحہ ربوہ پر غور اور قادیانی مسئلہ (عقیدہ ختم نبوت پر ایمان نہ رکھنے والوں کی اسلام میں حیثیت کا تعین) پر سفارشات مرتب کرنے کیلئے پوری قومی اسمبلی کو خصوصی کمیٹی قرار دے کر حزب اختلاف کی قرارداد اور حکومتی تحریک دونوں ایوان کی متفقہ رائے کے مطابق تمام

ممبروں پر مشتمل کل ایوانی خصوصی کمیٹی کے سپرد کر دی گئیں۔ تا کہ وہ ان پر مفصل بحث کرے اور قومی اسمبلی کو اس بارے میں اپنی حتمی رپورٹ پیش کرے۔ اس کمیٹی کے اجلاس کیلئے چالیس (40) ممبروں کا کورم ضروری قرار دیا گیا۔ جس میں دس ارکان حزب اختلاف سے اور باقی ارکان کا تعلق حکومت سے ہوگا۔ وزیر قانون نے واضح کیا کہ چالیس ارکان کی موجودگی کے بغیر کمیٹی کا اجلاس نہیں ہوسکے گا۔ کل ایوانی خصوصی کمیٹی یکم جولائی سے تحریک اور قرارداد پر بیک وقت غور شروع کرے گی۔ اس خصوصی کمیٹی کے تمام اجلاس خفیہ ہوں گے۔

کل ایوانی خصوصی کمیٹی نے بعد میں اسمبلی میں ایک اور خصوصی رہبر کمیٹی ترتیب دی۔ دونوں کمیٹیوں یعنی کل ایوانی کمیٹی اور خصوصی رہبر کمیٹی نے اپنے کام پوری ذمہ داری سے شروع کر دیئے۔

اس موقع پر وزیر قانون نے حزب اختلاف سے استدعا کی کہ چونکہ اپوزیشن اور حکومت کے درمیان قادیانیوں کے مسئلہ کو زیر بحث لانے پر اتفاق ہوگیا ہے اور اس مسئلہ کو حل کرنے کیلئے قومی اسمبلی ہی مناسب اور واحد ادارہ ہے۔ اس لیے اب اسمبلی کے باہر کسی قسم کے مظاہرے نہیں ہونے چاہئیں۔ اس کے بعد اسمبلی کا اجلاس دو ہفتے کیلئے ملتوی کر دیا گیا۔

حکومتی تحریک اور علامہ نورانی کی قرارداد میں بنیادی فرق

حکومت کی طرف سے پیش کردہ تحریک وزیر قانون عبدالحفیظ پیرزادہ نے خود تیار کی تھی۔ جناب عبدالحفیظ پیرزادہ کی حکومت کی طرف سے پیش کردہ "تحریک" "ختم نبوت کے منکرین کی آئینی حیثیت کی صراحت کے بارے میں تھی۔ جبکہ علامہ شاہ احمد نورانی اور حزب اختلاف کی جانب سے پیش کردہ "قرارداد" قادیانیوں کی اسلامی اور آئینی حیثیت کے بارے میں زیادہ وضاحت کی حامل تھی۔ بالفاظ دیگر سرکاری تحریک اور علامہ شاہ احمد نورانی کی قرارداد میں سب سے بڑا بنیادی فرق یہ تھا کہ سرکاری تحریک میں صرف ختم نبوت کے منکرین کے مسئلہ پر غور کرنے کی تجویز پیش کی گئی تھی۔ جبکہ اس کے برخلاف علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کی قرارداد میں مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروں کاروں (قادیانی و لاہوری جماعت جو اسے کسی بھی شکل میں

مانتے ہوں) کو ختم نبوت کا منکر قرار دیتے ہوئے انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی تجویز پیش کی گئی تھی۔ اس لحاظ سے علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کی پیش کردہ قرارداد قادیانیوں کی اسلامی اور آئینی حیثیت کے بارے میں جامع، زیادہ وضاحت اور دوررس نتائج کی حامل تھی۔

اپوزیشن نے سانڈھ کو سینگوں سے پکڑنے کی کوشش کی ہے

روزنامہ نوائے وقت نے علامہ نورانی اور اپوزیشن کی جانب سے پیش کردہ قرارداد کے حوالے سے اپنے اداریہ میں لکھا کہ

> ''سرکاری تحریک میں صرف ختم نبوت کے منکرین کے مسئلہ پر غور کرنے کی تجویز پیش کی گئی ہے جبکہ اس کے برعکس اپوزیشن کی قرارداد میں مرزا غلام احمد کے پیروکاروں کو ختم نبوت کا منکر قرار دے کر انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی تجویز پیش کی گئی ہے۔ اس لحاظ سے اپوزیشن کی قرارداد زیادہ موزوں اور حقیقت پسندانہ ہے۔ انگریزی محاورے کے مطابق اپوزیشن نے سانڈھ کو سینگوں سے پکڑنے کی کوشش کی ہے۔ جبکہ حکومت نے صرف اس کی دم کو چھیڑا ہے۔''

(روزنامہ نوائے وقت لاہور 2، جولائی 1974ء)

قرارداد سے صرف دو لفظوں کے اخراج پر پچاس لاکھ کی پیش کش

> ''کراچی کی ایک دعوت کے موقع پر سابق چیئرمین رویت ہلال کمیٹی و سابق سینیٹر حضرت علامہ مفتی ظفر علی نعمانی اور مفکر اسلام، مترجم کنز الایمان انگلش اور سابق قائد حزب اختلاف سندھ اسمبلی جناب پروفیسر سید شاہ فرید الحق صاحب سے آگرہ کے اکبر عادل صاحب سی، این، پی، ریٹائرڈ سیکرٹری وزارت صنعت وحرفت حکومت پاکستان نے ذکر کیا کہ آپ کے صدر جمعیت عجیب آدمی ہیں کہ محض اپنی قرارداد سے دو لفظوں کے اخراج

پر انہیں بہت بڑی رقم مل رہی تھی جو انہوں نے ٹھکرادی۔اس واقعہ کی مفصل تفصیل بیان کرتے ہوئے انہوں بتایا کہ اسلام آباد میں تحریک ختم نبوت کے دوران میرے مکان پر علامہ شاہ احمد نورانی کی دعوت تھی۔وہاں کچھ لوگ اور بھی تھے کہ بعض آدمی مرزائی فرقے کے لاہوری گروپ سے متعلق تھے۔وہاں آئے اور پوچھا کہ معلوم ہوا ہے کہ آپ کے یہاں مولانا نورانی تشریف لائے ہیں۔ہم ان سے بات کرنا چاہتے ہیں۔میں ان کو اندر لے گیا اور حضرت نورانی صاحب علیہ الرحمہ سے کہا کہ یہ لوگ آپ سے کوئی بات کرنا چاہتے ہیں۔حضرت نے فرمایا کیا بات ہے؟ان لوگوں میں تین چار سرکاری افسر بھی تھے۔ان میں سے ایک صاحب نے کہا جناب ہم نے سنا ہے کہ آپ نے اپنی قرارداد میں لاہوری گروپ کو بھی غیر مسلم قرار دیا ہے۔حالانکہ ہم مرزا صاحب کو نبی نہیں مانتے،آپ کی قرارداد میں ہمارا نام درست نہیں ہے۔آپ یوں کریں کہ قرارداد سے ہمارا نام نکال دیں۔ہم اس کے عوض آپ کو پچاس لاکھ روپے پیش کرتے ہیں۔یہ سنکر علامہ شاہ احمد نورانی نے فرمایا آپ کی پیش کش ہمارے جوتے کی نوک پر۔اس لیے کہ ہمارا جوتا اس پیش کش سے زیادہ قیمتی ہے۔(بعض بزرگوں کا فرمانا ہے کہ علامہ شاہ احمد نورانی نے اس وقت فرمایا کہ گنبد خضریٰ والے آقا ﷺ سے ہمارا سودا ہو چکا ہے۔ہم بازار مصطفیٰ ﷺ میں بک چکے ہیں اور یہ پیسہ ہمیں نہیں خرید سکتا) آپ نے ان لوگوں سے فرمایا کہ مرزا مدعی نبوت ہے۔جو اسے مجدد یا مصلح مانتا ہے وہ بھی کافر ہے اور میری قرارداد سے کوئی لفظ بھی حذف نہیں ہوگا۔آپ لوگ یہاں سے نکل جائیں۔وہ لوگ وہاں سے چلے گئے۔تو علامہ شاہ احمد نورانی نے فرمایا کئی ایسے سرکاری افسر ہیں کہ وہ بار بار لوگوں کی

سفارش کرتے ہیں کہ صاحب ان لوگوں کو آپ کیوں ذکر میں لے آئے ہیں۔ یہ تو نبی نہیں مانتے۔ لیکن الحمدللہ، اللہ کریم نے استقامت عطا فرمائی ہے۔ یہ پیسہ آنے جانے والی چیز ہے۔ اصل دولت، دولت ایمان ہے اور سرمایہ آخرت ہے۔"

(کتاب مولانا نورانی۔ص 157، فاتح مرزائیت ص، 12)

خوددار نہ ہو فقر تو ہے قہر الٰہی

25، اکتوبر 1988ء کو مینار پاکستان لاہور میں "مباہلہ کانفرنس" سے خطاب کرتے ہوئے مجاہد ملت علامہ عبدالستار خان نیازی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

"جب مولانا شاہ احمد نورانی نے قومی اسمبلی میں مرزائیوں کے خلاف قرار داد پیش کی تو مرزائیوں نے آپ سے کہا کہ اپنی قرارداد میں صرف اتنی ترمیم کردیں کہ جو گروہ مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مانتا ہے وہ کافر ہے۔ لیکن جو مرزا کو مجدد و مصلح مانتا ہے وہ کافر نہیں ہے۔ اس ترمیم کے بدلے میں انہوں نے آپ کو ربوہ گروہ کی طرف سے پچاس لاکھ اور لاہوری گروہ کی طرف سے بھی پچاس لاکھ کی رقم پیش کرتے ہوئے رقم سے بھرا ہوا بریف کیس آپ کے سامنے کھول کر رکھا۔ علامہ شاہ احمد نورانی نے اسے اپنے پاؤں کی ٹھوکر لگا کر فرمایا بھاگ جاؤ، میں تو بازار مصطفی ﷺ میں بک چکا ہوں۔ یہ علامہ شاہ احمد نورانی کا فقر غیور تھا، جس کی طرف مفکر اسلام علامہ اقبال اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

خوددار نہ ہو فقر تو ہے قہر الٰہی
ہو صاحب غیرت تو ہے تمہید امیری"

(تبصرہ علامہ حافظ خادم حسین رضوی، افکار نورانی ص 17)

قرارداد کی تائید و حمایت

قرارداد ملت اسلامیہ اور پاکستانی عوام کی خواہشات کا مظہر ہے

"مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت نے قومی اسمبلی میں قادیانیوں سے متعلق علامہ شاہ احمد نورانی کی پیش کردہ قرارداد پر اطمینان کا اظہار کیا اور ارکان اسمبلی پر زور دیا کہ وہ اس قرارداد کے الفاظ و معانی کے مطابق بلا تاخیر آئین میں مناسب ترمیم منظور کرے۔ مجلس عمل نے اس قرارداد کو ملت اسلامیہ اور پاکستانی عوام کی خواہشات کا مظہر قرار دیا۔ ساتھ ہی مجلس عمل کے سیکرٹری جنرل علامہ محمود احمد رضوی نے اپنی تحریک پر امن طریقے سے جاری رکھنے کا اعلان کرتے ہوئے قرارداد کے حق میں مزید رائے عامہ ہموار کرنے کیلئے شہروں، بازاروں اور گلی کوچوں میں بینر اور پوسٹر لگائے جائیں گے اور مجلس عمل کے قائدین پورے ملک میں پھیل کر ختم نبوت کی تحریک کو منظم کریں گے۔"

(تحریک ختم نبوت 1974ء جلد سوم ص 474)

قرارداد قادیانیوں کو ان کے منطقی انجام تک پہنچا دے گی

"علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری نے کہا کہ آئین میں صدر اور وزیر اعظم کیلئے جو حلف نامہ تجویز کیا گیا ہے وہ حزب اختلاف کی جدوجہد کا نتیجہ ہے اور انشاء اللہ علامہ شاہ احمد نورانی کی تیار کردہ قرارداد جسکی تائید و حمایت پوری حزب اختلاف نے کی ہے بہت جلد منظور ہو کر قادیانیوں کو ان کے منطقی انجام تک پہنچا دے گی۔"

(تحریک ختم نبوت 1974ء جلد سوم ص 506)

ناموس رسالت ﷺ کا تحفظ مومن کی زندگی کا بنیادی مقصد ہے

انجمن طلباء اسلام پنجاب کے سیکرٹری اطلاعات محمد خان لغاری نے اندرون لوہاری

گیٹ میں جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ

"ناموس رسالت ﷺ کا تحفظ مومن کی زندگی کا بنیادی مقصد ہے اور انجمن طلباء اسلام اس عظیم نصب العین کے حصول کیلئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کرے گی۔ ہماری تاریخ قربانیوں سے بھری پڑی ہے اور ہم جذبہ حسینی سے سرشار ہیں۔"

(تحریک ختم نبوت 1974ء جلد سوم ص 579)

قادیانیت پاکستان کیلئے ناسور ہے

جمعیت علماء پاکستان کے رہنما صوفی ایاز خان نیازی نے ایک بیان میں کہا کہ

"جس طرح اسرائیل عرب ممالک کیلئے ناسور بنا ہوا ہے اسی طرح قادیانیت پاکستان کیلئے ناسور ہے اور ہم اس ناسور کا خاتمہ متحد ہو کر کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ ملک کا استحکام اسی میں ہے کہ حکومت کو اس بات پر مجبور کر دیا جائے کہ وہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کیلئے پیش کردہ قرارداد فوری منظور کرے۔"

(تحریک ختم نبوت 1974ء جلد سوم ص 500)

دنیا کی کوئی طاقت قادیانی مسئلہ کے حل میں رکاوٹ نہیں ڈال سکتی

قومی اسمبلی میں جماعت اسلامی کے رکن پروفیسر غفور احمد نے کہا کہ

"میں سرور کائنات کے غلام کی حیثیت سے یہ کہتا ہوں کہ اب دنیا کی کوئی طاقت قادیانی مسئلہ کے حل میں رکاوٹ نہیں ڈال سکتی اور جھوٹے نبی کو ماننے والے جسد ملی سے علیحدہ کر دیئے جائیں گے اور آئین کے اندر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلانے کی واضح دفعات کی شمولیت تک ہم اپنے موقف پر ڈٹے رہیں گے۔"

(تحریک ختم نبوت 1974ء جلد سوم ص 505)

کمیٹی کی کاروائی کسی بھی شکل میں نشر یا ٹیلی کاسٹ یا شائع نہیں ہو گی

یکم جولائی کو اسپیکر قومی اسمبلی صاحبزادہ فاروق علی خان کی زیر صدارت قومی اسمبلی کے پورے ایوان پر مشتمل خصوصی کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا جو ڈیڑھ گھنٹے جاری رہا۔ اس اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ کمیٹی کی کاروائی کے بارے میں چیئرمین کے جاری کردہ پریس ریلیز کے سوا کوئی کاروائی کسی بھی شکل میں نشر، ٹیلی کاسٹ یا شائع نہیں کی جائے گی اور کاروائی کے بارے میں کوئی مضمون یا مقالہ بھی نہیں شائع کیا جائے گا اور نہ ہی اس بارے میں کوئی قیاس آرائی کی جائے گی۔ ان فیصلوں کی خلاف ورزی کمیٹی کے استحقاق کی خلاف ورزی تصور کی جائے گی اور کمیٹی کا استحقاق وہی ہے جو قومی اسمبلی کا ہو گا اور اس کی خلاف ورزی پر سزا بھی دی جا سکے گی۔ کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ جمعہ 5، جولائی تک قرار دادیں، تجاویز اور مشورے وصول کئے جائیں گے۔ کمیٹی کا دوسرا اجلاس بدھ کو ہو گا جس میں کمیٹی کی کاروائی کے ضمنی رولز تیار کئے جائیں گے۔

کاروائی خفیہ رکھنے کی وجوہات

قومی اسمبلی کے اسپیکر صاحبزادہ فاروق علی خان کہتے ہیں۔

”خفیہ اجلاس کا فیصلہ اس لیے کیا گیا کہ بحث اور کاروائی کے دوران کئی ایسے امور بھی پیش ہوں گے یا منظر عام پر آئیں گے، جن سے مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچ سکتی ہے۔ بحث میں قادیانی فرقہ کے رہنماؤں کو بھی بلانا تھا۔ ان کا نقطہ نظر بھی سننا تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ جو کچھ کہتے، اس سے مسلمانوں کو ہرگز اتفاق نہ ہوتا۔ ان کی باتیں بھی منظر عام پر آتیں۔ تو اس سے تحریک کے تشدد کی راہ پر چلنے کا اندیشہ تھا۔ لوگ مشتعل ہو کر نہ جانے کیا کر گزرتے۔ لہٰذا بہت غور و فکر کے بعد بحث اور کاروائی خفیہ رکھنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس اخفاء سے حکومت کوئی مفاد حاصل نہیں کرنا چاہتی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ ناموس رسالت ﷺ کا مسئلہ سب سے زیادہ نازک اور حساس مسئلہ ہے۔ مسلمان ناموس رسالت ﷺ کیلئے ہر قربانی دینے کیلئے تیار ہوتے ہیں۔ اپنے پیغمبر ﷺ کی عزت و عظمت کیلئے جان جیسی قیمتی چیز کو بھی آن واحد میں قربان کر دینا ایک مسلمان کیلئے انتہائی معمولی بات ہے۔ حضور رسالت مآب ﷺ کی ذات گرامی کے ساتھ امت کو جو والہانہ عشق ہے اس کو زبان و قلم سے بیان کرنا ناممکن ہے۔ چنانچہ کسی بھی خطرناک اور جذباتی صورت حال سے بچنے کیلئے اس کاروائی کو خفیہ رکھنا ہی مناسب تھا۔"

(جنگ لاہور جمعہ ایڈیشن۔ 9-3، ستمبر 1982ء)

قومی اسمبلی کی رہبر کمیٹی کا قیام

3، جولائی 1974ء کو قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی نے اپنے اجلاس میں اتفاق رائے سے بارہ (12) ارکان پر مشتمل ایک رہبر کمیٹی منتخب کی۔ وزیر قانون عبدالحفیظ پیرزادہ کو اس رہبر کمیٹی کا کنوینر منتخب کیا گیا۔ رہبر کمیٹی کا کام ان قراردادوں اور تجاویز کا جائزہ لینا تھا۔ جو 5 جولائی کی نصف شب تک قومی اسمبلی کے سیکرٹری کو موصول ہوں گی۔ اس کے علاوہ رہبر کمیٹی اور خصوصی کمیٹی کا کام اس مسئلہ پر غور و خوض اور کاروائی چلانے کیلئے طریقہ کار اور پروگرام تجویز کرنا بھی تھا۔ رہبر کمیٹی کے اراکین میں علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی۔ مفتی محمود، مولانا غلام غوث ہزاروی، مولانا کوثر نیازی، رانا محمد حنیف خاں، پروفیسر غفور احمد، مسٹر عبدالعزیز بھٹی، مولانا ظفر احمد انصاری، مسٹر نعمت خان شنواری، ملک محمد اختر اور بیگم شیری وہاب شامل تھے۔ خصوصی کمیٹی کا اجلاس ایک گھنٹے سے زیادہ جاری رہا۔ پورے ایوان پر مشتمل خصوصی کمیٹی نے اپنے اجلاس میں طریقہ کار کے ضمنی قواعد منظور کیے۔ جن میں خصوصی کمیٹی (ضمنی) کے ضابطے مجریہ 1974ء، چیئرمینوں کا پینل، خفیہ اجلاس اور اس میں شریک ہونے والے افراد کا طریقہ کار، ووٹنگ اور کمیٹی

کے خصوصی اختیارات کا تعین کیا گیا۔

کمیٹی کو ضابطہ دیوانی کے تحت سول عدالت درجہ اول کے اختیارات دیئے گئے۔ جس کے تحت کمیٹی کسی بھی شخص کو انفرادی حیثیت میں یا تنظیم یا مذہبی گروپ کے نمائندے کی حیثیت سے طلب کر سکتی اور اس کو سن سکتی ہے۔ اور کمیٹی کے سامنے ہونے والی تمام کارروائی عدالتی کارروائی تصور ہوگی۔ عدالت کو ضابطہ دیوانی کے تحت دعویٰ کی سماعت کرتے ہوئے دیوانی عدالت کے اختیار ہوں گے اور اس طرح اسے کسی بھی عدالت سے یا دفتر سے کوئی ریکارڈ یا نقل حاصل کرنے کے اختیارات ہوں گے۔

6، جولائی کو رہبر کمیٹی کے اجلاس میں پیش کردہ قراردادوں، تجاویز اور پروگرام پر غور کیا گیا اور ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ ربوہ اور جنرل سیکرٹری (احمدیہ) انجمن اشاعت اسلام لاہور کی طرف سے اپنا نقطہ نظر تحریری طور پر پیش کرنے اور بعض امور میں دستاویزی ثبوت فراہم کرنے کی درخواست منظور کر لی۔ اس فیصلہ کے مطابق ان دو جماعتوں کی طرف سے گیارہ جولائی کو شام چھ بجے تک سیکرٹری قومی اسمبلی سیکرٹریٹ کو تحریری بیان دیئے جا سکیں گے۔ قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی مذکورہ جماعتوں کے سربراہوں کی رائے لے گی اور ان کے بیانات کی سماعت اور پیش کردہ دستاویزات کے معائنے کے بعد خصوصی کمیٹی ان سے سوالات بھی کرے گی۔

12، جولائی کو قومی اسمبلی کی رہبر کمیٹی نے اپنے اجلاس میں انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے تحریری بیانات اور ان کے پیش کردہ مسودات پر غور کیا۔ رہبر کمیٹی نے کارکردگی کی رفتار پر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے اس عزم کا اعادہ کیا کہ وہ اپنا کام پوری رفتار سے صحیح طور پر مکمل کرے گی۔ رہبر کمیٹی کا اجلاس وزیر قانون عبدالحفیظ پیرزادہ کی صدارت میں ہوا۔ اجلاس میں علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی سمیت رہبر کمیٹی کے جملہ ارکان اور چوہدری ظہور الٰہی، مسٹر غلام فاروق نے بھی شرکت کی۔ رہبر کمیٹی نے قومی اسمبلی کی خاص کمیٹی کے آئندہ پروگرام کے سلسلہ میں متفقہ طور پر سفارشات مرتب کیں۔

رہبر کمیٹی کی مرتب کردہ سفارشات کو 13، جولائی 1974ء کو قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی نے اتفاق رائے سے منظور کرلیا۔ رہبر کمیٹی کی مرتب کردہ سفارشات مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) انجمن احمدیہ ربوہ اور انجمن اشاعت اسلام لاہور کے سربراہوہان کے بیانات قلمبند کرنے کا کام 22، جولائی 1974ء تک مکمل کرلیا جائے۔

(۲) خصوصی کمیٹی کے جو ممبران دونوں جماعتوں کے سربراہوں سے سوالات دریافت کرنا چاہیں۔ وہ 24، جولائی تک قومی اسمبلی کے سیکرٹری کو بھیج سکتے ہیں۔

(۳) رہبر کمیٹی انجمنوں کے سربراہوہان سے دریافت کئے جانے والے سوالات کو آخری شکل دے گی اور منظور کرے گی۔

(۴) اٹارنی جنرل سے، جن کے ذریعے سوالات دریافت کئے جائیں گے کہا جائے گا کہ وہ 25، جولائی سے رہبر کمیٹی اور خصوصی کمیٹی کے اجلاسوں میں شرکت کریں۔

(۵) مختلف ارکان کی پیش کردہ قراردادوں پر خصوصی کمیٹی میں □ غور ہونے سے پہلے ان قراردادوں کے محرک اپنے نقطہ ہائے نظر کی وضاحت کرنے کیلئے رہبر کمیٹی کے سامنے بیانات دیں گے۔

کمیٹی نے اپنے سپرد کئے گئے کام کی رفتار پر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے اسے جلد سے جلد مکمل کرنے کا اعادہ کیا۔ ساتھ ہی کمیٹی نے وزیر قانون کو اختیار دیا کہ وہ 14 جولائی کو پریس کانفرنس کے ذریعے خصوصی کمیٹی کی کارکردگی سے عوام کو آگاہ کردیں۔

20، جولائی کو قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی کے اجلاس میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے سربراہ صدرالدین کا محضرنامہ پڑھا گیا۔

21، جولائی کو قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی (جو کہ پورے ایوان پر مشتمل تھی) کے روبرو قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا ناصر احمد کا حلفی بیان قلمبند کیا گیا۔ جس کے پڑھنے کا عمل 23، جولائی 1974ء کو مکمل ہوا۔ یہ ایک سو اسی (180) صفحات پر مشتمل تحریری بیان دراصل مرزا ناصر کا محضرنامہ تھا۔ جسے مرزا ناصر لکھ کر لایا تھا۔

اسمبلی میں حضور ﷺ کا زندہ معجزہ

قومی اسمبلی کی کئی منزلہ ایئر کنڈیشنڈ عمارت جو کہ چاروں طرف سے بند تھی، میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی رکن اسمبلی پر اوپر سے کوئی چیز گری ہو۔ لیکن اس وقت کے ارکان قومی اسمبلی جنھوں نے اپنی آنکھوں سے نبی کریم ﷺ کے اس زندہ معجزے کا مشاہدہ کیا، کہ جیسے ہی مرزا ناصر قادیانی نے اپنا ایک سواسی (180) صفحات پر مشتمل محضر نامہ پڑھنا شروع کیا اوپر سے کسی پرندے کا ایک پر جو غلاظت میں لتھڑا ہوا تھا اوپر سے سیدھا مرزا ناصر کے محضر نامے پر گرا اور ارکان اسمبلی نے دیکھا کہ مرزا ناصر کا محضر نامہ گندگی سے بھر گیا۔ وہ بری طرح کانپ کر رہ گیا۔ اس کے منہ سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے "I am disturbed"۔

> علامہ شاہ احمد نورانی فرماتے ہیں کہ "یہ حضور اکرم ﷺ معجزہ تھا۔ قربان جایئے حضور اکرم ﷺ کے آپ یہ معجزہ دکھا کر اپنے ماننے والوں سے کہہ رہے ہیں کہ دیکھو مرزا جو کچھ پڑھ رہا ہے وہ غلاظت ہے۔"

(ماہنامہ الحامد ملتان جنوری فروری 2004ء ص 232)

"ملت اسلامیہ کا موقف" قادیانی محضر نامے کا جواب

مرزا ناصر قادیانی کے محضر نامے کا جواب مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کی جانب سے

> "ملت اسلامیہ کا موقف" کے نام سے ترتیب دیا۔ ملت اسلامیہ کا موقف کی کتابت مشہور کاتب جناب سیّد انور حسین المعروف نفیس رقم نے کی اور اس کی تصحیح حضرت علامہ شاہ احمد نورانی، مفتی محمود اور چوہدری ظہور الٰہی نے کی۔" جتنا حصہ لکھ لیا جاتا۔ اسے حضرت مولانا مفتی محمود، حضرت مولانا شاہ احمد نورانی اور چوہدری ظہور الٰہی سن لیتے۔ بعد ازاں مناسب ترمیم و اضافہ کے بعد اسے پریس بھیج دیا جاتا۔ ملت اسلامیہ کا یہ موقف چھ دن میں تیار ہو گیا اور قومی اسمبلی میں مولانا مفتی محمود نے قومی اسمبلی میں مرزا ناصر کے محضر نامے کے جواب میں پیش کیا۔"

(پارلیمنٹ میں قادیانی شکست۔ص10)

حکومتی دوعملی شکوک وشبہات اور اندیشے

تحریک ختم نبوت ملک کے طول وعرض میں پوری شدت سے جاری تھی اور وقت کے ساتھ اس کی اثر انگیزی اور شدت میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔تحریکی قائدین کی اپیل پر قادیانیوں کا بائیکاٹ پورے ملک میں جاری تھا۔قادیانیوں کے خلاف اس بائیکاٹ نے قادیانیوں اور حکومت دونوں کے چھکے چھڑا دیئے تھے۔

دوسری طرف حکومت نے پوری قومی اسمبلی کو خصوصی کمیٹی بنا کر قادیانی مسئلے کی حیثیت کے تعین کا کام سونپ دیا تھا۔لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے دوسری طرف کچھ ایسے اقدامات بھی کئے۔جن سے حکومت کی نیک نیتی کے بارے بہت سے شکوک وشبہات نے جنم لیا اور اس کا رویہ بدلا ہوا محسوس ہونے لگا۔آیئے حکومت کی جانب سے کئے گئے چند متنازعہ اقدامات کا مطالعہ کرتے ہیں۔

حکومت پنجاب نے ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت قادیانیوں کے متعلق کوئی خبر،تبصرہ،بیان،تصاویر،کارٹون یا کسی قسم کا دیگر مواد شائع کرنے پر پابندی لگادی۔اس حکم میں کہا گیا کہ خلاف ورزی پر قانون کے تحت سزادی جائے گی۔حکومت نے اخبارات میں ختم نبوت کا لفظ لکھنے پر پابندی لگادی۔تحریک ختم نبوت کی حمایت کرنے والے اخبارات ورسائل کے ڈیکلریشن منسوخ کردیئے اور پریس ضبط کرلیے گئے۔تمام شہروں میں دفعہ(144) نافذ کردی گئی اور مساجد میں لاؤڈ اسپیکرز کے استعمال پر پابندی عائد کردی گئی۔

حکومت سندھ نے بھی ڈیفنس آف پاکستان رولز کی دفعہ(54) اور(54A) رول نمبر(213) کا سہارا لیکر پنجاب حکومت کی طرح مندرجہ بالا تمام مواد کی اشاعت پر پابندی عائد کردی اور اس نے کراچی سے نکلنے والے اخبار جسارت کی اشاعت دوماہ کیلئے معطل کردی اور جسارت کے مدیر صلاح الدین اور مدیر منتظم حکیم اقبال حسین کو گرفتار کرلیا اور ان پر بے بنیاد مقدمات قائم کئے گئے۔اسی طرح بلوچستان حکومت نے بھی کوئٹہ سے نکلنے والے ہفتہ وار جریدہ

ندائے بلوچستان کی اشاعت معطل کردی اوراس کے ساتھ روزنامہ ''سچائی'' اور سہ روزہ ''ہمت'' پر بھی دوماہ کیلئے پابندی عائد کردی گئی۔

اخبارات وجرائد پر پابندی کے ساتھ حکومت نے ڈیفنس رولز کا سہارا لے کر بے شمار علماء اور طلباء اور مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے ہزاروں کارکنوں کو بھی گرفتار اور نظر بند کیا۔ نظر بند آئمہ مساجد کو جبری طور پر ان کی ملازمتوں سے علیحدہ کردیا گیا۔ پولیس نے کئی مواقع پر فدایان ختم نبوت پر بے تحاشہ تشدد کیا اور اسیران تحریک ختم نبوت سے ملنے کیلئے آنے والے بھی ان کے تشدد سے محفوظ نہ رہ سکے۔ اوکاڑہ، ساہیوال، سرگودھا، گجرات، ننکانہ، راولپنڈی، لاہور، لائلپور، قصور، بہاولنگر، وہاڑی رحیم یار خان، کھاریاں، گجرانوالہ، حافظ آباد، شیخوپورہ، ملتان اور ملک کے مختلف شہروں میں عوام نے اس بے جا تشدد اور علماء وطلباء اور کارکنان کی گرفتاریوں اور انتظامیہ کے جانبدارانہ رویئے کے خلاف مظاہرے اور ہڑتالیں کیں۔

حکومت نے قادیانیوں کے خلاف بائیکاٹ کی مہم کے دوران ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے ایسے پروگرامات نشر کروائے جن میں قادیانیوں کے خلاف بائیکاٹ کے عمل کو اسلامی تعلیمات کے منافی قرار دیا گیا اور اخبارات کے ذریعے نام نہاد مذہبی شخصیات کی تقاریر اور بیانات کو اس مہم کے خلاف استعمال کرنے کی کوشش کی۔ خود وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے قادیانیوں کے بائیکاٹ کے حوالے سے کہا کہ وہ ذاتی طور پر اس کے حق میں نہیں ہیں۔ حکومت کی ان تمام کوششوں کے اثرات تحریک کے حق میں مفید ہی ثابت ہوئے اور حکومت کے اس عمل سے اس کی ذلت ورسوائی میں اضافہ ہوا اور بالآخر اسے اپنے اس موقف سے دستبرداری کا اعلان کرنا پڑا۔

مجلس عمل تحفظ ختم نبوت اور دیگر مذہبی وسیاسی رہنماؤں کی جانب سے حکومت کے ان اقدامات کے خلاف نہایت سخت ردعمل دیکھنے میں آیا۔

> ''مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے جنرل سیکرٹری علامہ محمود احمد رضوی نے مساجد میں لاؤڈ اسپیکرز کی پابندی کی شدید مذمت کی اور کہا کہ یہ صورتحال افسوسناک ہے کہ حکومت نے تحریک کو پرامن طور پر چلانے کے

تمام راستوں کو بند کر دیا ہے اور برصغیر کی تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی جب کسی مذہبی مسئلے کی طباعت واشاعت پر پابندی لگائی گئی ہو۔ انہوں نے کہا کہ ملک میں ہر روز تحریک کے جلسے ہو رہے ہیں مگر خبروں پر پابندی ہے۔ لیکن مرزائیوں کے لٹریچر پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ خود وزیر اعظم اور ان کے رفقاء اس مسئلے پر تقریریں کر رہے ہیں ان پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ حکومت کا یہ عمل عدل وانصاف اور جمہوری تقاضوں کے خلاف ہے۔"

(تحریک ختم نبوت 1974ء جلد سوم ص 575)

"جمعیت علماء پاکستان کے رہنما اور رکن سندھ اسمبلی علامہ محمد حسن حقانی نے طالبعلم رہنماؤں کی گرفتاری کی شدید مذمت کی اور کہا کہ حکومت ایک طرف بلند و بانگ دعوؤں کے ذریعے اپنے آپ کو اسلام اور نبی کریم ﷺ کا خیر خواہ ظاہر کر رہی ہے اور دوسری طرف وہ ان طلباء کیلئے ظالمانہ پالیسی اختیار کر رہی ہے جو نبی آخر الزماں کے تقدس کیلئے دستور میں ترمیم کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا اس کھلے تضاد سے حکومت کے عزائم کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔"

(تحریک ختم نبوت 1974ء جلد سوم ص 501)

روزنامہ نوائے وقت حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتا ہے

"ہر عمل کا ردعمل ہوتا ہے اور بعض اوقات یہ ردعمل انتہائی شدید ہوتا ہے۔ پنجاب کے مختلف شہروں سے پولیس اور سیکورٹی فورس کے بے جا تشدد اور اشتعال انگیزی کی خبریں منظر عام پر آتی رہی ہیں اور اس کے ردعمل کے طور پر بعض شہروں میں مسلسل ہڑتالیں بھی ہوئیں۔ اس صورتحال نے فضا کو کافی حد تک مکدر کر دیا ہے اور یہ تسلیم کر لینے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہونی چاہیے کہ اشتعال انگیزی اور تشدد عوامی تشویش و اضطراب میں اضافے کا

موجب ہی بنے گا۔قادیانی مسئلہ کے بارے میں انتظامیہ کے رویہ نے ان کی پریشانی میں مزید اضافہ کیا ہے اور وہ منفی رجحانات کا شکار ہوتے نظر آرہے ہیں۔حالانکہ خود وزیر اعظم اس بارے میں دوٹوک موقف کا اعلان کر چکے ہیں کہ یہ مسئلہ سواد اعظم کی مرضی کے مطابق حل کیا جائے گا۔

ہمارے لیے یہ امر ناقابل فہم ہے کہ جب اس مسئلے پر حزب اقتدار اور حزب اختلاف کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ۔حکومت یہ معاملہ عوام کی اکثریت کی رائے کے مطابق طے کرنا چاہتی ہے،وہ عوام کی امنگوں اور آرزوؤں کا احترام کرتی ہے ۔پھر یہ اشتعال انگیزی اور بلا جواز تشدد کیوں؟ علماء طلباء کی گرفتاریوں کا کیا مقصد؟........اس قسم کے اقدامات سے نہ صرف لوگوں میں بے چینی اور اضطراب پھیلے گا بلکہ حکومت کے خلاف بدظنی اور بدگمانی بھی پیدا ہوتی ہے۔ارباب اقتدار کو سوچنا چاہیے کہ جب وہ سواد اعظم کی رائے کا احترام کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں تو پھر یہ سب کچھ آخر کیوں روا رکھا جارہا ہے؟"

(اداریہ نوائے وقت۔10 اگست 1974ئ)

سازشی ہاتھ حالات کو بگاڑ کر اسمبلی کے کام کو ناکام بنانا چاہتا ہے۔مولانا نورانی

متحدہ حزب اختلاف کے جنرل سیکرٹری علامہ شاہ احمد نورانی اور دیگر ارکان اسمبلی نے ایک مشترکہ بیان میں

"ملک کے مختلف شہروں میں ہونے والے اشتعال انگیز واقعات،علماء اور طلباء کی گرفتاریوں اور مبینہ تشدد پر سخت تشویش کا اظہار کیا۔بیان میں کہا گیا کہ قادیانی مسئلہ جو کہ قومی اسمبلی میں زیر بحث ہے،پر انتظامیہ کے غیر ضروری اشتعال انگیز اقدامات ،پولیس کی جانب سے یک طرفہ بے جا

تشدد اور گرفتاریوں نے فضا کو مکدر کر دیا ہے۔لہٰذا مساجد سے دفعہ (144) کا فوری خاتمہ کیا جائے۔ڈی، پی، آر کے تحت گرفتار شدہ طلباء اور علماء کو رہا کیا جائے۔زیر حراست افراد کو انتقامی کارروائیوں کا نشانہ نہ بنایا جائے اور فیڈرل سیکورٹی فورس کے ذریعے تشدد کی پالیسی کو ترک کیا جائے۔ہمیں ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ اسمبلی کے اجلاس کے دوران کوئی سازشی ہاتھ پورے ملک میں حالات کو اس حد تک بگاڑ دینا چاہتا ہے کہ اسمبلی کیلئے کام کرنا تقریباً ناممکن ہو جائے۔ان حالات میں ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ جان بوجھ کر حالات خراب نہ کرے اور ملک میں پھیلی ہوئی بے چینی کے پیش نظر قومی اسمبلی میں 10، اگست سے وقفہ نہ کیا جائے اور قادیانی مسئلہ جلد از جلد فیصلہ کرنے کیلئے اسمبلی کی خصوصی کمیٹی کو بلا توقف کام کرنے دیا جائے۔"

(تحریک ختم نبوت 1974ء جلد سوم۔ص 614-613)

وعدے، وضاحتیں اور امیدیں

بگڑتی ہوئی صورتحال کو محسوس کرتے ہوئے حکومت نے متعدد بیانات اور اعلانات کے ذریعے اپنی پوزیشن واضح کرنے کی کوشش کی اور قادیانی مسئلہ کو عوامی امنگوں کے مطابق حل کرنے کی یقین دہانی کرائی۔تاکہ روز بروز بگڑتے ہوئے حالات پر قابو پایا جاسکے۔

وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے کہا کہ وہ سرحدی علاقوں کے دورے کے بعد قومی اسمبلی کے ارکان سے ملاقات کریں گے اور ان سے کہیں گے کہ وہ اپنا کام جلد مکمل کریں۔انہوں نے کہا کہ قادیانی مسئلہ پر عدالتی تحقیقات ہو رہی ہیں اور اس سلسلے میں ایک ٹریبونل گواہوں کے بیانات قلمبند کر رہا ہے۔قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی بھی اس سلسلے میں اس مسئلے پر غور کر رہی ہے۔انہوں نے کہا کہ ہماری جماعت قادیانی مسئلہ کو فوری طور پر حل کرنا چاہتی ہے۔۔کیونکہ اسلام کی خدمت کرنا ان کا اولین فرض ہے۔وہ خود حضرت محمد ﷺ کے آخری نبی ہونے پر ایمان

رکھتے ہیں اور وہ خود بھی اس مسئلے کو طول دینے کے حق میں نہیں ہیں۔ تاہم یہ مسئلہ نہایت پیچیدہ ہے اور اس میں بعض قومی اور بین الاقوامی پیچیدگیاں موجود ہیں۔ اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا ہوگا۔ انہوں نے یقین دلایا کہ وہ اس مسئلے کو عوام کی خواہشات کے مطابق حل کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ بعض لوگ اس مسئلے پر سراسیمگی پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ایوان کی کمیٹی کو قادیانی مسئلہ پر بے شمار کتابیں اور دستاویزات موصول ہوئی ہیں۔ جن کے مطالعہ میں کچھ وقت لگے گا۔ لیکن یہ وقت زیادہ نہیں ہوگا۔

وزیر قانون و پارلیمانی امور مسٹر عبدالحفیظ پیرزادہ نے کہا کہ قومی اسمبلی کی جو کمیٹی ان لوگوں کے بارے میں غور کر رہی ہے جو حضرت محمد ﷺ کو آخری نبی تسلیم نہیں کرتے، وہ اپنے کام میں ضرورت سے ایک دن زیادہ کی بھی تاخیر نہیں کرے گی اور وقت مقررہ پر یہ کمیٹی اپنی سفارشات مرتب کرے گی۔ لہٰذا منفی قیاس آرائیوں میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔

اسی دوران کوئٹہ میں وزیر اعظم کی صدارت میں اس مسئلے کو جلد از جلد حل کرنے کیلئے حکومتی اراکین کا اعلیٰ سطحی اجلاس ہوا۔ جس میں اس قادیانی مسئلے کے حل کے اعلان کیلئے تاریخ کا تعین کرنا تھا۔ اس اہم اجلاس میں چاروں صوبوں کے وزرائے اعلیٰ نے بھی شرکت کی۔

,4 اگست کو وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے کوئٹہ میں ایک پر ہجوم پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے اعلان کیا کہ قومی اسمبلی قادیانی مسئلہ پر بحث 7، ستمبر 1974ء تک لازماً مکمل کرے گی اور قادیانی مسئلہ قومی اسمبلی سے اگلے ماہ کی سات تاریخ تک حل کرا لیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ حکومت اس مسئلے کو طول دینا نہیں چاہتی اور وہ خود اس مسئلے پر حزب اختلاف کے رہنماؤں سے صلاح و مشورہ کریں گے۔

وفاقی وزیر اطلاعات و نشریات و اوقاف مولانا کوثر نیازی نے کہا کہ قادیانی مسئلہ اسلام کے اصولوں کے عین مطابق حل کر لیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ ختم نبوت پر ایمان اسلام کی اساس ہے اور حکومت خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تقدیس اور تکریم کو آئینی تحفظ دے گی۔

27، اگست کے اخبارات میں وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کا وضاحتی بیان شائع ہوا۔

جس میں انہوں نے کہا کہ سانحہ ربوہ میں حکومت کے ہاتھ صاف ہیں اور ربوہ ٹربیونل کے جج مسٹر صمدانی نے اپنی رپورٹ میں بھی حکومت کو بالکل بری الذمہ قرار دیا ہے۔

4، ستمبر کو وزیر اعظم نے اسلام آباد ہوائی اڈے پر اخباری نمائندوں سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ وہ قادیانی مسئلہ پر اپنے رفقاء کار سے صلاح ومشورے میں معروف ہیں اور قومی اسمبلی کے ارکان بھی اس سلسلے میں فیصلہ کن مشوروں میں معروف ہیں اور 7، ستمبر کو جس دن قومی اسمبلی قادیانیوں کے معاملے پر اپنی کاروائی مکمل کرے گی۔ وہ خود ایوان میں موجود ہوں گے۔

مطالبات کی منظوری تک پُر امن جدوجہد جاری رہے گی

حکومت کے ان تمام وعدوں بھرے اعلانات کے باوجود مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے جنرل سیکرٹری علامہ محمود احمد رضوی اور دیگر اراکین نے 21، اگست 1974ء کو بہاول نگر میں ایک عظیم الشان جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے اعلان کیا کہ مسلمانان پاکستان اپنے مطالبات تسلیم کرانے کیلئے پرامن جدوجہد جاری رکھیں گے اور اگر 7، ستمبر کو وزیر اعظم بھٹو نے اپنے وعدے کے مطابق قوم کی توقعات کو پورا نہ کیا۔ تو عوام اسلام آباد اور لاڑکانہ میں مظاہرہ کریں گے اور اگر 7، ستمبر کو حکومت نے عوام کو مایوس کیا تو مرکزی مجلس عمل عوام کو مایوس نہیں کرے گی اور تحریک چلائے گی۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ تمام گرفتار شدگان کو فوراً رہا کیا جائے۔

قادیانی مجرم مرزا ناصر قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی کے روبرو

قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی نے دو ماہ میں قادیانی مسئلے پر غور خوض کیلئے اٹھائیس (28) اجلاس اور چھیانوے (96) نشستیں منعقد کیں۔ اس دوران قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی کے روبرو قادیانی گروہ کے سرخیل مرزا ناصر، لاہوری گروپ کے امیر صدر الدین اور انجمن اشاعت اسلام لاہور کے عبد المنان اور مسعود بیگ پر ان کے عقائد ونظریات، ملک دشمنی اور یہودی وسامراجی گٹھ جوڑ کے حوالے سے جرح ہوئی۔

5، اگست سے 10، اگست اور 20، اگست سے 24، اگست 1974ء تک گیارہ

(11) روز مرزا ناصر قادیانی پر جرح ہوئی۔ جو کم وبیش بیالیس (42) گھنٹوں پر محیط ہے۔ قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی کے روبرو جرح کے دوران مرزا ناصر کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے تھے۔ وہ اوٹ پٹانگ باتیں کرتا، وہ قومی اسمبلی کے ایئر کنڈیشن ہال میں پسینے پسینے ہو جاتا اور گھبراہٹ میں بار بار پانی مانگتا اور کبھی لاجواب ہو کر بالکل ساکت ہو جاتا تھا۔ ممبران قومی اسمبلی نے مرزا ناصر سے ایک سو اسی (180) سوالات کئے جن میں ستر (70) سوالات صرف جمعیت علماء پاکستان کی جانب سے کئے گئے۔

> علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی فرماتے ہیں کہ "مسلسل گیارہ روز تک مرزا ناصر پر جرح ہوتی رہی اور سوال اور جوابی سوال کیا جاتا رہا۔ مرزا کو صفائی پیش کرتے کرتے پسینہ چھوٹ جاتا اور آخر تنگ آ کر کہہ دیتا کہ بس اب میں تھک گیا ہوں۔ ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں پچاس سے زائد گلاس پانی کے مرزا ناصر روزانہ پیتا تھا۔ اسے گمان نہیں تھا کہ اس طرح عدالتی کٹہرے میں بٹھا کر اس پر جرح کی جائے گی........ وہ اپنا عقیدہ خود اراکین اسمبلی کے سامنے بیان کر گیا اور اس بات کا اعلان کر گیا کہ مرزا (غلام احمد قادیانی) حضور ﷺ کے بعد مسیح موعود اور امتی نبی ہے۔ جن اراکین اسمبلی کو قادیانیوں کے متعلق حقائق معلوم نہیں تھے۔ انہیں بھی معلوم ہو گئے اور انہیں اس بات کا یقین ہو گیا کہ مولانا نورانی جنہیں اقلیت قرار دلوانے کی سعی کر رہے ہیں وہ لوگ واقعی کافر، مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔"

(ماہنامہ ضیائے حرم، ختم نبوت نمبر 1974ء)

5، اگست 1974ء کو پہلے دن ہی جرح کے دوران مرزا ناصر نے اٹارنی جنرل آف پاکستان جناب یحییٰ بختیار کی جانب سے قادیانیوں میں خلیفہ کا تصور، قیام پاکستان کے وقت قادیانیوں کی تعداد، خود کو امیر المؤمنین، خلیفۃ المسلمین، خلیفۃ المسیح کہلانے، آئین میں مذہبی

آزادی کی دفعہ (20) اور غلط مذہبی ڈیکلیریشن داخل کرنے، مرزا غلام احمد قادیانی کی جھوٹی نبوت اور اس کو نہ ماننے والے کا اسلام میں مرتبہ و مقام اور مسلمان کی تعریف کے حوالے سے پوچھے گئے سوالات کے بڑے مضحکہ خیز اور متضاد جواب دیئے۔ مرزا ناصر نے بڑی چالاکی اور مکاری سے معزز اراکین اسمبلی کی خصوصی کمیٹی اور چیئرمین جناب صاحبزادہ فاروق علی خان کو دھوکہ دینے کی بھرپور کوشش کی، لیکن اٹارنی جنرل یحیٰی بختیار کی جرح کے دوران بالآخر اُسے تسلیم کرنا پڑا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کو نہ ماننے والا اور اُس کی بیعت نہ کرنے والا کافر اور خارج از دائرہ اسلام ہے۔

علامہ شاہ احمد نورانی نے پہلے ہی دن پہلے سیشن کی جرح کے بعد چیئرمین فاروق علی خان کی توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ مرزا ناصر اٹارنی جنرل کے سوالات کے قطعی اور صاف جواب نہیں دے رہا اور وہ سوالات کے جوابات کو ٹال جاتا ہے۔ اس موقع پر علامہ نورانی اور صاحبزادہ فاروق علی خان کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ درج ذیل ہے۔

"مولانا شاہ احمد نورانی: جناب اٹارنی جنرل جو سوالات کرتے ہیں، وہ ان کا قطعی صاف جواب نہیں دیتے، آپ ان کو پابند کریں کہ وہ پورا جواب دیں۔

چیئرمین: یہ آپ اٹارنی جنرل سے پوچھیں۔

مولانا شاہ احمد نورانی: یہ آپ کا امتیازی حق ہے، وہ اِدھر اُدھر ٹال جاتے ہیں۔

چیئرمین: یہ ان کا حربہ ہے۔

مولانا شاہ احمد نورانی: بہت اچھا۔

اٹارنی جنرل: اب سوالات کے جوابات پر ہی ان کو لاؤں گا۔

چیئرمین: (مولانا شاہ احمد نورانی سے مخاطب ہوتے ہوئے) آپ مطمئن رہیں۔

جب شام چھ بجے اجلاس دوبارہ شروع ہوا تو اسپیکر صاحبزادہ فاروق علی خان نے اٹارنی جنرل سے کہا کہ کچھ ممبران کا خیال ہے کہ گواہ سوالات کے جوابات ٹال جاتا ہے، اسلیئے تجویز ہے کہ اگلا سوال اُس وقت تک نہ کیا جائے جب تک گواہ پہلے سوال کا صحیح جواب دے یا انکار

کرے۔(اسپیکر کی اس تجویز پر اٹارنی جنرل نے کہا)

اٹارنی جنرل: ہم گواہ کو مجبور نہیں کر سکتے، گواہ کے جواب سے، جو بھی وہ دے، آپ مطلب اخذ کر سکتے ہیں کہ صحیح جواب ہے یا ٹال دیا یا انکار۔ یہ آپ اس کے جواب سے نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں، مگر اُسے صحیح جواب دینے کیلئے پابند نہیں کر سکتے۔ کورٹ گواہ کا بیان دیکھ کر فیصلہ کرتی ہے۔ اگر وہ بیان میں گڑبڑ کر رہا ہے تو وہ اس کے خلاف جاتا ہے۔''

(پارلیمنٹ میں قادیانی شکست۔ص،49-48)

اسی دن قومی اسمبلی میں سوال و جواب کی آخری نشست کے خاتمے کے بعد علامہ شاہ احمد نورانی نے مرزا ناصر کے بیٹھ کر جواب دینے پر بھی اعتراض کیا اور چیئرمین سے کہا کہ گواہ کو عدالت میں بیٹھنے کا حق نہیں ہوتا ہے۔ علامہ نورانی کا مطالبہ تھا کہ مرزا ناصر اٹارنی جنرل کے سوالات کے جواب کھڑا ہو کر دے۔ جس پر چیئرمین فاروق علی خان نے آپ کی بات سے اتفاق کیا اور آپ سے کہا کہ آپ درست فرماتے ہیں، لیکن ابھی اس کو چلنے دیں، علامہ نورانی نے اسپیکر کی توجہ اس اَمر کی جانب بھی دلواتے ہوئے کہا۔

''مولانا شاہ احمد نورانی: مرزائی بعض دفعہ سر ہلا دیتے ہیں جو ریکارڈ پر نہیں آتا، آپ چیک کریں کہ وہ جواب دیں جو ریکارڈ پر آئے، وہ بیٹھ کر جواب دیتے ہیں۔

ایک رکن: اٹارنی جنرل بھی بیٹھ کر سوال کریں۔

مولانا شاہ احمد نورانی: اٹارنی جنرل تنگ آجاتے ہونگے، یہ بھی بیٹھ کر سوال کریں یا وہ بھی کھڑے ہو کر جواب دیں۔

اٹارنی جنرل مجھے بیٹھ کر سوال کرنے کی آزادی ہے، لیکن میں خود کھڑا ہو کر سوال کرتا ہوں۔

مولانا شاہ احمد نورانی: وہ بھی کھڑے ہو کر جواب دیں، اگر اراکین کھڑے

ہو کر سوال کریں تو جواب بھی کھڑے ہو کر دینا چاہیے۔
چیئر مین: مگر یہ نیشنل اسمبلی کی اسپیشل کمیٹی ہے۔
مولانا شاہ احمد نورانی: مگر گواہ کو عدالت میں بیٹھنے کا حق نہیں۔
چیئر مین: ان کو چلنے دیں، اُن سے پوچھیں کہ ان پر کیا گزر رہی ہے۔"

(پارلیمنٹ میں قادیانی شکست۔ص،62-61)

اس موقع پر قومی اسمبلی کے ممبر عبدالعزیز بھٹی نے بھی مولانا شاہ احمد نورانی کے اعتراضات کی تائید کی اور مرزا ناصر کے رویئے کی شکایت کرتے ہوئے چیئر مین سے کہا کہ

"میں گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ جو سوال کیئے جاتے ہیں، ان کا ڈائریکٹ جواب دینے سے Avoid کرتے ہیں، تکرار کرتے ہیں اور اُس میں وہ دھوکہ کی راہ نکالتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ چیئر مین کا فرض ہے کہ ان کو پابند کریں کہ وہ ڈائریکٹ جواب دیں تا کہ بحث مباحثے میں نہ پڑیں۔"

(پارلیمنٹ میں قادیانی شکست۔ص،62)

قومی اسمبلی کے اراکین کے اعتراض پر

"اٹارنی جنرل جناب یحیٰی بختیار نے اراکین اسمبلی سے کہا کہ آپ حضرات بطور جج گواہ کے رویہ اور انداز کو نوٹ کریں۔ اس کی ہچکچاہٹ، اس کا جواب دینے سے کترانا، ان سب باتوں سے آپ لوگ نتائج مرتب کر سکتے ہیں۔ استنباط مناسب حال یا موافق کرتے رہیں۔ ہر ایک چیز کو نوٹ کریں، پھر خود اپنے آپ فیصلہ کریں۔"

(پارلیمنٹ میں قادیانی شکست۔ص،62)

بہر حال پہلے دن کی کاروائی کے اختتام پر ہی اراکین اسمبلی اور چیئر مین کے سامنے مرزا ناصر اور قادیانیوں کا مکارانہ چہرہ واضح ہو چکا تھا اور تمام اراکین قومی اسمبلی نے محسوس کیا کہ مرزا ناصر سوالات کے جوابات دینے میں دروغ گوئی، ٹال مٹول، چالاکی اور عیاری سے کام

لے کرانہیں گمراہ کرنے کی کوشش کررہا ہے۔

8، اگست 1974ء کی کاروائی میں علامہ شاہ احمد نورانی نے چیئرمین اور ارا کین اسمبلی کی توجہ اس طرف دلائی کہ مرزا ناصر تحریری بیانات اور اقتباسات پر وقت ضائع کررہا ہے۔ وہ جان بوجھ کر غیر متعلق باتوں اور کشف کے واقعات کو پیش کر کے معاملے کو طول دے رہا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ

"قرآن وحدیث کسوٹی ہے، مرزا کے اقوال وتحریرات کو اس پر پیش کریں ، تذکرۃ الاولیائ، جواہر القلائد (جیسی کتابیں) یہ کوئی ہمارے لیے اتھارٹی نہیں ہیں۔"

(پارلیمنٹ میں قادیانی شکست۔ص،103)

لہٰذا آپ اس کو پابند کریں کہ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کی پوزیشن واضح کرے۔

چیئرمین جناب فاروق علی خان نے علامہ نورانی کی بات سے اتفاق کیا اور اٹارنی جنرل سے کہا کہ وہ اس بات کا خیال رکھیں، بالکل اسی طرح جیسا کہ رات فیصلہ ہوا تھا۔ چنانچہ اس صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے اٹارنی جنرل نے کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ وہ اس سے احتراز کر رہے ہیں کہ ریکارڈ نہ دیکھا جائے۔ مگر آپ لوگ فیصلہ کرنے والے ہیں۔ میں نے بار بار سوالات کئے۔ انہوں نے اس کے جوابات سے بچنے کی کوشش کی۔ ان کی کتابوں کا ریکارڈ بتاتا ہے کہ وہ غلط کہہ رہے ہیں۔ مگر آپ یا چیئرمین صاحب ان کو روکیں گے، تو ان کے پاس قانونی جواز آجائے گا کہ قومی اسمبلی کا مناسب رویہ نہیں تھا۔ یہ بہت اہم مسئلہ ہے اس لیے ان کو جو کہتے ہیں سنیں، بولنے دیں جو وہ کہتا ہے۔ جتنا زیادہ بولے گا اتنا ہی تضاد سامنے آئے گا اور آپ دیکھ رہے ہیں۔ آپ انہیں بولنے دیں۔ میں اسی وجہ سے انہیں نہیں روکتا ہوں۔

وزیر قانون عبدالحفیظ پیرزادہ نے بھی اس بات کی تائید کی کہ

"تکرار کے کچھ نقصانات ہیں مگر اس کا فائدہ بھی ہے کہ جتنی دفعہ بات کو دہرائے گا اتنا ہی تضاد سامنے آئے گا۔ جہاں ہم نے اتنی بردباری سے کام

لیا ہے ایک آدھ دن اور سہی۔ آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ سائل جلد بازی سے کام لیتا ہے یا جواب کو گول کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لیے اٹارنی جنرل کو سوال دہرانا پڑتا ہے۔ چنانچہ اب جبکہ کاروائی اختتام کے قریب ہے۔ ہمیں ایک آدھ دن اور صبر سے کام لینا چاہیے۔"

(پارلیمنٹ میں قادیانی شکست۔ ص،105)

شام کے اجلاس میں دوران جرح اُس وقت مرزا ناصر اُمت مسلمہ کے بارے میں اپنے عقیدے کا واضح اظہار کرگیا، اٹارنی جنرل نے مرزا غلام احمد قادیانی کی کتاب "تبلیغ رسالت، جلد 9، ص 27" پر موجود تحریر

"جو شخص پیروی نہیں کرے گا اور تیری بیعت میں داخل نہیں ہوگا، وہ خدا اور خدا کے رسول کی نافرمانی کرنے والا جہنمی ہے" کا حوالہ دیتے ہوئے سوال کیا کہ جو مرزا غلام احمد کو نہیں مانتا، اس کیلئے آپ کیا کہتے ہیں؟ جس پر مرزا ناصر نے جواب دیتے ہوئے کہا

"مرزا ناصر: وہ اللہ رسول کو نہیں مانتا۔

اٹارنی جنرل: جو اللہ رسول کو نہیں مانتا، وہ؟

مرزا ناصر: وہ ملت اسلامیہ سے خارج ہے، دائرہ اسلام سے خارج ہے، مسلمان نہیں،

اٹارنی جنرل: اب جو مرزا کو نہیں مانتا؟

مرزا ناصر: وہ بھی ایسا ہے۔

رکن قومی اسمبلی: شرمائیں نہیں صاف بتائیں کہ مرزا کا منکر اگر خدا اور رسول کا منکر ہے اور خدا رسول کا منکر کافر ہے تو ظاہر ہے مرزا کا منکر بھی کافر ہے۔

مرزا ناصر: بالکل مرزا کا منکر ایسے ہی ہے۔

اٹارنی جنرل: کیسے؟

مرزا ناصر: جیسے خدا رسول کا منکر۔

چیئرمین: مرزا صاحب آپ صاف بتائیں کہ مرزا کا منکر مسلمان ہے یا نہیں؟ جب مرزا کو مانے بغیر بھی آدمی مسلمان ہے تو مرزا کو ماننے کی کیا ضرورت؟ اگر اس کے مانے بغیر آدمی مسلمان نہیں تو آپ صاف بتائیں۔

مرزا ناصر: مرزا کو نہ ماننے والے مسلمان نہیں ہیں۔

اٹارنی جنرل: سارے غیر احمدی مسلمان نہیں؟

مرزا ناصر: سارے کیسے؟

اٹارنی جنرل: ہر وہ شخص جو موسیٰ " کو مانتا پر عیسیٰؑ کو نہیں مانتا، یا عیسیٰؑ کو مانتا ہے پر محمد ﷺ کو نہیں مانتا، یا محمد ﷺ کو مانتا ہے پر مسیح موعود (مرزا قادیانی) کو نہیں مانتا، وہ صرف کافر بلکہ پکا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے" (کلمۃ الفصل ص 110) یہ آپ حضرات کی کتاب ہے، مطلب ہے کہ غیر احمدی سارے کے سارے؟

مرزا ناصر: جی ہاں! جن پر اتمام حجت ہو چکا اور نہیں مانا، وہ سارے۔

اٹارنی جنرل: سارے غیر احمدی جن پر اتمام حجت ہو چکا وہ کافر ہیں؟

مرزا ناصر: کہہ دیا ہے، کتنی دفعہ کہلوائیں گے؟

چیئرمین: ٹھیک ہے آگے چلیں۔"

(پارلیمنٹ میں قادیانی شکست۔ص، 111-110)

شام چھ بجے کے اجلاس میں اٹارنی جنرل جناب یحییٰ بختیار نے مرزا ناصر کو مرزا قادیانی کی کتابیں

"اربعین جلد، 4، ص 6، مندرجہ روحانی خزائن، جلد، 17 ص 35" کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ مرزا صاحب صاف کہتے ہیں کہ "مرزا صاحب کے مانے بغیر نجات نہیں" اور پھر مرزا محمود نے کہا کہ "غیر احمدیوں کو خواہ

بخواہ مسلمان ثابت کرنے کی کوشش نہ کریں، کیونکہ وہ مسلمان نہیں۔"

(پارلیمنٹ میں قادیانی شکست۔ص،111)

لیکن آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس میں اور حوالوں میں تضاد ہے، کوئی جوڑ نظر نہیں آرہا، دونوں ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔ جس پر مرزا ناصر نے

"اتمام حجت" کی عجیب و غریب تعریف کرتے ہوئے ارکان اسمبلی کو دھوکہ دینے کی کوشش کی۔ لیکن اٹارنی جنرل نے اُس کی پیش کی گئی تعریف کو غلط قرار دیتے ہوئے کہا کہ "جن حوالہ جات کی وضاحت کرنی تھی، آپ اُس طرف نہیں آئے، صبح آپ نے کہا تھا کہ مرزا کا منکر کافر ہے۔ آپ کو جا کر وفد کے ارکان نے سمجھایا ہوگا کہ آپ نے کیا کہہ دیا، یہ تو سارا معاملہ غلط ہو گیا۔ تو آپ نے اتمام حجت کی بحث چھیڑ دی، تو میں عرض کرتا ہوں کہ آپ ہمارے ساتھ تعاون نہیں کر رہے۔"

(پارلیمنٹ میں قادیانی شکست۔ص،112)

مرزا ناصر نے اُوٹ پٹانگ دلیلوں سے بحث کو اصل موضوع سے ہٹانے کیلئے بہت ہاتھ پیر مارے، لیکن اٹارنی جنرل کا ہر سوال اُس کے گرد گھیرا تنگ کرتا چلا گیا اور اُس وقت قومی اسمبلی میں دلچسپ صورتحال پیدا ہو گئی جب علامہ شاہ احمد نورانی نے کہا کہ

"اب مشکل ہو گئی، باپ کچھ کہتا ہے، بیٹا کچھ کہتا ہے، ان میں سے کون سچا ہے، باپ یا بیٹا؟ یہ کیسے تمیز کریں گے۔ چچا کچھ کہتا ہے بھتیجا کچھ کہتا ہے" تو ایک رکن اسمبلی نے لقمہ دیا کہ یہ سب جھوٹے ہیں۔ جس پر اسمبلی قہقہوں سے گونج اٹھی۔"

(پارلیمنٹ میں قادیانی شکست۔ص،114)

اس بحث کے دوران علامہ شاہ نورانی، علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری اور دیگر ارکان جمعیت نے بھرپور حصہ لیا، وہ چیئرمین کی توجہ گواہ کی دروغ گوئی، تضاد بیانی اور غیر ضروری حوالہ جات و

جوابات میں قیمتی وقت کے ضیاع کی طرف مسلسل دلاتے رہے اور ساتھ ہی مرزا غلام احمد قادیانی اور اُس کی ذرّیت کے کفر وارتداد کو قوم کے سامنے لانے کیلئے اٹارنی جنرل کی بھرپور مدد بھی کرتے رہے۔ایک موقعہ پر حضور ﷺ کے بعد کسی نئے نبی کے آنے کا امکان اور خاتم النبیین کے معنی ومفہوم کے حوالے سے قادیانی عقیدے کے واضح اظہار کیلئے علامہ شاہ احمد نورانی نے اٹارنی جنرل کی مدد کرتے ہوئے قومی اسمبلی کو بتایا کہ" خاتم النبیین کا معنی ،ای لاینباء احد بعدہ و اما عیسیٰ علیہ السلام ممن نبی قبلہ ،حضور ﷺ کے بعد کوئی شخص نبی نہیں بنایا جائے گا اور مگر عیسیٰ علیہ السلام وہ نبی ہیں جو حضور ﷺ سے پہلے نبی بنائے جا چکے۔"جس اٹارنی جنرل نے مرزا ناصر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا" لیجئے مرزا ناصر صاحب بات واضح ہوگئی کہ عیسیٰ علیہ السلام حضور ﷺ سے پہلے کے نبی ہیں،وہ آپ ﷺ کی ختم نبوت کے بعد نبی نہیں بنائے گئے۔مرزا صاحب تو بعد میں نبی بنے ،تو یہ پھر حضور ﷺ کے بعد تو گویا" خاتم النبیین" مرزا صاحب ہوئے؟"

(پارلیمنٹ میں قادیانی شکست۔ص،121~117)

لیکن اٹارنی جنرل کی جانب سے پوچھے گئے سوال کے جواب کو مرزا ناصر نے جان بوجھ کر گول کر دیا،اُس نے بار بار کی نشاندہی کے باوجود سوال کا جواب دینے سے احتراز کیا اور ٹالتے ہوئے کہا کہ"میں تھک گیا ہوں"۔یہ مرزا ناصر کا وہ حربہ تھا جو اس نے قومی اسمبلی کی کاروائی کے دوران سوال کا جواب دینے سے گریز کرتے ہوئے بارہا استعمال کیا۔

5،اگست سے 10،اگست 1974ء تک قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی کے روبرو مرزا ناصر پر اٹارنی جنرل جناب یحیٰی بختیار نے جرح کی۔اس جرح کے دوران مرزا ناصر نے ایک ہی سوال کے کئی کئی متضاد جواب دیئے۔اُس نے کوشش کی کہ اٹارنی جنرل بطور حوالہ قادیانیوں کی کتابوں کی عبارات نہ پڑھیں اور اراکین اسمبلی کے سامنے اُن کی کتابوں کا ریکارڈ نہ آئے۔مرزا ناصر نے تحریری بیانات واقتباسات پر وقت ضائع کرنے کی پوری کوشش کی اور اٹارنی جنرل کو غیر ضروری باتوں اور کشف کے واقعات کے میں الجھانا چاہا۔لیکن اٹارنی جنرل یحیٰی بختیار اُس کے ان داؤ پیچ سے اچھی طرح آگاہ تھے،انہوں نے مرزا ناصر سے ایسے ایسے سوالات کئے کہ وہ

ان کے جواب نہ دے سکا اور زچ ہو گیا اور اُس نے متعدد مرتبہ چیئر مین صاحبزادہ فاروق علی خان سے گزارش کی کہ وہ بہت تھک گیا ہے۔ اسلیئے اُسے فارغ کر دیا جائے۔

5، اگست سے 10، اگست 1974ء تک چھ دن کمیٹی کا اجلاس جاری رہا۔ 10، اگست کو اراکین اسمبلی اور چیئر مین نے فیصلہ کیا کہ مزید کاروائی کی تیاری کیلئے اٹارنی جنرل کو ایک ہفتہ کی مہلت درکار ہے۔ چنانچہ اسمبلی کے خصوصی اجلاس کی کاروائی 19، اگست تک ملتوی کر دی گئی اور خصوصی کمیٹی کا آئندہ اجلاس 20، اگست کو طلب کیا گیا۔

20، اگست سے شروع ہونے والا خصوصی کمیٹی کا اجلاس 24، اگست 1974ء تک جاری رہا۔ اس دوران مرزا ناصر پر اٹارنی جنرل کی جرح نے مرزا غلام احمد قادیانی اور قادیانیت کی اصل شکل وصورت، عقائد اور ملک دشمن سرگرمیوں کو اراکین اسمبلی کے سامنے مکمل طور پر ظاہر کر دیا تھا۔

27، اگست اور 28، اگست 1974ء کو قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی کے سامنے لاہوری گروپ کے صدر صدر الدین اور جنرل سیکرٹری مرزا مسعود بیگ اور عبدالمنان عمر لاہوری پر جرح ہوئی۔ یوں قادیانی مسئلے پر فیصلہ کرنے کیلئے قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی جو کہ پورے ایوان پر مشتمل تھی، کے اٹھائیس (28) اجلاس منعقد ہوئے اور مجموعی طور پر اس مسئلے پر چھیانوے (96) گھنٹے غور کیا گیا۔ خصوصی کمیٹی کے سامنے قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا ناصر نے اکتالیس (41) گھنٹے اور پچاس (50) منٹ تک شہادت قلمبند کرائی اور اس کا بیان گیارہ دن تک جاری رہا۔ لاہوری جماعت کے سربراہ پر دو (2) اجلاسوں میں مجموعی طور پر آٹھ (8) گھنٹے اور بیس (20) منٹ تک جرح ہوئی۔

مرزا ناصر احمد نے انتہائی احمقانہ دلائل دیئے اور گھٹیا تاثر چھوڑا

قومی اسمبلی کے اسپیکر صاحبزادہ فاروق علی خان قادیانیوں اور مرزا ناصر کے بارے میں کہتے ہیں کہ "قادیانی مسئلے کے حل کیلئے اراکین اسمبلی نے اپنے عقیدے اور ضمیر کے مطابق فیصلہ دیا۔ پیپلز پارٹی کی طرف سے ان پر کوئی دباؤ نہیں تھا۔ بھٹو اور چند اراکین اسمبلی کو یقین تھا

کہ قادیانی پڑھے لکھے طبقہ کے افراد ہیں اوران کے مذہبی پیشوا اپنے موقف کے حق میں وزنی اور حیران کن دلائل دیں گے۔لیکن جب انہیں بلایا گیا تو یہ تاثر ختم ہوگیا۔مرزا ناصر احمد نے انتہائی احمقانہ، مضحکہ خیز اور مایوس کن دلائل دیئے اور اپنے مفاد میں بہت گھٹیا تاثر چھوڑا۔جرح کے دوران سوالات کی بوچھاڑ کا سامنا کرنا پڑا۔وہ جرح کا سامنا تو کر گئے لیکن اپنا موقف پیش کرنے میں بری طرح ناکام رہے۔اس بحث کی روشنی میں حکومت اس نتیجے پر پہنچی کہ ربوہ کی قادیانی جماعت کے عقائد فی الواقع انتہائی خطرناک ہیں۔"

(صاحبزادہ فاروق علی خان کا انٹرویو جنگ لاہور جمعہ ایڈیشن۔9-3 ستمبر 1982ئ)

لاہوری گروپ سب سے پہلے غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کا مستحق ہے

قومی اسمبلی کے اسپیکر صاحبزادہ فاروق علی خان نے مزید کہا کہ

"ہم سمجھتے تھے کہ قادیانی لاہوری جماعت ان عقائد کی حامل نہیں اس لیے لاہوری جماعت کو غیر مسلم قرار دینا درست نہیں ہوگا اور حکومت اپنے طور پر طے کر چکی تھی کہ لاہوری مرزائیوں کو بچالیا جائے۔کیونکہ یہ جماعت مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی نہیں مانتی۔جس کی بناء پر اسے غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔لیکن جب لاہوری جماعت کے معمر رہنما صدر الدین کو بلایا گیا تو معلوم ہوا کہ

ایں خانہ ہمہ آفتاب است

اس فرقے کا ہر گروہ عقائد کا خطرناک گورکھ دھندا لیے پھرتا ہے۔صدر الدین کی جماعت اس سے کہیں زیادہ خطرناک ہے۔مولوی صدر الدین (لاہوری مرزائی) نے وہ تاثر ختم کردیا جوان کی جماعت کے بارے میں ہمارے دل میں پیدا ہو چکا تھا۔وہ صرف دو روز جرح کا سامنا کر سکے۔ان کی گفتگو کی روشنی میں جب ہم نے ایوان کا نقطہ نظر دریافت کیا تو اراکین اسمبلی کی ایک غالب اکثریت نے پر زور طریقے سے کہا کہ

"ہمارا ایمان ہے کی ماضی کی طرح مستقبل میں بھی انبیاء کی جانشینی کا سلسلہ جاری رہے گا۔ کیونکہ عقل اس سلسلہ کے دائمی طور پر موقوف ہونے کو تسلیم نہیں کرتی۔ جب تک دنیا میں نفسانی تاریکیوں کے دور آتے رہیں گے۔ جب تک انسان اپنے خالق سے دور ہوتا رہے گا۔ جب تک لوگ صراط مستقیم سے بھٹکتے رہیں گے اور یاس و ناامیدی میں گم ہوتے رہیں گے ....اور جب تک حق کے متلاشی سچائی کی تلاش کیلئے کوشاں رہیں گے۔ تو پھر یہ ناممکن ہے کہ حق کا راستہ دکھانے والے نورانی رہبروں کا ظہور موقوف ہو جائے۔ کیونکہ یہ بات اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت سے مطابقت نہیں رکھتی۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ علاج کی اجازت تو دے مگر اس کا علاج پیدا نہ کرے۔ وہ دلوں میں حق کی جستجو کی خواہش تو پیدا کرے مگر اس خواہش کی تکمیل کرنے والوں کی آمد کا سلسلہ بند کر دے۔ ایسا خیال کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت کی توہین ہے اور ایسا خیال روحانی اندھا پن ہے۔ اگر دنیا میں کبھی بھی کسی نبی کی ضرورت تھی۔ تو آج یہ ضرورت سب سے زیادہ ہے کیونکہ مذہب اور سچائی کھو کھلے ہو چکے ہیں"

اس اقتباس کو پڑھنے کے بعد جناب یحییٰ بختیار نے کہا یہ ایک مدلل بات معلوم ہوتی ہے۔ ان کے مطابق یہ دنیا کا سلسلہ ہے کہ اس میں ہر قسم کے لوگ پیدا ہوں گے اور جس طرح اللہ تعالیٰ پہلے انبیاء بھیجتا رہا ہے۔ آئندہ بھی نبی آتے رہیں گے۔ بظاہر یہ بات مناسب معلوم ہوتی ہے۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ یہ سلسلہ بند نہیں ہونا چاہیے۔ انسانیت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کی ضرورت رہے گی اور اس طرح کسی ایسی ہستی کی بھی جو وحی کی ترجمانی کر سکے۔ یہ ان کی طرف سے ایک عقلی سی بات ہے۔ انہوں نے یہ کتاب

سے اچھا برتاؤ کریں۔اس خود کاشتہ پودے کی حفاظت کیلئے اپنے ماتحت افسران کو ہدایات دیں۔آپ نے کہا ملاحظہ فرمائیں ایک نبی مرزا ناصر کے بقول گورنمنٹ سے اپنے خاندان کیلئے منتیں کررہا ہے۔جبکہ ایک عام انسان زمین و آسمان ہلا کر رکھ دیتا ہے اور یہ ایک نبی ہے کہ اپنے تحفظ اور امداد کیلئے دنیاوی قوت کے آگے گھٹنے ٹیک رہا ہے۔منتیں کررہا ہے۔ ''میرے خاندان کو تحفظ دیں، میری جماعت کو تحفظ دیں۔'' دوسری طرف ہمیں کہا جاتا ہے۔

''اگر آپ اس (مرزا غلام احمد) کی نبوت پر ایمان نہیں لاتے تو آپ کافر ہیں پکے کافر'' اگر مسلمانوں نے اس دعوے کے خلاف بغاوت کی۔تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں اور کوئی وجہ نہ بھی ہو تو صرف ایک یہی بات کہ وہ (مرزا غلام احمد) خود کو (نعوذ باللہ) عین محمد کہنے کا مدعی تھا۔ہر ذی وقار آدمی کیلئے اس کے خلاف بغاوت کیلئے کافی ہے۔ہم سب جانتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ ہمارے لیے کتنی اہمیت اور حیثیت رکھتے ہیں۔وہ انسان کامل، رحیم وکریم، معظم ومکرم، جو کہ ہر لحاظ سے اعلیٰ ترین ہستی ہیں۔آپ ان کی زندگی پر نظر ڈالیں، جب وہ (ﷺ) فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوتے ہیں، سراپا رحیم ہیں۔اپنے بدترین دشمنوں پر بھی حد درجہ مہربان ہیں اور بڑے بڑے ظالم کے سامنے لا الہ الا اللہ کہنے سے نہیں رکتے۔انہوں نے کبھی یہ درخواست نہیں کی کہ'' آئندہ میں کبھی وحی کا اظہار نہیں کروں گا۔''

اٹارنی جنرل نے ایوان کو بتایا کہ'' کسی مذہبی معاشرے یا مذہبی نظام میں ایک محور ہوتا ہے۔اس میں جب ایک اور محور کا اضافہ ہوگا، کوئی اور ہستی آئے گی تو لازماً جھگڑے اور ناچاقیاں پیدا ہوں گی۔یا تو سارا نظام ہی تہہ

فرقوں نے ہمارے خلاف فتوے دیئے تھے۔ وہ ہمیں کافر کہتے ہیں، کفر کے ان فتووں کی گھن گھرج میں ہم ان (مسلمانوں) کے جنازے میں شریک نہیں ہوسکتے"

وہ کئی روز تک اسی بات پر مصر رہے کہ اور اس طرح کئی دن ضائع ہوگئے۔ درحقیقت میں چاہتا تھا کہ مرزا ناصر احمد صاف گوئی سے کام لیں۔ اگر آپ کا کوئی عقیدہ ہے تو صاف گوئی سے کہیں، ٹال مٹول کیوں ہو۔لیکن مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ انہوں نے ٹال مٹول سے کام لیا اور بار بار یہی اصرار کیا کہ وہ ان فتووں کی وجہ سے ہمارے (مسلمانوں) کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے۔

قائداعظم کی نماز جنازہ سے متعلق مرزا ناصر احمد نے کہا کہ ہمارے خلاف فتویٰ دے رکھا تھا۔ اس لیے سر ظفر اللہ نماز جنازہ میں شریک نہ ہوا۔ میں نے سوال کیا کہ چلیں ایسا ہی سہی۔ یہ بتائیں کہ آپ نے اپنے امام کے پیچھے کسی جگہ پر غائبانہ نماز جنازہ کیوں ادا نہ کی؟ تو مرزا ناصر احمد نے جواب دیا۔ اسے معلوم نہیں کہ (احمدیوں میں سے) کسی نے (نماز جنازہ) پڑھی تھی یا نہیں۔ اس نے جواب ٹال دیا۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہ سلسلہ کئی روز تک جاری رہا اور کمیٹی کو معلوم ہے کہ آخر کار کیا نتیجہ نکلا۔ ان کا خیال تھا کہ وہ فتووں کے بہانے میدان مار لیں گے، کیونکہ ایسے بے شمار فتووں سے مفر نہیں۔لیکن آخر کار میرے ایک سوال پر حقائق سامنے آ ہی گئے۔ میں نے سوال کیا کہ کیا مرزا غلام احمد کا ایک بیٹا فضل احمد نام کا تھا۔ جو احمدی نہیں ہوا تھا۔ مرزا ناصر احمد نے کہا کہ یہ بات درست ہے۔ پھر میں پوچھا کہ فضل احمد مرزا صاحب کی زندگی ہی میں فوت ہوگیا تھا؟ جواب دیا کہ یہ بھی درست ہے۔ میں نے سوال کیا کہ کیا

یہ قادیانی خوش نہیں ہوتے۔ہم ناخوش ہوتے ہیں ۔وہ خوش ہوتے ہیں۔ کیونکہ ہماری سوچ ایک فردِ واحد کی سوچ کی مانند ہے۔ہم خواہ سندھی ہوں، بلوچ ہوں، پٹھان ہوں، پنجابی ہوں،نفسیاتی طور پر ہم ایک دوسرے سے پیوست ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارا فہم اور ادراک ان سے بہت مختلف ہے۔آخر میں میں دستور کے مطابق احمدیوں کی حیثیت کے بارے میں یہی گزارش کروں گا۔ کہ فیصلہ خواہ کچھ بھی ہو اراکین جو بھی راستہ اختیار کریں یہ بات ذہن نشین رہے کہ وہ پاکستانی ہیں اور شہریت کا پورا پورا حق رکھتے ہیں........ اسی طرح ہم پاکستان میں ہندوؤں اور دیگر اقلیتوں کو مساوی شہری اور سیاسی حقوق دیں گے۔آخر میں اٹارنی جنرل جناب یحییٰ بختیار نے تمام معزز ارکان اسمبلی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ میں نے ہاؤس کی ہدایت کے مطابق حتی المقدور بہترین طریقے سے اپنا فرض نبھانے کی کوشش کی اور اس کیلئے معزز اراکین نے مجھ پر جو اعتماد کیا اس کیلئے میں بہت شکر گزار ہوں اور اس تعاون کیلئے بھی جو مجھے معزز ارکان کی طرف سے دیا گیا۔ مجھے امید ہے کہ جو گزارشات میں نے پیش کی ہیں، وہ کسی قدر کارآمد ہوں گی۔"

(پارلیمنٹ میں قادیانی شکست۔ص 317~256)

یحییٰ بختیار کا قابل ستائش کردار

قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی کے روبرو مرزا ناصر اور لاہوری گروپ پر جرح نے پہلے ہی قادیانیت کی اصل صورت اپنے تمام منفی خدوخال کے ساتھ اراکین اسمبلی کے سامنے رکھ دی تھی۔ لیکن اٹارنی جنرل جناب یحییٰ بختیار نے بحث کو سمیٹتے ہوئے جو دلائل دیئے اس نے معزز اراکین اسمبلی کو قادیانیوں کے بارے میں متفقہ فیصلہ کرنے میں بڑی مدد دی۔اسپیکر قومی اسمبلی نے اٹارنی

فورس اور پولیس کے دستے تعینات کر دیئے اور شہر میں مختلف مقامات پر عارضی پولیس چوکیاں قائم کر دیں۔ اس صورتحال کے پیش نظر 6 ستمبر کی صبح ایم، این، اے ہاسٹل میں مجلس عمل کے اراکین کا اجلاس ہوا۔ جس میں علامہ شاہ احمد نورانی، مولانا یوسف بنوری، مولانا مفتی محمود، پروفیسر غفور احمد، چوہدری ظہور الٰہی، خان عبدالولی خان، امیرزادہ خان، نوابزادہ نصر اللہ، علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری، پروفیسر سید شاہ فرید الحق، صوفی ایاز خان نیازی، مفتی زین العابدین وغیرہ نے بھی شرکت کی، اس اجلاس میں اہم اور حساس نوعیت کی تنصیبات پر فوج کی تعیناتی پر تشویش کا اظہار کیا گیا۔

اس کے بعد قومی اسمبلی کی سب کمیٹی کا اجلاس ہوا جس میں کسی متفقہ مسودے کی تیاری پر غور کیا گیا۔ اس اجلاس میں علامہ شاہ احمد نورانی، مولانا مفتی محمود، پروفیسر غفور، چوہدری ظہور الٰہی، مولانا کوثر نیازی، حفیظ پیرزادہ اور افضل چیمہ نے شرکت کی۔ بعد میں بھٹو نے تمام اراکین کمیٹی کو اپنے یہاں بلایا اور ان کا موقف سنا اور اس کے بعد حتمی فیصلے کیلئے میٹنگ رات بارہ بجے تک کیلئے ملتوی کر دی۔

قومی اسمبلی کی اس کمیٹی نے قادیانی مسئلہ کو جانچنے اور پرکھنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں چھوڑا۔ اس مقصد کیلئے کمیٹی نے طویل اور مسلسل اجلاس کئے۔ جن میں قادیانی فرقے کے سربراہ پر بھی تفصیلی جرح کی گئی۔ کمیٹی کی کارکردگی اور اس کی کارروائیوں پر حزب اختلاف کے لیڈروں نے بھی پورے اطمینان کا اظہار کیا۔ کمیٹی میں نہ صرف حزب اختلاف کے اراکین کو کھل کر اپنی رائے دینے کا موقع ملا بلکہ حزب اقتدار سے تعلق رکھنے والے اراکین کو بھی اپنے ضمیر واعتقاد کے مطابق رائے دینے کی پوری آزادی دی گئی۔ اس طویل جمہوری و پارلیمانی کاروائی کے بعد قومی اسمبلی پر پورے تدبر سے کام لے کر ایک ایسا دانشمندانہ فیصلہ کرنے کی بڑی بھاری ذمہ داری عائد ہوتی تھی۔ جو ملک وملت کے وسیع تر مفاد میں ہو اور جس سے دنیا میں پاکستان کی عزت ووقار میں اضافہ ہو۔

بے چینی کی رات، بے قراری کے لمحات

6، اور 7، ستمبر 1974ء کی شب قومی اسمبلی کے ارکان ہی نہیں پوری قوم بے چین تھی

مصطفی صادق آگے چل کر لکھتے ہیں کہ

''یحییٰ بختیار کا یہ کارنامہ اتنا عظیم اور اتنا غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے کہ اس کی جتنی بھی تحسین کی جائے کم ہے۔ میں تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ مسٹر بھٹو کی پارٹی میں کوئی ایسا مرد جری بھی شامل ہے، جو بلا خوف وخطر اپنا موقف نہ صرف شدومد کے ساتھ بیان کردے۔ بلکہ استدلال کی قوت سے مسٹر بھٹو جیسے حکمران کو عین اس مرحلے پر جب کہ وہ بے یقینی اور مایوسی کی دلدل میں گھٹنے گھٹنے پھنسا ہوا ہو اور غیظ وغضب کے عالم میں سارے پینترے بھول چکا ہو...... زور استدلال سے صورتحال کا رخ تبدیل کردے۔ چنانچہ جوں ہی یکے بعد دیگرے مسٹر بھٹو اور مسز بھٹو نے اپنی رٹی پٹی باتیں دہرائیں اور کہا ''یہ ملا جیت گئے۔ہم کون ہیں کسی کو کافر قرار دینے والے۔ ایسا اعلان کرنے سے بہتر ہے حکومت چھوڑ دیں۔ہم مستعفی ہورہے ہیں۔'' تو جناب یحییٰ بختیار کی ایمان افروز گفتگو ان الفاظ سے شروع ہوئی۔جناب آپ حکومت چھوڑ رہے ہیں یا سیاست سے دستبردار ہورہے ہیں۔آپ کو معلوم ہے آپ کس Issue (معاملے) پر مستعفی ہورہے ہیں۔کیا آپ پبلک کے سامنے اپنے استعفیٰ کا جواز ثابت کرسکیں گے۔؟ کاش میں اسمبلی کی اس کاروائی کا خلاصہ (Summary) اپنے ہمراہ لے آتا اور آپ کو بتاتا کہ مرزا ناصر نے کیا کچھ کہا ہے۔کیا موقف اختیار کیا ہے۔ یہ کون کہتا ہے کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے سے ملا جیت جائے گا۔؟ آپ کو معلوم ہے کہ احمدیت کے بارے میں علامہ اقبال کا کیا موقف ہے؟۔ہم اسی موقف کے قائل ہیں۔اگر کسی کے خیال میں قادیانیوں کو کافر قرار دینا صحیح نہیں ہے۔تو پھر انہیں قادیانیوں کا نقطہ نظر درست تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہم اور آپ غیر مسلم ہیں۔'' وزیر قانون عبدالحفیظ

تھے۔لیکن میری تائید میں ایک مرتبہ پھر انہوں نے اپنے موقف کا اعادہ کیا اور مسٹر بھٹو پرزور دیا کہ وہ بلاوجہ کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں اور نہ ہی اس بناء پر کسی کمزوری کا مظاہرہ کریں۔کہ اس فیصلے سے کسی دوسرے گروہ کو تقویت حاصل ہو جائے گی۔مولانا کوثر نیازی اور جسٹس افضل چیمہ نے بھی اٹارنی جنرل کے موقف کی تائید کی۔"

(قادیانی غداروں کی نشاندہی۔ص 57-56)

"تحفظ ختم نبوت کی ذمہ داری آپکی پارٹی کے منشور کے دائرے میں آتی ہے"

آخری ملاقات میں علامہ نورانی کے دلائل نے بھٹو کو قائل کردیا

اٹارنی جنرل جناب یحییٰ بختیار کے مضبوط دلائل اور وزیر قانون عبدالحفیظ پیرزادہ، مولانا کوثر نیازی اور جسٹس افضل چیمہ کی تائید کے بعد بھٹو صاحب نے خاموشی اختیار کرلی۔ حالانکہ جناب یحییٰ بختیار بھٹو صاحب کو سمجھانے اور اس فیصلے کے بارے میں ان کے تمام شکوک و شبہات کو دور کرنے کی پوری کوشش کر چکے تھے۔لیکن اس کے باوجود بھٹو صاحب حتمی فیصلہ کرنے میں مخمصے اور تردد کا شکار تھے۔وہ دلی طور پر اس فیصلے پر مطمئن نہیں تھے۔بہت سارے شکوک و شبہات اور اندیشوں نے ان کے دل و دماغ میں ڈیرا ڈال رکھا تھا۔روزانہ ایوان وزیر اعظم کا چکر لگانے والے قادیانیوں اور ان کے ہمدردوں سے کئے گئے وعدے انہیں پریشان کر رہے تھے۔رات کے تقریباً ڈھائی بج چکے تھے۔حزب اختلاف کے اراکین قومی اسمبلی دن میں کئے گئے وعدے کے مطابق ان سے ملاقات کے منتظر تھے۔چنانچہ بھٹو صاحب نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ حزب اختلاف کے اراکین قومی اسمبلی سے ملاقات کی۔اس ملاقات میں علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی، مولانا مفتی محمود، پروفیسر غفور احمد، چوہدری ظہور الٰہی، مسٹر غلام فاروق اور حاجی مولا بخش سومرو نے شرکت کی۔

بھٹو صاحب نے اراکین قومی اسمبلی کے سامنے وہی باتیں دہرائیں اور ان خدشات کا اظہار کیا جو وہ اس سے کچھ دیر قبل یحییٰ بختیار، حفیظ پیرزادہ، مولانا کوثر نیازی اور جسٹس افضل چیمہ

نوے سالہ فتنے کا اختتام پاکستان کی تاریخ کا تاریخ ساز دن

7، ستمبر 1974ء کو ڈھائی بجے دن پوری قومی اسمبلی پر مشتمل خصوصی کمیٹی کا اہم اجلاس ہوا۔ جس میں کمیٹی کی سفارشات کو آخری شکل دی گئی اور قرارداد کا متفقہ مسودہ تیار کیا گیا۔ اس قرار داد میں کہا گیا کہ تمام شہریوں کی خواہ ان کا تعلق کسی فرقہ سے ہو جان و مال، عزت، آزادی اور بنیادی حقوق کا تحفظ کیا جائے گا اور ختم نبوت کے خلاف عقیدہ رکھنے، عمل کرنے یا تبلیغ کرنے والا مستوجب سزا ہوگا۔ قرار داد میں کہا گیا کہ اس فیصلے کے نتیجے میں نیشنل رجسٹریشن ایکٹ 1973ء اور انتخابی فہرستوں کے قواعد 1974ء میں ترمیمیں کی جائیں گی۔

شام ساڑھے چار بجے جب قومی اسمبلی کا اجلاس دوبارہ شروع ہوا۔ تو پاکستان کی قومی اسمبلی نے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کی موجودگی میں دن کے اجلاس میں منظور کی جانے والی ان سفارشات کی من و عن منظوری دے کر توثیق کر دی اور قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا تاریخ ساز فیصلہ صادر کر دیا۔

شام کے اجلاس میں وزیر قانون جناب عبدالحفیظ پیرزادہ نے قرارداد پیش کرنے سے پہلے ایک مختصری تقریر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ خصوصی کمیٹی کے اجلاسوں میں ہمارے درمیان پورا پورا اتفاق رائے رہا۔ کچھ مشکلات پیدا ہوئیں۔ لیکن ان کا تعلق طریقہ کار سے تھا۔ انہوں نے کہا کہ جہاں تک ممکن ہوسکا ایوان میں تمام نقطہ ہائے خیال کا قرارداد پر اتفاق ہے۔ انہوں نے کہا کہ شروع میں قراردادسات (7 ارکان مولانا شاہ احمد نورانی، مولانا مفتی محمود، پروفیسر غفور احمد، غلام فاروق، چوہدری ظہور الٰہی، سردار مولا بخش سومرو اور عبدالحفیظ پیرزادہ نے پیش کی تھی۔ لیکن بعد میں بل پر دستخط کنندگان میں مولانا غلام غوث ہزاروی بھی شامل ہوگئے۔

بل کی دوسری خواندگی پر کسی نے کوئی لفظ اختلافی نہیں کہا اور آئین میں دوسرے ترمیمی بل 1974ء کی تینوں دفعات اتفاق رائے سے منظور کر لی گئیں۔ دفعہ تین میں تحریک استقلال کے سینیٹر احمد رضا قصوری نے ایک ترمیم پیش کرنے کیلئے ایوان کی اجازت حاصل کرنا چاہی۔ احمد رضا قصوری کی ترمیم کا مقصد یہ تھا کہ مرزا غلام احمد اور ان کی پیروی کرنے والوں کو دائرہ اسلام

"کوئی مسلمان جو آئین کی دفعہ 260 کی شق (3) کی تصریحات کے مطابق محمد ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کے تصور کے خلاف عقیدہ رکھے یا عمل یا تبلیغ کرے وہ دفعہ ہذا کے تحت مستوجب سزا ہوگا"

(ج) کہ متعلقہ قوانین مثلاً قومی رجسٹریشن ایکٹ 1973ء اور انتخابی فہرستوں کے قواعد 1974ء میں منتجہ قانونی اور ضابطے کی ترمیمات کی جائیں۔

(د) کہ پاکستان کے تمام شہریوں خواہ وہ کسی بھی فرقے سے تعلق رکھتے ہوں، کے جان و مال، آزادی، عزت اور بنیادی حقوق کا پوری طرح تحفظ اور دفاع کیا جائے گا۔

دستخط:۔ 1۔عبدالحفیظ پیرزادہ 2۔مولانا شاہ احمد نورانی

3۔مولانا مفتی محمود 4۔پروفیسر غفور احمد

5۔غلام فاروق 6۔چوہدری ظہور الٰہی

7۔سردار مولا بخش سومرو 8۔مولانا غلام غوث ہزاروی

(یہاں یہ بات واضح رہے کہ مولانا غلام غوث ہزاروی نے بعد میں دستخط کئے تھے)

قومی اسمبلی کے اراکین نے باہمی اتفاق رائے سے تالیوں کی گونج میں یہ قرارداد منظور کرلی۔اس تاریخی قرارداد کی منظوری کے بعد وزیر قانون عبدالحفیظ پیرزادہ نے ایوان میں آئین میں ترمیم کا تاریخی بل پیش کیا۔اس تاریخی بل کا متن یہ تھا۔

آئین میں ترمیم کا تاریخی بل

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین میں اور مقاصد کیلئے جن کا ذکر ذیل میں آئے گا۔ ترمیم کرنا ضروری تھا۔لہٰذا حسب ذیل قانون منظور کیا جاتا ہے۔

ا۔مختصر عنوان اور آغاز

(i) یہ قانون آئین میں دوسری ترمیم کا قانون مجریہ 1974ء کہلائے گا۔

(ii) یہ قانون فوری طور پر نافذ العمل ہوگا۔

۲۔اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کے آرٹیکل 106 کی دفعہ (3) میں لفظ فرقے

لاہوری جماعت قادیانی (ربوہ) سے بھی پہلے غیر مسلم اقلیت قرار دیے جانے کی مستحق ہے۔اس جماعت کو بچانا بہت خطرناک ہوگا۔کیونکہ ان کے کتابی عقائد ربوہ کے قادیانیوں سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ان دونوں فرقوں کے عقائد کا فرق مذہبی کے بجائے سیاسی ہے۔مذہبی طور پر دونوں ایک ہی ہیں۔یہ بھی محسوس کیا گیا کہ صدرالدین کی بذات خود یہ شدید خواہش تھی کہ لاہوری جماعت کو بھی غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا جائے۔اسے اس بات کا اعتراف تھا کہ دلائل اس کے بنیادی نقطہ نظر کے خلاف جارہے ہیں۔"

(صاحبزادہ فاروق علی خان کا انٹرویو جنگ لاہور جمعہ ایڈیشن۔9-3 ستمبر 1982ئ)

اٹارنی جنرل جناب یحییٰ بختیار کے دلائل

5،اور 6،ستمبر کو اٹارنی جنرل جناب یحییٰ بختیار نے قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی کے روبرو تمام بحث کو سمیٹتے ہوئے اپنے دلائل دیتے ہوئے کہا کہ"جہاں تک مرزا کی قرآن کے فہم یا سوچ کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں وہ کم وبیش سرسیّد احمد خان جیسی ہی ہے ماسوائے چند آیات کے،جن کا تعلق حضرت مسیح علیہ السلام یا جن کا تعلق مرزا صاحب کی اپنی نبوت کے بارے میں ہے۔وہ قرآن کے فہم کا ادراک رکھتا تھا۔اپنے مخالفین کو ڈرانے دھمکانے کیلئے اس کا نمایاں ہتھیار دو پیشگوئیاں تھیں۔جن کے ذریعے وہ محدود مدت کے اندر اندر اپنے مخالفین کی موت یا تذلیل کا دعویٰ کیا کرتا تھا۔

جناب یحییٰ بختیار نے معزز ایوان کو مرزا غلام احمد کے نبی اور مسیح موعود بننے کی وجہ،اس کی ضرورت؟ اور اس کے پیروکاروں کے ختم نبوت کے بارے میں کیا تصورات ہیں؟ بتاتے ہوئے کہا کہ ان سب سوالوں کا جواب مرزا محمود احمد قادیانی کی کتاب"احمدیت یا سچا اسلام" کے ایڈیشن 1937ء کے صفحہ 10،اور 11، سے پیش کرتا ہوں۔

انگلینڈ میں انگریزوں کیلئے شائع کی ہے۔ جب میں نے مرزا ناصر سے سوال کیا کہ کیا حضرت محمد ﷺ کے بعد اور مرزا غلام احمد سے پہلے کوئی نبی آیا؟ تو مرزا ناصر نے نفی میں جواب دیا۔ پھر میں نے پوچھا کیا مرزا غلام احمد کے بعد کوئی نبی آیا یا کسی اور نبی کے آنے کا امکان ہے تو پھر بھی مرزا ناصر احمد نے نفی میں جواب دیا۔ چنانچہ یہ تمام دلائل دھند اور دھوئیں کی طرح مٹ گئے۔ تو پھر اس کا آخر مطلب کیا ہے؟۔ صاف ظاہر ہے کہ وہ مرزا غلام احمد کو (نعوذ باللہ) خاتم النبیین مانتے ہیں۔ یہی ان کا مقصد ہے۔

جناب یحییٰ بختیار نے مرزا غلام احمد قادیانی کے متعدد بیانات، درخواستوں اور خطوط سے جو اس نے مختلف انگریزوں کو لکھے ثابت کر دیا کہ مرزا غلام احمد قادیانی ان بیانات، درخواستوں اور خطوط کے مندرجات کی روشنی میں کسی طور بھی نبی نہیں ہو سکتا۔ آپ نے مرزا غلام احمد قادیانی کا لیفٹیننٹ گورنر بہادر کے نام لکھی گئی ایک درخواست کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ ایک نبی کی درخواست ہے اور نبی کیا درخواست کرتا ہے؟ ''حضور والا اپنے ماتحت افسروں کو میرے ساتھ ترجیحانہ سلوک کرنے کا حکم دیں'' آپ نے فرمایا نبی تو لیفٹیننٹ گورنر کے بھی برابر نہیں۔ جو اس کی منتیں سماجتیں کر رہا ہے کہ وہ اپنے ماتحت افسروں کو ایسا سلوک کرنے کی ہدایات دے۔ شاید مجھے کہنا نہیں چاہیے یہ وہ شخص ہے جو کہتا ہے کہ وہ تمام نبیوں سے (نعوذ باللہ) بہتر ہے۔

آنچہ داد است ہر نبی را جام
داد آں جام را مرا بہ تمام

(نزول المسیح ص 99، مندرجہ روحانی خزائن ج 18 ص 477)

ان شعروں کو تخلیق کرنے والا لیفٹیننٹ گورنر سے التجائیں کر رہا ہے۔ وہ مجھ

و بالا اور برباد ہو جائے گا، یا اس کا کچھ حصہ الگ ہو کر نیا مذہب بنالیں گے، جیسا کہ عیسائیت اور یہودیت کے مابین ہوا۔ میرا ذاتی تاثر یہ ہے کہ مرزا غلام احمد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روش اختیار کرنا چاہتا تھا تا کہ جب وہ کافی طاقت اور حمایت حاصل کرے تو اعلان کرے "میری اپنی الگ اُمت ہے" یہ روش اس نے اختیار کی اور میں سمجھتا ہوں یہی اس کا مقصد تھا۔ کمیٹی کے اراکین کو اچھی طرح علم ہے اس بارے میں کافی شہادتیں ریکارڈ پر موجود ہیں اور میں نے کتاب میں حوالہ دیا ہے (جس میں لکھا ہے) کہ مرزا غلام احمد نے اپنے پیروکاروں کیلئے مکمل ضابطہ حیات چھوڑا ہے۔ اس کے علاوہ اس نے اپنے پیروکاروں کو شادی بیاہ کے متعلق احکام جاری کئے۔ میں نے "احمد" نامی کتاب سے حوالہ دیا، جس کے صفحہ 54 پر مندرج شادی بیاہ سے متعلقہ احکامات کا میں اعادہ کرتا ہوں۔

"اسی سال جماعت کے سماجی رشتوں کی استواری اور جماعت کے مخصوص خدوخال کی نگہداشت کی خاطر اس نے شادی بیاہ اور سماجی تعلقات کیلئے احکامات جاری کئے اور احمدیوں کو اپنی بیٹیوں کی شادی غیر احمدیوں کے ساتھ کرنے کی ممانعت کر دی"

اگر آپ ایک ہی اُمت ہیں، بھائی بھائی ہیں تو پھر ایسے احکام دیئے جا سکتے تھے؟ اور یہ بھی کہتے ہیں "میں امتی ہوں" اور وہی عقیدہ رکھتا ہوں۔ جناب والا! اس (مرزا غلام احمد) نے نماز اور نماز جنازہ کے متعلق بھی احکام جاری کئے، میرے پاس کئی حوالہ جات ہیں، مگر میں آپ کا وقت ضائع نہیں کروں گا۔ کمیٹی یہ حوالہ جات سماعت کر چکی ہے۔ مرزا ناصر احمد نے بڑی شدت سے یہ اصرار کیا کہ

"ہم غیر احمدیوں کا نماز جنازہ اس لیے نہیں پڑھتے کہ مسلمانوں کے تمام

مرزا صاحب نے اپنے بیٹے فضل احمد کی نماز جنازہ پڑھی؟ مرزا ناصر احمد نے جواب دیا ''نہیں'' میں نے سوال کیا، کیا فضل احمد نے مرزا صاحب کے خلاف کوئی فتویٰ دیا تھا؟ مرزا ناصر نے جواب دیا ''نہیں'' پھر میں نے پوچھا۔ کیا فضل احمد سے مرزا صاحب ناراض تو نہیں تھے کیونکہ مرزا صاحب نے خود کہا تھا کہ ''بڑا فرماں بردار بیٹا تھا، اس نے کبھی شرارت نہیں کی'' اور کہ ''ایک دفعہ میں بیمار پڑ گیا، جب میں نے آنکھ کھولی تو یہ بچہ (فضل احمد) کھڑا تھا اور رو رہا تھا۔''

ان سب باتوں کے باوجود مرزا غلام احمد نے فضل احمد کی نماز جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیا کہ وہ اس کو مسلمان نہیں سمجھتا تھا۔ مرزا غلام احمد اس کو کافر سمجھتا تھا، چنانچہ فتووں کی تمام کہانیاں بے معنی ہو کر رہ گئیں''

جناب یحییٰ بختیار نے ایوان کو بتایا قادیانی ہمیں (مسلمانوں) کو اسی طرح سمجھتے ہیں جیسا کہ عیسائی یہودیوں کو سمجھتے ہیں۔ وہ ہمیں وہی حیثیت دیتے ہیں جو نبی کریم ﷺ مسلمانوں کے بارے میں یہودیوں اور نصاریٰ کو دیتے ہیں۔ احمدی مسلمانوں کو اسی طرح سمجھتے ہیں جیسا کہ پیغمبر اسلام ﷺ یہودیوں اور عیسائیوں کو الگ امت اور ایک قوم سمجھتے تھے۔ لیکن ان کی لڑکیوں کو مسلمان مردوں سے شادی کرنے کی اجازت ہے۔ مسلمان لڑکیوں کو ان (یہودیوں اور عیسائی مردوں) سے شادی کرنے کی اجازت نہیں۔ بالکل یہی پالیسی احمدیوں نے مسلمانوں کیلئے اختیار کی ہوئی ہے۔

علاوہ ازیں ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام میں مقدس ہستیوں کے مقابلے میں انہوں نے ایک متوازی نظام قائم کر رکھا ہے۔ صحابہ اور اہل بیت انتہائی واجب الاحترام ہستیاں ہیں۔ مثلاً امیر المومنین، ام المومنین۔ اس متوازی نظام سے انتشار پیدا ہو۔ پھر ہم مسلمان جب خوش ہوتے ہیں۔ تو

جنرل کے کردار کو سراہتے ہوئے ان کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ

"یہ بات ریکارڈ پر رہے کہ آپ نے کس قدر محنت اور کاوش ان مہینوں میں کی ہے، جو کہ نہ صرف کمیٹی کیلئے بلکہ پورے ملک کی خاطر تھی۔ ہم سب اس کیلئے شکر گزار ہیں"

(پارلیمنٹ میں قادیانی شکست۔ص، 317)

سابق اٹارنی جنرل اور معروف قانون داں جناب یحییٰ بختیار نے جس لگن، جانفشانی اور قانونی مہارت سے اُمت مسلمہ کے اس نازک اور حساس کیس کو لڑا اور ملت اسلامیہ کے موقف کی قومی اسمبلی میں جس بھرپور، موثر اور شاندار انداز میں ترجمانی کر کے تحفظ عقیدہ ختم نبوت کی جو قانونی جنگ لڑی، اور قادیانی شاطر سربراہوں پر طویل اور اعصاب شکن جرح کے بعد جس طرح اُن سے اُن کے عقائد وعزائم کے بارے میں سب کچھ اگلوا کر اعتراف جرم کروایا۔ وہ انہی کا حصہ ہے۔ جس پر قابل ستائش ہیں اور بلاشبہ جس طرح انہوں نے پاکستان کی قومی اسمبلی کو اس نوے سالہ فتنے کے بارے میں حتمی اور متفقہ فیصلے تک پہنچنے میں مدد کی، وہ تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھنے کے قابل ہے اور اللہ رب العزت اور اس کے پیارے حبیب ﷺ کی نظر عنایت کا مظہر ہے جس کے طفیل وہ یہ فریضہ ادا کرنے میں کامیاب ہوئے۔

(یہاں یہ بات واضح رہے کہ قومی اسمبلی میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کی کاروائی "پارلیمنٹ میں قادیانی شکست اور تاریخی دستاویز 1974ئ" کے نام سے چھپ چکی ہے، جناب خالد محمود قادری راوی ہیں کہ یہ بات اس وقت کے اسپیکر قومی اسمبلی جناب صاحبزادہ فاروق علی خان نے خود ان سے کہی کہ یہ رپورٹ قطع وبرید کر کے شائع کی گئی ہے۔ لیکن بہرحال اس میں قومی اسمبلی کی 5، اگست 1974ء سے 6، ستمبر 1974ء کے واقعات کی کافی تفصیل موجود ہے۔" بحوالہ ماہنامہ احوال وآثار لاہور ماہ ستمبر 2000ئ")

اہم مقامات پر مسلح دستوں کی تعیناتی

حکومت نے آئندہ حالات کے پیش نظر ملک میں اہم مقامات پر فوج، فیڈرل سیکورٹی

کہ 7، ستمبر کو قادیانیوں کے بارے میں کیا اعلان ہونے والا ہے۔ ملک بھر میں مسلح فوجی دستے گشت کررہے تھے، فوج کا یہ گشت اتنا منظم اور وسیع تھا کہ ایام جنگ کے سوا اس نوعیت کی فوجی نقل وحرکت قیام پاکستان سے لے کر آج تک دیکھنے میں نہیں آئی تھی۔ چنانچہ عام شاہراہوں پر ہی نہیں تمام اہم قومی تنصیبات سمیت دور دراز کے قصبات تک فوجی جوان تعینات کئے جاچکے تھے۔ سرکاری سطح پر اس قسم کے انتظامات کے باعث یہ اندیشہ بار بار سامنے آتا تھا کہ وزیراعظم جس فیصلے کا اعلان کرنے والے ہیں۔ وہ عام مسلمانوں کے مطالبے سے مختلف ہوگا۔ جبکہ حکومت کو امن عامہ کے بگڑنے کا خدشہ تھا۔ جس کیلئے فوج کو نہ صرف تیار رہنے کا حکم دیا گیا تھا بلکہ ہر قسم کی صورتحال سے عہدہ براہونے کیلئے بھرپور تیاریاں کی جاچکی تھیں۔

ممتاز صحافی اور بھٹو کے دوست جناب مصطفیٰ صادق راویت کرتے ہیں کہ

''اس رات مسٹر بھٹو بہت بے چین اور سخت برہم تھے اور وہ قادیانیوں کے حوالے سے فیصلے کرنے میں تذبذب کا شکار تھے۔ مصطفیٰ صادق کہتے ہیں کہ مسٹر بھٹو نے ان سے کہا کہ ''ہم کسی کو کافر قرار نہیں دے سکتے ایسے فیصلے سے تو بہتر ہے ہم حکومت چھوڑ دیں'' میں نے ان سے کہا کہ جو بھی فیصلہ کریں سوچ سمجھ کر اعتدال سے کام لیتے ہوئے کریں۔ آپ مجھے رنجیدہ خاطر معلوم ہوتے ہیں۔ میں اس مسئلے کی نزاکت سے بھی آگاہ ہوں اور آپ کی پوزیشن سمجھتا ہوں۔ میں آپ سے یہی عرض کروں گا کہ آپ مسئلہ کھڑا ہونے سے لے کر اس ضمن میں اب تک جو واقعات رونما ہوچکے ہیں اور آپ کی طرف سے جو بیانات دیئے جاچکے ہیں۔ وہ یکسر نظر انداز کر کے جو بھی فیصلہ کیا گیا۔ وہ نہ تو ملک اور قوم کیلئے مفید ہوگا اور نہ ہی آپ کے سیاسی مستقبل کیلئے۔''

(قادیانی غداروں کی نشاندہی۔ ص 51-49)

''اگر قادیانیوں کو کافر قرار دینا صحیح نہیں تو پھر ہم سب غیر مسلم ہیں'' یحییٰ بختیار

پیرزادہ نے اٹارنی جنرل یحییٰ بختیار کی تائید کرتے ہوئے بھٹو سے کہا کہ "جو کچھ اسمبلی میں ہوا اس کے بعد تو اسی فیصلے کا اعلان کرنا پڑے گا۔"

(قادیانی غداروں کی نشاندہی۔ص 55-54)

مسٹر بھٹو صاحب کی غلط فہمی

مصطفی صادق کے مطابق "دراصل ذوالفقار علی بھٹو خواہ مخواہ اس غلط فہمی کا شکار ہو گئے تھے کہ وہ تنہا قادیانیوں کو کافر قرار دینے کی ذمہ داری قبول کر رہے ہیں۔ حالانکہ اسلامی عقیدے کی رو سے قادیانی مسلمہ طور پر اور ایک طے شدہ حقیقت کے طور پر پہلے ہی غیر مسلم تھے۔ اس طے شدہ اور تسلیم شدہ حقیقت کو صرف آئینی شکل دینے کی ذمہ داری جو ایک اہم سعادت کی حیثیت رکھتی تھی۔ قومی اسمبلی قبول کر رہی تھی اور قومی اسمبلی کے اس متفقہ فیصلے کا اعلان قائد ایوان ہونے کی حیثیت سے وزیر اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو کرنے والے تھے۔ آئینی دفعہ کے اضافے کا یہ فیصلہ قومی اسمبلی کا ہی نہیں پوری پاکستانی قوم کا متفقہ فیصلہ تھا اور اس فیصلے کو پورے عالم اسلام کی بھی تائید حاصل تھی۔ اس لیے مسٹر بھٹو کی یہ غلط فہمی بلاوجہ تھی، کہ وہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے والے ہیں۔ ہاں البتہ ان کی زبان سے اگر یہ اعلان ہونے والا ہے اور اسے آئین کا حصہ بنایا جانے والا ہے۔ تو اس سے حکومت کی اور پوری قوم کی ذمہ داری میں ایک اہم اضافہ ہو جاتا ہے کہ وہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت کے طور پر تحفظ کا یقین دلائیں۔ یہ ذمہ داری ایک مقدس مذہبی فریضے کی حیثیت اختیار کر جاتی ہے اور یہ فیصلہ خود قادیانیوں کیلئے بھی مضر ہونے کے بجائے مفید ثابت ہوگا۔

جناب یحییٰ بختیار اگرچہ اپنی بات، وضاحت اور صراحت سے کہہ چکے

کے سامنے کر چکے تھے اور جن کے سبب وہ کسی طور پر بھی قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے پر آمادہ نہیں تھے۔ ان کا موقف تھا کہ اس قرارداد کی منظوری سے پاکستان پیپلز پارٹی کی بہت بدنامی ہوگی۔ کیونکہ لوگ پاکستان پیپلز پارٹی کو ایک سیکولر جماعت سمجھتے ہیں۔

علامہ شاہ احمد نورانی نے بھٹو صاحب کی تمام باتوں اور اعتراضات کو سننے کے بعد ان سے کہا

> ''آپ کو ان باتوں کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ یہ بات پاکستان پیپلز پارٹی کے منشور میں شامل ہے کہ اسلام ہمارا دین ہے اور جب آپ اسلام کو اپنا دین قرار دیتے ہیں تو عقیدہ ختم نبوت پر ایمان اور اس کے تحفظ کی ذمہ داری بھی دین کا لازمی حصہ ہونے کی وجہ سے آپکی پارٹی کے منشور کے دائرے میں آجاتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ بات نہ تو آپ کی پارٹی کی بدنامی کا باعث ہے اور نہ ہی اُس کے منشور کے خلاف ہے۔ لہٰذا آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔''

علامہ شاہ احمد نورانی کے دلائل نے بھٹو صاحب کیلئے فرار کے تمام راستے بند کر دیئے اور اب ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ باقی نہیں رہا کہ اس فیصلے پر اپنی رضامندی کا اظہار کر کے اپنی حکومت اور پیپلز پارٹی کے سیاسی مستقبل کو بچالیں۔ چنانچہ بھٹو صاحب نے بادل ناخواستہ قادیانیوں کے غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے فیصلے پر رضامندی کا اظہار کر دیا۔ ڈھائی گھنٹے طویل جاری رہنے والی اس ملاقات میں بالآخر 7، ستمبر 1974ء کو منعقد ہونے والے قومی اسمبلی کے اجلاس میں قادیانیوں کے غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے والے قانون کو حتمی شکل دے دی گئی اور باہمی اتفاق رائے سے قادیانی مسئلہ طے کر لیا گیا۔ ان اہم مذاکرات میں حکومت کی طرف سے مسٹر عبدالحفیظ پیرزادہ، مولانا کوثر نیازی اور اٹارنی جنرل مسٹر یحییٰ بختیار نے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کی معاونت کی۔

سے خارج قرار دیا جائے۔ان کے اس مطالبے کے جواب میں وزیر قانون نے کہا کہ یہ ترمیم بالکل غیر ضروری ہے۔کیونکہ میں نے ایوان کی اتفاق رائے سے جو ترمیم پیش کی ہے۔وہ جامع ہے۔انہوں نے کہا کہ کمیٹی میں ترمیم پر کوئی اعتراض نہیں کیا گیا۔قائد ایوان جناب وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ یہ ترمیم ضابطے میں نہیں ہے۔وزیر اعظم نے کہا کہ وزیر قانون نے ایوان کے اتفاق رائے سے جو اصل ترمیم پیش کی ہے،اس میں ضروری وضاحت موجود ہے۔اس کے پیش نظر دوسری ترمیم پیش کرنا ضروری نہیں۔جب ووٹ لیے گئے تو ایوان نے تحریک استقلال کے رکن کو ترمیم پیش کرنے کی اجازت نہیں دی۔جس پر احمد رضا قصوری ایوان سے واک آوٹ کر گئے۔قومی اسمبلی میں منظور کی جانے والی تاریخی قرارداد (جو کہ دراصل قومی اسمبلی کی کل ایوانی کمیٹی کی رپورٹ تھی) کا متن مندرجہ ذیل ہے۔

منظور کی جانے والی تاریخی قرارداد کا متن

قومی اسمبلی کے پورے ایوان کی خصوصی کمیٹی قرار دیتی ہے کہ حسب ذیل سفارشات غور وخوض اور منظوری کیلئے قومی اسمبلی کو بھیجی جائیں۔پورے ایوان کی خصوصی کمیٹی جسے اس کی رہبر کمیٹی اور سب کمیٹی کی مدد حاصل تھی۔اپنے سامنے یا قومی اسمبلی کی طرف سے حوالے کی جانے والی قراردادوں پر غور کرنے اور دستاویزات اور گواہوں بشمول سربراہان انجمن احمدیہ ربوہ وانجمن احمدیہ اشاعت اسلام لاہور کے بیانات کا جائزہ لینے کے بعد قومی اسمبلی کے سامنے درج ذیل سفارشات پیش کرتی ہے۔

(الف) کہ پاکستان کے آئین میں حسب ذیل ترمیم کی جائے۔

(اول) دفعہ 106(3) میں قادیانی جماعت اور لاہوری جماعت کے اشخاص (جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں) کا ذکر کیا جائے۔

(دوم) دفعہ 260 میں ایک نئی شق کے ذریعے غیر مسلم کی تعریف درج کی جائے۔

(ب) کہ مجموعہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ 295 (الف) میں حسب ذیل تشریح درج کی جائے۔

کے بعد قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ (جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں) کے افراد کے الفاظ شامل کئے جائیں گے۔

۳۔ آئین کے آرٹیکل 260 میں دفعہ (2) کے بعد حسب ذیل نئی دفعہ شامل کی جائے گی۔ "جو شخص حضرت محمد ﷺ کے خاتم النبیین ہونے پر مکمل اور غیر مشروط یقین نہ رکھتا ہو۔ یا حضرت محمد ﷺ کے بعد کسی بھی مفہوم یا اظہار کی صورت میں نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہو۔ یا اس قسم کے دعویدار کو نبی یا مصلح مانتا ہو۔ وہ آئین یا قانون کے مقاصد کے تحت مسلمان نہیں ہے۔"

آئین میں دوسری ترمیم کے بل مجریہ 1974ء کی تینوں دفعات اتفاق رائے سے قومی اسمبلی کے ایک سو چھیالیس (146) میں سے ایک سو تیس (130) حاضر ارکان نے بل کے حق میں ووٹ دیکر اسے منظور کر لیں۔ قومی اسمبلی کی منظوری کے بعد بل فوری سینٹ میں پیش کیا گیا جہاں سینٹ کے پینتالیس (45) ممبران میں سے ایوان میں موجود تمام اکتیس (31) ممبران نے بل کے حق میں ووٹ دیا اور یوں سینٹ نے آئین کی دفعات 106 اور 260 میں ترمیم کا بل منظور کر لیا۔ جس میں کہا گیا کہ سرور کائنات حضرت محمد ﷺ کے بعد نبوت کا کوئی مدعی یا اسے نبی یا مصلح تسلیم کرنے والا مسلمان نہیں ہے۔ ترمیمی بل کے مطابق قادیانیوں اور لاہوری جماعت کے ارا کین کو غیر مسلم اقلیتوں کی فہرست میں شامل کر لیا گیا ہے۔

آئین کی متعلقہ دفعات میں ترمیم

پاکستان کی قومی اسمبلی نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا جو فیصلہ صادر کیا۔ اس کی روشنی میں آئین پاکستان کی متعلقہ دفعات کی ترمیم کے بعد مندرجہ ذیل صورت ہوئی۔

آرٹیکل 106 کی شق نمبر 3 جس میں پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں نے ترمیم کی یہ ہے۔

آرٹیکل کی شق (3) میں طبقوں کے لفظ کے بعد قادیانی یا لاہوری گروپ کے اشخاص جو "احمدی" (قادیانی) کہلاتے ہیں کے جملے کا اضافہ کر دیا گیا۔ اس اضافے کے بعد شق کی صورت یہ ہوئی۔ "صوبائی اسمبلیوں میں بلوچستان، پنجاب، شمال مغربی سرحدی صوبہ اور سندھ کی شق نمبر ایک میں تخصیص کی گئی ہے۔ کہ اسمبلیوں میں اضافی نشستوں جو کہ عیسائی، ہندو، سکھ، بدھ،

پارسی برادریوں کیلئے مخصوص ہیں اور قادیانی گروپ اور لاہوری گروپ (جو اپنے آپ کو احمدی کہلاتے ہیں) یا شیڈولڈ ذاتوں کیلئے یوں ہوں گی۔

بلوچستان۔ 1	صوبہ سرحد۔ 1
پنجاب۔ 3	سندھ۔ 2

دوسری ترمیم آرٹیکل 260 میں دوسری شق کے بعد مندرجہ ذیل اضافہ تھی۔ ''جو شخص خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی حتمی اور غیر مشروط ختم نبوت میں یقین نہیں رکھتا یا نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ کسی بھی لفظ یا بیان کے ذریعے حضرت محمد ﷺ کے بعد ایک ایسے دعویدار کو نبی تسلیم کرتا ہے، یا کہ مذہبی مصلح جانتا ہے، وہ آئین یا قانون کی رو سے مسلمان نہیں ہے۔''

قرارداد کی منظوری کے بعد وزیر اعظم کا قومی اسمبلی سے خطاب

قومی اسمبلی میں آئینی ترمیمی بل کی منظوری کے بعد وزیر اعظم پاکستان جناب ذوالفقار علی بھٹو نے تقریر کرتے ہوئے کہا ''یہ نوے سال پرانا مسئلہ تھا اور وقت کے ساتھ پیچیدہ ہوتا جا رہا تھا۔ احمدیوں کے بارے میں آج جو فیصلہ کیا گیا ہے۔ وہ متفقہ اور پوری قوم کا فیصلہ ہے۔ یہ پاکستان کے عوام کا فیصلہ ہے اور پاکستان کے مسلمانوں کی خواہشات کا آئینہ دار ہے اور اس فیصلے کا کریڈٹ پوری قوم کو جاتا ہے۔

انہوں نے کہا کہ یہ نوے سال پرانا مسئلہ تھا، جسے 1953ء میں حل کرنے کے بجائے اسے دبانے کیلئے وحشیانہ قوت کا استعمال کیا گیا۔ انہوں نے ایوان کو بتایا کہ اس مسئلہ پر انہیں بہت پریشان کن اور بے سکون مراحل سے گزرنا پڑا۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان ایک جمہوری ملک ہے اور قومی اسمبلی اعلیٰ ترین جمہوری ادارہ ہے۔ اس لیے مناسب ترین بات یہ تھی کہ اسے قومی اسمبلی میں پیش کیا جائے۔ چنانچہ اسے قومی اسمبلی میں پیش کیا گیا۔ جس نے اسے حل کر دیا۔'' اس تاریخی اور آئینی ترمیم کے بعد قومی اسمبلی کا اجلاس غیر معینہ مدت کیلئے موخر کر دیا گیا۔

تاریخ ساز لمحات کی لمحہ بہ لمحہ کہانی

سات ستمبر کی صبح کی کرنوں نے اسلام آباد اور راولپنڈی میں پولیس، فیڈرل سیکورٹی فورس، لیویز اور فوج کے دستوں کا گشت اور پہرہ دیکھا۔ ملک کے دوسرے شہروں کی صورتحال بھی اس سے مختلف نہ تھی۔ فضا میں ہر طرف خوف و ہراس ٹپکتا دکھائی دے رہا تھا۔ ان آٹھ افراد علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی، مفتی محمود، پروفیسر غفور احمد، چوہدری ظہور الٰہی، غلام فاروق، سردار مولا بخش سومرو، عبدالحفیظ پیرزادہ اور وزیر اعظم جناب بھٹو کے سوا شاید ہی کوئی جانتا ہو کہ کیا ہونے والا ہے۔

سات ستمبر کی شام مسلمانان برصغیر کی قادیانیت کے خلاف نوے (90) سالہ جدوجہد تاریخ ساز لمحوں میں سمٹ آئی۔ ان یادگار لحات کا منظر ہر وہ شخص جو قومی اسمبلی اور سینٹ کے ایوان میں کسی بھی حیثیت سے موجود تھا کبھی بھی نہیں بھلا سکے گا۔ ساڑھے چار بجے سے آٹھ بجے کے درمیان اوپر تلے قومی اسمبلی اور سینٹ کے اجلاسوں نے آئین میں دو اہم ترامیم کے ذریعے منکرین ختم نبوت قادیانیوں کے دونوں فرقوں "قادیانی اور لاہوری جماعت" کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر تاریخ کے صفحات پر ایسے انمٹ نقوش ثبت کر دیئے جس پر قیامت تک فخر و اطمینان کا اظہار کیا جاتا رہے گا۔

ان تاریخی لحات کا آغاز قومی اسمبلی کے اجلاس کے انعقاد سے ہوا۔ جب تلاوت کلام پاک کے بعد چار بجکر چالیس منٹ پر وزیر قانون جناب عبدالحفیظ پیرزادہ نے آئین میں ترمیم کا بل پیش کیا۔ اس کے فوراً بعد انہوں نے اسمبلی کے بعض قواعد کو معطل کرنے کی دو تحریکیں پیش کیں۔ تاکہ ان ترامیم کو تیزی کے ساتھ مختلف مرحلوں سے گزارہ جا سکے۔ ان دستوری ضروریات کو پورا کرنے۔ ترمیمی بل پڑھنے اور اسے ایوان کے سامنے پیش کرنے میں صرف تیرہ منٹ صرف ہوئے اور چار بجکر ترپن منٹ پر بل پہلے مرحلے سے گزر چکا تھا۔ ان تیرہ منٹوں میں ان متواتر اور مسلسل تالیوں کا وقت بھی شامل ہے۔ جو بل پیش کرنے کے دوران بار بار بلند ہوتی رہیں۔ اس بل کو جب وزیر قانون پیش کر رہے تھے۔ تو فقرے فقرے پر اور بعض دفعہ تو لفظ لفظ پر قومی اسمبلی کے اکثر ارکان جذبات سے بے قابو ہو کر ڈیسک اور کرسیاں بجا رہے تھے۔ ان

صورتحال کی خوبصورت تصویر وزیر اعظم نے اپنی تقریر میں ان الفاظ سے کھینچی کہ "درحقیقت ہم سب جذبات کے طوفان سے معرکہ آزما تھے۔"

اگلے تین منٹوں میں بل دوسرے مرحلے میں داخل ہو چکا تھا اور جناب پیرزادہ آئین میں ترمیم کے بل کو فی الفور زیر غور لانے کی تحریک پیش کر چکے تھے۔ گھڑی کی سوئیاں چار بجکر چھپن منٹ پر تھیں جب اسپیکر نے جناب پیرزادہ سے کہا کہ وہ بل پر تقریر کریں۔ جس پر وزیر قانون نے کہا کہ وہ اس پر ایک لفظ کا اضافہ نہیں کریں گے کیونکہ یہ بل پوری اسمبلی پر مشتمل کمیٹی کا متفق علیہ ہے۔ ابھی پیرزادہ بیٹھے ہی تھے کہ تحریک استقلال کے احمد رضا قصوری نے بل میں ترمیم پیش کرنا چاہی۔ کہ صرف قادیانی اور لاہوری گروپ کا نام کافی نہیں بلکہ مرزا قادیان کا نام باقاعدہ طور پر دستور میں درج کر دیا جائے۔ جواب میں وزیر قانون اٹھے لیکن قائد ایوان جناب بھٹو نے احمد رضا قصوری کی بات کا خود جواب دینا مناسب سمجھا۔ انہوں نے کہا اس وقت یہ ترمیم غیر ضروری ہے کیونکہ جس وقت ایوان پر مشتمل خصوصی کمیٹی کا اجلاس ہو رہا تھا اس وقت یہ ترمیم پیش نہیں کی گئی اور کیا اس وقت وہ اس ترمیم کیلئے دو تہائی اکثریت لا سکتے ہیں۔ تو لے آئیں۔ اس پر ایوان میں نہیں نہیں کی آوازیں بلند ہوئیں۔ جس پر اسپیکر نے احمد رضا قصوری کو ان کی ترمیم کے خلاف ایوان کی رائے بتائی تو احمد رضا قصوری بائیکاٹ کر کے ایوان سے باہر چلے گئے۔

مولانا مفتی محمود نے حزب اختلاف کی طرف سے ترجمانی کرتے ہوئے آئین میں ترمیم کے زیر بحث بل کی تائید کا اعلان کیا۔ پانچ بجکر پانچ منٹ پر اسپیکر صاحبزادہ فاروق علی خان نے قائد ایوان جناب بھٹو کو اظہار خیال کی دعوت دی۔ وزیر اعظم کی تقریر کے بعد بل کا تیسرا مرحلہ (خواندگی) شروع ہوا اور وزیر قانون نے بل منظوری کیلئے ایوان کے سامنے پیش کیا۔ تو رائے شماری کے وقت اسمبلی کی تاریخ میں ایک ایسا منظر دیکھا گیا۔ جو اس سے پہلے کبھی دکھائی نہیں دیا۔ ایوان میں موجود اراکین حزب اقتدار اور حزب اختلاف دونوں نے ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر حزب اقتدار کیلئے مخصوص (YES A) ہاں والے دروازے سے گزر کر بل کے حق میں ووٹ دے رہے تھا۔

اس رائے شماری کے بعد ارکان اسمبلی لابی سے پھر اسمبلی ہال میں آئے تو اسپیکر نے پانچ بجکر باون منٹ پر اعلان کیا مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے والی آئینی ترامیم کے حق میں ایک سو تیس (130) ووٹ آئے ہیں۔ جبکہ مخالفت میں ایک ووٹ بھی نہیں ڈالا گیا۔ جس وقت اسپیکر یہ اعلان کرر ہے تھے تو پورا ایوان تکبیر ورسالت اور تاجدار ختم نبوت زندہ باد، تاج و تخت ختم نبوت زندہ باد کے فلک شگاف نعروں سے گونج رہا تھا۔ اراکین اسمبلی خوشی میں ڈیسک بجار ہے تھے۔ ابھی آخری دستوری مرحلہ باقی تھا۔ جس کیلئے شام ساڑھے سات بجے سینٹ کا اجلاس طلب کیا گیا۔ جہاں ان آئینی ترامیم کو سینٹ کے سامنے منظوری کیلئے پیش کیا جانا تھا۔ جس کے بعد ان ترامیم نے دستور کا حصہ بن جانا تھا۔

سینٹ کی کاروائی کا آغاز تلاوت قرآن مجید سے ہوا۔ اس کے بعد سات بجکر پینتالیس منٹ پر کاروائی کا آغاز ہوا۔ سات بجکر پچاس منٹ پر جناب عبدالحفیظ پیرزادہ نے قومی اسمبلی کا منظور کردہ بل ایوان بالا سینٹ میں پیش کیا۔ ترمیمی بل پر منظوری کیلئے دستوری ضروریات سے گزرتے ہوئے پہلے دو مرحلوں پر دوبارہ ایوان کے اندر رائے شماری ہوئی اور پھر حزب اختلاف کو قومی اسمبلی میں حزب اختلاف کے ارکان کی طرح AYES کے دروازے سے گزرنا پڑا۔ یہاں بھی گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے اکٹھے جانے کے وہی مناظر دیکھنے میں آئے اور آٹھ بجکر چار منٹ پر چیئرمین سینٹ جناب حبیب اللہ خان نے آئین میں ترمیم کا اعلان بالاتفاق رائے اکتیس (31) ووٹوں سے کر کے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت ہونے کا دستوری عمل مکمل کردیا۔ قومی اسمبلی کی طرح سینٹ کے در و دیوار بھی نعرہ تکبیر نعرہ رسالت اور تاجدار ختم نبوت زندہ باد، تاج وتخت ختم نبوت زندہ باد کے نعروں سے گونج رہے تھے۔

دونوں ایوانوں میں قرارداد کی متفقہ منظوری نے پورے پاکستان اور سارے عالم اسلام میں جشن کا سماں پیدا کردیا تھا۔ ہر طرف لوگ ایک دوسرے کو مبارکبادیں دے رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں مسرت وشادمانی کے آنسو چھلک رہے تھے۔ مٹھائیاں تقسیم ہو رہی تھیں۔ مساجد سے اعلانات کئے جارہے تھے۔ لوگ اس کامیابی پر رب کی بارگاہ میں سجدہ شکر

اور نماز شکرانہ ادا کر رہے تھے۔ کیونکہ آج تاج وتخت ختم نبوت پر ڈاکہ ڈالنے کرنے والے، خلافت عثمانیہ کی تباہی اور سقوط ڈھاکہ پر چراغاں کرنے اور جشن منانے والے انگریزوں کے ایجنٹ اور نبی آخرالزماں ﷺ کے باغی اور غدار قادیانی دستوری طور پر بھی کافر قرار پائے تھے۔ آج ملت اسلامیہ کو یہ دن ان مجاہدین ختم نبوت کی قربانیوں اور جدوجہد کی وجہ سے نصیب ہوا تھا۔ جنھوں نے اپنی زندگیاں تحفظ ختم نبوت پر نچھاور کر دیں تھیں۔

تحریک پاک ختم نبوت کے شہید و
واللہ! تم پہ آتش دوزخ حرام ہے

جہاں علامہ شاہ احمد نورانی کی پیش کردہ قرارداد کی منظوری نے ختم نبوت کے ہر منکر کو خارج اسلام قرار دے دیا۔ وہاں اس قرارداد کی منظوری نے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کے عہد حکومت کو ایک ایسے اعزاز سے بھی مشرف کر دیا جس پر آنے والی ہر حکومت رشک کرے گی۔ بلاشبہ پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد یہ سب سے زیادہ خوش کن اور ایمان افروز واقعہ ہے۔

واحد متفقہ آئینی ترمیم، آئین کا منفرد اعزاز، ایک تاریخی فیصلہ اور تائید ربانی

1973ء کا آئین ملک کا پہلا آئین تھا۔ جس میں پاکستان کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان، مملکت کا مذہب اسلام، جس کی حفاظت کی ذمہ دار مملکت، مسلمان کی تعریف کی شمولیت اور قرآن وسنت کے منافی کوئی قانون نہ بنانے کی شقوں کی وجہ سے 1956ء، 1962ء کے آئین سے قدرے ممتاز تھا۔ لیکن قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے والی آئینی ترمیم نے اس آئین کو دنیا کے تمام اور بالخصوص اسلامی ممالک کے دساتیر میں ایک منفرد اور انوکھا اعزاز بخشا اور وہ اعزاز یہ تھا کہ اس آئینی ترمیم کے ذریعے اسلام کے ایک بنیادی عقیدے (عقیدہ ختم نبوت جس پر اسلام کی بنیاد قائم ہے اور جس پر عمل نہ کرنے کی صورت میں علماء کرام قرآن وسنت کی رو سے اس کے غیر مسلم ہونے کا اعلان کرتے تھے) کو آئینی اور قانونی تحفظ دے کر اسے مملکت پاکستان کا ایک ایسا قانون بنا دیا گیا تھا جس کی رُو سے عقیدہ ختم نبوت پر یقین نہ رکھنے والا اور آپ ﷺ

کے بعد کسی اور شخص کی نبوت کو ماننے والا کافر و مرتد، خارج از اسلام اور غیر مسلم اقلیت قرار پایا۔ اس لحاظ سے 1973ء کا دستور دنیا کے تمام دساتیر میں منفرد حیثیت اور ممتاز مقام رکھتا ہے۔ آج تک 1973ء کے آئین میں ہونے والی تمام ترامیم میں صرف قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے والی ترمیم آئین کی وہ واحد ترمیم ہے جسے قومی اسمبلی اور سینٹ کے دونوں ایوانوں نے متفقہ طور پر منظور کیا اور اس ترمیم کی مخالفت میں ایک بھی ووٹ نہیں ڈالا گیا۔

قومی اسمبلی کے اس تاریخ ساز فیصلے کو تائید ربانی اس طرح حاصل ہوئی کہ گذشتہ کئی دنوں سے راولپنڈی اور اسلام آباد کا موسم سخت گرم اور خشک تھا۔ تیز دھوپ سے ہر شے تپ رہی تھی، دور دور تک آسمان صاف تھا اور کہیں کوئی بادل کا ٹکڑا دکھائی نہیں تھا۔ لیکن قدرت خداوندی دیکھئے کہ جس وقت خصوصی کمیٹی نے اپنے تاریخ ساز فیصلے کا اعلان کیا دیکھتے ہی دیکھتے آسمان پر سیاہ گھرے بادل چھا گئے، فضا میں ایک خوشگوار مہک پھیل گئی اور موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ جو شام تک جاری رہی۔ عوام نے اس باران رحمت کو خداوند ذوالجلال کی رضا و خوشنودی کی دلیل قرار دیا۔

کسی کو مرزائیوں کی حمایت کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی، علامہ نورانی

علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نے اس فیصلے کے عوامل پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ

> "ماحول ہی ایسا بن گیا تھا کسی کو مرزائیوں کی حمایت کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی۔ باہر کے جلسے جلوسوں اور منظم جدوجہد نے اندر کی فضا اور معاملات کو درست رخ پر رکھا۔ پھر اندر مرزا ناصر نے اپنے کیس کو جو پہلے ہی بہت خراب تھا، مزید خراب کیا۔ میں اس امکان کو بھی رد نہیں کرتا کہ مرزائیوں کی بڑھتی ہوئی قوت سے خود پیپلز پارٹی کی قیادت خائف ہو چکی تھی۔"

(تحریک ختم نبوت جلد سوم 868-867)

نظام مصطفی ﷺ کے نفاذ تک تحریک جاری رہے گی

پاکستان کی قومی اسمبلی سے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے کے بعد علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نے جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں اپنے اعزاز میں دیئے گئے ایک استقبالیہ سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ "اللہ کا شکر ہے ہم نے اپنے منشور کے ایک حصے یعنی

"مقام مصطفی ﷺ کا تحفظ" کو سیاسی طور پر منوالیا ہے اور دوسرے حصے کیلئے تحریک جاری رہے گی اور جب تک اس ملک میں نظام مصطفی ﷺ نافذ نہیں ہو جاتا یہ تحریک جاری رہے گی۔"

(تعارف علماء اہلسنت بحوالہ تحریک تحفظ ختم نبوت اور قادیانیت ص 71)

پچاس ہزار قادیانیوں کا قبول اسلام

علامہ شاہ احمد نورانی اس تاریخی فیصلے کے اثرات کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ

"پارلیمنٹ نے قادیانیوں کے بارے میں جو فیصلہ کیا ہے۔ اس فیصلے کے بعد پچاس ہزار قادیانیوں نے اسلام قبول کیا ہے۔ اگر اس فیصلہ کی موثر طریقے سے تشہیر کی جاتی تو باقی ماندہ قادیانی بھی اسلام قبول کر لیتے۔"

(روزنامہ نوائے وقت 20، دسمبر 1974ء)

"بیٹا میں نے تجھے اسی مقصد کیلئے پالا تھا" عظیم بیٹے کو عظیم ماں کا خراج تحسین

علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کی والدہ ماجدہ "امت الروف" (جن کا تعلق ایک علمی گھرانے سے تھا اور جو صدیقی النسل ہونے کے ساتھ ساتھ خود بھی ایک عالمہ تھیں) نے مبلغ اسلام علامہ عبدالعلیم صدیقی کی عالمگیر تبلیغی سرگرمیوں کے باوجود اپنے بچوں کی تربیت اسی نہج پر کی جس پر مبلغ اسلام چاہتے تھے اور یہ آپ کی تربیت کا ہی اثر تھا۔ جس کا اظہار قائد ملت اسلامیہ حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کی زندگی میں نظر آتا ہے۔ سچ کہا ہے کسی نے کہ بچے کی پہلی تربیت گاہ والدہ کی گود ہوتی ہے۔ والدہ جیسی بچے کی پرورش کرتی ہے۔ بچہ اسی رنگ میں رنگا جاتا ہے۔

"نورانی میاں کے والد صاحب بھی تبلیغی دوروں پر ہوتے تھے۔ اسی لیے

زیادہ تربیت میں نے کی۔میرا بیٹا ماشاء اللہ بہت خدمت گزار اور اچھا ہے۔اس کی ایک محبت بھری نظر سے ہی میری طبیعت بحال ہوجاتی ہے۔"

(انٹرویو مولانا نورانی،نوائے وقت فیملی میگزین 27،ستمبر 1998ء)

علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کی زندگی صبح وشام والدہ کی تربیت کے آئینہ دار ہیں ۔آپ اپنی والدہ سے بے انتہا محبت کرتے تھے اوران کے احترام کوفرض عین کی طرح زندگی بھر نبھایا۔آپ کی والدہ ماجدہ روحانیت کے اعلیٰ مدارج پر فائز تھیں۔اسلئے علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کا اپنی والدہ سے صرف ماں اور بیٹے کا تعلق نہیں بلکہ آپ کا اپنی والدہ سے روحانی تعلق اکتساب اور حصول فیضان کا بھی تھا۔زندگی بھر آپ کا معمول رہا کہ کسی پروگرام،کسی دورے پر والدہ کی اجازت کے بغیر نہیں جاتے تھے۔روزانہ والدہ محترمہ کوقرآن مجید سناتے اوران کی خدمت گزاری کے اوقات میں مداخلت اور ملاقات کوسخت ناپسند فرماتے تھے۔علامہ شاہ احمد نورانی جب کہیں جاتے توجانے سے پہلے سب سے آخر میں والدہ محترمہ سے ملتے اورواپس آنے کے بعد سب سے پہلے والدہ کی خدمت میں حاضری دیتے۔رات کواگر گھر دیر سے آتے تو والدہ آپ کے انتظار میں جاگ رہی ہوتیں۔علامہ شاہ احمد نورانی سلام کرکے اپنی والدہ کے پاس بیٹھ جاتے اوراس وقت تک اپنی والدہ کے پیر دباتے جب تک کہ آپ کی والدہ سونہیں جاتیں۔والدہ ماجدہ سے محبت،عقیدت واحترام میں علامہ شاہ احمد نورانی جیسی مثال شاید ہی کوئی اور مل سکے۔ آپ کی والدہ بھی آپ سے بے انتہا محبت فرماتی تھیں اور مبلغ اسلام کی وفات کے بعد سے تادم وصال وہ علامہ شاہ احمد نورانی کے ساتھ رہیں۔ایک سوتین سال کی عمر میں 22،مئی 2001ء کو آپ کی والدہ ماجدہ اس جہان فانی سے کوچ کرگئیں۔ان کی وفات نے علامہ شاہ احمد نورانی کو اندر سے شکستہ اور کمزور کردیا۔درحقیقت علامہ نورانی کی روحانی،فکری اورظاہری طاقت کے پیچھے آپ کی والدہ ماجدہ کی موجودگی ہی آپ کا اصل سہارا تھی۔والدہ کے وصال کے بعد علامہ شاہ احمد نورانی باقاعدگی سے ان کی قبراطہر پر حاضری دیتے رہے۔اپنے وصال سے پندرہ دن قبل عید

الفطر کی نماز کی ادائیگی کے بعد علامہ شاہ احمد نورانی نے صوفی عبدالہادی کے ہمراہ اپنی والدہ ماجدہ کی قبر پر حاضری دی اور اپنی والدہ کے قدموں کی جانب کی زمین کو اپنے عصا سے ٹھونکتے ہوئے صوفی عبدالہادی سے مخاطب ہو کر پوچھا "عبدالہادی بھائی یہ زمین کیسی ہے" صوفی عبدالہادی نے جواب دیا حضرت اچھی ہے جس پر علامہ شاہ احمد نورانی نے سکوت فرمایا اور فاتحہ خوانی سے فارغ ہو کر گھر کی جانب روانہ ہو گئے۔ علامہ شاہ احمد نورانی عارف باللہ تھے انہیں اشارہ ہو گیا تھا کہ وقت نزدیک آ گیا ہے اس لیے وہ اپنے معالج کے مشورے کے باوجود انجیو گرافی کی تاریخ تبدیل کراتے رہے اور دنیاوی وعدوں کو زیادہ سے زیادہ پورا کرنے میں لگے رہے۔

علامہ شاہ احمد نورانی نے زندگی بھر وجدان و آگہی کو رہنما بنا کر عرفان الٰہی کی شمع اپنے قلب میں روشن رکھی۔ وہ زندگی بھر اپنی والدہ سے بے تحاشہ محبت کرتے رہے اور فرط محبت سے بے تاب ہو کر ان کے پاؤں دباتے رہے اور انتقال فرمانے کے بعد بھی انہوں نے ماں کے قدموں میں رہنا پسند کیا اور انہی کے قدموں میں آخری نیند سو گئے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقاں پاک طینت را

زندگی بھر والدہ ماجدہ کی خدمت کرنے والے علامہ شاہ احمد نورانی کو وصال کے بعد والدہ ماجدہ کے قدموں میں تدفین کی جگہ ملی، آپ کی قبر مبارک پر حاضری دیتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ زندگی بھر تحفظ ناموس رسالت ﷺ کیلئے جدوجہد کرنے والا مجاہد اب اپنی والدہ محترمہ کے قدموں میں سر رکھے آرام فرما ہے۔

ایک گھریلو خاتون ہونے کی وجہ سے علامہ شاہ احمد نورانی کی والدہ دنیاوی جھمیلوں سے دور رہیں۔ مگر آپ کی زندگی میں دو مواقع ایسے ضرور آئے جب آپ کو دنیا بھر کے اخبارات نے کوریج دی۔ ایک اس وقت جب ان کے لخت جگر آئین ساز کمیٹی کے رکن کی حیثیت سے آئین کو اسلامی بنانے اور قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے کے بعد ٹرین کے ذریعے کراچی واپس پہنچے۔ تو آپ کی والدہ محترمہ مکمل شرعی پردے میں ریلوے اسٹیشن پر اپنے بیٹے کے استقبال کیلئے تشریف لائیں۔ علامہ شاہ احمد نورانی نے والدہ محترمہ کو دیکھا تو حسب معمول ان کے

قدموں کا بوسہ لیا۔ اس موقعہ پر آپ کی والدہ نے جو الفاظ ارشاد فرمائے وہ قرون اولیٰ کی ماؤں کی یاد دلاتے ہیں، آپ نے فرمایا

"بیٹا میں نے تجھے اسی مقصد کیلئے پالا تھا۔ آج تم نے نبی کریم ﷺ کے دشمن قادیانی کو قانونی طور پر کافر قرار دلوایا ہے۔ تم نے اپنے والد کے مشن کو پورا کر دیا ہے۔ میں تم سے بہت خوش ہوں۔"

آپ کی والدہ کی زندگی میں دوسرا موقعہ اس وقت آیا جب علامہ شاہ احمد نورانی کو تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ 1977ء کے دوران بھٹو حکومت نے پاکستان کے گرم ترین مقام گڑھی خیرو میں قید کیا تھا۔ اس وقت جب عوام کو اخبارات کے ذریعے یہ انکشاف ہوا کہ حکومت نے آپ کو انتہائی اذیت ناک ماحول میں قید کیا ہوا ہے تو انہوں نے پرزور احتجاج کے ساتھ آپ کی والدہ کو اظہار ہمدردی کیلئے خطوط لکھے۔ ان ہمدردانہ خطوط کے جواب میں علامہ شاہ احمد نورانی کی والدہ محترمہ نے جو بیان اخبارات کو جاری کیا۔ اس نے ان مجاہدین اسلام کی ماؤں کی یاد تازہ کر کے تاریخ اسلام کو دوبارہ زندہ کر دیا۔ آپ نے لکھا کہ

"مجھے گذشتہ چند روز میں سینکڑوں ٹیلی فون اور پیغامات ملے ہیں جن میں میرے لڑکے نورانی میاں کے ساتھ کی جانے والی زیادتیوں کے سلسلے میں اظہار ہمدردی کیا گیا ہے۔ میں ان تمام لوگوں کو جو نورانی میاں کے ساتھ ہونے والی بدسلوکی پر آزردہ ہیں۔ انہیں ہدایت کرنا چاہتی ہوں کہ وہ اظہار افسوس کے بجائے خدا کا شکر ادا کریں کہ اس نے ان کے رہنما کو حق بات کہنے اور پھر حق بات کیلئے سختیاں جھیلنے کی سعادت عطا کی۔

انہوں نے کہا کہ جہاں تک میرا تعلق ہے اگرچہ میں عمر کے اس حصے میں ہوں کہ ہمہ وقت اپنے بیٹے کی قربت کی خواہش محسوس کرتی ہوں مگر اس کے باوجود مجھے اپنے بیٹے پر فخر ہے۔ اس نے عظیم باپ مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی علیہ الرحمہ کی لاج رکھ لی اور اس ملک میں نظام مصطفیٰ ﷺ کی تحریک

کو اس منزل پر لے جا رہا ہے جہاں سے کامیابی کا راستہ مختصر نظر آ رہا ہے۔
مجھے یقین ہے کہ جنت البقیع مدینہ منورہ میں میرے شوہر اپنے بیٹے کی اس کامیابی پر نازاں ہونگے۔ حق و صداقت کے راستے میں نورانی میاں نے جو سختیاں جھیلی ہیں۔ وہ ایک مامتا کے دل کیلئے بظاہر تکلیف دہ ضرور ہے مگر ان کے پیش روؤں کو حق کیلئے اس سے بڑی قربانی دینی پڑی ہیں۔
مجھے خوشی ہے کہ نورانی میاں کا حوصلہ بلند ہے اگر قومی زندگی کے اس نازک مرحلے پر وہ کسی قسم کی کمزوری کا مظاہرہ کرتے تو میں مرتے دم تک انہیں اور خود کو معاف نہیں کر پاتی۔ خود کو یہ سوچ کر کہ کہیں میری تربیت میں کوئی کمی تو نہیں رہ گئی۔ مگر آج میں خوش ہوں کہ حشر میں حضور ﷺ کے روبرو مجھے شرمندگی نہیں اٹھانی پڑے گی اور نہ ہی میں اپنے شوہر کے روبرو شرمسار ہوں گی۔ میں ان تمام بہنوں کو بھی خراج تحسین پیش کرتی ہوں جن کے بچوں، شوہروں یا بھائیوں نے نظام مصطفی ﷺ کی راہ میں جانیں دی ہیں یا جن کے بچے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے ہیں۔ میں انہیں یقین دلاتی ہوں کہ ظلم کی تاریکی چھٹنے والی ہے اور وہ صبح ضرور طلوع ہوگی جو نظام مصطفی ﷺ کی روشنی لیے ہوئے ہوگی اور جس کے ذریعے اس ملک میں عدل و انصاف کا دور دورہ ہوگا۔"

(روزنامہ نوائے وقت۔ 23 مئی 1974ء)

"علماء سیاست میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں" علامہ نورانی

علامہ شاہ احمد نورانی نے کراچی کے مختلف کالجوں کے منتخب نمائندوں کی جانب سے اپنے اعزاز میں دیئے گئے ایک استقبالیہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ
"علماء نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ ملکی سیاست میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں اور تحریک کے دوران مرزائیوں پر واضح ہو چکا ہے کہ وہ کس قوم کے

خلاف سازش کرر ہے ہیں۔اس استقبالیہ میں خطاب کرتے ہوئے آپ نے تحریک ختم نبوت کے اسیروں کی رہائی کے اعلان کو ناکافی قرار دیتے ہوئے،ان کے خلاف جھوٹے مقدمات بھی واپس لینے کا مطالبہ کیا۔"

علامہ شاہ احمد نورانی نے تحریک ختم نبوت کے دوران بالخصوص پنجاب کے مسلمانوں کی تحریک میں خدمات کو زبردست خراج تحسین پیش کیا۔اہلیان فیڈرل بی ایریا کراچی کی جانب سے تحریک ختم نبوت کے دوران بے مثال کردار ادا کرنے پر اپنے اعزاز میں دیئے گئے ایک استقبالیہ سے خطاب کرتے ہوئے علامہ شاہ احمد نورانی نے فرمایا کہ

"تحریک ختم نبوت کے دوران ہر طبقہ کے مسلمانوں نے ذمہ داری کا احساس کیا اور بے پناہ قربانیاں دیں ہیں،جس کا ثمر اس تحریک کی کامیابی کی شکل میں ہمیں ملا ہے۔"

علامہ شاہ احمد نورانی نے 27،اکتوبر 1974ء کو کراچی میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے حکومت کو آگاہ کیا کہ

"اگر ربوہ کو جلد کھلا شہر نہ بنایا گیا تو دس لاکھ عاشقان رسول ﷺ قادیانیوں کے شہر کی طرف مارچ شروع کردیں گے۔رجسٹریشن ایکٹ،تقرری اور انتخابی قوانین میں فوراً ترمیم کی جائے۔قادیانی تحریک کا سہرا حکومت کے سر نہیں بلکہ عوام کے سر ہے۔جنھوں نے بے بہا قربانیاں دی ہیں۔"

(ماہنامہ لانبی بعدی ختم نبوت نمبر 2002ئ)

اہل مدینہ پاکستان کی سلامتی کی دعائیں مانگیں۔علامہ نورانی

علامہ شاہ احمد نورانی نے اپنے خسر علامہ فضل الرحمن مدنی کے تہنیتی تار کے جواب میں جس میں انہیں تحریک ختم نبوت کی تاریخ ساز کامیابی اور قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے پر خراج تحسین پیش کیا گیا تھا،فرمایا

"قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینا عالم اسلام کے جذبات کی صحیح ترجمانی

ہے۔آپ اہل مدینہ منورہ پاکستان کی سلامتی کیلئے دعائیں مانگیں۔

(ماہنامہ لانبی بعدی ختم نبوت نمبر 2002ئ)

فیصلے کے بعد قادیانیوں کو بے نقاب کرنے کیلئے علامہ نورانی کا عالمی دورہ

علامہ شاہ احمد نورانی نے قادیانیوں کے خلاف اپنی حکمت عملی کا اظہار کرتے ہوئے15، ستمبر 1974ء کو کراچی میں جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ

> ''تحریک ختم نبوت کا روح پرور اتحاد جاری رہنا چاہیے۔ورلڈ اسلامک مشن کی تمام شاخوں کو قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے پر پروپیگنڈے کا توڑ کرنے کی ہدایت کر دی گئی ہے،اس کے ساتھ ساتھ ملک بھر میں ختم نبوت کانفرنسیں بھی منعقد کی جائیں گی اور عنقریب ربوہ میں ایک عظیم الشان ختم نبوت کانفرنس بھی منعقد کی جائے گی۔''

(ماہنامہ لانبی بعدی ختم نبوت نمبر 2002ئ)

7، ستمبر 1974ء کو علامہ شاہ احمد نورانی نے قادیانیوں کو پاکستان کی قومی اسمبلی سے آئینی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے کے بعد اپنے رفقاء حضرت علامہ ارشد القادری، مجاہد ملت حضرت مولانا عبدالستار خان نیازی اور مرد مومن مرد حق پروفیسر شاہ فرید الحق کے ہمراہ 20، دسمبر 1974ء کو امریکہ، برطانیہ، کینیڈا، مغربی جرمنی، اسپین، تیونس، لیبیا، مصر، الجزائر، ترکی اور دیگر ممالک سمیت افریقہ کے اٹھارہ مختلف ممالک کے تقریباً ساڑھے تین ماہ طویل دورے کئے ۔اپنے اس دورے کے دوران آپ نے کم وبیش ایک لاکھ میل سے زائد سفر طے کیا اور مختلف مقامات پر چھ سو سے زائد تقاریر کے ذریعے آپ نے بیرون ممالک میں بسنے والے مسلمانوں کو قادیانیوں کے خلاف پاکستان کی قومی اسمبلی کے متفقہ فیصلے اور مسلمانان پاکستان کی تاریخ ساز جدوجہد سے آگاہ کیا۔اس تبلیغی دورے کا بہت اچھا اثر ہوا اور قادیانیوں کے فریب میں آجانے والے بیشمار افراد نے قادیانیت سے تائب ہوکر اسلام قبول کیا اور اس دورے کے نتیجے میں قادیانیوں کے کم وبیش 80% فیصد مراکز بند ہوگئے۔

اس دورے کے دوران علامہ شاہ احمد نورانی نے نیروبی، T.V کو انٹرویو دیتے ہوئے فرمایا

''قادیانی اسلام کے دشمن ہیں پاکستان کی قومی اسمبلی نے انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دے کران کی اسلام اور پاکستان کے خلاف سازشوں کا پردہ چاک کردیا ہے۔وہ بیرون ممالک میں پاکستان کا نام لے کر مصروف کار ہیں۔جبکہ حقیقت میں وہ ان ملکوں کے اتحاد کو کمزور کررہے ہیں۔لہٰذا اپنے عقیدے کے دفاع کیلئے اُن سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔اس دورے کے دوران بہت سے غیر مسلموں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔اس دورے کے دوران آپ نے حج وعمرہ کی سعادت بھی حاصل کی اور روضہ رسول ﷺ پر حاضری کے دوران آپ نے قادیانیوں کے خلاف تحریک کو کامیابی سے ہمکنار ہونے پر شکرانے کے نوافل بھی ادا کئے۔13،اپریل 1975ء کو یہ وفد وطن واپس آ گیا۔

(ایک عالم ایک سیاستداں، ص 7، اور ماہنامہ ضیائے حرم ختم نبوت نمبر 1974ء)

قومی اسمبلی کے تاریخی فیصلے کی پذیرائی

قومی اسمبلی کے اس تاریخ ساز فیصلے پر ملک کے تمام اخبارات میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی خبریں نمایاں طور پر شائع ہوئیں۔قومی اخبارات ورسائل نے علامہ شاہ احمد نورانی سمیت مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے تمام رہنماؤں کو اس جدوجہد میں تاریخ ساز کردار ادا کرنے اور متفقہ فیصلے تک پہنچنے پر مبارکباد پیش کی اور قومی اسمبلی کے اس فیصلے کو عوامی امنگوں کا آئینہ دار قرار دیا۔ذیل میں چند تبصرے جو اس موقع پر قومی اخبارات ورسائل میں شائع ہوئے درج ہیں۔

ایک مسئلہ جو حل ہو گیا........!

حضرت علامہ سعادت علی قادری ترجمان اہلسنت کے اداریے میں لکھتے ہیں کہ

''احمدیوں کا مسئلہ 27، سال سے پاکستان کیلئے ایک مستقل خطرہ بنا ہوا تھا اس کو حل کرنے کیلئے ماضی میں کوششیں کی گئیں لیکن کامیابی نہ ہوسکی۔ کئی مرتبہ یہ مسئلہ مسلمانوں میں خون خرابے کا سبب بنا۔ نہ جانے کتنے احمدی ہلاک ہوئے اور کتنے تحفظ ختم نبوت کے متوالے اور خاتم النبیناؐ کے پروانے شہید ہوئے لیکن شہیدوں کا خون رائیگاں نہیں جاتا۔ آخر کار خون شہداء رنگ لایا اور 7، ستمبر 1974ء کا سورج غروب ہوتے ہی خبر ملی کہ ''احمدیوں (قادیانیوں) کو غیر مسلم اقلیت قرار دیدیا گیا'' اللہ کی طرف سے ہر کام کا وقت مقرر ہے انسان کوشش کرتا ہے لیکن اسے اپنی کامیابی کے وقت مقررہ کا کوئی علم نہیں ہوتا۔ شمع رسالت کے پاکستانی پروانے ختم نبوت کا قانونی تحفظ چاہتے تھے۔ اس کیلئے ان کا ایثار و قربانی جاری تھا لیکن اس نیک مقصد میں کامیابی کا وقت ان کو یقیناً پتہ نہ تھا۔ کئی مرتبہ انہیں محسوس ہوا کہ اب منزل قریب ہے لیکن اچانک انہوں نے اپنے آپ کو منزل سے دور پایا اور جب وقت آیا تو عجب انداز میں، ہوا یہ کہ ''29 مئی 1974ء کو اچانک ربوہ اسٹیشن سے گزرنے والی ٹرین (چناب ایکسپریس) پر احمدیوں نے حملہ کیا اور نشتر میڈیکل کالج کے مسافر طلبہ کو خوب اچھی طرح زدوکوب کیا'' یہ واقعہ کیوں رونما ہوا۔ اس پر اخبارات و رسائل نے بہت لکھا۔ بہر حال اس واقعہ کا اثر یہ ہوا کہ یہ خبر پورے ملک میں آگ کی طرح پھیل گئی اور غلامان مصطفیٰ ﷺ میں ایک اضطراب پیدا ہو گیا اور اس مرتبہ علمائے، عوام، مذہبی رجحان رکھنے والے لیڈروں سب نے فیصلہ کر لیا کہ احمدیوں کو اس ملک میں ان کا صحیح مقام دیکر ان کی حد مقرر کردی جائے تا کہ ملک کی سالمیت کے خلاف وہ مزید اقدام نہ کرسکیں اور پاکستان ہمیشہ کیلئے ان کی سازشوں سے [redacted]ظ ہو جائے۔ اس عزم کی

تکمیل کیلئے جلسے ہوئے۔جلوس نکلے،احتجاج کئے گئے،ہڑتالیں ہوئیں،احمدیوں کا زبردست سوشل بائیکاٹ شروع ہوا۔ابتداً حکومت نے اس کو کچھ اہمیت نہ دی اور اپنی انتظامی ذمہ داریوں کو پورا کرتے ہوئے پولیس کے ذریعے معاملہ ختم کرانے کی کوشش کی۔گرفتاریاں ہوئیں،عوام کو ڈرایا اور دھمکایا گیا،لیکن تحریک دن بدن تیز ہوتی گئی۔یہاں تک کہ وزیر اعظم پاکستان (ذوالفقار علی بھٹو) نے اپنی جمہوری ذہنیت سے سوچا اور معاملے کی نزاکت کو بھانپ لیا۔اس سلسلے میں انہوں نے علماء اور عوامی نمائندوں سے مذاکرات کئے اور 13، جون 1974ء کو ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر تقریر میں قوم سے وعدہ کیا کہ "احمدیوں کا مسئلہ بجٹ کے بعد قومی اسمبلی میں پیش کیا جائے گا اور اسے مساویانہ،غیر جانبدارانہ اور اسلامی اصولوں کے مطابق حل کیا جائے گا" چنانچہ عوام اسمبلی کا بجٹ سیشن ختم ہونے کا انتظار کرنے لگے۔لیکن تحریک پورے زور کے ساتھ جاری رہی۔وہی جلسے،وہی جلوس،وہی احتجاج،یہاں تک کہ 30، جون 1974ء کو قومی اسمبلی نے ایک قرارداد کی منظوری جس کے تحت احمدیوں کے مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کیلئے پورے ایوان پر مشتمل ایک کمیٹی بنادی گئی......24، جون 1974ء کو وزیر اعظم نے اعلان کیا کہ قومی اسمبلی اس مسئلہ کا جو بھی جمہوری حل تلاش کرے گی۔ہمیں وہ منظور ہوگا،4، اگست 1974ء کو وزیر اعظم کو اعلان کرنا پڑا کہ قومی اسمبلی اس مسئلے کو 7، ستمبر 1974ء سے قبل حل کردے گی۔اس اعلان کے بعد کچھ منزل قریب آئی اور اب ہر طرف یہ سوال ہوتا تھا کہ 7، ستمبر کو کیا ہوگا۔6، ستمبر پاکستان کی تاریخ کا اہم دن یوم دفاع ہے لیکن اس مرتبہ لوگوں کی توجہ کا مرکز 7، ستمبر تھا اور واقعی 7 ستمبر پاکستان کی تاریخ کا ہی

نہیں بلکہ مسلمانانِ ہند کی سو سالہ تاریخ کا اہم دن قرار پایا۔ سورج غروب ہوا اور تحفظ ختم نبوت کی قانونی حیثیت کا اعلان ہوا۔ "احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیدیا گیا" صبح کے اخبارات نے اس اہم ترین خبر کو الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ اس طرح شائع کیا۔

"منکرین ختم نبوت کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیا گیا۔"

(روزنامہ جنگ کراچی)

"احمدیوں کو اقلیت قرار دیدیا گیا، قانون میں ترمیم منظور۔"

(روزنامہ حریت کراچی)

"ان الباطل کان زھوقا، بے شک باطل فنا ہونے کیلئے ہے، پاکستان کے آئین میں ترمیم کر دی گئی، قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیدیا گیا۔"

(روزنامہ نوائے وقت لاہور)

"QADIANIS DECLARED MINORITY"

"Preaching against finality of Prophethood by a Muslim made punishabke"(Daily Dawn Karachi 8 Sep.1974)

بہرحال خدا کا شکر ہے کہ مسئلہ حل ہو گیا اور نوے (90) سالہ پرانے مسئلے کو حل کرنے کا شرف موجودہ اسمبلی کو نصیب ہوا....... حق یہ ہے کہ گلستان ختم نبوت کے پھولوں کا یہ سہرا شمع رسالت کے تمام پروانوں کو نصیب ہوا۔ اس میں حکام بالا، معزز اراکین قومی اسمبلی، قائدین مجلس عمل تحفظ ختم نبوت، طلباء سماجی و جماعتی کارکن، جلسوں میں شریک ہونے والے عوام گھروں میں رو رو کر دعائیں کرنے والی مائیں، بہنیں، ہڑتالوں میں ساتھ دے کر مالی ایثار کرنے والے، فلک شگاف نعروں سے جذبات کو بیدار کر دینے والے مجاہد، غرض جس نے بھی جس طرح تاج ختم نبوت کی

حفاظت میں حصہ لیا، وہ سب شامل ہیں۔
یہ حقیقت بھی قابل ذکر ہے کہ حسب سابق جمعیت علماء پاکستان کے قائدین، علماء، کارکن اور جمعیت سے متعلق عربی مدارس کے طلباء کا اس پوری تحریک میں نمایاں کردار رہا ہے۔جس کیلئے بلاشبہ جمعیت کے صدر قائد اہلسنت حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی قابل مبارکباد ہیں۔ہم یقین کرتے ہیں کہ موصوف کی باصلاحیت قیادت میں اب ملک میں نظام مصطفی کے نفاذ کیلئے جمعیت کی کوششیں پہلے سے زیادہ منظم اور تیز ہو جائیں گی اور وہ وقت دور نہیں جن ہمیں ہماری منزل بھی مل جائے گی"

(اداریہ ماہنامہ ترجمان اہلسنت اکتوبر 1974ئ)

پارلیمنٹ کا فیصلہ عوام کے جذبات اور امنگوں کا آئینہ دار

روزنامہ ڈان نے اداریے میں لکھا کہ "قادیانی مسئلے پر پارلیمنٹ کی قرارداد پاکستان کے عوام کے جذبات اور امنگوں کے عین مطابق ہے۔یہ ایک تاریخی اہمیت کا حامل معاملہ ہے۔تقریباً نوے سالوں سے یہ مسئلہ ایک آتش فشاں کی طرح موجود تھا۔جو کبھی خاموش اور کبھی لاوا اگلتا تھا۔مگر اس کی آگ کبھی سرد نہیں ہوتی تھی۔یہ بہت اہم بات ہے کہ اس معاملے کو اسی انداز میں عوامی نمائندگان کے متفقہ فیصلے کی رو سے طے کیا گیا........
قومی اسمبلی کا اتفاق رائے سے اس کارنامے کا سرانجام دینا جس نے سارے ایوان کی خصوصی کمیٹی کے طور پر کام کیا بہت اہمیت کا حامل ہے۔"

(اداریہ روزنامہ ڈان کراچی 10،ستمبر 1974ئ)

فیصلے کے پیچھے پوری قوم کی امنگیں کارفرما ہیں

روزنامہ دی مارننگ نیوز نے لکھا کہ "قومی اسمبلی کے واضح اور درست فیصلے سے اس مسئلہ پر تمام تنازعات ختم ہو جانے چاہئیں۔بلاشبہ تمام ارکان

اسمبلی نے اپنی سیاسی ہمدردیوں اور مذہبی عقائد سے بالاتر ہو کر ایک قابل تقلید احساس ذمہ داری کا یکجہتی سے فیصلہ کر کے ثبوت پیش کیا ہے........ ملک کے سب سے بڑے قانون ساز ادارے نے متفقہ طور پر قرارداد منظور کی۔ جس میں آئین میں ترمیم کے ذریعے ایسے ہر شخص کو غیر مسلم قرار دے دیا گیا۔ جو حضرت محمد مصطفی ﷺ کی ختم نبوت پر یقین نہیں رکھتا۔ یہ ایک خوش کن امر ہے کہ قرارداد پیش کرنے والوں میں اسلامی عقائد کے تمام مکاتب فکر جمع تھے۔ چنانچہ اس فیصلے کے پیچھے پوری قوم کی امنگیں کار فرما ہیں۔"

(روزنامہ دی مارننگ نیوز کراچی 9، ستمبر 1974ئ)

قادیانی ردّعمل اور فیصلے کے اثرات

7، ستمبر 1974ء کی آئینی ترمیم نے علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کے ان خیالات کی تصدیق کر دی کہ

"قادیانیوں نے مذہب کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے۔ درحقیقت یہ ایک بہت بڑی خطرناک سیاسی تحریک ہے اور یہ صیہونیت کی ایک ذیلی تنظیم ہے، جو مسلمانوں کے اندر رہ کر مسلمانوں کی تباہی و بربادی کا سامان پیدا کر رہی ہے۔"

(عہد رواں کی ایک عبقری شخصیت۔ ص82)

آئینی ترمیم نے قادیانیت کے تمام مذہبی اور سیاسی پہلوؤں کو بے نقاب کر کے رکھ دیا۔ مسلمانان عالم نے یہ محسوس کر لیا کہ یہ ایک زیر زمین سیاسی تنظیم ہے اور اس کا مذہبی لبادہ دراصل سیاسی کھیل کھیلنے کا محض ایک ڈھکوسلہ ہے۔ قادیانیت کے یہودیت اور سامراجیت سے گہرے تعلقات ہیں۔ جو اسے اپنے مذموم مقاصد کیلئے استعمال کرتے ہیں اور اپنے ان غیر ملکی آقاؤں کے اشارے پر اس نے عالم اسلام کی بنیادیں کھوکھلی کرنے کیلئے ایک تباہ کن اسلام مخالف کردار ادا کیا ہے۔

1974ء کی تحریک ختم نبوت کے بارے میں قادیانیوں کا نقطہ نظر اپنی نوعیت کے اعتبار سے معذرت خواہانہ ضرور تھا۔ لیکن اس کے ساتھ وہ یہ الزام بھی عائد کرتے تھے کہ اس تحریک کو حکومت نے اپوزیشن کو کچلنے کیلئے پروان چڑھایا تھا اور پاکستان میں مطلق العنانیت کی راہ ہموار کی تھی۔

چوہدری ظفر اللہ قادیانی نے ایک بیان میں قومی اسمبلی کے اس فیصلے پر شدید ردِّ عمل ظاہر کیا اس نے کہا کہ پاکستانی پارلیمنٹ کو کوئی اختیار نہیں کہ وہ قادیانیوں کے عقیدے کا فیصلہ کرے۔ اس نے پاکستان میں قادیانیوں کے غی[redacted]ط ہونے کا الزام عائد کیا۔ جس پر علامہ شاہ احمد نورانی نے ظفر اللہ قادیانی کے الزامات کی سختی سے تردید کرتے ہوئے فرمایا

"کہ پاکستان میں قادیانی بالکل [redacted] ہیں۔ ظفر اللہ خان کا الزام جھوٹا ہے
اور قومی اسمبلی کو قادیانی مسئلے پر کوئی بھی فیصلہ کرنے کا مکمل اختیار ہے۔"

(ماہنامہ لانبی بعدی ختم نبوت نمبر 2002ئ)

وزیر قانون عبدالحفیظ پیرزادہ نے بھی چوہدری ظفر اللہ قادیانی کے ان الزامات کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ پارلیمنٹ ایک اعلیٰ ادارہ ہے اور کوئی بھی اس کے فیصلے کو چیلنج نہیں کر سکتا۔

قادیانیوں کے بارے میں متفقہ آئینی ترمیم کے باوجود حکومت اس فیصلے پر مکمل عمل درآمد کروانے میں ناکام رہی۔ دوسری طرف بیوروکریسی میں سرگرم عمل قادیانی عناصر نے وہ تمام ممکنہ اقدامات کیئے جس سے اس آئینی ترمیم کو بے فائدہ اور بے اثر بنا دیا جائے۔ جس کی وجہ سے قادیانیوں نے پاکستانی پارلیمنٹ کے اس فیصلے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے رویے پر بضد رہتے ہوئے نئے پروگرام اور قوت کے ساتھ اپنی ارتدادی مہم جاری رکھی۔ انہوں نے اس فیصلے کے بعد بھی نئی قادیانی عبادت گاہوں کی تعمیر، مرزا غلام احمد کو نبی اور رسول اور اس کے ساتھیوں کو صحابہ قرار دینے جیسے ملحدانہ عقائد کی تبلیغ و اشاعت جاری رکھی۔ اس فیصلے کے عملی نفاذ کی ذمہ داری حکومت وقت پر عائد ہوتی تھی۔ لیکن بیوروکریسی کی سازشوں کی وجہ سے بھٹو حکومت

اس فیصلے کے عملی نفاذ میں قطعاً ناکام ثابت ہوئی۔

علامہ شاہ احمد نورانی نے متعدد مواقعوں پر قادیانیوں کی بڑھتی ہوئی شرانگیز سرگرمیوں پر تنقید کی

"انہوں نے کراچی میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے حکومت سے یہ مطالبہ کیا کہ کسی قادیانیوں کو حج بیت اللہ پر جانے نہیں دیا جائے۔اس دوران آپ قادیانیوں کو اسلامی اصطلاحات کے استعمال سے روکنے اور تبلیغ کی خاطر بیرون ملک جانے والے قادیانیوں کو زرمبادلہ نہ دیئے جانے کے مطالبات بھی کرتے رہے۔"

(ماہنامہ لانبی بعدی ختم نبوت نمبر 2002ئ)

علامہ شاہ احمد نورانی ہمیشہ آئینی فیصلے پر عمل درآمد کا مطالبہ کرتے رہے اور حکومت کو اس کی ذمہ داری کا احساس دلاتے رہے،آپ کے نزدیک اس آئینی فیصلے پر عمل درآمد کی ذمہ داری حکومت وقت کی تھی۔

"آپ فرماتے ہیں آئین پر عمل درآمد نہایت ضروری ہے۔قادیانی مسئلے پر ہم اللہ کے فضل سے کامیاب رہے۔ہماری جدوجہد سے فیصلہ آئین کا حصہ بن چکا ہے۔اب کوئی اس پر عمل نہیں کرتا تو یہ اس کی اپنی بدبختی ہے"

(انٹرویو علامہ شاہ احمد نورانی، ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی ماہنامہ ضیائے حرم لاہور دسمبر 1974ء)

جنرل ضیاء کے اقتدار پر قبضہ کرنے کے بعد آئین اور آئین میں موجود اسلامی دفعات کی معطلی سے قادیانیوں کو مزید پر پرزے نکالنے کا موقعہ مل گیا۔علامہ شاہ احمد نورانی نے آئین اور آئین میں موجود اسلامی دفعات کی معطلی پر شدید احتجاج کرتے ہوئے فوری بحالی کا مطالبہ کیا۔

7،ستمبر 1974ء کو قادیانیت کے خلاف مسلمانان پاکستان اور اراکین اسمبلی کا متفقہ

فیصلہ دراصل اُس بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔ جس پر بعد کی آنے والی حکومتوں نے مزید ترمیم و اضافہ کر کے اس کے موثر نفاذ کے اقدامات کئے۔ چنانچہ دس سال بعد 26، اپریل 1984ء کو اس وقت کے صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے ستمبر 1974ء کی آئینی ترامیم کو مزید موثر اور فعال بنانے کیلئے ایک صدارتی آرڈیننس ''امتناع قادیانیت آرڈیننس 1984ئ'' جاری کیا۔ جس کے تحت قادیانیوں اور لاہوریوں کو ایسے تمام امور جن میں مرزا کے وارثوں کیلئے امیر المومنین، ساتھیوں کیلئے صحابہ، اس کے خاندان کیلئے اہل بیت، ان کی جائے عبادت کو مسجد کا نام دینے سے، مسلمانوں کی طرح اذان دینے، اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے، اپنے عقیدے کی دعوت دینے اور تبلیغ کرنے سے، اور ایسے امور انجام دینے جن سے مسلمانوں کے مذہبی جذبات برانگیختہ ہوں روک دیا گیا۔

15، جولائی 1984ء کو قادیانی جماعت راولپنڈی کے امیر مجیب الرحمن نے مرزا طاہر کے ایماء پر اس آرڈیننس کے خلاف وفاقی شرعی عدالت میں ایک اپیل دائر کی۔ وفاقی شرعی عدالت کے فل بینچ نے اکیس روز کی سماعت کے بعد 12، اگست 1984ء کو اپیل خارج کرتے ہوئے اپنے فیصلے میں کہا کہ یہ آرڈیننس قادیانیوں کے عقیدے کی آزادی اور انہیں اپنے مذہب پر عمل درآمد سے نہیں روکتا۔ یہ آرڈیننس 1974ء کی آئینی ترمیم کا نتیجہ ہے۔ جس کے ذریعے اسلامی شریعت کی مطابقت میں قادیانیوں اور لاہوریوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا ہے اور جسے قادیانیوں نے بڑی دیدہ دلیری سے مسترد کیا۔ اسلیئے یہ آرڈیننس قادیانیوں کے غیر مسلم قرار دیئے جانے اور ان کے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے کے نتیجے میں ہے۔ قادیانیوں کے دونوں گروپوں نے وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ (شریعت بینچ) میں آئین کے آرٹیکل (F-203) کے تحت اپیلیں دائر کیں جو بعد میں واپس لیے جانے کی بناء پر مسترد کر دی گئیں۔

آئین میں مسلمان کی تعریف خشت اوّل اور آئینی ترمیم اس کی تکمیل ہے

علامہ شاہ احمد نورانی فرماتے ہیں کہ

''چونکہ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے ہم مسلمان کی تعریف آئین میں

شامل کرا چکے تھے۔ یہ مسئلہ تحفظ ختم نبوت کیلئے ہماری آئینی و قانونی نظام کی خشت اوّل تھی۔ پھر قادیانیوں کو کافر و مرتد قرار دینے کی آئینی ترمیم سے اس کی تکمیل ہوگئی۔ بعد ازاں پاسپورٹ اور شناختی کارڈ کے فارم میں مسلمان کیلئے ختم نبوت کے اقرار اور مرزائیوں کے قادیانی ولاہوری گروپ سے برأت کا حلفیہ بیان لازمی قرار دیا گیا۔ اس طرح ناموں کے اشتباہ سے جو قادیانی ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنے مسلم ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ بلکہ مکروفریب سے مسلمانوں میں شامل ہوجاتے تھے۔ اس کا سدباب ہوگیا۔ بعد میں جنرل ضیاء الحق کے دور حکومت میں جداگانہ انتخاب کی طرف پیش رفت ہوئی جو شروع ہی سے ہمارے مقاصد واہداف میں شامل تھا اور قادیانیوں کے ناموں کا اندراج غیر مسلموں کی فہرست میں کرانا قرار پایا۔ سعودی عرب، ملائیشیا، انڈونیشیا اور دیگر مسلم ممالک کی حکومتوں نے قادیانیوں کو غیر مسلموں کا درجہ دینا شروع کیا حتیٰ کہ جنوبی افریقہ کی غیر مسلم عدالت نے بھی اس کی توثیق کی کہ قادیانی مسلم نہیں ہیں۔ قادیانیوں پر مسجد کے نام سے اپنی عبادت گاہ بنانے پر پابندی عائد کردی گئی۔ صدر اور وزیر اعظم کے حلف ناموں میں ختم نبوت کا اقرار لازمی قرار پایا۔ ابھی بہت سے اہداف ہیں جن کا حصول باقی ہے اور الحمدللہ اس کے ضمن میں ہمارا جہاد جاری ہے اور ہم اپنے دینی اہداف کے حصول تک چین سے نہیں بیٹھیں گے۔"

(انٹرویو مولانا نورانی، ملک محبوب الرسول قادری۔ افکار نورانی ص55)

امتناع قادیانیت آرڈیننس کا نفاذ بھٹو کے کام کا عشر عشیر بھی نہیں

جنرل محمد ضیاء الحق کے دور میں جب خوشامدی عناصر نے امتناع قادیانیت آرڈیننس کے نفاذ اور جنرل صاحب کی اسلامی خدمات پر جھوٹی تعریف و توصیف میں ڈونگرے برسائے تو

علامہ شاہ احمد نورانی نے ادیب جاودانی مدیر ماہنامہ مون ڈائجسٹ کو انٹرویو دیتے ہوئے فرمایا

''قادیانیت کے سلسلے میں جو کام بھٹو صاحب نے کیا، موجودہ حکمران قادیانیوں کے خلاف آرڈیننس کے نفاذ کے باوجود اس کا عشر عشیر بھی نہیں کر سکے۔ بھٹو مرحوم کو ایک کریڈٹ یہ بھی جاتا ہے۔ کہ پاکستان کے آئین 1973ء کے آئین سے پہلے کسی آئین میں یہ نہیں لکھا گیا کہ اسلام اس ملک کا سرکاری مذہب ہوگا۔ یہ بات 1973ء کے آئین میں پہلی مرتبہ شامل کی گئی ہے۔ ہر چند کہ اس کا محرک میں تھا۔ مگر کریڈٹ بہر حال بھٹو مرحوم کو جاتا ہے۔ جب میں نے بھٹو کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرائی اور وہ اس کیلئے قائل ہو گئے تو شیخ رشید اور جے، اے، رحیم نے اس کی شدید مخالفت کی۔ جب پیپلز پارٹی کے ان دونوں اکابرین کی مخالفت کے باوجود بھٹو مرحوم نے آئین میں یہ الفاظ شامل کرنے کا فیصلہ کر لیا کہ اسلام پاکستان کا سرکاری مذہب ہوگا........ جے، اے، رحیم اور شیخ رشید کی مخالفت کے باوجود 1973ء کے آئین میں یہ بات شامل کی گئی کہ اس ملک کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا۔ میں نے یہ موقف بھی اختیار کیا کہ آئین میں ''مسلم'' اور ''غیر مسلم'' کو واضح کرنے کیلئے مسلمان کی تعریف اس میں شامل کی جائے۔ جے، اے، رحیم نے اس سلسلے میں بے پناہ مخالفت کی مگر یحییٰ بختیار نے میری تائید کی اور اس طرح 1973ء کے آئین میں مسلمان کی تعریف شامل کر دی گئی۔ 1973ء کے آئین سے پہلے 1956ء اور 1962ء کے آئین دونوں میں یہ باتیں شامل نہیں تھیں۔ ان دونوں میں یہ بات شامل تھی کہ پاکستان اسلامی مملکت ہوگی۔ مگر اسلام کو اس مملکت کا سرکاری مذہب قرار نہیں دیا گیا تھا اور نہ ہی مسلمان کی تعریف کی گئی تھی۔ اگر اسلام کیلئے بھٹو کی خدمات میں ان باتوں

کو پیش نظر رکھا جائے تو آپ خود اندازہ لگالیں، موجودہ حکمرانوں نے اس کے مقابلے میں کیا کیا ہے۔ موجودہ حکمرانوں نے صرف بھٹو کے بنائے ہوئے قانون پر عمل درآمد کرانے کی کوشش کی ہے اور اس میں بھی انہیں خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی۔ قادیانی سر عام کلمہ طیبہ اپنے سینے پر آویزاں کئے پھرتے ہیں اور اب سنا ہے کہ وہ اذانیں دینے کا بھی پروگرام بنا رہے ہیں۔ جنرل ضیاء جس قدر اسلام کا نام لیتے ہیں۔ انہیں تو اس فتنے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چاہیے، وہ ایسا کر سکتے ہیں، ایسا کرنے پر قادر ہیں، مگر انہوں نے کیا کیا ہے؟"

(ماہنامہ مون ڈائجسٹ لاہور جون 1986ئ)

علامہ شاہ احمد نورانی کے نزدیک بھٹو صاحب کے دور حکومت میں اسلامی دفعات اور قوانین کی منظوری کے حوالے سے سب زیادہ کام ہوا۔ اسی وجہ سے آپ بھٹو صاحب کے دور حکومت کو اس پیش رفت کے اعتبار سے بہتر قرار دیتے تھے اور اس حوالے سے بھٹو مرحوم کی خدمات کا بلاتامل تذکرہ فرماتے تھے۔

"بھٹو مرحوم سیکولر قوتوں کے نمائندے اور ذہنی طور پر سوشلسٹ نظریات رکھتے تھے۔ تمام سیکولر اور سوشلسٹ قوتیں ان کے گرد جمع ہو گئی تھیں۔ جیسے شیخ رشید، جے، اے رحیم وغیرہ لیکن جب ہم نے ان سے کہا کہ یہ ریاست اسلام کے نام پر وجود میں آئی ہے اور اسلام اس ملک کا سرکاری مذہب ہوگا۔ شیخ رشید کی مخالفت کے باوجود میں نے جو ترمیم پیش کی بھٹو صاحب نے اسے تسلیم کیا کہ مولانا ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ بھئی اس بچے کا نام رکھو، پاکستان ایک ملک ہے۔ اس کا نام رکھو، اسلامی جمہوریہ پاکستان۔ اس بچے کا مذہب کیا ہے۔ اسلام ہے اور وہ مان گئے۔ یحیٰی بختیار نے بھی اس مسئلے میں ہماری حمایت کی........ اس کے

بعد قادیانیوں کا مسئلہ آ گیا۔ الیکشن میں قادیانیوں سے پیپلز پارٹی کو بہت سپورٹ ملی، وہ تو انہیں اقلیت قرار دینے کو تیار نہیں تھے، لیکن جب میں نے قرارداد پیش کی تو الحمدللہ ان کو ماننا پڑا۔

بھٹو صاحب ایک قومی رہنما تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ملک کیلئے ان کی خدمات بہت ہیں۔ 1973ء کا آئین بنانا، قادیانیوں کا مسئلہ طے کرنا، ایٹمی پروگرام شروع کرنا، اسلام کو سرکاری مذہب قرار دینا، ہیوی کمپلیکس ٹیکسلا اور ایرو ناٹیکل کمپلیکس کامرہ، دفاعی پیداوار کے حوالے سے بہت اہمیت کے حامل ہیں یہ سب بھٹو صاحب کے کارنامے ہیں۔

مجھے یہ باتیں اس لیے یاد ہیں کہ میں ان دنوں پارلیمنٹ کی دفاعی کمیٹی کا رکن تھا۔"

(انٹرویو مولانا نورانی، سنڈے میگزین روزنامہ جنگ 3، مارچ 2002ئ)

انسانی حقوق کی آڑ میں یہودی اور صیہونی مروڑ

انسانی حقوق کی نام نہاد ایجنسیوں ایمنسٹی انٹرنیشنل، اقوام متحدہ کا کمیشن برائے انسانی حقوق وغیرہ، افغانستان، لبنان، پاکستان، عراق جیسے ممالک میں انسانی حقوق کی حالت زار کے بارے میں ان کا رویہ ہمیشہ تعصب پر مبنی رہا ہے۔ اس کے برخلاف یہودیوں اور عیسائیوں کے معاملے میں اخلاقی اقدار اور انسانی حقوق کے بارے میں ان اداروں کا پیمانہ اور ان کے معیارات ہمیشہ مختلف رہے ہے۔ اس کا اظہار قادیانیوں کے بارے میں اقوام متحدہ کے کمیشن برائے انسانی حقوق کی منظور کردہ اس قرارداد سے ہوتا ہے۔ جو اپریل 1986ء میں پاکستان میں انسانی حقوق کے مطالعے کیلئے آئی ہوئی اقوام متحدہ کے کمیشن برائے انسانی حقوق کی نمائندہ مس کیرن پارکر نے پریس سے گفتگو کرتے ہوئے بیان کی۔ جس میں امتناع قادیانیت آرڈیننس کے نفاذ پر گہری تشویش کا اظہار کیا گیا۔ جس کی رو سے اپنے آپ کو احمدی (قادیانی) کہلوانے والوں کو

مسلمانوں جیسا طرزِ عمل اپنانے سے منع کیا گیا تھا اور اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کیلئے سزا تجویز کی گئی تھی۔ اقوام متحدہ کے کمیشن برائے انسانی حقوق کی منظور کردہ اس قرارداد میں حکومت پاکستان سے یہ مطالبہ بھی کیا گیا کہ اس آرڈیننس کو واپس لیا جائے اور حکومت کے ماتحت تمام اشخاص کی بنیادی آزادیوں اور انسانی حقوق کو بحال کیا جائے۔

دسمبر 1986ء میں قانون دانوں کے بین الاقوامی کمیشن کے دورہ پاکستان کی رپورٹ جو کہ اپریل 1987ء میں جینوا سے شائع ہوئی۔ اس میں بھی قادیانی مسئلہ اور قادیانی آرڈیننس 1984ء اور مارشل لاء کے بعد آئینی تبدیلی پر روشنی ڈالی گئی۔ اس رپورٹ میں اس آرڈیننس کو نہ صرف مذہبی آزادی کی خلاف ورزی قرار دیا اور بلا جواز گرفتاری اور نظر بندی کو آزادی کے منافی قرار دیا گیا تھا۔

صیہونی پشت پناہی والے امریکی پریس اور اقتدار کے ایوانوں میں قادیانی مسئلے کو اس وقت بڑی شہرت حاصل ہوئی جب امریکی کانگریس میں پاکستان کی امداد کے حوالے سے بحث چلی۔ قادیانیوں نے باقاعدہ منظم حکمت عملی کے تحت امریکی کانگریس کے ارکان سے رابطہ کر کے ان کو پاکستان کی امداد روکنے کیلئے آمادہ کیا۔ چنانچہ 17، جولائی 1986ء کو امریکی کانگریس کے رکن ٹونی، پی، سرہال نے امریکی ایوان نمائندگان میں قادیانیوں پر کئے جانے والے کے نام نہاد مظالم سے متعلق ایک قرارداد پیش کی۔ اس نے امتناع قادیانیت آرڈیننس پر تنقید کرتے ہوئے حکومت پاکستان سے اسے منسوخ کرنے کا مطالبہ بھی کیا۔ اس نے کہا کہ یہ بات طے شدہ ہے کہ عقیدے کی بناء پر قادیانیوں کو ایک خاص طریقے سے وسیع امتیازی برتاؤ کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ اس نے تجویز پیش کی کہ پاکستان کو 4.2 ارب ڈالر کی امداد روک دی جائے۔

اسی طرح امریکی سینٹ کی سترہ رکنی خارجہ تعلقات کی کمیٹی نے پاکستان کی فوجی اور اقتصادی امداد کیلئے اپنی قرارداد میں جو شرائط بیان کیں۔ ان میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ

"امریکی صدر ہر سال اس مفہوم کا ایک سرٹیفکیٹ جاری کریں گے کہ

حکومت پاکستان اقلیتوں مثلاً قادیانیوں کو مکمل شہری اور مذہبی آزادیاں نہ دینے کی روش سے باز آ رہی ہے اور ایسی تمام سرگرمیاں ختم کر رہی ہے جو مذہبی آزادیوں پر قدغن عائد کرتی ہیں۔"

امریکی سینٹ کی یہ قرارداد قادیانیوں کے خود ساختہ حقوق کی حمایت سے زیادہ ملت اسلامیہ کے دینی تشخص اور مذہبی اعتقادات پر براہ راست اور نا قابل برداشت حملہ تھی۔ حیران کن بات یہ ہے کہ آخر امریکہ اور دیگر حقوق انسانی کے چیمپین اداروں کے پیٹ میں قادیانیوں کے بارے میں مروڑ کیوں ہے۔ کبھی وہ امداد دیئے جانے پر پابندی عائد کرتے ہیں اور کبھی وہ پاکستان میں قادیانیوں پر ہونے والے مبینہ مظالم پر آواز بلند کرتے ہیں۔ حالانکہ خود ان کی سرپرستی دنیا بھر میں اور بالخصوص بوسینیا، چیچنیا، فلسطین، عراق اور افغان مسلمانوں پر امریکی اور صیہونی ظلم وستم پر ان اداروں کی پراسرار خاموشی صاف ظاہر کرتی ہے کہ قادیانیت مغربی استعمار کا خودکاشتہ پودا یا بالفاظ دیگر ایک جاسوس ٹولہ ہے جو نہ صرف پاکستان میں بلکہ پوری دنیا میں مغربی استعمار کے مفادات کی نگہداشت کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج امریکہ اور نام نہاد انسانی حقوق کے ادارے اپنے لے پالک قادیانیت کی حمایت میں کھل کر سامنے آ گئے ہیں۔

تحریک تحفظ ختم نبوت 1974ء اور علامہ شاہ احمد نورانی

محافظ تاج وتخت ختم نبوت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی برصغیر پاک وہند میں تحریک ختم نبوت کے قائدِ آخر ہیں۔ آپ ہی کے ہاتھوں پاکستان کی قومی اسمبلی کے ذریعے اس نوے سالہ فتنے کا اختتام ہوا اور تحریک ختم نبوت جس طرح اپنے منطقی انجام تک پہنچی۔ اس کا احوال آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔

ذیل میں ہم علامہ شاہ احمد نورانی نے اپنی ذہانت، تدبر اور حکمت عملی سے تحریک ختم نبوت 1974ء کو پارلیمنٹ میں اور پارلیمنٹ سے باہر جس طرح منظم کیا، اس کا مختصراً جائزہ لے رہے ہیں۔

علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی تحریک ختم نبوت 1974ء کے حوالے سے فرماتے ہیں

''ہم نے تحریک کو دو محاذوں پر منظم کیا۔ایک پارلیمنٹ کے اندر اور دوسرا پارلیمنٹ سے باہر، بیرونی محاذ پر کام کرنے کیلئے تمام مکاتب فکر کے اتفاق رائے اور اجماع سے ''مجلس عمل تحفظ ختم نبوت تشکیل'' دی گئی۔جس نے ملک بھر میں مسلمانوں کو ایسا منظم کیا اور ایسی فضا پیدا ہوئی کہ حکومت کیلئے اس مسئلے کو نظر انداز کرنا ممکن نہ رہا۔''

(انٹرویو مولانا شاہ احمد نورانی، 1999ء ملک محبوب الرسول قادری، ماہنامہ العلیم ستمبر 2003ئ)

تحریک تحفظ ختم نبوت 1974ء کا پہلا محاذ

علامہ شاہ احمد نورانی پارلیمنٹ اور قادیانی مسئلہ

علامہ شاہ احمد نورانی نے قومی اسمبلی میں قرارداد کا مسودہ پیش کرنے سے قبل ان تمام اراکین اسمبلی سے رابطے کئے اور انہیں اسلام میں عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت و حیثیت سے آگاہ کرتے ہوئے عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کیلئے آمادہ کیا۔آپ نے قادیانیوں کے خلاف قومی اسمبلی میں قرارداد کے پیش کرنے کے بعد سے لے کر قرارداد کی منظوری تک نہایت جانفشانی سے کام کیا۔اس دوران آپ نے قومی اسمبلی کے اجلاسوں میں باقاعدگی سے شرکت کی۔اسمبلی کے اجلاسوں میں قادیانیوں کے خلاف رائے عامہ ہموار کرتے، اراکین اسمبلی کو اعتماد میں لیتے اور حکومتی اراکین کو اسلام میں مسئلہ ختم نبوت کی اہمیت و حیثیت سے روشناس کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں قادیانیوں کی ملک دشمن سرگرمیوں اور ریشہ دوانیوں سے بھی آگاہ کرتے رہے۔آپ فرماتے ہیں کہ

''ہم نے قادیانیت سے متعلقہ جس قدر لٹریچر بھی دستیاب ہوسکا وہ اسمبلی کے ممبروں میں تقسیم کیا۔اس کے علاوہ ہم نے ممبروں سے ذاتی رابطے بھی قائم کئے اور انہیں ختم نبوت کے مسئلے سے آگاہ کیا۔اسمبلی میں ایسے لوگ جو امت کے اس متفقہ فیصلے کے بارے میں مداہنت سے کام لیتے

تھے۔ یا جن لوگوں کے بارے میں ہمیں یقین تھا کہ وہ قادیانی لابی سے متاثر ہیں، ان سے ہم نے رابطہ نہیں کیا۔ کوشش یہی کی کہ جن کا تعلق مرزائیت سے نہیں ہے۔ ان کو ختم نبوت کی اہمیت سمجھا دی جائے۔ قادیانی بھی اس دوران میں اپنا کام کرتے رہے اور مسلمان ممبروں کے ذہن میں شکوک وشبہات پیدا کرتے رہے۔ چنانچہ ایک رکن اسمبلی نے مجھ سے کہا کہ مرزا ناصر کہتا ہے کہ جب کوئی مسلمان فنافی الرسول کے جذبے سے سرشار ہو کر مقام صدیقیت پر فائز ہو جاتا ہے۔ تو اس کیلئے نبوت کی کھڑکی کھل جاتی ہے۔ میں نے یہ سن کر اس ممبر سے کہا یہ کہنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ جب مسلمان مسلسل عبادت سے فنافی اللہ کا درجہ حاصل کر لے تو اس کیلئے الوہیت کی کھڑکی کھل جاتی ہے۔ یہ جواب اس کی سمجھ میں آ گیا۔"

(انٹرویو علامہ شاہ احمد نورانی۔ ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی ماہنامہ ضیائے حرم لاہور دسمبر 1974ء)

ابتدا میں بھٹو صاحب اور پیپلز پارٹی کے متعدد ارکان جن میں جے، اے، رحیم، شیخ رشید، مولانا کوثر نیازی اور عبدالحفیظ پیرزادہ سرفہرست ہیں، علامہ شاہ احمد نورانی کی پیش کردہ قرار داد کے خلاف تھے اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ قومی اسمبلی سے یہ قرارداد منظور ہو۔ وہ مخالفت برائے مخالفت کی بنیاد پر ہر اس بات کی مخالفت کرتے جو علامہ شاہ احمد نورانی کہتے۔ ایسے ہی ایک موقع پر جب متفقہ قرارداد کی تیاری کا کام جاری تھا علامہ شاہ احمد نورانی نے مرزا غلام احمد قادیانی کو کافر اور اس کے تمام ماننے والوں کو خارج از اسلام غیر مسلم اقلیت قرار دیا، تو وزیر قانون عبدالحفیظ پیرزادہ نے مرزا غلام احمد کے نام پر اعتراض کیا اور کہا کہ صرف قادیانی لکھو۔ علامہ شاہ احمد نورانی نے پیرزادہ کی اس بات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور بھٹو صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ بھٹو صاحب میں کہتا ہوں کہ میرے پاؤں کا کانٹا نکالو تو آپ مجھے لوہے کے جوتے بنوا کر دیتے ہیں۔ اس کا کیا فائدہ۔ پہلے کانٹا نکالنا ہوگا۔ چنانچہ آپ کے مضبوط موقف کو دیکھتے ہوئے بھٹو صاحب اور حکومتی ارکان نے آپ کی بات کو تسلیم کر لیا۔

قومی اسمبلی میں جن سیاسی جماعتوں نے علامہ شاہ احمد نورانی کی رہنمائی میں اس تحریک میں حصہ لیا ان میں نیشنل عوامی پارٹی، مسلم لیگ، جمعیت علماء اسلام، (مفتی محمود گروپ) خاکسار پارٹی اور جماعت اسلامی شامل ہیں۔ یقیناً ان تمام سیاسی جماعتوں کو ایک مرکز پر متحد کرنا علامہ شاہ احمد نورانی کا ہی کارنامہ تھا۔ آپ نے قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی اور رہبر کمیٹی کے رکن ہونے کی حیثیت سے اپنی ذمہ داری احسن طریقے سے نبھاتے ہوئے، اس فتنے کو اس کے منطقی و آخری انجام تک پہنچایا۔

علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نے اراکین قومی اسمبلی کے سامنے قادیانی مذہب اور ان کے سامراجی عزائم کو بے نقاب کرنے کیلئے بہت محنت کی، آپ نے قومی اسمبلی میں قادیانیت کو اپنی اصل شکل و صورت اور سامراجی خدوخال کے ساتھ نمایاں کرنے کیلئے اٹارنی جنرل یحییٰ بختیار کو قادیانیوں کے عقائد، ملک دشمن سرگرمیوں اور یہودیوں سے ان تعلقات کے بارے میں اہم ثبوت، نکات اور سوالات کی تیاری میں مدد دی۔ آپ نے مرزا ناصر احمد قادیانی اور صدر الدین لاہوری کے محضر نامے کے جواب میں جو علامہ عبد المصطفیٰ الازہری، مولانا سید محمد علی رضوی اور حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب کے ساتھ مل کر 75 سوالوں پر مشتمل ایک سوالنامہ بھی مرتب کیا۔ اس حوالے سے علامہ شاہ احمد نورانی فرماتے ہیں

> ”اس وقت ساری بحث کے نکات یحییٰ بختیار نے تیار کئے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے بہت محنت کی۔ رات کو دو دو تین تین بجے تک انہوں نے قادیانیوں سے پوچھے جانے والے سوالات تیار کئے۔ ہم ان کو بتاتے تھے کہ قادیانیوں کے یہ عقائد ہیں اور پھر وہ اس سے سوال تیار کرتے تھے۔ اسمبلی میں ہم سب کی طرف سے وہ بات کرتے تھے اور سوال کرتے تھے اور مرزا ناصر جواب دیتا تھا۔ ہم رات کو یحییٰ بختیار صاحب کو نکات لکھ کر دیتے تھے۔ ہمارے ساتھ ظفر احمد انصاری بھی تھے اور عبد الحفیظ پیرزادہ بھی۔ پھر یحییٰ بختیار ان کی چھان پھٹک کرتے کہ یہ

سوال مناسب رہے گا یا نہیں۔ہمیں یہ ثابت کرنا تھا کہ ربوہ دراصل ریاست کے اندر ایک ریاست ہے۔اہم سیاسی پوائنٹ بھی مثلاً پاکستان میں جب پاسپورٹ بنوائیں تو اس پر مہر لگتی ہے کہ سوائے اسرائیل کے تمام ممالک کیلئے کارآمد ہے۔لیکن قادیانی اسرائیل کیسے جاتے ہیں۔ان کا تل ابیب میں ہیڈ کوارٹر ہے اور یہودیوں نے انہیں اجازت دی ہوئی ہے۔اس کے ثبوت کے طور پر ہم نے ''الفضل'' کے تمام پرچے اور ڈاک کے پتے جمع کروا کر یحیٰ بختیار صاحب کو دیئے۔جب انہوں نے مرزا ناصر سے پوچھنا شروع کیا کہ تل ابیب اور اسرائیل کی حکومت سے آپ کا کیا تعلق ہے۔آپ کا وہاں پر دفتر ہے۔تو وہ ان تمام باتوں سے انکار کر گیا۔تو پھر یحیٰ بختیار صاحب نے وہ تمام رسالے اور پتے جو ہم نے ان کو دیئے تھے۔پیش کئے تو اسے ماننا پڑا۔کہ ہاں وہاں پر کچھ لوگ اپنے طور پر کام کر رہے ہیں۔مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ قادیانیوں کے یہودیوں کے ساتھ خصوصی تعلقات ہیں اور یہودیوں نے ان کو پناہ دے رکھی ہے۔جو وہاں کے بسنے والے ہیں۔مقامی عرب باشندوں کو تو مار مار کر نکال رہے ہیں۔لیکن قادیانیوں کو وہاں آباد کیا جارہا ہے۔کئی سو قادیانیوں کو انہوں نے وہاں بسایا ہے۔جنہوں نے وہاں پر عمارتیں حاصل کر رکھی ہیں۔مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے کیلئے یہودی ان کو استعمال کرتے ہیں۔ہم نے یہ بھی پہلو بتایا کہ جب پاکستان بن گیا تو انہوں نے ربوہ میں الگ جگہ لی ہے اور پنجاب کے پہلے گورنر سر فرانسس موڈی نے ان کو ایک آنے گز پر وہ ساری زمین دی جو کئی سو ایکڑ رقبہ پر پھیلی ہوئی ہے۔ظفر اللہ چوہدری اس وقت وزیر خارجہ تھے۔اس پوزیشن کا انہوں نے بھی فائدہ اٹھایا۔ہم نے یہ ساری چیزیں اسمبلی میں ثبوت کے طور پر پیش

کیں۔۔بھٹو صاحب بھی مان گئے اور پیپلز پارٹی نے بھی ہماری مدد کی۔"

(مولانا شاہ احمد نورانی کا ایک تاریخی انٹرویو۔افکار نورانی ص42-41)

علامہ شاہ احمد نورانی تحدیث نعمت کے طور پر فرماتے ہیں کہ

"اگرچہ پاکستان کی پچھلی اسمبلیوں میں علماء رکن رہے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت مجھے نصیب فرمائی اور مجھے کامل یقین ہے کہ بارگاہ شفیع المذنبین ﷺ میں میرے لیے بھی سب سے بڑا وسیلہ شفاعت ونجات ہوگا۔اس دوران متنبی قادیان کے خلیفہ نے پیش کش کی کہ وہ اسمبلی میں پیش ہوکر اپنا موقف پیش کرنا چاہتے ہیں۔ہم نے خوش آمدید کہا،قادیانی اور لاہوری دونوں گروپوں کے سربراہ آئے۔پوری قومی اسمبلی کو خصوصی کمیٹی کی شکل دے دی گئی اور اس کے In Camera اجلاس شروع ہوئے۔جن میں صرف ارکان اسمبلی کو شرکت کی اجازت تھی۔طریقہ کار کے مطابق ہم یعنی علماء کرام اپنے سوالات تحریری شکل میں جناب یحییٰ بختیار صاحب اٹارنی جنرل آف پاکستان کو دیتے تھے اور وہ قواعد وضوابط کے مطابق وہ سوالات کرتے۔ان کا اس مسئلہ میں کردار بلاشبہ بہت جاندار تھا۔ان کے سوالات کے نتیجے میں مرزا غلام احمد قادیانی اور قادیانیت کا دجل وفریب کھل کر اراکین کے سامنے آ گیا اور سب کی غیرت ایمانی جاگ اٹھی اور اب ان کے سامنے دو راستے تھے۔یا تو مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوے کو تسلیم کرکے خود کو اور پوری امت مسلمہ کو غیر مسلم تسلیم کریں اور یا انکار ختم نبوت اور جھوٹے ادعاء نبوت کے سبب مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کو نبی ماننے والے قادیانی گروپ اور مجدد ماننے والے لاہوری گروپ کو کافر و مرتد قرار دیں۔

اس طرح الحمدللہ! پاکستان میں یہ معجزہ خاتم الانبیاء ہم عاجز ونا کارہ غلامان

مصطفی ﷺ کی مساعی اور پوری ملت اسلامیہ پاکستان کی تائید وحمایت اور پارلیمنٹ کے اندر اور باہر تمام مکاتب فکر کے علماء کی بھر پور جدوجہد کے نتیجے میں ظہور پزیر ہوا اور 7، ستمبر 1974ء کو قادیانیوں کو کافر و مرتد قرار دینے کی قرارداد اتفاق رائے سے منظور کرلی گئی۔ اس مہم میں علماء وارا کین کے علاوہ بعض دیگر ارکان مثلاً موجودہ اسمبلی کے اسپیکر جناب الٰہی بخش سومرو کے والد حاجی مولا بخش سومرو، کا کردار بڑا موثر اور مجاہدانہ تھا۔"

(انٹرویو علامہ شاہ احمد نورانی۔ ملک محبوب الرسول قادری 6، اگست 1996)

تحریک تحفظ ختم نبوت 1974ء کا دوسرا محاذ

علامہ شاہ احمد نورانی اور عوامی رابطہ مہم

علامہ شاہ احمد نورانی ہر اہم مسئلے میں مولانا حامد علی خان سے ضرور مشاورت کرتے تھے، تحریک کے دنوں میں مولانا حامد علی صاحب علیل تھے، اسمبلی میں قرارداد پیش کرنے کے بعد مولانا نورانی مشاورت کیلئے ملتان تشریف لائے، آپ کے ہمراہ پروفیسر سیّد شاہ فرید الحق، ظہور الحسن بھوپالی اور دیگر زعماء بھی تھے، اس موقع پر قائد ملت اسلامیہ علامہ شاہ احمد نورانی کا اہلیان ملتان نے فقید المثال استقبال کیا اور حسین آگاہی سے اندرون شہر تک لوگ راستوں کے دونوں اطراف کھڑے ہوکر آپ گل پاشی کرتے رہے اور خیر مقدمی نعرے لگاتے رہے، مولانا حامد علی سے ملاقات میں مولانا نورانی نے قرارداد پیش کرنے اور حکومتی رویئے کے بارے میں مولانا حامد علی خان کا آگاہ کیا اور ساتھ ہی پیپلز پارٹی کی قادیانیت نوازی اور بھٹو کی ہٹ دھرمی کا تذکرہ بھی ہوا، اس موقع پر مولانا حامد علی خان نے فرمایا کہ

"بھٹو ایسے نہیں مانے گا، آپ بھر پور عوامی رابطہ کریں اور حکومت پر عوامی دباؤ بڑھائیں، جب تک باہر سے عوامی دباؤ نہیں ہوگا، بھٹو اور پیپلز پارٹی قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ تسلیم نہیں کرینگے۔"

مولانا حامد علی خان کے مشورے کی روشنی میں علامہ نورانی نے حکومت پر عوامی دباؤ بڑھانے کا فیصلہ کیا اور ملک کے تمام صوبوں میں جمعیت علماء پاکستان اور دیگر ہم خیال جماعتوں کے ساتھ مل کر عوام کو متحرک وفعال کرنے کیلئے تحفظ ختم نبوت کانفرنسوں کا جال بچھا دیا۔

علامہ شاہ احمد نورانی کی کوششوں کی بدولت تحریک ختم نبوت کے بیرونی محاذ کو سرگرم رکھنے کیلئے تمام مکتبہ فکر کے علماء کرام پر مشتمل مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کا قیام عمل میں آچکا تھا اور علامہ سیّد محمود احمد رضوی، علامہ سیّد محمد یوسف بنوری، مجاہد ملت علامہ عبدالستار خان نیازی و دیگر جید علماء کرام مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے پلیٹ فارم سے مجلس عمل کے دستور و منشور کے مطابق تحریک ختم نبوت کو متحرک وفعال رکھے ہوئے تھے۔لیکن اس کے باوجود علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نے 30، جون 1974ء کو قومی اسمبلی میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی قرارداد پیش کرنے کے بعد، 7، ستمبر 1974ء تک قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی اور رہبر کمیٹی کے رکن ہونے کے باوجود عوامی سطح پر تحریک کو مزید منظم اور فعال بنانے کیلئے مجلس عمل کے اجلاسوں میں شرکت کرنے کے علاوہ ملک بھر میں مختلف علاقوں کے مسلسل طوفانی دورے بھی کیے۔اس عوامی رابطہ مہم کے دوران آپ باقاعدگی سے اسمبلی کے اجلاسوں سمیت، خصوصی کمیٹی اور رہبر کمیٹی کے اجلاسوں میں بھی شرکت کرتے رہے۔آپ نے ان دوروں کے دوران کم وبیش چالیس ہزار میل کا سفر طے کیا اور تقریباً ڈیڑھ سو سے زائد شہروں، قصبوں اور دیہاتوں میں عظیم الشان عوامی جلسوں اور تحفظ ختم نبوت کانفرنسوں سے خطاب کرتے ہوئے مسلمانوں کو قادیانیوں کی فتنہ پردازیوں اور شر انگیزیوں سے آگاہ کیا۔اس دور کے اخبارات وجرائد شاہد ہیں کہ علامہ شاہ احمد نورانی قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے کیلئے کس قدر مصروف رہے۔ذیل میں مختصراً دوروں کی تفصیل درج ہے۔

☆ ماہ جولائی میں مولانا حامد علی خان سے ملاقات کے بعد علامہ نورانی نے وہاڑی میں عظیم الشان ختم نبوت کانفرنس میں شرکت کی اور اپنے خطاب

میں حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ تمام گرفتار شدگان کو فوری رہا کرے اور ان کے ساتھ غیر ظالمانہ انسانی رویہ ترک کرے آپ نے اس عزم کا بھی اعادہ کیا مسلمانان پاکستان تحفظ ختم نبوت کیلئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے" اس کانفرنس میں مولانا شبیر احمد ہاشمی، مولانا شیخ الحدیث محمد شریف رضوی اور سی[illegible]ظ الحق شاہ صاحب نے بھی شرکت کی۔"

(کتابچہ۔ تحریک ختم نبوت میں جے یو پی کا پارلیمانی کردار، از خالد محمود قادری)

☆ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نے 15، جولائی 1974ء کو کوئٹہ میں ہونے والے مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے اجلاس میں شرکت فرمائی۔ اس اجلاس میں آپکے علاوہ مولانا غلام علی اوکاڑوی، علامہ سیّد محمود احمد رضوی، مولانا مفتی محمود، مولانا یوسف بنوری، پروفیسر غفور احمد، آغا شورش کاشمیری، مولانا ظفر احمد انصاری، احسان الٰہی ظہیر، نوابزادہ نصر اللہ وغیرہ نے بھی شرکت کی۔"

(تحریک ختم نبوت جلد سوم ص 474)

☆ 31، جولائی 1974ء کو علامہ شاہ احمد نورانی نے قصور میں ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے حکومت کو متنبہ کیا کہ اگر قادیانی مسئلہ حل کرنے میں تاخیر ہوئی تو اپوزیشن قومی اسمبلی کا بائیکاٹ کرے گی اور یہ بائیکاٹ اس بات کی دلیل ہوگا کہ اسمبلی میں کچھ نہیں ہو رہا ہے۔"

(تحریک ختم نبوت میں جمعیت علماء پاکستان کا کردار، از صادق قصوری ماہنامہ لانبی بعدی لاہور 2002ئ)

☆ 4، اگست 1974ء کو علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نے چوک لوہاری مسلم مسجد لاہور میں عظیم الشان ختم نبوت کانفرنس میں شرکت کی اور اس کانفرنس سے خطاب فرمایا۔ آپ کے علاوہ اس کانفرنس میں مفتی

محمود، پروفیسر غفور احمد، چوہدری ظہور الٰہی نے بھی شرکت کی، اور اجتماع سے خطاب فرمایا۔"

(تحریک ختم نبوت جلد سوم ص598)

☆6، اگست 1974ء کو علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نے انجمن طلباء اسلام پاکستان کے جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی میں قادیانیوں کے خلاف ہونے والی کارروائی سے ہم مطمئن ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ یہ مسئلہ تسلی بخش طور پر حل کر لیا جائے گا۔ لیکن اگر ایسا ممکن نہ ہوا اور قوم کی خواہشات اور جذبات کے برعکس کوئی فیصلہ زبردستی قوم پر مسلط کرنے کی کوشش کی گئی تو وہ قومی اسمبلی سے باہر نکل آئیں گے۔ آپ نے پنجاب میں انجمن طلباء اسلام کے سینکڑوں کارکنوں کی گرفتاری کی مذمت کرتے ہوئے ان کی فوری رہائی کا مطالبہ کیا۔"

(تحریک ختم نبوت جلد سوم ص608)

☆12، اگست 1974ء کو مجلس عمل تحفظ ختم نبوت ضلع سرگودھا کے زیر انتظام ختم نبوت کانفرنس میں شرکت کیلئے قافلہ جس میں علامہ شاہ احمد نورانی، علامہ محمود احمد رضوی، مولانا یوسف بنوری، مفتی محمود، نوابزادہ نصر اللہ خان، سیّد مظفر علی شمسی شامل تھے۔ جب لاہور سے روانہ ہوا تو سرگودھا تک ہر شہر میں اس قافلے کا فقید المثال استقبال ہوا۔ بعد نماز عشاء علامہ شاہ احمد نورانی اور دیگر مقررین نے جامع مسجد گول چوک پر ایک عظیم الشان ختم نبوت کانفرنس سے خطاب فرمایا۔"

(تحریک ختم نبوت جلد سوم ص626-631)

☆18، اگست 1974ء کو منڈی مرید کے میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے علامہ شاہ احمد نورانی نے فرمایا کہ قومی اسمبلی کے

95% فیصد ارکان منکرین ختم نبوت کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے حق میں ہیں اور قوی امید ہے کہ انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا جائے گا۔ آپ نے جلسہ گاہ میں موجود لوگوں کو بتایا کہ قومی اسمبلی کی خاص کمیٹی کے روبرو قادیانی لیڈروں پر جرح تسلی بخش طور پر جاری ہے اور انشاء اللہ اس کے اچھے نتائج نکلیں گے۔ آپ نے یہ بھی بتایا کہ دوسرے فریق کی طرف سے وزیر اعظم بھٹو پر زبردست دباؤ ڈالا جا رہا ہے۔ اس لیے وہ قومی اسمبلی کے فیصلے پر اثر انداز بھی ہو سکتے ہیں۔ تاہم ایسی صورت میں عوامی نمائندوں اور عوام کا ردعمل بہت سخت ہوگا۔"

(تحریک ختم نبوت جلد سوم ص 631-626)

☆19، اگست 1974ء کو علامہ شاہ احمد نورانی نے منڈی مرید کے میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ قومی اسمبلی منکرین ختم نبوت کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دے گی۔ کیونکہ اسمبلی کے پچانوے فیصد ممبر اقلیت قرار دینے کے حق میں ہیں۔"

(مضمون تحریک ختم نبوت میں جمعیت علماء پاکستان کا کردار۔ ماہنامہ لانبی بعدی لاہور 2002ء)

☆22، اگست 1974ء کو علامہ شاہ احمد نورانی نے لائل پور میں جامع مسجد گلزار مدینہ محمد پورہ میں عظیم الشان سنّی کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے سواد اعظم کے مطالبات کا اعادہ کرتے ہوئے کہا کہ حکومت قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے اور انہیں کلیدی آسامیوں سے ہٹایا جائے اور ربوہ کو کھلا شہر قرار دیا جائے۔ آپ نے شرح وبسط سے قرآن وحدیث کی روشنی میں قادیانیوں کے سیاسی، سماجی اور اقتصادی بائیکاٹ کو جائز قرار دیا اور کہا کہ بہتر ہے حکومت 7، ستمبر تک قادیانی مسئلہ کا فیصلہ کر دے۔ اگر حکومت نے مسلمانوں کی امنگوں کے خلاف فیصلہ کیا تو مرکزی مجلس عمل 7، ستمبر کے

بعد اپنے اجلاس میں آئندہ کے لائحہ عمل کا تعین کرے گی۔"

(تحریک ختم نبوت جلد سوم ص679)

☆30، اگست 1974ء کو مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے زیر انتظام ملتان میں کنونشن منعقد ہوا۔ اس کنونشن میں علامہ شاہ احمد نورانی، مفتی محمود، نوابزادہ نصر اللہ خان، سیّد مظفر علی شمسی، احسان الٰہی ظہیر وغیرہ نے شرکت کی۔"

☆31، اگست 1974ء جمعیت علماء پاکستان کے سربراہ اور رکن قومی اسمبلی علامہ شاہ احمد نورانی نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ قادیانی مسئلے کو امت مسلمہ کی خواہش کے مطابق حل کر کے شکوک و شبہات دور کرے۔ علامہ شاہ احمد نورانی نے یہ بات بلاک نمبر ۱۲ میں ایک مسجد کا سنگ بنیاد رکھتے ہوئے کہی۔ انہوں نے مجلس عمل کے کارکنوں پر زور دیا کہ وہ پرامن جدوجہد جاری رکھیں۔ آج جب مولانا شاہ احمد نورانی سرگودھا پہنچے تو سرگودھا سے سات میل باہر ان کا شاندار استقبال کیا گیا اور ان کو ٹرکوں، بسوں اور اسکوٹروں پر سوار سینکڑوں افراد کے جلوس کے ساتھ شہر لایا گیا۔ جن لوگوں کو یہ نظارہ دیکھنا نصیب ہوا۔ ان کا کہنا ہے کہ ایسے استقبال کی مثال پاکستان بننے کے بعد سرگودھا کی تاریخ میں نہیں ملتی اور نہ ہی اس سے قبل عوام میں اتنا جوش وخروش دیکھا گیا۔"

☆مولانا شاہ احمد نورانی نے گکھڑ منڈی میں بھی ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ مسلمانوں کی اجتماعی قوت کو ختم کرنے کیلئے یہ پودا کاشت کیا گیا تھا۔ جس کی پاکستان کے سابق حکمران بھی آبیاری کرتے رہے۔ لیکن اب وقت آ گیا ہے اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے۔ انہوں نے کہا قومی اسمبلی کے ارکان کو مرزا ناصر سے براہ راست سوال پوچھنے کی

اجازت نہ تھی۔ بلکہ انہیں پہلے اپنے سوالات لکھ کر اٹارنی جنرل کو دینا پڑتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ مرزا ناصر ہمارے سوالات سے اس قدر بوکھلا اٹھا۔ کہ وہ یہ کہتے سنا گیا کہ میں تنگ آچکا ہوں، سوالات کا سلسلہ کب ختم ہوگا۔ انہوں نے امید ظاہر کی کہ حکومت 7، ستمبر کو اس مسئلہ کو مسلمانوں کی خواہشات کے مطابق حل کردے گی۔"

(تحریک ختم نبوت جلد سوم ص 697-696)

☆ 25، اگست 1974ء کو علامہ شاہ احمد نورانی نے لائل پور کا دورہ کیا اور وہاں ایک عظیم الشان سنی کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ حکومت قادیانیوں کا مسئلہ حل کرتے وقت عوام کے احساسات کا خیال رکھے۔ اگر عوام کا مطالبہ پورا نہ ہوا تو مجلس عمل آئندہ کا لائحہ عمل مرتب کرے گی۔"

(مضمون تحریک ختم نبوت میں جمیعت علماء پاکستان کا کردار۔ ماہنامہ لانبی بعدی لاہور 2002ئ)

☆ 31، اگست 1974ء کو علامہ شاہ احمد نورانی نے سرگودھا میں ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار نہ دیا گیا تو عوام کبھی بھی مطمئن نہیں ہونگے۔ اگر فیصلہ عوامی خواہشات کے مطابق نہیں ہوا تو تحریک چلائی جائے گی۔ ناموس رسالت کی خاطر مسلمان ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار ہیں۔ عقیدہ ختم نبوت کی ہر قیمت پر حفاظت کی جائے گی۔ یہ حکومت اور عوام کے منتخب نمائندوں کی آزمائش کا وقت ہے۔"

(مضمون تحریک ختم نبوت میں جمیعت علماء پاکستان کا کردار۔ ماہنامہ لانبی بعدی لاہور 2002ئ)

☆ یکم ستمبر 1974ء کو لاہور کی بادشاہی مسجد میں مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے زیر انتظام عظیم الشان جلسۂ عام منعقد کیا گیا۔ اس جلسۂ عام میں علامہ

شاہ احمد نورانی صدیقی کے علاوہ حضرت خواجہ قمرالدین سیالوی، صاحبزادہ معین الدین شاہ گولڑہ شریف، علامہ محمود احمد رضوی، مولانا عبدالستار خان نیازی، علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری، مولانا مودودی، نوابزادہ نصراللہ خان، پیر صاحب پگاڑا، مولانا عبداللہ درخواستی، چوہدری ظہور الٰہی، سمیت دیگر علماء و مشائخ نے شرکت کی۔"

رہبر کمیٹی کے ممبر اور رکن قومی اسمبلی علامہ شاہ احمد نورانی نے اپنی تقریر میں کہا کہ منکرین ختم نبوت کو اقلیت قرار دینے کا مطالبہ مجلس عمل کا نہیں بلکہ پاکستان کی عوام کا ہے۔ یہ مطالبہ عالم اسلام کی ان تمام تنظیموں کا ہے جو اپریل میں مکہ مکرمہ میں جمع ہوئی ہیں۔ ہم بھی انہیں غیر مسلم قرار دینے کا مطالبہ اس لیے کر رہے ہیں۔ کہ ان کی جانیں اور مال [redacted] ظ رہیں۔ بصورت دیگر مسلمان منکرین ختم نبوت کے ساتھ ایسا سلوک کریں گے۔ جو عہد ابوبکر صدیق ؓ میں غیر مسلموں کے ساتھ ہوا تھا۔ اگر حکومت اس نازک بات کو نہیں سمجھتی تو پھر نتائج کیلئے تیار رہے۔"

(روزنامہ نوائے وقت لاہور 2، ستمبر 1974ء)

☆6، ستمبر 1974ء کی رات راجہ بازار راولپنڈی کی جامع مسجد میں ایک عظیم الشان جلسہ عام منعقد ہوا۔ جس میں علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی ، مولانا مفتی محمود، پروفیسر غفور احمد، چوہدری ظہور الٰہی سمیت اور متعدد علماء و مشائخ نے شرکت کی۔"

قادیانیوں کے خلاف مناظرے اور تحریری خدمات

علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی گستاخان رسول اور ملت اسلامیہ کے ناسور قادیانیوں سے شدید نفرت کرتے تھے۔ پروفیسر سیّد شاہ فرید الحق بیان کرتے ہیں کہ

"1974ء میں جب ہم تبلیغی دورے پر سرینام پہنچے تو وہاں ایک پروگرام میں سرینام کا ایک قادیانی وزیر بھی آ گیا۔ جس پر آپ نے انتہائی ناگواری اور غصے کا اظہار کیا، جس پر وہ واپس چلا گیا۔"

علامہ شاہ احمد نورانی کی تبلیغی زندگی پر اگر نظر ڈالیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ نے اپنی تمام زندگی قادیانیت کے رد میں گزاری۔ اپنی تبلیغی زندگی کے دوران نیروبی، دارلسلام، ماریشس اور لاطینی امریکہ میں سرینام، گیانا، ٹرینی ڈاڈ وغیرہ میں آپ نے قادیانیوں سے بے شمار کامیاب مناظرے کئے اور وہاں مرزائیوں کا ناطقہ بند کر دیا۔ آپ کا سب سے زیادہ مشہور مناظرہ لندن سے قادیانیوں کے نکلنے والے رسالے اسلامک ریویو کے ایڈیٹر سے ہوا۔ ساڑھے پانچ گھنٹے جاری رہنے والے اس مناظرے میں قادیانی مناظر کو آپ کے ہاتھوں عبرتناک شکست سے دوچار ہونا پڑا اور وہ اپنی کتابیں چھوڑ کر بھاگ گیا۔ دوسرا مشہور مناظرہ نیروبی کے مشہور قادیانی مناظر مرزا مبارک سے ہونا تھا لیکن وہ مناظرے کی مقررہ تاریخ کو مناظرے سے پہلے ہی میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ علامہ شاہ احمد نورانی نے اپنی زندگی میں بہت سے قادیانی مناظروں سے مناظرے کئے اور اللہ اور اس کے محبوب ﷺ کے طفیل آپ کو ہر مناظرے میں فتح حاصل ہوئی اور آپ کے ان مناظروں کی وجہ سے ہزاروں قادیانیوں نے قادیانیت سے تائب ہو کر اسلام قبول کیا۔

علامہ شاہ احمد نورانی نے بے انتہا مصروف زندگی گزارنے کے باوجود عیسائیت اور قادیانیت کے رد میں دو ضخیم کتابیں بھی لکھیں، جن میں

(۱) دی سیل آف پرافٹ (مہر نبوت) انگلش

(۲) جیس کرائسٹ ان دی لائٹ آف قرآن (یسوع مسیح قرآن کی روشنی میں) انگلش

(۳) جیل کے دن جیل کی راتیں (یہ کتاب آپ پر تحریک نظام مصطفی کے دوران اسیری کے دنوں میں حکومتی مظالم کی داستان ہے۔)

ان کتابوں کے علاوہ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نے مختلف قومی اور بین الاقوامی امور

پر آرٹیکل بھی لکھے جو پاکستان کے قومی اخبارات میں شائع ہوئے۔اپنے ان مضامین میں آپ نے اُمت مسلمہ اور بالخصوص پاکستان کو درپیش قومی اور بین الاقوامی مسائل کی نشاندہی اور ان کا مقابلہ کرنے کا لائحہ عمل بھی تجویز کیا۔

مارچ 1973ء میں علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نے اپنے اس تحریری کام کے حوالے سے فرمایا کہ

"افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں کے جذبہ دینی میں کوئی شک و شبہ نہیں لیکن اس کا عملی مظاہرہ کچھ دیر سے ہوتا ہے۔تحریری طور پر ختم نبوت پر انگریزی زبان میں میرے پاس ایک کتاب ہے۔جس میں میں نے ایک سو سے زائد آیات اور تین سو سے زائد احادیث نبوی سے صراحتاً حضور اکرم ﷺ کی ختم نبوت کو ثابت کیا ہے۔لیکن افسوس کتاب طبع نہیں ہو سکی اور نہ ابھی اس کے طبع ہونے کی امید ہے۔اس لیے کہ وہ ضخیم بھی ہے اور اس کی طباعت کے اخراجات بڑھتے جارہے ہیں۔پہلے اس کی طباعت پر پچیس ہزار کے خرچ کا اندازہ تھا۔اب کاغذ کی گرانی کے سبب اسکے اخرجات میں مزید اضافہ ہوگیا ہے۔اس لیے فی الحال اس کی طباعت ممکن نہیں ہے۔"

دوسری کتاب (جو کہ قادیانیوں کے عقیدہ وفات المسیح کے ردّ میں لکھی گئی ہے) اس سلسلے میں لکھی تھی جس کو مرزائی اپنے عقیدے کی بنیاد بتاتے ہیں "حیات مسیح علیہ السلام" اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کو ثابت کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کا دعویٰ کہ میں مسیح ہوں جھوٹ پر مبنی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ظہور ابھی نہیں ہوا ہے۔باہر کی دنیا چونکہ مرزائیوں کے حالات سے بہت کم باخبر ہے اور ان کو دھوکہ دینے کا موقع بآسانی مل جاتا ہے۔اس لیے ضرورت اس بات کی ہے۔

انگریزی اور فرانسیسی میں لٹریچر زیادہ سے زیادہ شائع کیا جائے۔" آخر میں علامہ شاہ احمد نورانی نے پیش کش کی کہ کوئی بھی صاحب خیر مسلمان ان کتابوں کو شائع کرا سکتا ہے۔ مجھے ان کتابوں کا کوئی معاوضہ نہیں چاہیے ،میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ مسلمان قادیانیوں کے عزائم سے آگاہ ہو سکیں۔"

(انٹرویو مولانا نورانی ترجمان اہلسنت مارچ 1973ئ)

افسوس کہ علامہ شاہ احمد نورانی کی مندرجہ بالا تصانیف آج تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہو سکیں۔ پاکستان سمیت دنیا بھر میں ہزاروں مساجد، مدارس، اسلامی مراکز، کالجوں، فلاحی وسماجی اداروں، ڈسپینسریوں، ہسپتالوں کو قائم کرنے والے اور ان کی کفالت کرنے والے علامہ شاہ احمد نورانی اپنی ذاتی کتابوں کو زیور طباعت سے آراستہ نہ کر سکے۔ اس لیے نہیں کہ آپ کے پاس ان کو شائع کرانے کیلئے وسائل نہیں تھے۔ بلکہ یہ آپ کی طبیعت کی عاجزی وانکساری تھی ۔جس نے ان کتابوں کو طباعت کے مرحلے سے دور رکھا۔ اگر آپ حکم فرماتے تو ہزاروں لاکھوں مریدین ان کتابوں کی طباعت میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کرتے۔

تحریک کی کامیابی کا سہرا کس کے سر ہے؟

علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کے قادیانیت کے خلاف پیش کردہ آئینی ترمیمی بل کی متفقہ منظوری سے نوے سالہ قضیہ ختم ہوگیا۔ مسلمانوں کی طویل جدوجہد بفضل تعالیٰ کامیابی سے ہمکنار ہوئی اور مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی ذریت غیر مسلم اقلیت کے طور پر مشخص ہوگئی۔

اس عظیم الشان کامیابی کے بعد کچھ لوگوں نے اس زعم میں کہ ان کے ہاتھ میں قلم ہے وہ جو چاہیں لکھ سکتے ہیں۔ ان کے پاس ذرائع ابلاغ ہیں۔ وہ جو چاہیں چھاپ سکتے ہیں۔ انہیں جو وسائل میسر ہیں اس کے بل پر تاریخ کو بدل کر ایک نئی تاریخ بنا سکتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے سچ کو جھوٹ سے بدل کر ایک نئی تاریخ سازی کی۔ واضح رہے کہ تاریخ کو مسخ کر کے کسی اور کا کام

اپنے لوگوں کے نام منسوب کرنے کا سلسلہ نیا نہیں ہے۔ ماضی کے اوراق کو اگر پلٹ کر تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی مذموم کوششیں تو 1857 کی جنگ آزادی سے جاری ہیں۔ جہاں ایک طرف سواد اعظم اہلسنت کے مجاہدین انگریزوں کے خلاف قوم کی آزادی کی جنگ لڑ رہے تھے اور علماء و مشائخ حق جان و مال اور عزت و آبرو کی قربانیاں دے رہے تھے اور دوسری طرف نام نہاد بالاکوٹ کی تحریک مجاہدین کے باقیات (وہابی دیوبندی) اپنے انگریز آقاؤں کی خوشامد میں لگی ہوئی تھیں۔ ان کی دی ہوئی سندیں اپنے سینوں پر سجا کر افتخار و ابتہاج کی محفلیں منعقد کر رہے تھے۔ اپنی کتابوں کو انگریز گورنروں کے نام منسوب کرنے کے ساتھ ساتھ قرآن و حدیث اور توحید کا نام لے کر انگریزوں کے خلاف کئے جانے والے اس جہاد کی مخالفت میں کتابیں لکھ رہے تھے اور جب وہ اس کام سے فارغ ہوئے تو ان کے قلم نے ان مجاہدین آزادی کے خلاف تاریخ تصنیف کرنا شروع کی۔ کمال ہوشیاری سے انہوں نے جنگ آزادی کے مجاہدین اور شہدا کے خلاف کہانیاں گھڑیں اور انگریزوں کے جاسوسوں کو ان کا دشمن اور جنگ آزادی کا ہیرو ثابت کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ اس مقصد کیلئے انہوں نے تاریخی ماخذات کی تغلیط کی اور من گھڑت کہانیوں کی بنیاد پر ایک جھوٹی تاریخ کی تخلیق کی۔

خدا کی شان کہ آذر، خلیل کہلائیں
دلوں میں اپنے بسائے ہوئے صنم خانے

ہماری تاریخ کا یہ بہت ہی دل گداز پہلو ہے۔ جذبہ حریت سے سرشار آزادی کے وہ جانباز سپاہی جنھوں نے اپنے خون کی سرخی سے ملت کی آزادی کے محضر نامے پر دستخط کئے تھے۔ ابھی ان کے خون کی سیاہی بھی خشک نہ ہونے پائی تھی کہ ان محسنین ملک و ملت کے کارناموں پر خاک اڑائی گئی اور دشمنان ملک و ملت کو ان کے مقابلے میں قوم کا ہیرو بنا کر پیش کیا گیا۔ اس قدر تواتر سے جھوٹ بولا گیا کہ اس پر سچ کا گمان ہونے لگا۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری کہتے ہیں کہ

"مطالعے کے بعد میرا نقطہ نظر بدل گیا۔ میں خود کو مجبور پاتا ہوں کہ ان

معرکوں اور جہاد فی سبیل اللہ پر از سر نو نظر ڈالوں پچھلے پچیس تیس سالوں میں آزادی کے حوالے سے سیّد احمد اور ان کی تحریک کے بارے میں بیشمار کتب و مقالات لکھے گئے۔ ان میں سے بیشتر میں یہ کوشش کی گئی کہ انہیں حلقہ دیوبند سے منسلک کر کے جنگ آزادی کا سب سے بڑا مجاہد ثابت کیا۔ اس کوشش میں حقائق پر ایسے دبیز پردے ڈالے گئے کہ پردہ کے سوا کچھ سامنے نہ رہا۔"

(کتاب امتیاز حق۔ ص159)

گو کہ اس معاملے میں زیادہ قصور احباب اہلسنّت کی بے اعتنائی اور ضرورت سے زیادہ بے فکری کا بھی ہے۔ مگر سچی بات تو یہ ہے کہ آپ باتوں اور تحریروں سے جیسے چاہیں گل بوٹے سجا لیں۔ لیکن جب تک سیرت و کردار نہ ہو سب باتیں نقش برآب اور صدا بصحرا ثابت ہوتی ہیں۔ سچ کو چھپا کر جھوٹ کو تاریخ کا حصہ قرار دینے اور حقائق کی پردہ پوشی کے اس عجیب و غریب ڈرامہ کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔ انگریزوں کے خلاف مسلمانوں کی جنگ آزادی ہو یا تحریک پاکستان، تحریک ختم نبوت 1953ء ہو یا تحریک ختم نبوت 1974ئ، تحریک نفاذ نظام مصطفی ﷺ ہو یا تحریک تحفظ ناموس رسالت ﷺ ہر مقام پر ان تاریخ سازوں نے تحریک کے اصل محرکین اور قائدین کے ساتھ یہی رویہ اختیار کیا ہے۔ لیکن ان کی یہ احسان فراموشی تاریخ کے رخ زیبا کی چمک کم نہ کر سکے گی۔

مثال ایسی ہے اس دورِ خرد کے ہوش مندوں کی
نہ ہو دامن میں ذرہ اور صحرا نام ہو جائے

علامہ شاہ احمد نورانی فرماتے ہیں

"7 ستمبر کو قرارداد کی منظوری کے بعد جب بھٹو صاحب نے قومی اسمبلی میں تقریر کی تو مولانا غلام غوث ہزاروی نے کہا کہ اس مسئلے کے حل کا سہرا بھٹو

صاحب کے سر بندھتا ہے۔ یہ سن کر میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ''سبحان اللہ! سہروں کو شرک و بدعت کہنے والے آج سہرا باندھنے لگے ہیں'' آپ فرماتے تھے کہ ''بعض لوگوں کی فطرت میں خوشامد کا عنصر ہوتا ہے۔ایسے لوگ مادی مفادات کی خاطر ہر دور میں چڑھتے سورج کی پوجا کرتے ہیں۔ ان دودوں نہادوں کی ساری سوچ اسی مقصد کیلئے وقف ہوتی ہے کہ جب اور جس طرح بھی موقع ملے دم ہلاتے ہوئے ''اونچی سرکار'' تک پہنچ جائیں اور خوشامد کر کے اپنے دنیاوی مقاصد حاصل کریں۔ جو لوگ آج قادیانی فیصلے کا کریڈٹ بھٹو صاحب کو دے رہے ہیں۔وہ پاکستان بنانے کا کریڈٹ غالباً ماؤنٹ بیٹن کو دیتے ہونگے کیونکہ ماؤنٹ بیٹن بھی کہا کرتا تھا کہ پاکستان میرے دستخطوں سے وجود میں آیا ہے۔''

(انٹرویو علامہ شاہ احمد نورانی۔ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی ماہنامہ ضیائے حرم لاہور دسمبر 1974ء)

آج کچھ لوگ تحریک ختم نبوت 1974ء کی عظیم الشان کامیابی کا تمام تر کریڈٹ اور سہرا مولانا یوسف بنوری، مفتی محمود اور علامہ شاہ احمد نورانی کی مرتب کردہ قرارداد پر دستخط نہ کرنے والے مولانا غلام غوث ہزاروی (جو خود اس فیصلے کا کریڈٹ بھٹو مرحوم کو دیتے تھے) کے سر باندھنے کی کوشش کرتے ہیں۔اپنی اس کوشش میں یہ نام نہاد محقق بڑی دور دور کی کوڑیاں لاتے ہیں۔ اخبارات کے پورے پورے صفحات سیاہ کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ تحریک ختم نبوت 1974ء کی کامیابی ان متذکرہ افراد کی کوششوں اور کاوشوں کی مرہون منت ہے۔ ہر سال 7، ستمبر کو شائع ہونے والے قومی اخبارات کے وہ خصوصی ایڈیشن ان کی ان نام نہاد کوششوں کے گواہ ہیں۔لیکن حقیقت اس کے بالکل برخلاف ہے۔

واقف نہیں تو اس کے لبوں کو کنول نہ لکھ
الفاظ کو خضاب لگا کر غزل نہ لکھ

اس میں کوئی شک نہیں کہ متذکرہ افراد بھی تحریک ختم نبوت 1974ء میں شامل تھے اور انہوں نے دیگر مکتبہ فکر کے ساتھ مل کر اس تحریک میں حصہ لیا۔لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ تحریک ختم نبوت 1974ء کو اس کے منطقی انجام تک پہنچانے میں اصل کردار علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نے ہی ادا کیا۔آپ نے جس فہم وفراست اور حسن تدبر سے اس تحریک کو پارلیمنٹ کے اندر اور پارلیمنٹ کے باہر عوامی سطح پر منظم کیا اور پیپلز پارٹی کے اراکین اسمبلی سمیت تمام اراکین قومی اسمبلی اور ملک کے وزیر اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو کو قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے والی قرارداد کے حق میں راضی کیا۔وہ صرف آپ کا خاصہ ہے۔اس تمام تفصیل کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔جس سے نہ صرف اس جھوٹے پروپیگنڈے کی کہ تحریک ختم نبوت 1974ء کو کامیابی سے ہمکنار کرانے میں صرف مولانا یوسف بنوری، مفتی محمود وغیرہ کا حصہ ہے قلعی کھل جاتی ہے بلکہ حقیقت حال روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے کا کریڈٹ علامہ شاہ احمد نورانی کو ہی جاتا ہے۔جنہوں نے اس سلسلے میں دن رات مسلسل جدوجہد کی اور آخر کار وہ اس اہم مشن میں کامیاب ہوئے۔بلاشبہ قائد ملت اسلامیہ سپہ سالار اعلیٰ تحریک ختم نبوت 1974ء حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی قابل صد مبارکباد ہیں۔یہاں یہ حقیقت بھی قابل ذکر ہے کہ آپ کی زیر قیادت حسب سابق جمعیت علماء پاکستان کے قائدین، علمائ، کارکنان اور جمعیت سے متعلق عربی مدارس کے طلباء کا پوری تحریک میں نمایاں کردار رہا ہے۔

علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی تحدیث نعمت کے طور پر اس کارنامہ کا اظہار یوں فرماتے تھے کہ ”الحمد للہ ہم نے سخت جدوجہد کے بعد اسمبلی میں اس مسئلے کو حل کرایا۔اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت ہمیں نصیب فرمائی اور مجھے کامل یقین ہے کہ بارگاہ شفیع المذنبین میں میرے لیے یہی سب سے بڑا وسیلہ شفاعت ونجات ہوگا“ مگر آپ نے کبھی بھی اس تاریخ ساز کامیابی کا کریڈٹ خود سمیٹنے کی کوشش نہیں کی۔

علامہ شاہ احمد نورانی کے نزدیک اجتماعی طور پر مسلمانوں کی اس عظیم الشان کامیابی کا

سہرا فدایان ختم نبوت اور شمع رسالت ﷺ کے تمام پروانوں کو نصیب ہوا۔اس میں معزز اراکین قومی وصوبائی اسمبلی، قائدین مجلس عمل تحفظ ختم نبوت، طلباء، سماجی و جماعتی کارکن، جلسوں میں شریک ہونے والے فدایان ختم نبوت عوام، گھروں میں رو رو کر دعائیں کرنے والی مائیں، بہنیں، ہڑتالوں میں ساتھ دے کر مالی ایثار کرنے والے تاجر اور فلک شگاف نعروں سے جذبات کو بیدار کردینے والے مجاہد، غرض جس نے بھی جس طرح تخت وتاج ختم نبوت کی حفاظت میں حصہ لیا اور تند و تیز ہوا میں بھی تحفظ ختم نبوت کا دیا بجھنے نہیں دیا وہ سب ہی شامل ہیں۔

فتنہ قادیانیت کے سدباب میں اکابرین کی محنت و برکت تھی

25 اکتوبر 2000ء کو کنزالایمان سوسائٹی لاہور کے زیر انتظام امام احمد رضا کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے علامہ شاہ احمد نورانی نے فرمایا کہ ”میں نے قومی اسمبلی فلور پر تقریر کے دوران کہا تھا کہ دوقومی نظریہ کی بنیاد امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے رکھی اور اس کی آبیاری اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مولانا شاہ احمد رضا فاضل بریلوی نے کی۔ پھر اسی دوقومی نظریے کو پاکستان کی صورت میں منصۂ شہود پر لانے کیلئے علامہ اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح نے قابل فخر خدمات سرانجام دیں۔آپ نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے کے حوالے سے فرمایا

> ”نوے سالہ فتنہ قادیانیت کا سدباب کرنا اور مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانا میرے اور جمعیت علماء پاکستان کے کارکنوں کے بس میں نہ تھا۔یہ تو ہمارے اکابرین کی محنت و برکت تھی جن میں سرفہرست حضرت امام اہلسنت امام احمد رضا فاضل بریلوی اور تاجدار گولڑہ قطب وقت حضرت پیر سیّد مہر علی شاہ گولڑوی، حضرت پیر سیّد جماعت علی شاہ محدث علی پوری، شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ قمرالدین سیالوی، غزالی زماں رازی دوراں حضرت علامہ سیّد احمد سعید شاہ کاظمی اور ملتان کے بے تاج بادشاہ غازی تحریک نظام مصطفی ﷺ مولانا حامد علی خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں۔“

مہد سے لحد تک زندگی تحفظ مقام مصطفی ﷺ کی جدو جہد سے عبارت ہے

علامہ شاہ احمد نورانی پاکستان میں اصولی سیاست کے علمبردار تھے۔آپ نے کبھی بھی اصولوں پر سمجھوتہ نہیں کیا۔کبھی بھی چور دروازے سے اقتدار میں آنے کی کوشش نہیں کی۔یہی وجہ تھی کہ آپ کے شدید ترین مخالف بھی آپ کا نام احترام سے لیتے تھے۔تحریک پاکستان ہو یا تحریک ختم نبوت، تحریک نظام مصطفی ﷺ ہو یا تحریک بحالیٔ جمہوریت یا آئینی و پارلیمانی بالادستی کی تحریک علامہ شاہ احمد نورانی جدو جہد کے کسی مرحلے میں کبھی پیچھے نہیں رہے۔جب بھی قوم کو ضرورت ہوئی آپ کو ہمیشہ صف اول میں موجود پایا۔آپ نے کبھی کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔کئی بار اصولوں کی خاطر زندگی کو خطرے میں ڈالا لیکن پیچھے ہٹنا گوارہ نہیں کیا اور ہر دور میں حسینی کردار ادا کرتے رہے۔

نہ ڈگمگائے کبھی ہم وفا کے رستے میں
چراغ ہم نے جلائے ہوا کے رستے میں

علامہ شاہ احمد نورانی کے پیش نظر ہمیشہ عالم اسلام کا اجتماعی مفاد، ملک میں نظام مصطفی کا نفاذ، مقام مصطفی ﷺ کا تحفظ اور وطن عزیز پاکستان کا استحکام وسا لمیت رہی۔اس مقصد کے حصول کیلئے آپ نے مختلف مکاتب فکر کے علماء کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا۔لیکن اس اتحاد کے باوجود آپ نے کبھی بھی اپنے عقائد و نظریات کا سودا نہیں کیا۔آپ نے کبھی بھی دیگر مکتبہ فکر کے علماء اور ان کے عقائد و نظریات کو صحیح نہیں کہا۔آپ فرماتے ہیں کہ

''ہم نے کبھی بھی نہیں کہا کہ مولانا مودودی حق پر تھے۔ان کی تحریروں اور باتوں سے اختلاف اب بھی موجود ہے۔ہمارے اشتراک عمل کی وجہ لادینی عناصر، پاکستان کے بدترین دشمنوں بھارت، امریکہ، برطانیہ اور صیہونی و یہودی، اور پاکستان کے اندرونی دشمن قادیانیوں کے خلاف دینی قوتوں کا ایک مشترکہ پلیٹ فارم تھا۔جب ہم متحد ہوئے اور ہم نے دباؤ ڈالا تو مضبوط ترین وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کو بھی ہماری بات ماننا

پڑی۔"

(انٹرویو مولانا نورانی سنڈے میگزین روزنامہ جنگ 3، مارچ 2002ئ)

علامہ شاہ احمد نورانی ایک سچے عاشق رسول اور سنّی العقیدہ مسلمان تھے۔ ہمیشہ ثابت قدمی اور فخر سے اپنے بزرگوں کی نسبت اور ان سے وابستگی کا تذکرہ فرماتے رہے۔

"جہاں تک جمیعت علماء پاکستان کا تعلق ہے تو اس میں کوئی شک وشبہ کی بات نہیں کہ ہمارا تعلق شاہ احمد رضا بریلوی سے ہے اور انہوں نے کتاب و سنّت کی روشنی میں جو کچھ لکھا ہم اپنے لیے اسی کو بہتر تصور کرتے ہیں، لیکن ہم یہ سمجھتے ہیں کہ دین کے فروغ اور ملک کے مفاد میں ہمارا کوئی مقصد آڑے نہیں آنا چاہیے۔"

(انٹرویو مولانا شاہ احمد نورانی، روزنامہ جنگ کراچی اکتوبر 1992ئ)

لیکن اس کے باوجود اہلسنّت وجماعت کے نام نہاد رہنما ہمیشہ آپ کی سیرت و کردار پر انگشت نمائی کرتے رہے۔ جبکہ اس کے برخلاف یہ بات ایک ایسی ناقابل تردید حقیقت ہے کہ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کی ذات اور عظمت و کردار کا اعتراف آپ کے بڑے بڑے مخالفین، عقائد و نظریات کا ہزارہا اختلاف رکھنے کے باوجود کرتے تھے اور آپ کو "قائد ملت اسلامیہ" قرار دے کر آپ کی قیادت کو اپنے لیے باعث سعادت سمجھتے تھے۔ سپاہ صحابہ کے ضیاء الحق القاسمی کہتے تھے کہ

"میں علامہ نورانی کا سب سے بڑا مخالف تھا مگر ان کو قریب سے دیکھا تو حیران و ششدر رہ گیا کہ یہ بہت ہی عظیم انسان ہے یہ پاکستان کا واحد لیڈر ہے جو اپنے نظریہ پر ابتداء سیاست سے اب تک ڈٹا ہوا ہے۔"

انہوں نے بھرے اجلاس میں آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور اپنی تقریر میں آپ کیلئے "میرے مخدوم، میرے قائد جیسے الفاظ استعمال کیے۔"

ممتاز شیعہ رہنما علی غضنفر کراروی "حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کو

حضور خاتم النبیین ﷺ کا ایک معجزہ قرار دیتے۔"

جماعت اسلامی کے امیر قاضی حسین احمد کہتے ہیں کہ

"علامہ شاہ احمد نورانی ایک سچے عاشق رسول تھے۔آپ کا ہر فعل و عمل سنت رسول کے مطابق ہوتا تھا۔آپ اپنے وقت کے سب سے بڑے اور سب سے سچے عاشق رسول تھے۔"

اور ایک سچے عاشق رسول کی زندگی کا ہر پل اور ہر لحہ اپنے محبوب کی اتباع اور پیروی میں گزرتا ہے۔اسی وجہ سے علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کی زندگی کا زیادہ تر حصہ پاکستان اور بالخصوص دنیا بھر میں احیاء اسلام اور تحفظ ناموس رسالت ﷺ کی جدوجہد سے عبارت ہے۔آپ مملکت پاکستان میں نظام مصطفی ﷺ کے نفاذ کے داعی تھے اور آخری دم تک آپ اسلام کی سربلندی، مقام مصطفی ﷺ کے تحفظ کی کوششوں میں مصروف عمل رہے۔

مال و زر جہاں کی تمنا نہیں مجھے
عشق رسول ﷺ میری متاع حیات ہے

1977ء میں علامہ شاہ احمد نورانی نے بھٹو حکومت کی الیکشن میں دھاندلی کے خلاف اٹھنے والی عوامی تحریک کو اپنے حسن تدبر اور فہم و فراست سے تحریک نظام مصطفی ﷺ میں تبدیل کردیا۔تحریک نظام مصطفی ﷺ تحریک پاکستان کے بعد پاکستان کی سب سے بڑی اور کامیاب ترین تحریک تھی۔یہ تحریک پاکستان کو اپنی حقیقی منزل نفاذ نظام مصطفی تک پہنچانے ہی والی تھی۔ کہ جنرل ضیاء الحق نے بیرونی طاقتوں کے اشارے پر اقتدار پر قبضہ کر کے پاکستان کو اس تحریک کے ثمرات سے محروم کردیا۔

1977ء میں جب جنرل محمد ضیاء الحق نے اقتدار پر قبضہ کیا تو ملک کا آئین معطل کردیا۔اسلامی دفعات کی معطلی کی وجہ سے قادیانیوں نے اپنی سرگرمیوں میں اضافہ کردیا۔اس صورتحال میں علامہ شاہ احمد نورانی نے آئین میں اسلامی دفعات کی معطلی پر شدید احتجاج کیا اور فوجی حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ فوری طور پر قادیانیوں کی سرگرمیوں کا نوٹس لے اور آئین کی تمام

اسلامی دفعات کو فوری طور پر بحال کرے۔ چنانچہ آپ کے بھرپور احتجاج پر حکومت کو آئین کی اسلامی دفعات کو بحال کرنا پڑا اور بالآخر امتناع قادیانیت آرڈیننس بھی جاری کرنا پڑا۔

سابق وزیراعظم بے نظیر بھٹو نے جب سیشن کورٹ سے سزائے موت پانے والے دو عیسائی شاتمان رسالت کی سزا پر دکھ کا اظہار کیا اور انہیں رہا کر کے راتوں رات ملک سے باہر بھیج دیا۔ تو علامہ شاہ احمد نورانی نے ان کے اس اقدام کو ملک دشمنی قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ

> ''حکومت نے دو عیسائی گستاخان رسول کو عزت و احترام سے بری کروا کر تحفے تحائف دے کر بیرون ملک بھیج کر محترمہ بے نظیر نے پاکستان میں گستاخی رسول کا راستہ کھول دیا ہے۔ محترمہ نے تو رسول اللہ ﷺ کے گستاخوں کو چھوٹ دے دی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی عزت و حرمت اور بزرگی کے معاملے میں بہت غیرت مند ہے۔ گستاخان رسول کو تحفظ دینے والی حکومت برقرار نہیں رہ سکتی۔ میں پورے یقین سے کہتا ہوں کہ یہ حکومت بہت جلد ختم ہو کر رہے گی۔ گستاخان رسول کو جینے کا حق نہیں دیا جاسکتا اور اس کی توبہ بھی قبول نہیں ہوسکتی۔''

(انجمن نوجوانان اسلام کے ملک گیر دو روزہ کنونشن ملتان سے خطاب)

علامہ شاہ احمد نورانی کا یہ ارشاد اس وقت سچ ثابت ہو گیا جب محترمہ کی اپنی جماعت سے منتخب ہونے والے صدر مملکت فاروق احمد خان لغاری نے آئین کی دفعہ 58-2B کا سہارا لے اپنی ہی جماعت کی حکومت کو برطرف کر کے ایوان سے باہر پھینک دیا۔

1995ء میں جب بے نظیر حکومت نے اپنے یہودی و سامراجی آقاؤں کے ایماء پر قانون توہین رسالت میں ترمیم کرنا چاہی۔ تو علامہ شاہ احمد نورانی کی اپیل پر حکومت کے اس اقدام کے خلاف 27 مئی 1995ء کو ملک گیر پہیہ جام ہڑتال ہوئی۔ اس تاریخی ہڑتال نے ملک میں تحریک نظام مصطفی کی یاد تازہ کر دی اور حکومت کو اپنے بڑھتے ہوئے قدم روکنا پڑے۔ اس موقع پر آپ نے تمام علماء اور آئمہ مساجد کے نام ایک خط بھی جاری کیا جس میں آپ نے اُن کو

اُن کے فرائض منصبی یاد دلائے۔علامہ شاہ احمد نورانی کی ہی کوششوں کی بدولت نواز شریف دور میں گستاخ رسول ﷺ کی سزائے موت کا قانون قومی اسمبلی سے منظور ہوا۔

پاکستان کے دورے پر آئے ہوئے انگلینڈ کے لارڈ پادری نے جب قانون توہین رسالت کی سزائے موت کو معطل کرنے کا مطالبہ کیا تو علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نے فرمایا کہ

''تقریباً پانچ چھ سال کی جدوجہد کے بعد 1990ء کی پارلیمنٹ سے پاس ہوا ہے اور اس قانون کی رو سے کوئی بھی شخص خواہ وہ مسلمان ہو یا عیسائی اس کا تعلق کسی بھی مذہب سے ہو اگر اس نے کسی بھی نبی کی بے حرمتی کی تو اس کیلئے سزائے موت ہے۔مجھے اس بیان پر بڑی حیرت ہے کہ ایک عیسائی ایسا مطالبہ کر رہا ہے۔بلکہ اس کو تو خوش ہونا چاہیے کہ ایک مسلمان ملک میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عزت وحرمت کو اس طرح تحفظ دیا گیا ہے کہ عیسائی بھی اتنا تحفظ نہیں کر سکے۔آرچ بشپ کا اس قانون کو ختم کرنے کا مطالبہ بہت غلط ہے۔اس قانون سے جہاں حضور پر نور ﷺ کے مرتبہ کا تحفظ کیا گیا ہے وہاں دیگر انبیاء ومرسلین کی عزت وحرمت کا تحفظ بھی کیا گیا ہے۔اگر اس قانون کو ختم کیا گیا یا اس کی سزا میں کمی کی گئی تو اس سے گستاخان رسول کو شان رسالت ﷺ میں گستاخی کا موقع مل جائے گا۔وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں گستاخی نہیں کرتے ہیں۔دراصل وہ اس قانون کی منسوخی کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کا جواز پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ہم مسلمان آرچ بشپ کے اس مطالبے کی مذمت کرتے ہیں اور حکومت سے بھی کہتے ہیں کہ وہ اس معاملے میں ہوشیار رہے اور عیسائیوں کی اس سازش کو ناکام بنائے اور اگر حکومت عیسائیوں کے ہاتھ میں کھیلی اور اس قانون میں کسی قسم کی ترمیم کی تو خود مسلمان دین اور مذہب کے مطابق اس سزا کو نافذ

کردیں گے۔"

(ماہنامہ پیام حرم کراچی۔اپریل 2006ء ص 18-9)

12، اکتوبر 1999ء کو جب جنرل پرویز مشرف نے ملک کی باگ دوڑ سنبھالی تو انہوں نے پاکستان کے آئین کو معطل کردیا اور اپنا ایک آئینی پی،سی،او(P.C.O) جاری کیا۔جس میں اسلامی دفعات شامل نہیں تھیں۔علامہ شاہ احمد نورانی نے اس موقعہ پر بھی حکومت سے کوئی سمجھوتہ کرنا مناسب نہیں سمجھا اور فوجی آمروں کے خلاف اپنی جمہوری جدوجہد کی تاریخ برقرار رکھی اور آپ نے شدید احتجاج کرتے ہوئے آئین کی مکمل بحالی، ایل، ایف او کی غیر آئینی حیثیت اور وردی کی مخالفت میں اپنی آواز کو کبھی نیچے نہیں ہونے دیا۔آپ نے تمام مذہبی اور سیاسی جماعتوں سے رابطہ کرکے انہیں اس کے سنگین نتائج سے آگاہ کیا۔آپ نے جمیعت علماء پاکستان اور تحریک فدایان ختم نبوت کے مشترکہ پلیٹ فارم سے ہر ضلع میں کانفرنس کرنے کا اعلان کیا۔آپ نے فرمایا کہ دینی جماعتیں،محب وطن عوام اور عاشقان رسول ناموس مصطفی ﷺ پر حکومت سے کوئی سمجھوتہ نہیں کرینگے۔تل ابیب قادیانیوں کا ہیڈ کوارٹر ہے۔جس کا ناقابل تردید ثبوت میں قومی اسمبلی میں 1974ء میں پیش کر چکا ہوں۔جس کا کوئی جواب اس وقت مرزا ناصر بھی نہیں دے سکا تھا۔قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا فیصلہ ایوان بالا اور زیریں نے متفقہ طور پر طویل بحث کے بعد دیا تھا۔اب کسی کو کوئی اختیار نہیں کہ وہ اس میں کوئی تبدیلی کرسکے۔

آپ نے تحفظ ناموس رسالت کیلئے 19، مئی 2000ء کو ملک گیر ہڑتال کا اعلان کیا۔ جو انتہائی کامیاب رہی اور پورے ملک میں فدایان ختم نبوت نے اس ہڑتال میں حصہ لے کر حکومت کے اس اقدام کے خلاف اپنا احتجاج نوٹ کرایا۔اسی سلسلے میں آپ نے 27، مئی 2000ء کو نشتر پارک کراچی میں ختم نبوت کانفرنس منعقد کرنے کا اعلان کیا اور اہل وطن کے نام ایک کھلا خط بھی جاری کیا۔

آپ نے اس خط میں اہل وطن کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا

"دستور کسی ملک کی اساس ہوتا ہے۔یہ قومی یکجہتی ملکی سا لمیت۔ملی وحدت اور جغرافیائی ونظریاتی سرحدوں کے تحفظ کی ضمانت ہوتا ہے۔یہ کسی قوم کی یکجہتی وسا لمیت کی مقدس دستاویز ہوتی ہے۔یہ پوری قوم کا میثاق اور پیان وفا ہوتا ہے۔پاکستان کی دستوری تاریخ نہایت تلخ ہے........1973ء میں جمہوری طریقہ پر منتخب اسمبلی نے ایک جامع متفقہ پارلیمانی جمہوریت پر مشتمل دستور دیا۔اس منزل کو پانے میں قوم آدھے سے زیادہ ملک گنوا چکی تھی۔اس دستور پر قوم کے تمام منتخب ارکان پارلیمنٹ کے تائیدی وتوثیقی دستخط ثبت تھے اور آج تک تمام تر دستوری تعطل دستور سے انحراف اور عارضی طور پر دستور کو ایک جانب رکھ دینے کے افسوس ناک اقدامات کے باوجود آج بھی ملک کی وحدت، بقا، سلامتی اور بحیثیت ایک قوم اور ملک مل جل کر رہنے کی واحد آئینی وقانونی اساس یہی دستور ہے۔خدانخواستہ اسے چھیڑا گیا یا اس کے حقیقی ڈھانچے کو بدل کر رکھ دیا گیا۔اس میں من مانی ترامیم کرکے اس کی روح کو مسخ کردیا گیا۔اس دینی ملی قومی اور ملکی اساس کو پامال کردیا گیا۔تو پھر خاکم بدہن شاید ہم ملکی وحدت وسا لمیت اور قومی یکجہتی کا آخری موقع بھی گنوا بیٹھیں گے اور پھر قوم بنی اسرائیل کی طرح چالیس سال تک وادی تیہ میں بھٹکتی رہے گی۔یہ منزل آسانی سے ہاتھ نہیں آئے گی۔

لہٰذا ہم متنبہ کرنا اپنا دینی وملی فریضہ سمجھتے ہیں کہ آئین کی مسلمہ اسلامی دفعات کو معطل رکھنے کے بجائے ہمہ وقت نافذ العمل اور ناقابل تنسیخ قرار دے کر P.C.O (عارضی آئین) کا لازمی حصہ بنایا جائے۔ابھی تک ہم ناصح ومشفق کا کردار ادا کررہے ہیں ہم نے نرم سے نرم الفاظ میں حب الوطنی کے جذبے سے سرشار ہوکر اپنی آواز اہل اقتدار تک پہنچانے کی

کوشش کی ہے۔ تاکہ مسلح افواج کا احترام بحیثیت ادارہ قائم رہے۔ ان کا وقار مجروح نہ ہو۔ یہ ہماری خواہش بھی ہے۔ ضرورت بھی اور مجبوری بھی۔ کیونکہ ملک کسی انارکی، ہنگامہ آرائی کا متحمل نہیں ہوسکتا۔

آگے چل کر آپ نے حکومت کو متنبہ کیا کہ وہ ہوش کے ناخن لے اور شمع رسالت ﷺ کے پروانوں کا تقابل حریصان اقتدار اور محرومین اقتدار سے ساتھ نہ کرے۔ وہ دادِ عیش پانے کیلئے جیتے ہیں اور یہ خاتم النبیین، رحمۃ اللعالمین ﷺ کے ناموس پر مر مٹنے کی خواہش میں زندہ ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ عوام اور افواج آمنے سامنے ہوں۔ بلکہ ہماری تمنا ہے کہ ختم نبوت اور ناموس رسالت ﷺ کے تحفظ اور وطن کی بقاء وسا لمیت اور دفاع کیلئے عوام اپنی مسلح افواج کے شانہ بشانہ کھڑے ہوں۔

ہم چیف ایگزیکٹو سے یہ بھی مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ غیر ملکی امداد سے پلنے والی اور اپنے بیرونی آقاؤں کے مفادات کا پرچار کرنے والی (N,G,O) این، جی، او پر اعتماد کرنے اور ان کو اپنا سیاسی اتالیق بنانے کے بجائے ان حساس دینی، ملی اور قومی مسائل میں رہنمائی حاصل کرنے اور پورے ملک کو فکری انتشار میں مبتلا کرنے اور مسلح افواج کی نظریاتی کمٹمنٹ کو موضوع بحث بنانے کے بجائے محب وطن جماعتوں سے رابطہ کریں اور ان کا موقف سنیں۔"

27 مئی 2000ء کو نشتر پارک کراچی میں آپ کی اپیل پر فدایان ختم نبوت کا عظیم الشان جلسۂ عام ہوا۔ علامہ شاہ احمد نورانی نے اس جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"جنرل پرویز مشرف کے ہاتھوں دستور کی معطلی کے بعد قادیانی اپنے آپ کو مسلمان ہونے کا پروپیگنڈہ کرکے ہمارے زخموں پر نمک پاشی کر رہے ہیں۔ ہم عقیدہ ختم نبوت کیلئے سر کٹا سکتے ہیں۔ لیکن کوئی سمجھوتہ نہیں

کر سکتے۔ جس طرح فوج اپنا جعلی سربراہ برداشت نہیں کر سکتی اسی طرح
مسلمان قوم جعلی نبی کبھی برداشت نہیں کر سکتی۔"

حکومت نے مذہبی امور کے وزیر عبدالمالک کانسی کو آپ کے پاس بھیجا۔ آپ نے اس ملاقات میں وزیر موصوف پر واضح فرمادیا کہ ناموس رسالت کا قانون زمین سے نہیں بلکہ آسمان سے اتارا گیا اس میں کوئی تبدیلی برداشت نہیں کی جائے گی۔ چنانچہ حکومت نے حالات کی سنگینی کو دیکھتے ہوئے ایک آرڈیننس جسے P.C.O کا حصہ بنایا گیا جاری کیا۔ اس آرڈیننس میں آئین کی تمام اسلامی دفعات کو شامل کر لیا گیا۔ اس طرح علامہ شاہ احمد نورانی نے ایک مرتبہ پھر حکومت کو مجبور کر دیا کہ وہ ان اسلامی آئینی دفعات کو کبھی بھی معطل اور تبدیل نہیں کر سکتی جن کا تعلق اسلام کے بنیادی عقائد سے ہے۔

اپریل 2001ء میں علامہ شاہ احمد نورانی نے جنرل پرویز مشرف سے ایک ملاقات میں پاکستان ٹی وی سے پیش کئے جانے والے کلچر پر شدید تنقید کی اور انہیں کہا کہ پاکستان ٹی وی ثقافت کے نام پر کثافت پھیلا رہا ہے۔ آپ نے اس ملاقات میں جنرل پرویز مشرف کو قادیانیوں کے بارے میں حقائق سے آگاہ کرتے ہوئے انہیں پاک فوج سے نکالنے مطالبہ کیا۔ آپ نے جنرل صاحب سے کہا کہ

"قادیانی اسلام اور پاکستان کے کھلے دشمن ہیں۔ جہاد کے منکر ہیں۔ ایسے منکرین جہاد کی پاک فوج میں موجودگی اسلامی نقطہ نظر سے جائز نہیں۔ کیونکہ پاک فوج کا نعرہ جہاد فی سبیل اللہ کرنا ہے۔ اسلیئے پاک فوج کو قادیانیوں کے وجود سے پاک کیا جائے۔"

(انٹرویو مولانا نورانی، حامد میر روزنامہ اوصاف اسلام آباد 7، اپریل 2001ئ)

3، مارچ 2003ء کو حمید نظامی ہال نوائے وقت لاہور میں لیکچر دیتے ہوئے علامہ شاہ احمد نورانی نے فرمایا کہ

"1973ء کا دستور متفقہ دستور ہے۔ اس میں پہلی مرتبہ ملک کا سرکاری

مذہب اسلام قرار دیا گیا۔ یعنی حکومت کہے گی کہ وہ مسلمان ہے۔اس طرح اگر اسلام پر کوئی مشکل آئے گی تو اسلام کا دفاع کرنا بھی حکومت کی ذمہ داری ہوگی۔اس طرح اُمّہ کی بہتری کیلئے اقدامات کرنا حکومت کا آئینی فرض ہے۔مگر نہایت افسوس کی بات ہے کہ آج دستور پر عمل نہیں ہو رہا ہے۔تاہم ہمیں جدو جہد کرنی چاہیے کہ مستقبل میں آئین پر عمل درآمد ہو۔آپ نے کہا کہ 1973ء کا آئین مولویوں نے سوشلسٹوں سے بنوایا۔آپ نے کہا کہ آج کل یہ کہنا فیشن بن گیا ہے کہ دینی جماعتوں کا کردار ختم ہو گیا ہے۔لیکن ہم واضح کرنا چاہتے ہیں کہ دینی جماعتیں اتنی بے وقوف نہیں ہیں۔وہ سمجھتی ہیں کہ پاکستان کی سرحدوں پر بھارتی فوج تیار کھڑی ہے۔اس لیے ملک کے اندر امن کی ضرورت ہے۔لیکن جب انتخابی معرکہ آئے گا ہم اپنا زور ضرور دکھائیں گے۔انہوں نے کہا کہ امریکی کانگریس کے نہ جانے پیٹ میں کیا درد ہوا ہے کہ اس نے قادیانیوں کو مسلمان قرار دینے کا مطالبہ کیا ہے۔حالانکہ اگر قادیانی توبہ کر کے اسلام قبول کر لیں تو ہمارے دروازے کھلے ہیں۔قادیانی کوئی دستوری نہیں ایک مذہبی مسئلہ ہے اور مسلم اُمّہ نے سو سال کی جدو جہد کے بعد ان کو غیر مسلم قرار دلوایا ہے۔امریکی کانگریس کو کیا حق ہے کہ وہ پاکستان سے مطالبہ کرے کہ تحفظ ناموس رسالت ﷺ کے قوانین میں ترمیم کی جائے۔قادیانیوں کو مسلمان قرار دیا جائے ....امریکی دراصل ہمارا معاشرہ اور ہماری قومیت بدلنا چاہتے ہیں۔لیکن جس ملک کا بچہ بچہ غازی علم دین شہید بننے کیلئے تیار ہو۔وہاں ایسا کرنا ناممکنات میں سے ہے۔انہوں نے کہا کہ حکومت جو ترامیم تیار کر رہی ہے،وہ غلط ہیں اور کسی فردِ واحد کو آئین میں ترمیم کا حق نہیں دیا جاسکتا۔"

عملی زندگی میں قدم رکھنے کے بعد سے لے کر 11، دسمبر 2003ء کو اپنے وصال تک علامہ شاہ احمد نورانی نظام مصطفی ﷺ کے نفاذ اور مقام مصطفی ﷺ کے تحفظ کی جدوجہد میں مصروف رہے۔ آپ کی دینی و مذہبی اور قومی و بین الاقوامی خدمات اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کیلئے کئی کتابیں درکار ہیں۔ ہم یہاں صرف ایک مختصر تبصرہ درج کر رہے ہیں

"ان کی جمہوریت اور اسلام سے روحانی اور لازوال کمٹمنٹ کا آخری منظر اور دستاویزی ثبوت یہ تھا کہ موت ان کے در دل پر دستک دے رہی تھی اور مولانا جمہوریت کی بحالی اور اسلام کی بقاء کی جنگ لڑ رہے تھے اور وہ بھی تاج و تخت و حکومت و دربار سے۔ مولانا نورانی اپنی زندگی اور اصولی جدوجہد سے ہمیں یہ پیغام دے گئے کہ

ہمیں خبر ہے کہ ہم ہیں چراغ آخر شب
ہمارے بعد اندھیرا نہیں اجالا ہے"

(چراغ آخر شب۔ از نادر شاہ عادل قائد ملت اسلامیہ نمبر مجلہ انوار رضا)

علامہ شاہ احمد نورانی نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ کی رضا اور رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود، عالم اسلام کی یکجہتی اور کفار پر اسلام کے غلبہ و سربلندی کیلئے گزارا۔ آپ فرمایا کرتے تھے مجھے آخرت میں حضرت محمد مصطفی ﷺ کے روبرو پیش ہونا ہے۔ اس موقع پر مجھے شرمندگی نہیں ہوگی کہ میں نے نظام مصطفی ﷺ کی دعوت کو گھر گھر نہیں پہنچائی اور یہ دنیاوی ہار آخرت میں سرکار دو عالم ﷺ سے ملاپ کی ضمانت ہے۔

دہلیز مصطفی ﷺ سے کہاں اٹھ کے جاؤں گا
میرا تو آسرا ہی پیغمبر کی ذات ہے

جناب شاکر حسین خان (ریسرچ اسکالر علام اسلامی جامعہ کراچی) لکھتے ہیں کہ

"بے شک علامہ شاہ احمد نورانی عصر حاضر میں عاشقان مصطفی ﷺ کے سردار ہیں۔ آپ نے مقام مصطفی ﷺ کے تحفظ کیلئے بے پناہ خدمات

سرانجام دیں۔آپ اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔اللہ تعالیٰ جس سے کام لینا چاہے لے لیتا ہے اور عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کیلئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو چنا آپ نے جو کارنامہ سرانجام دیا وہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تھا۔جس کی بدولت آپ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے۔علامہ حافظ خادم حسین طاہر کے بقول" مولانا شاہ احمد نورانی نے فتنۂ قادیانیت کے خاتمے کیلئے جو کردار ادا کیا مجھے یقین ہے کہ قومی اسمبلی میں قادیانیوں کے خلاف قرارداد پیش کرنا بارگاہِ رسالتمآب ﷺ میں ان کیلئے سب سے بڑا وسیلہ اور شفاعت کا ذریعہ ہوگی۔"

(عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کیلئے مولانا شاہ احمد نورانی کی خدمات۔پیام حرم نومبر 2006ء ص26)

5،دسمبر 2003ء کو اپنے آخری دورہ حیدرآباد کے موقع پر مدینہ مسجد سرے گھاٹ میں نماز جمعہ کے ایک اجتماع سے خطاب کے دوران آپ نے حاضرین محفل کو مخاطب کرتے ہوئے اُن سے اس بات کی گواہی طلب کی کہ

"کیا میں نے آپ لوگوں تک نظام مصطفی ﷺ کا پیغام پہنچا دیا۔کیا میں نے اپنی ذمہ داری پوری کردی۔قیامت کے دن اگر اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ پاکستان میں نظام مصطفی ﷺ کے قیام اور مقام مصطفی ﷺ کے تحفظ کیلئے نورانی تو نے کیا کیا تو کیا آپ لوگ میری تائید کریں گے۔"

آج حیدرآباد کی نماز جمعہ کے حاضرین ہی نہیں تمام اہلیان پاکستان اور پوری اُمت مسلمہ اس بات کی گواہ ہے کہ قائد ملت اسلامیہ حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نے اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں چھوڑا۔

یہ حقیقت ہے کہ جسم فانی ہے اور فنا ہو جانے والی چیزوں سے سے خوفزدہ ہونے والے خود بھی فنا ہو جاتے ہیں، بقاء ودوام صرف ان ہی کے حصے میں آتی ہے جن کے ذہن وقلوب صرف اپنے حیّ وقیوم ربّ کے آگے کے آگے جھکتے ہیں۔علامہ شاہ احمد نورانی عشق مصطفی ﷺ کے ہاتھوں

قید ہو کر بازارِ مصطفیٰ ﷺ میں بک چکے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیاوی زندگی میں دنیا کا انہیں کوئی نہ خرید سکا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ ربّ کریم اپنے پیارے حبیب ﷺ کے طفیل اُن کے درجات کو مزید بلند فرمائے اور کل بروز قیامت جب اِس بات کی گواہی طلب کی جائے کہ علامہ شاہ احمد نورانی نے نفاذِ نظامِ مصطفیٰ ﷺ اور تحفظِ مقامِ مصطفیٰ ﷺ کی ذمہ داری پوری کی تو ربّ کریم ہمیں بھی یہ سعادت بخشے کہ اُس وقت اُس جگہ ملت اسلامیہ کے اِس عظیم فرزند اور بطلِ جلیل کیلئے اِس بات کے گواہوں میں شمار کئے جائیں۔ ہمیں کامل یقین ہے کہ اِس گواہی کے طفیل ہم جیسے گناہگاروں کی مغفرت کا سامان بھی پیدا ہو جائے گا۔

(آمین بحرمۃ سیّد المرسلین وعلیٰ وآلہ واصحابہ اجمعین)

''اُس کی الفت میں تو سارا جہاں رویا ہے''

نہ صرف آنکھیں ہیں پرنم بلکہ دل رویا ہے
ہم نے در نایاب ، ملت کا کنول کھویا ہے
جس کی پرواز تھی شاہین کی نظروں سے بلند
اب وہ خاکی شبستان میں جا سویا ہے
جس کی تدبیر و سیاست تھی شبنم سے شفاف
اس کا پس مرگ بھی رحمت نے کفن دھویا ہے
ہے کانوں میں اب تک اس کی تلاوت کی مٹھاس
اس کا آہنگ خطابت بھی یوں گویا ہے
اہل سنّت کے سپوت ہوں گر وقف چمن
ہے وہ صدیوں کی بہار اس نے جو بویا ہے
''آصف''تم ہی نہیں اس کی فرقت میں حزیں
اس کی الفت میں تو سارا جہاں رویا ہے

مآخذ و مراجع

تبیان تفسیر القرآن	علامہ غلام رسول سعیدی
مقالات کاظمی جلد دوئم	علامہ سید سعید احمد کاظمی
مقالات سعیدی	علامہ غلام رسول سعیدی
قادیانی مذہب	پروفیسر الیاس برنی
تاریخ احمدیت	دوست محمد شاہد
ایک عالم ایک سیاستدان	محمد حنیف قیصر
عہد رواں کی ایک عبقری شخصیت	محمد امین نورانی
تحریک تحفظ ختم نبوت اور مولانا شاہ احمد نورانی	ظہور الحسن بھوپالی شہید
نورانی میاں کی تبلیغی مصروفیات	خلیل احمد رانا
مبلغ اسلام علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی	خلیل احمد رانا
نورانی سیاست	جاوید احمد صدیقی
یادوں کے نقوش	صاحبزادہ فیض الرسول نورانی
افکار نورانی	صاحبزادہ فیض الرسول
نورانی	
علمائے اہلسنّت و جماعت لاہور	پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی
تذکرہ اکابر اہلسنّت	محمد عبدالحکیم شرف قادری
تذکرہ علماء اہلسنّت	محمود احمد قادری
علمائے حق اور فتنہ رد قادیانیت	صادق علی زاہد
عقیدہ ختم نبوت اور فتنہ قادیانیت	صادق علی زاہد
مجاہد ملت عبدالستار نیازی (جلد اول، دوئم)	محمد صادق قصوری

اکابر تحریک پاکستان	محمد صادق قصوری
جمیعت علمائے پاکستان 1979~1948	پروفیسر مجیب احمد
عقیدہ ختم نبوت اور فتنہ قادیانیت	ڈاکٹر طاہر القادری
تحفظ ناموس رسالت	ڈاکٹر طاہر القادری
سازشوں کا دیباچہ	رائے محمد کمال
امتیاز حق	راجا غلام محمد
جمیعت علمائے پاکستان ایک ولولہ ایک للکار	رشید احمد رضوی
الشاہ احمد نورانی	غلام سرور نورانی
سچی قیادت	خالد محمود قادری
پندرھویں صدی کا مجدد کون (کتابچہ)	ڈاکٹر نور احمد شاہتاز
فاتح مرزائیت (کتابچہ)	محمد سلیم مست قادری
آفتاب ملت اسلامیہ (کتابچہ)	چودھری حمائت علی
تحریک تحفظ ختم نبوت اور قادیانیت	مولانا فروغ احمد اعظمی مصباحی
تعارف علمائے اہلسنّت	محمد صدیق ہزاروی
انوار علمائے اہلسنّت سندھ	سید محمد زین العابدین شاہ راشدی
تحریک احمدیت یہودی وسامراجی گٹھ جوڑ	بشیر احمد
پاکستان تاریخ وسیاست	ڈاکٹر صفدر محمود
پاکستان کیوں ٹوٹا	ڈاکٹر صفدر محمود
قائداعظم میری نظر میں	مرزا ابوالحسن اصفہانی
علامہ اقبال اور فتنہ قادیانیت	محمد متین خالد
شہیدان ناموس رسالت	محمد متین خالد

اسلام کا سفیر	محمد متین خالد
فتنہ قادیانیت کے خلاف عدالتی فیصلے	محمد متین خالد
ناموس رسالت اور قانون توہین رسالت	محمد اسمٰعیل قریشی
تحریک ختم نبوت 1953ء	مولانا اللہ وسایا
تحریک ختم نبوت 1974ء جلد اول دوئم اور سوئم	مولانا اللہ وسایا
پارلیمنٹ میں قادیانی شکست	مولانا اللہ وسایا
آئینہ قادیانیت	مولانا اللہ وسایا
قادیانیت کا سیاسی تجزیہ جلد اول	صاحبزادہ طارق محمود
ختم نبوت	مفتی محمد شفیع
احتساب قادیانیت جلد دوئم	محمد ادریس کاندھلوی
قادیانی مسئلہ	مولانا مودودی
ناموس محمد کے پاسبان	محمد طاہر عبدالرزاق
محاصرہ قادیانیت	محمد طاہر عبدالرزاق
قادیانی غداروں کی نشاندہی	محمد طاہر عبدالرزاق
مرگ مرزائیت	محمد طاہر عبدالرزاق
عاشقان مصطفٰی کہاں ہیں	محمد طاہر عبدالرزاق
ناموس رسالت کے پاسبان	محمد طاہر عبدالرزاق
جنہیں ختم نبوت سے عشق تھا	محمد طاہر عبدالرزاق
عاشقان مصطفٰی کہاں ہیں	محمد طاہر عبدالرزاق
قادیانیت اسلام اور سائنس کے کٹہرے میں	عرفان محمود برق
تحریک ختم نبوت	آغا شورش کاشمیری

بیس بڑے مسلمان	عبدالرشید ارشد
صراطِ مستقیم	مولوی اسماعیل دہلوی
حیات سید احمد	محمد جعفر تھانیسری
افادات وملفوظات سندھی	عبیداللہ سندھی
برصغیر پاک وہند کی ملت اسلامیہ	ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی
تصانیف اقبال	ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی
انوار اقبال	بشیر احمد ڈار
میری عوامی زندگی	مرزا اسماعیل
میاں افتخار الدین کی تقاریر و بیانات	عبداللہ ملک
1965ء کی پاک وہند جنگ اور میرا موقف	جنرل محمد موسیٰ
سورج بادلوں کی اوٹ میں	مولانا فرید احمد
تلاش حق	ممتاز احمد فاروقی
قائداعظم میری نظر میں	مرزا ابوالحسن اصفہانی
جمعیت اپنے قیام سے اب تک	محمد صدیق خان قادری لائل پور
آل پاکستان سنی کانفرنس رپورٹ	غلام معین الدین نعیمی
تاریخ تمدن انڈونیشیا	شائع کردہ سفارت خانہ انڈونیشیا
مولانا محمد احسن نانوتوی	پروفیسر محمد ایوب قادری
شہاب نامہ	قدرت اللہ شہاب
اقبال کے آخری دو سال	میاں فضل حسین کے خطوط

منیر انکوائری رپورٹ فسادات 1953ئ (نیا ایڈیشن ''نیا زمانہ پبلیکیشنز اور پرانی کاپی)

قومی اسمبلی کی کاروائی کی کاپیاں

اخبارات و رسائل

مجلہ تاریخ و ثقافت پاکستان اکتوبر 1996ء مارچ 1997ء
قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد
ماہنامہ تنظیم اہلسنت اگست 1972ء
ماہنامہ ترجمان اہلسنّت، مارچ 1972ء
ماہنامہ ترجمان اہلسنت کراچی فروری 1973ء
ماہنامہ ترجمان اہلسنت کراچی مارچ 1973ء
ماہنامہ ترجمان اہلسنّت کراچی مئی 1974ء
ماہنامہ ترجمان اہلسنت کراچی اکتوبر 1974ء
ہفت روزہ استقلال لاہور جولائی 1973ء
چٹان لاہور جون 1973ء
ماہنامہ ضیائے حرم لاہور (ختم نبوت نمبر 1974ئ) اور متعدد شمارے
ماہنامہ مینارہ نور کراچی (نومبر 1980ئ)
ماہنامہ احوال و آثار لاہور (دسمبر 1997ئ)
ماہنامہ اردو ڈائجسٹ لاہور ستمبر 1986ء
مون ڈائجسٹ لاہور جون 1986ء
ندائے اہلسنت جنوری 1992ء
ماہنامہ لانبی بعدی لاہور (ختم نبوت نمبر 2002ئ)
ماہنامہ النعیم کراچی (ستمبر 2003ئ)
ماہنامہ لانبی بعدی لاہور (مجاہدین ختم نبوت نمبر 2003)
انوار رضا (قائد ملت اسلامیہ نمبر جنوری 2004ئ)

ماہنامہ کاروان قمر کراچی (امام نورانی نمبر نومبر دسمبر 2004ء)
ماہنامہ الحامد ملتان (جنوری فروری 2004ئ)
ماہنامہ کاروان مصطفی آزاد کشمیر
پیام حرم کراچی (جنوری تا اپریل 2005ئ)
پیام حرم کراچی (نومبر 2005ء تا جنوری 2006ئ)
ماہنامہ پاکستان پوسٹ کراچی (جنوری 2006ئ)
ماہنامہ احوال و آثار لاہور (جون 2000ء)
ماہنامہ احوال و آثار لاہور (ختم نبوت نمبر دسمبر 2000ء)
روزنامہ دی مسلم، جنگ، نوائے وقت، مشرق، امپیکٹ انٹرنیشنل برطانیہ، روزنامہ سعادت لائل پور، وفاق لاہور، پاکستان ٹائمز پنڈی، روزنامہ امروز ملتان، روزنامہ ڈان، دی مارننگ نیوز کراچی، روزنامہ اوصاف اسلام آباد،

قادیانی ماخذ

تبلیغ رسالت جلد چہارم	مرزا غلام احمد قادیانی
تریاق القلوب	مرزا غلام احمد قادیانی
ستارہ قیصر	مرزا غلام احمد قادیانی
انوار الحق	مرزا غلام احمد قادیانی
سلسلہ تصانیف	مرزا غلام احمد قادیانی
نشان آسمانی	مرزا غلام احمد قادیانی
تذکرۃ الشہادتین	مرزا غلام احمد قادیانی
کشتی نوح	مرزا غلام احمد قادیانی
فتح اسلام	مرزا غلام احمد قادیانی
دافع البلاء	مرزا غلام احمد قادیانی
حقیقۃ الوحی	مرزا غلام احمد قادیانی

کلمۃ الفضل	مرزا غلام احمد قادیانی
آئینہ کمالات اسلام	مرزا غلام احمد قادیانی
توضیح المرام	مرزا غلام احمد قادیانی
تجلیات الہیہ	مرزا غلام احمد قادیانی
ضمیمہ براہین احمدیہ	مرزا غلام احمد قادیانی
اعجاز احمد	مرزا غلام احمد قادیانی
حاشیہ انجام آتھم	مرزا غلام احمد قادیانی
تذکرہ مجموعہ الہامات	مرزا غلام احمد قادیانی
مجموعہ اشتہارات	مرزا غلام احمد قادیانی
روحانی خزائین	مرزا غلام احمد قادیانی
سیرت مسیح	مرزا محمود قادیانی
حقیقۃ النبوت	مرزا بشیر الدین محمود قادیانی
سلسلہ احمدیہ	مرزا بشیر احمد قادیانی
سیرت مہدی	مرزا بشیر احمد قادیانی
ہندوستان کے سیاسی مسئلے کا حل	مرزا بشیر الدین محمود قادیانی
انوار خلافت	مرزا بشیر الدین محمود
احمدیت	ظفر اللہ خان قادیانی
سربراہ تحریک احمدیہ	ظفر اللہ خان قادیانی
تاریخ احمدیت	
الفضل کے متعدد شمارے اور فاروق قادیان	